مجموعۂ

رسائلِ امام شاہ ولی اللہؒ

(سیاسی مکتوبات، تذکرہ، سوانح عمری، آپ بیتی، اصول تفسیر نگاری، اصول ترجمہ نگاری
پر مشتمل ومحیط
امام شاہ ولی اللہ محدثؒ کے نادر ونایاب رسائل وکتب کا گرانقدر مجموعہ)

حصہ سوم

ترتیب وتقدیم:

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

مجموعۂ

رسائل امام شاہ ولی اللہؒ

حصہ سوم

ترتیب وتقدیم

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

جملہ حقوق بحق انسٹی ٹیوٹ محفوظ

نام کتاب : مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم
مرتبہ : مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی
قیمت : ۳۰۰
سن اشاعت : یکم جنوری ۲۰۱۴
تعداد : ۵۰۰
کمپوزنگ : ریاض احمد
آئی ایس بی این : 81-901848-6-5
ناشر : شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، مسجد کاکانگر، نزد (این، ڈی، ایم، سی پرائمری اسکول) کاکانگر نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۳

بہ تعاون قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

All Rights Reserved by the Institute

Title : Majmua Rasail-e-Imam Shah Waliullah-III
Editing : Maulana Mufti Ataur Rahman Qasmi
First Edition : 1st Junary 2014
Price : 300
ISBN : 81-901848-6-5
Composing : Riyaz Ahmed

Published by

Shah Waliullah Institute
Masjid Kaka Nagar, Near (N. D. M. C.
Primary School) Kaka Nagar, New Delhi-110 003
Ph. : 011-26953430, Mob.9811740661
website : www.shahwaliullah.com
Email : shahwaliullah_institute@yahoo.in

فہرست کتب

نمبر شمار	کتب		صفحہ
۱۔	مقدمہ	مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی	۵
۲۔	چہل حدیث	امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	۱۱
۳۔	شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات	//	۲۳
۴۔	انفاس العارفین	//	۱۰۹
۵۔	مقدمہ در قوانین ترجمہ	//	۴۸۷
۶۔	دیباچہ فتح الرحمٰن	//	۴۹۹

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ شیخ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیفات وتالیفات کی جدید ترتیب وتدوین کا یہ تیسرا حصہ اصحاب علم ودانش کے سامنے ہے۔ جو ''مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم'' کے نام سے موسوم ہے، بعض دوستوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ اس کا نام ''کلیات امام شاہ ولی اللہ'' رکھا جائے، مگر نہ جانے کیوں، میرا ذہن ''کلیات'' سے کوئی علمی وتحقیقی مجموعہ نہیں بلکہ شعری مجموعہ تصور کر بیٹھتا ہے، حالانکہ اب نثر اور نظم پر مشتمل دونوں طرح کی کتابیں ''کلیات'' کی صورت میں شائع ہونے لگی ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اہم تصنیفات وتالیفات کی ترتیب وتدوین کا کام صد فیصد مفید اور کارآمد ہے، مگر ''مجموعۂ رسائل'' نام رکھنا۔ کچھ ہلکا نام محسوس ہوتا ہے، میں نے کہا کہ مجھے اس سے بھی اتفاق ہے، مگر متبادل نام تو بتایئے انھوں نے ایک اچھا نام بتانے کا وعدہ ضرور کیا تھا۔ مگر اب تک ایفائے وعدہ نہ ہو سکا ہے۔ درآں حالیکہ یہ ''مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم'' بھی اب طباعت کی آخری شکل میں ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ علماء اور دانشوروں کا ایک بڑا طبقہ شاہ صاحب کی نادر ونایاب کتابوں کی ترتیب وتدوین کے کام کو پسند کر رہا ہے، ۷/مئی ۲۰۱۳ء کو شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ایوان غالب میں ''شاہ ولی اللہ اور تصوف'' کے عنوان سے ایک روزہ سیمینار ہوا تھا۔ اور اسی تقریب میں ''مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد اوّل'' کی رونمائی عمل میں آئی تھی، جناب کپل سبل

صاحب مرکزی وزیر مواصلات حکومت ہند نے اس کتاب کی رونمائی کرتے ہوئے کہا کہ میں اس کتاب کی تحقیق واشاعت پر دل کی گہرائی سے مبارکباد دیتا ہوں اور شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے علمی کارنامے لائق ستائش ہیں اور اس کے مرتب مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب بھی لائق مبارکباد ہیں، جوایک معروف عالم دین اور بڑے دانشور ہیں۔

دلّی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے استاذ ڈاکٹر علیم اشرف خان نے مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد اوّل پر اپنا کلیدی مقالہ پیش کیا اور اس کتاب کے مختلف پہلوؤں کا معروضی جائزہ پیش کیا، جسے سامعین نے بے حد پسند کیا اور ان کے پُر مغز مقالہ کو بغور سنا۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے کام کی ستائش کی، جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ یہ میرے پرانے دوست اور ایک مخلص انسان ہیں، مولانا ڈاکٹر خلیل الرحمٰن راز اور مولانا عقیدت اللہ قاسمی صاحب نے بھی مقالہ تحریر فرمایا تھا لیکن ہم لوگ ان کے مقالوں سے استفادہ نہ کر سکے جس کا افسوس ہے۔

مسجد فتح پوری کے شاہی امام وخطیب اور مشہور عالم دین حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی مکرم احمد صاحب نے بھی اپنے خطاب میں غیر معمولی حیرت واستعجاب کا اظہار کیا کہ اس مجموعہ میں حضرت شاہ صاحب کے وہ نادر ونایاب رسائل وکتب شامل ہیں، جن کے نام آج تک سنتے تھے اور ان کے اقتباسات ہی پڑھتے آئے تھے، آج ان کتابوں کو براہِ راست پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے کتاب کے بارے میں مزید اپنے وقیع خیال کا اظہار فرمایا، جس سے مجھے مزید تحقیقی کام کرنے کا حوصلہ ملا ہے، اللہ ایسی دعا گو شخصیتوں کو صحیح وسلامت رکھے۔

اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے سربراہ پروفیسر اختر الواسع صاحب نے کہا کہ مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس گرانقدر مجموعۂ رسائل کو بڑے قرینے وسلیقے سے مرتب کیا ہے اور ہمیں مطالعہ کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اس کا مختلف زبانوں میں خصوصیت سے انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہونا چاہئے تاکہ شاہ صاحب کے آفاقی فکر کو عام کیا جاسکے۔

دلی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے سابق صدر پروفیسر شریف حسین قاسمی صاحب نے شاہ صاحب کی فارسی خدمات اور اس خانواہ کے قرآنی تراجم کا ذکر اپنے والد مولانا اخلاق حسین قاسمی

مرحوم کے حوالے سے کیا اور اس کی ترتیب واشاعت پر مبارکباد دی۔ اور خاندان ولی اللہی کی فارسی خدمات کا مؤثر ذکر کیا۔

یونانی کونسل کے ڈائریکٹر جنرل پروفیسر سید شاکر جمیل صاحب نے بھی اس مجموعے کی ترتیب واشاعت پر خوشی کا اظہار کیا اور تصوف کی معنویت وافادیت پر روشنی ڈالی، پروفیسر سید شاکر جمیل صاحب نہ صرف فن طبیب کے ماہر ہیں بلکہ تصوف کے رمز شناس بھی ہیں۔

جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے استاذ ڈاکٹر اخلاق احمد آہن نے بھی ہمعات، سطعات، لمعات، خیر کثیر اور الطاف القدس کا معروضی جائزہ لیا اور مع عربی وفارسی متون شائع کرنے کا قیمتی مشورہ دیا۔ جس پر آئندہ عمل کیا جائے گا۔

جماعت اسلامی ہند کے سکریٹری مولانا رفیق احمد قاسمی صاحب نے بھی اس کتاب کی تحقیق وتدقیق اور اشاعت کی داد دی اور خوشی کا اظہار کیا، ان کے علاوہ دوسرے اصحاب علم ودانش نے بھی اس تحقیقی کام کو پسند کیا اور سراہا ہے، جو میرے لئے باعث افتخار واعزاز ہے۔

میں ان تمام اصحاب علم اور دانشوران ملت کا شکرگزار ہوں کہ اس مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد اول کی تقریب رونمائی میں میری حوصلہ افزائی کی اور اپنی اپنی قیمتی تجویزوں اور مشوروں سے مجھے نوازا ہے۔

اس تقریب میں اکثر اصحاب علم کی رائے تھی کہ حضرت شاہ صاحب کی کتابوں کے اردو تراجم کے ساتھ عربی وفارسی متون بھی شائع کئے جائیں، یہ تجویز بادی النظر میں بہت معقول ومناسب تھی۔

شروع میں میری بھی رائے تھی کہ عربی، فارسی متون بھی شائع کئے جائیں لیکن ضخامت وطوالت کے خوف واندیشہ سے یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا تھا۔ جس کا مجھے خود بھی قلق وصدمہ ہے۔

لیکن آئندہ میری کوشش ہوگی کہ شاہ صاحب کی جملہ عربی وفارسی تصنیفات کو صحت املاء، تحقیق وتنقیح، تقدیم اور حواشی کے ساتھ شائع کی جائے اور ان کے علمی فیض کو عام کیا جائے۔ البتہ شاہ صاحب کی کتابوں کو انگریزی اور دوسری زبانوں میں بھی منتقل کرنیکی سخت ضرورت ہے۔ مجھے حلقۂ جامعہ کے مشہور عالم اور مولانا عبید اللہ سندھی کے فیض یافتہ مولانا جمال الدین اعظمی صاحب مرحوم

سابق استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے بتایا تھا کہ مولانا عبید اللہ سندھی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے دوران اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ارتداد وزندقہ کا سیلاب جو امریکہ اور یوروپ سے آرہا ہے، اس کا انسداد صرف فلسفہ ولی اللّٰہی سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شریعت کے اسرار ورموز کی تفہیم اور مقاصد شریعت کی تعبیر وتشریح جس جامعیت کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کے یہاں ملتی ہے وہ امت کے کسی اور عالم دین کے یہاں نظر نہیں آتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے نہ صرف قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے درمیان تطبیق واعتدال کی راہ نکالی ہے، بلکہ تصوف وسلوک کے بھی مختلف مسالک ومکاتب فکر کے مابین بھی تطبیق وتوفیق پیدا کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا اصل تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے امت کے اندر اتحاد واتفاق اور اعتدال کی راہ ہموار کی ہے اور اختلاف وانتشار اور فرقہ بندی وتخرب پسندی سے دور رہنے کی ترغیب دلائی ہے، جو آپ کا تجدیدی مقام ہے۔

اس ''مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم'' میں حضرت شاہ صاحب کی متعدد رسائل وکتب شامل ہیں۔ حدیث اربعین، مکاتیب، انفاس العارفین، المقدمہ فی قوانین الترجمہ اور دیباچہ فتح الرحمٰن وغیرہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

حدیث اربعین یہ ۴۰ حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ چہل حدیث کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسکے پیش نظر ہر محدث اور ہر عالم دین کی خواہش ہوتی ہے کہ چہل حدیث اپنی یادگار چھوڑ جائے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے بھی اربعین (چہل حدیث) مرتب کی ہے، اس کا پہلا اردو ترجمہ ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء میں مطبع احمدی کلکتہ سے شائع ہوا تھا، جس کے مترجم سید عبداللہ مرحوم تھے، جو سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے۔ اس کا دوسرا ترجمہ مع حواشی لکھنؤ کے مشہور ناشر محمد مصطفیٰ خان مرحوم نے اپنے مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں شائع کیا تھا۔ پھر اس کا تیسرا ترجمہ ماہنامہ الرحیم (حیدرآباد) پاکستان سے مئی ۱۹۶۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ جس کے مترجم ومحشی مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب تھے۔ مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب کے ترجمہ اور حواشی کو سامنے رکھتے ہوئے مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم نے نہایت ہی سلیس وشستہ اور بامحاورہ ترجمہ اور حواشی قلمبند کیا تھا۔

صدق جدید بک ایجنسی لکھنؤ نے ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں شائع کیا تھا، مولانا عبدالماجد دریابادی کا عمدہ اور لاجواب ترجمہ مع مفید حواشی اس مجموعہ میں شامل کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب کے سیاسی مکتوبات

یہ حضرت شاہ صاحب کے چالیس سے زائد فارسی سیاسی مکتوبات کا اردو زبان میں شاہکار ترجمہ ہے۔ جسے حضرت شاہ صاحب نے امراء و سلاطین اور مشائخ تصوف کے نام لکھا ہے۔ جس کے مترجم و شارح پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب مرحوم ہیں اور اس کے ناشر ندوۃ المصنفین دلی ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے استفسار پر مولانا ابوالکلام آزاد نے ان خطوط کی زبان و بیان اور معیار و اسلوب کو دیکھتے ہی فرمایا کہ میرے بھائی: یہ حضرت شاہ صاحب ہی کے خطوط ہیں۔

پروفیسر نظامی نے حضرت شاہ صاحب کے سیاسی مکتوبات کو مولانا آزاد کے نام معنون کیا ہے جو سیاست، ثقافت اور تصوف سے متعلق ہیں اور بڑے ہی اہم ہیں۔

انفاس العارفین: حضرت شاہ صاحب کے مختلف رسائل و کتب کا مجموعہ ہے جس میں دو رسالے بوارق الولایہ اور شوارق المعرفۃ بڑے اہم ہیں، اوّل الذکر میں حضرت شاہ صاحب کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم محدث اور آخر الذکر میں چچا شیخ ابوالرضاء محمد کے حالات، ملفوظات اور کشف و کرامات بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح الامداد فی مآثر الاجداد میں شاہ صاحب کے خاندانی بزرگوں کے حالات زندگی **عطية الصمدية في انفاس المحمدية** شیخ محمد پھلتیؒ کے حالات زندگی اور **النبذة الابريزيه** میں حضرت شاہ صاحب کے جد امجد شاہ عبدالعزیز شکر بار دہلویؒ کے حالات زندگی اور اوصاف و کمالات بیان ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں دو رسالے اور بھی شامل ہیں ان میں انسان العین فی مشائخ الحرمین اور دوم الجز اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ہے۔ اول الذکر حضرت شاہ صاحب کے مشائخ حرمین کے مختصر حالات زندگی اور کمالات عمل پر محیط ہے اور آخر الذکر حضرت شاہ صاحب کے خودنوشت حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

انفاس العارفین کے فاضل ترجمہ نگار محمد فاروق القادری صاحب ہیں۔ اس کی پہلی اشاعت مطبع احمدی دہلی میں ہوئی تھی اور دوسری مرتبہ مطبع مجتبائی کی اشاعت ۱۳۳۴ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کی طباعت کہاں کہاں ہوئی، اس کی تفصیل نہیں ملتی ہے، مگر اس کے ایک عرصہ بعد

اس کی اشاعت مکتبہ الفلاح دیو بند سے ہوئی ہے جس میں کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ مخمور عثمانی مرحوم نے اس کی اشاعت کا انتظام کیا تھا۔

المقدمہ فی قوانین الترجمہ: حضرت شاہ صاحب کا ایک مختصر فارسی رسالہ ہے جو فن ترجمہ نگاری اور طریقۂ ترجمہ نگاری کے موضوع پر ہے۔ اس کا فارسی مخطوطہ خدا بخش لائبریری میں موجود ہے، جس کے پہلے ترجمہ نگار مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی تھے۔ آپ کا کیا ہوا ترجمہ قسط وار ماہنامہ البرہان میں چھپتا رہا ہے۔ اس کے بعد مولانا مشتاق احمد تجاروی صاحب نے اردو ترجمہ کیا۔ یہی ترجمہ شامل مجموعہ ہے۔

دیباچہ فتح الرحمٰن: حضرت شاہ صاحب نے قرآن کریم کا فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن کے نام سے کیا ہے۔ فتح الرحمٰن کے شروع میں دیباچہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ اس دیباچہ میں ترجمہ کرنے کی تحریکات اور اس کے اسباب پر تفصیلی بحث کے ساتھ اصول ترجمہ نگاری اور اس کے آداب وخصوصیات پر بحث کی ہے اور المقدمہ فی قوانین الترجمہ اور دیباچہ فتح الرحمٰن دونوں میں ترجمہ نگاری کے اصول وضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جدید اسلوب ترجمہ نگاری سے کس قدر باخبر ہیں اور ان کی نزاکتوں اور باریکیوں سے کما حقہ آگاہ ہیں۔ مقدمہ فی قوانین الترجمہ کو ترجمہ نگاری کے باب میں ایک اہم اضافہ تصور کرنا چاہئے۔ اس کو دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں شامل کرنا چاہئے تاکہ طلبہ ترجمہ نگاری کے اسلوب وطریقہ سے واقف ہوسکیں۔ اس مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوم کی اشاعت کے بعد شاہ ولی اللہ کی معرکۃ الاراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی ترتیب واشاعت زیر غور ہے۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی اس کی چوتھی جلد منظر عام پر آجائے گی اور قارئین اس سے استفادہ کریں گے۔ اخیر میں عزیزی عتیق الرحمٰن سلمہ کے لئے دعا گو ہوں کہ وہ اپنی تمام تر تعلیمی مصروفیات کے باوجود تھوڑا بہت وقت علمی کاموں کے لئے نکال لیتے ہیں اور میری معاونت کرتے ہیں۔ اللہ انکو صحت وعافیت سے رکھیں۔

عطاء الرحمٰن قاسمی

چیرمین

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ

چہل حدیث

یعنی

امام شاہ ولی اللہؒ کی ''اربعین''

ترجمہ

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

اَمَّا بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ فَھٰذِہٖ اَرْبَعُوْنَ حَدِیْثًا مُسْنَدَۃً بِالسَّنَدِ الصَّحِیْحِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُبَانِیْھَا یَسِیْرَۃٌ وَمَعَانِیْھَا کَثِیْرَۃً لِیَدْرِسَھَا رَاغِبُ خَیْرٍ رَجَآءَ اَنْ یُدْخَلَ فِیْ زُمْرَۃِ الْعُلَمَاءِ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَاءُ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا فِیْ اَمْرِ دِیْنِھَا بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فَقِیْھًا وَکُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شَافِعًا وَشَھِیْدًا قَالَ الْفَقِیْرُ وَلِیُّ اللّٰہِ عُفِیَ عَنْہُ شَافَھَنِیْ اَبُوالطَّاھِرِ الْمَدَنِیُّ عَنْ اَبِیْہِ الشَّیْخِ اِبْرَاھِیْمَ الْکُرْدِیْ عَنْ زَیْنِ الْعَابِدِیْنَ عَنْ اَبِیْہٖ عَبْدِالْقَادِرِ عَنْ جَدِّہٖ یَحْیٰی عَنْ جَدِّہٖ الْمُحِبِّ عَنْ عَمِّ اَبِیْہِ اَبِیْ اَیْمَنٍ عَنْ اَبِیْہٖ شِھَابِ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْہٖ رَضِیِّ الدِّیْنِ عَنْ اَبِی الْقَاسِمِ عَنِ السَّیِّدِ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَنْ وَالِدِہٖ اَبِی الْحَسَنِ عَنْ وَالِدِہٖ اَبِیْ طَالِبٍ عَنْ اَبِیْ عَلِیٍّ عَنْ وَالِدِہٖ مُحَمَّدٍ زَاھِدٍ عَنْ وَالِدِہٖ اَبِیْ عَلِیٍّ عَنْ اَبِی الْقَاسِمِ عَنْ وَالِدِہٖ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَنْ وَالِدِہٖ الْحُسَیْنِ عَنْ وَالِدِہٖ جَعْفَرَ عَنْ اَبِیْہٖ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ اَبِیْہٖ زَیْنِ الْعَابِدِیْنَ عَنْ اَبِیْہِ الْاِمَامِ الْحُسَیْنِ عَنْ اَبِیْہٖ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

حمد الٰہی اور درود مصطفائی کے بعد عرض ہے کہ یہ چالیس حدیثیں ہیں سند صحیح کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند۔ ان کے لفظ تھوڑے ہیں اور معنی بہت (۱) تاکہ انھیں پڑھے خیر کا شائق، اس امید کے ساتھ کہ وہ طبقۂ علماء میں شامل کرلیا جائے (۲) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کے بموجب کہ جس نے یاد رکھیں میری امت کے واسطے چالیس حدیثیں امت کے دین کے بارے میں تو اللہ اسے اٹھائے گا فقیہ کی حیثیت سے اور میں اس کی طرف سے شافع اور گواہ ہوں گا قیامت کے دن (۳)۔ کہتا ہے فقیر ولی اللہ عفی عنہ کہ میرے سامنے روایت کی ابوطاہر مدنی نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردیؒ سے اور انھوں نے (۴) زین العابدین سے اور انھوں نے اپنے والد عبدالقادر سے اور انھوں نے اپنے دادا یحییٰ سے اور انھوں نے اپنے دادا محبؒ سے اور انھوں

نے اپنے باپ کے چچا ابی ایمن سے اور انھوں نے اپنے والد شہاب احمد سے اور انھوں نے اپنے والد رضی الدین سے اور انھوں نے ابوالقاسم سے اور انھوں نے سید ابو محمد سے اور انھوں نے اپنے والد ابوالحسن سے اور انھوں نے اپنے والد ابو طالب سے اور انھوں نے ابو علی سے اور انھوں نے اپنے والد محمد زاہد سے اور انھوں نے اپنے والد ابو علی سے اور انھوں نے ابوالقاسم سے اور انھوں نے اپنے والد ابو محمد سے اور انھوں نے اپنے باپ حسین سے اور انھوں نے اپنے والد جعفر سے اور انھوں نے اپنے والد عبداللہ سے اور انھوں نے اپنے والد زین العابدین سے اور انھوں نے اپنے والد امام حسینؓ سے اور انھوں نے اپنے والد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے کہ انھوں نے کہا (۵) کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

۱۔ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ	شنیدہ دید کے برابر نہیں۔ (۶)
۲۔ وَبِهِ الْحَرْبُ خُدْعَةٌ	اور اسی سند سے (۷)۔ جنگ تو دھوکے کا نام ہے۔ (۸)
۳۔ وَبِهِ الْمُسْلِمُ مِرْآةُ الْمُسْلِمِ	ایک مسلم دوسرے مسلم کا آئینہ ہے۔ (۹)
۴۔ وَبِهِ الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ	جس سے مشورہ کیا جائے اُسے امانتداری لازم ہے۔ (۱۰)
۵۔ وَبِهِ الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ	نیک کام کا بتانے والا بھی اس کے کرنے والے کے برابر ہے۔ (۱۱)
۶۔ وَبِهِ اِسْتَعِينُوا عَلَى الْحَوَائِجِ بِالْكِتْمَانِ	ضرورتوں میں مدد چاہو چھپا کر۔ (۱۲)
۷۔ وَبِهِ اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ	دوزخ سے بچو آدھے چھوہارے ہی سے سہی۔ (۱۳)
۸۔ وَبِهِ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ	دنیا قید خانہ ہے مومن کا اور جنت ہے کافر کی۔ (۱۴)
۹۔ وَبِهِ الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ	حیا سرتا سر خیر ہی ہے۔ (۱۵)

۱۰۔ وَبِه عِدةُ الْمُؤمِنِ كَاَخذِ الْكَفِّ	مومن کا (زبانی) وعدہ اس کے ہاتھ مارنے کے برابر ہے۔ (۱۶)
۱۱۔ وبه لا يحلُّ لِمُؤمِنٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخاهُ فَوْقَ ثلٰثة اَيَّامٍ	جائز نہیں کسی مومن کو کہ وہ چھوڑے اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ۔ (۱۷)
۱۲۔ وبِه لَيْسَ مِنَّا مَنْ غشَّنا	وہ ہم میں سے نہیں جو ہم سے خیانت کرے۔ (۱۸)
۱۳۔ وبه ما قلَّ وَ كَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى	جو چیز ہو تو تھوڑی، مگر کافی ہو جائے، وہ بہتر ہے اس سے جو ہو تو بہت مگر غفلت میں ڈال دے۔ (۱۹)
۱۴۔ وَبِه الرَّاجِعُ فِیْ هِبَتِه كَالرَّاجِعُ فِیْ قَيْئِه	دی ہوئی چیز کا پھیر لینے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے کو چاٹ جانے والا۔ (۲۰)
۱۵۔ وبِه الْبَلاءُ مُوَكَّلٌ بالْمَنطِقِ	مصیبت تو مقرر ہے بولنے ہی پر۔ (۲۱)
۱۶۔ وبِه النَّاسُ كَاَسْنَانِ الْمُشْطِ	انسانوں کی مثال کنگھی کے دندانوں کی ہے۔ (۲۲)
۱۷۔ وبه الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ	تونگری تو دل کی تونگری ہے۔ (۲۳)
۱۸۔ وبه السَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِه	خوش قسمت وہ ہے جو دوسرے کے حال سے نصیحت حاصل کرے۔ (۲۴)
۱۹۔ وبه اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً وَاِنَّ مِنَ الْبَيانِ لَسِحْرًا	بعض شعر پُر حکمت ہوتے ہیں اور بعض تقریریں سحر انگیز۔ (۲۵)
۲۰۔ وَبِه عَفْوُ الْمُلُوْكِ اِبْقَاءٌ لِلْمُلْكِ	بادشاہوں کے عفو سے ملک کی بقا ہے۔ (۲۶)
۲۱۔ وبِه الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّهٗ	آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہے۔ (۲۷)

۲۲۔ وَبِهٖ مَا هَلَكَ اُمْرءٌ عَرَّفَ قَدْرَهٗ	جس شخص نے اپنی حقیقت پہچان لی، وہ برباد نہ ہوا۔ (۲۸)
۲۳۔ وَبِهٖ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ اَلْحَجَرُ	لڑکا عورت کے لئے اور حرام کار (مرد) کے لئے پتھر۔ (۲۹)
۲۴۔ وَبِهٖ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى	اوپر کا ہاتھ بہتر ہے نیچے کے ہاتھ سے۔ (۳۰)
۲۵۔ وَبِهٖ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ	جو بندوں کا شکرگزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکرگزار نہ ہوگا۔ (۳۱)
۲۶۔ وَبِهٖ حُبُّكَ اَلشَّيْءُ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ	محبت کسی چیز کی تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ (۳۲)
۲۷۔ وَبِهٖ جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا وَبُغْضِ مَنْ اَسَآءَ اِلَيْهَا	دلوں کی غفلت ہی ایسی ہوئی ہے کہ بھلائی کرنے والے کے ساتھ انھیں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور برائی کرنے والے کے ساتھ دشمنی۔ (۳۳)
۲۸۔ وَبِهٖ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ	گناہ سے توبہ کر لینے والا گناہ نہ کرنے والے ہی کے برابر ہے۔ (۳۴)
۲۹۔ وَبِهٖ اَلشَّاهِدُ يَرٰى مَا لَا يَرَاهُ الْغَائِبُ	حاضر دیکھ لیتا ہے اس شے کو جسے غائب نہیں دیکھتا۔ (۳۵)
۳۰۔ وَبِهٖ اِذَا جَآءَ كُمْ كَرِيْمُ قَوْمٍ فَاَكْرِمُوْهُ	جب تمہارے پاس کسی جماعت کا سردار آئے تو اس کی تعظیم کرو۔ (۳۶)
۳۱۔ وَبِهٖ اَلْيَمِيْنُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ اَلْبَلَاقِعَ	جھوٹی قسم ملکوں کو اجاڑ ڈالتی ہے۔ (۳۷)

۳۲۔ وَبِهٖ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ	جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ (۳۸)
۳۳۔ وَبِهٖ الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ	اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ (۳۹)
۳۴۔ وَبِهٖ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ	قوم کا سردار تو اس کا خادم ہوتا ہے۔ (۴۰)
۳۵۔ وَبِهٖ خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا	عمل میں سب سے بہتر اس کا درجہ درمیانی ہے۔ (۴۱)
۳۶۔ وَبِهٖ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ اُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا يَوْمَ الْخَمِيْسِ	الٰہی میری امت کو برکت دے جمعرات کی صبح کے سفر میں۔ (۴۲)
۳۷۔ وَبِهٖ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا	قریب ہے کہ مفلسی کفر تک پہنچ جائے۔ (۴۳)
۳۸۔ وَبِهٖ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ	سفر بھی مصیبت کی ایک قسم ہے۔ (۴۴)
۳۹۔ وَبِهٖ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ	مجلسیں قائم رہتی ہیں امانت سے۔ (۴۵)
۴۰۔ وَبِهٖ خَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى	بہترین توشہ پرہیزگاری ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اللہ کی رحمت نازل ہو بہترین خلائق محمدؐ پر اور آپ کے آل و اصحاب سب پر۔

حواشی

(۱) عربی میں کلام بلیغ کی جو ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ خیر الکلام ما قلّ و دلّ۔ بہترین کلام وہ ہے جو لفظاً مختصر ہو اور معناً وسیع۔

وہ شان اس کلام رسول ﷺ کی پوری پوری ہے اور شاہ صاحب نے جو ۴۰ حدیثیں روایت فرمائی ہیں وہ اس معیار پر سو فی صد پوری اترتی ہیں۔

(۲) یعنی اللہ کے نزدیک اور حشر میں۔

(۳) یہ حدیث نبوی، خود کیسی بشارت دینے والی، ڈھارس بندھانے والی، تسلی قلب کا سامان بہم پہنچا دینے والی ہے۔ اللہ اللہ، کتنی پر منفعت اور کتنا ارزاں سودا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور شہادت کی نعمت بے

بہا حاصل ہوئی جارہی ہے اتنا سادہ ہلکا کام کر دینے کے عوض کہ ۴۰ چھوٹی چھوٹی سی حدیثیں جمع کر کے سنا دیں۔

فقیہہ اسے کہتے ہیں جس کی سمجھ بوجھ دین کے بارے میں سند و مستند ہو۔ ماہر دینیات۔

(۴) روایت مسلسل اسی کو کہتے ہیں اور اس فن کو ہمارے محدثین نے جس کمال پر پہنچا دیا، اس کی نظیر نہ ان سے قبل کسی دور میں ملی ہے اور نہ ان کے بعد کسی دوسرے زمانے میں، مورخین عالم کی بڑی سی بڑی کوششیں اور کاوشیں ہیچ ہیں محدثین کی اس تخصیص کے سامنے۔

لفظ ''اور'' کا اضافہ اردو میں سلسلۂ ربط روایت کے اظہار کے لئے ہے۔ عربی میں حرف ''عن'' (''از'' یا ''سے'') آتا ہے، بغیر کسی حرف عطف کے۔

(۵) یعنی آخری راوی امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس چہل حدیث کو ایک مزید شرف یہ بھی حاصل ہے کہ اس کی ساری روایتوں کا سلسلہ جاکر حضرت علیؓ پر ختم ہوتا ہے۔

(۶) مشہور مصرعہ ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' اسی کا ترجمان ہے حدیث اس حقیقت کا اظہار کر رہی ہے کہ خبر و روایت وزن و تحقیق میں رویت و مشاہدہ کی برابری نہیں کرسکتی، دنیا اگر اس سامنے کی حقیقت کو خیال میں رکھے، تو کتنی الجھنوں سے نجات مل جائے۔

(۷) وبہ سے مراد ہے کہ جس سلسلۂ اسناد سے روایت ماقبل نقل ہوئی ہے اسی سے یہ روایت بھی آئی ہے، محدثین متن حدیث کے ساتھ اس کا دھرانا بھی ہر بار ضروری سمجھتے ہیں۔ ترجمہ میں آیندہ سے اس کا التزام نہ رہے گا۔

(۸) یعنی جنگ کسی معاملہ میں حق و ناحق کا معیار نہیں۔ بلکہ دنیا میں عام طور سے جنگیں جو ہوتی ہیں ان میں مقصود چونکہ بہرصورت فتح و کامیابی ہوتی ہے۔ اس لئے ہر فریق پوری طرح دھوکے دھڑی سے بھی کام لیتا ہے۔ اور دنیا جنگ میں اخلاقی قانون کی پابند نہیں رہتی۔ یہ بیان ''حرف'' (جنگ) ہے جیسی کہ وہ دنیا میں معروف و متعارف ہے۔ اسے اسلام کے بتائے ہوئے ''قتال'' و جہاد سے کوئی تعلق نہیں، جس کی بنیاد ہی تمام تر حق و حقانیت، صدق و اخلاص پر ہے۔

(۹) یعنی ہر مومن کا دل دوسرے کی طرف سے آئینہ کی طرح صاف و بے غبار ہونا چاہئے۔ اور غایت اخلاص سے یہ چاہئے کہ دوسرے کا عیب اسی کو جتا دیں۔

(۱۰) اس میں تاکید ہے اخلاص کی۔ جو تم سے مشورہ چاہے اسے خلوص دل سے دو، اور اس کے رازوں کو دوسروں پر ظاہر نہ کرو۔

(۱۱) یعنی کسی بھلائی کی ترغیب دینے والا، اس کی طرف شوق و رغبت دلانے والا بھی اللہ کے ہاں اصل

فاعل سے پیچھے رہنے والا نہیں۔ داعی خیر بھی اجر میں فاعل خیر کا شریک وسہیم ہوگا۔ اسلام خیر ہی کا نہیں، خیر اجتماعی کا بھی حریص ہے۔

(۱۲) انسان اپنی ضرورتوں میں دوسروں کی مدد کا محتاج رہتا ہی ہے، چاہئے کہ یہ عمل استعانت چپکے چپکے جاری رکھے، بلا ضرورت اس کا چرچا نہ کرتا پھرے، کہ اس سے مخالفوں کو دراندازی کا موقع مل جائے گا۔

(۱۳) نیکی کے ادنیٰ سے ادنیٰ کام کو بھی حقیر نہ سمجھو، ''آدھا چھوہارا'' مقدار وتعداد کی تصغیر کے دکھانے کو ہے یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ کام سے بھی دریغ نہ کرو، کیا معلوم کہ تمہاری نجات اسی حقیر سے عمل سے ہو جائے۔

(۱۴) مومن کو جو وسعتیں آخرت میں نصیب ہونا ہیں، ان کے مقابلہ میں یہ تنگ نائے دنیا اس کے لئے جیل خانہ یا کال کوٹھری ہی ہے۔ کافر جو آخرت کی نعمتوں سے محروم ہے اسے کہو جو جشن منانا ہے یہیں منا لے، اس کو اپنی جنت سمجھ لے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مومن کیلئے دنیا میں طرح طرح کی قیدیں ہیں، پابندیاں ہیں، شریعت کے حدود وقیود ہیں، منکر یہاں جانوروں کی طرح بے کھٹکے ہر طرف چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، ڈینگ مارتا پھرتا ہے۔

(۱۵) شرم وغیرت کی خیریت کل اس مختصر ارشاد سے ظاہر ہے۔

(۱۶) مومن کو محض اپنے زبانی وعدہ کا اتنا پاس ولحاظ ہونا چاہئے کہ جیسے اس نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کوئی پکا وعدہ کر لیا ہو۔ مومن کی ہر بات پتھر کی لکیر ہونا چاہئے۔

(۱۷) دنیوی معاملات میں آپس میں رنج پہنچتے رہنا ایک امر طبعی ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہاں تک تو مضائقہ نہیں کہ ایک مسلمان دوسرے سے منھ پھیر لے، اس سے بول چال، صاحب سلامت ترک کر دے، لیکن اس طبعی اشتعال وہیجان کی بھی ایک محدود مدت ہوتی ہے، یہ نہ ہو کہ یہ مہینوں، برسوں جاری رہے، بس اسے تین دن میں ختم ہو جانا چاہئے۔ دنیا کے اس دانا ترین انسانؐ اور سب سے بڑے حکیم فطرت نے اس فیصلہ میں کیسی رعایتیں دونوں فریقوں کی رکھ لیں، ناراض ہونے کی بھی اجازت دیدی اور ساتھ ہی اس ناراضی پر قید بھی عائد کر دی۔ حدیث میں فریق ثانی کے لئے لفظ ''بھائی'' (اخ) لانا کس درجہ حکیمانہ ہے۔

(۱۸) اللہ اکبر! امت کی اجتماعی فلاح وبہبود کس درجہ آپؐ کو محبوب تھی اور کیا درجہ تاکید کا آپؐ نے اس کے لئے کر لیا ہے، صاف فرما دیا کہ جو کوئی مسلمان بھائی سے کسی قسم کی خیانت کرے، اسے دھوکا دے۔ اسے فریب میں رکھے، وہ اس قابل نہیں کہ اس کا شمار دائرہ امت کے اندر کیا جائے۔

(۱۹) نعمت مقدار یا تعداد میں کتنی ہی تھوڑی یا چھوٹی ہو لیکن اگر اس سے دل میں سکون اور طبیعت میں قناعت پیدا ہو رہی ہو، تو وہ کہیں بہتر ہے ایسی دولت سے جو دیکھنے میں بڑی خوشنما ہو، لیکن بجائے سکون وقناعت کے وہ حرص وہوس کو بھڑکانے والی ہو، مشروب وہی اچھا جو پیاس بجھائے، نہ کہ وہ جو اور تشنگی بڑھائے۔

(۲۰) طبعی کراہت کی کیسی سچی اور موثر تصویر کھینچ دی ہے۔

(۲۱) وہ دنیا میں زیادہ تر آفتیں، نتیجہ ہوتی ہیں زیادہ گوئی، غلط گوئی، فضول گوئی کا، انسان اگر اپنی زبان قابو میں رکھنا سیکھ لے، تو کتنی مصیبتوں، فکروں، رنجشوں سے نجات پا سکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں نے تین باتیں اہل طریق کے لئے لازمی رکھی ہیں ایک کم کھانا، دوسرے کم سونا، تیسرے کم بولنا۔ لیکن میں نے تجربہ سے پایا ہے کہ اس کے لئے اہم ترین ہدایت کم بولنے کی ہے۔ پہلی دو چیزوں میں سے بے احتیاطی تو لشتم پشتم چل جاتی ہے۔ لیکن زیادہ گوئی کا فتنہ ایسا ہے جو زہر قاتل کا کام دیتا ہے۔

احادیث نبوی زبان کے فتنوں سے بھری پڑی ہیں اور امام غزالیؒ وغیرہ نے بھی اس پر تفصیل سے لکھا ہے۔

(۲۲) یعنی جس طرح چند دندانوں کے ٹوٹ جانے سے پوری کنگھی ناقص ہو جاتی ہے۔ چند لوگوں کے راہ فساد پر پڑ جانے سے، پورا معاشرۂ انسانی داغ دار ہو جاتا ہے۔

(۲۳) سعدیؒ کا مقولہ ''تونگری بہ دل ست نہ بہ مال'' شاید اسی حدیث سرتاپا حقیقت کا ترجمہ ہے اور انسانی تجربات کا یہ ایک خلاصہ یا نچوڑ ہے۔

(۲۴) بدنصیب ہے کہ وہ کہ دوسرے اس کی بدانجامی سے سبق حاصل کریں اور خوش نصیب ہے وہ جو خود ہی دوسروں کا انجام دیکھ دیکھ اپنی اصلاح حال کرے۔

(۲۵) اچھے شاعروں کے کلام میں حکمت کے موتی دبے ہوئے ملتے ہیں، جیسا کہ ہر شخص کا تجربہ ہے اور اسی طرح کتنے خطیبوں کی خطابت دلوں کو زیر وزبر کر دیتی ہے۔

(۲۶) سلطنت کے قیام واستحکام میں بڑا دخل فرمانروا کے حلم وتحمل، اور درگزر کو ہوتا ہے۔ بادشاہ اگر بات بات پر غصہ کرنے لگے تو رعایا تباہ اور ملک ویران یا باغی ہو کر رہے۔

(۲۷) یہ کتنا اچھا نسخہ ساری امت کو تعلیم کر دیا گیا ہے۔ ابرار وصالحین کے ساتھ اگر رشتہ محبت قائم کر لو، تو ان کی معیت ورفاقت کی دولت خود ہی تمہیں نصیب ہو جائے گی اور ساری مخلوق کی محبت سے اشرف، وافضل محبت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

(۲۸) اپنی حقیقت پہچان لینا انسان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔ جو انانیت کے مغالطوں سے نکل آیا اور جس نے اپنی کمزوریاں پہچان لیں، وہ ان شاء اللہ فریب نفس سے محفوظ رہے گا۔ اور عرفان نفس سے عرفان حق کی راہ کھل جائے گی۔ بزرگوں نے اسی لئے تو کہا ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه. خودشناسی ذریعہ ہے خداشناسی کا۔

(۲۹) اولاد اگر ناجائز ہے تو اس کی ماں ہی اس کی مالک ہوگی، حرام کار باپ کو اس پر کچھ بھی حق حاصل نہ ہوگا۔

(۳۰) کنایہ ہے اس حقیقت سے کہ دینے والا افضل ہوتا ہے لینے والے (سائل) سے۔ امراء، واغنیاء فرط اخلاص سے جو ہدیئے اہل اللہ کی خدمت میں پیش کرتے رہتے ہیں، وہ یہاں مراد نہیں۔

(۳۱) کتنی کام کی اور کیسی ہدایت آموز حقیقت کا بیان ہے۔ اصل شکر یہ تو ہر حال میں منعم حقیقی ہی کا حصہ ہوتا ہے۔ لیکن بندہ پر لازم ہے کہ احسان منداور شکر گزار اپنے محسن قریب کا بھی ہو۔ یعنی اس بندہ کا بھی، جو واسطہ اور ظاہری ذریعہ اس انعام ونعمت کا ہوا ہے۔ آپسی خوشگوار تعلقات کا کتنا اچھا نسخہ اس ہدایت سے ہاتھ آجاتا ہے۔

(۳۲) جذبہ محبت حقیقت شناسی کے لئے ایک حجاب بن جاتا ہے۔ جہاں کسی چیز کی الفت ومحبت دل پر غالب آگئی، بس پھر اس کا کوئی عیب محسوس نہیں ہوتا۔

(۳۳) محسن کی طرف دل کا کھنچنا اور موذی کی طرف سے دل کا ہٹ جانا انسان کی سرشت وجبلت میں داخل ہے، نفسیاتی حقیقتیں تو حدیث نبوی میں بڑی کثرت سے بیان ہوئی ہیں، انہیں کی ایک مثال یہ حقیقت ہے۔

(۳۴) بیان تائب کے مرتبہ کا ہے، جب کسی گنہگار نے اس گناہ کو چھوڑ دیا، اور دل سے اس پر نادم وپشیمان ہوا، بلکہ اگر اس کا تدارک عملاً ممکن ہوا، تو وہ بھی کر دیا تو اب اس پر الزام کسی قسم کا نہ رہا، اور نہ اللہ کے ہاں اس کے مرتبہ مقبولیت میں فرق آیا۔

(۳۵) حاضر اور غائب میں بڑا فرق ہے، حاضر واقعہ کا شہود براہ راست کرتا ہے۔ غائب کو اس کا علم بالواسطہ ہو سکتا ہے۔

(۳۶) مسلمان کا اکرام تو بہر صورت لازم ہے ہی، یہاں اس کا ذکر نہیں، بلکہ غیروں کا ذکر ہے، کہ اگر ان کے بھی کسی قوم یا قبیلہ کا سردار تمہارے پاس آجائے تو اس کی سرداری بجائے خود اس کا حق رکھتی ہے کہ تم بھی اس کا اکرام کرو۔ عام بشری جذبات کی بھی کتنی رعایتیں ہمارے نبی امیؐ نے رکھ لی ہیں۔

(۳۷) جس قوم میں جھوٹی قسم کا رواج چل پڑتا ہے۔ معاملات میں جھوٹی گواہیاں چلنے لگتی ہیں، اور عدالتوں میں بڑے بڑے فیصلے جھوٹے گواہوں کے بیان پر صادر ہونے لگتے ہیں، اس قوم کا کردار شریفوں کا نہیں رذیلوں کا بن جاتا ہے، اس کی اخلاقی بنیادیں اندر ہی اندر کھوکھلی ہوجاتی ہیں اور آخر کار وہ قوم تباہ ہی ہو کر رہتی ہے۔

(۳۸) جس مال یا جائیداد کا انسان مالک ہے اس کی حفاظت کا اسے ویسا ہی حق ہے، جیسے اپنے وطن وملک کی حفاظت کا، اور شریعت الٰہی نے اس جذبہ فطری کی اس درجہ رعایت رکھی ہے، کہ ایسے مظلوم کو بھی، جو حفاظت

مال میں مارا جائے، ایک درجہ شہادت کا دے دیا ہے۔

(۳۹) یہاں کتنی گہری حقیقت دو لفظوں میں بیان فرمادی ہے، انسان جو کچھ بھی دوسروں کا عمل دیکھتا ہے وہ تو صرف صورت عمل ہوتی ہے، عمل کا صرف ظاہری قلب ہوتا ہے، باقی روح عمل تو دوسروں کی نظر سے ہمیشہ مخفی ہی رہتی ہے، اصل شے تو محرک عمل ہے۔ اور وہ صرف عالم الغیب کے علم میں رہتی ہے۔ اسی کا نام نیت ہے۔

صحیح بخاری کی پہلی حدیث اور اسی کلیہ میں بنیادی حدیث **انما الاعمال بالنیات** ہے۔

(۴۰) کتنے کام کی ہدایت، سرداروں، پیشواؤں، فرماں رواؤں، بادشاہوں کے لئے ہے، حاکم وسردار ہونے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ شخص اپنا نصب العین اپنی قوم کی خدمت بنائے ہوئے ہے، اپنی سرداری اگر قائم رکھنا ہے تو بس قوم کی خدمت میں لگے رہئے۔

(۴۱) یعنی عمل میں اعتدال ومیانہ روی، نہ کمی نہ زیادتی نہ افراط نہ تفریط، نہ زیادہ گرمی، نہ زیادہ نرمی۔

(۴۲) ہفتہ میں جمعہ کا دن تو مبارک ہے، رسول کریمؐ نے اسی کے متصل دن جمعرات کے بھی بابرکت ہونے کی دعا اپنی امت کے حق میں فرمادی ہے۔

(۴۳) قناعت و بے طمعی، مسکینی کی تو حدیث میں خود بڑی فضیلت آئی ہے، اور آنحضورؐ نے مسکین ہی کی زندگی اختیار رکھی، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ آپؐ نے امت کے ہر طبقہ کے لئے ہر حال میں فقر ہی کو پسند کیا ہے، بلکہ ساتھ ہی فطرت بشری کے دوسرے پہلوؤں پر نظر رکھ کر یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ فقر بعض دفعہ بندہ کے لئے ناقابل برداشت ہو کر اسے حد کفر تک پہنچا دیتا ہے، نظام اسلام کے اندر گنجائش مالداری وتمول کی بھی ہے۔

اکابر امت میں، رسول کریمؐ کی آنکھوں کے سامنے، جس طرح ابوذرؓ وابوہریرہؓ ہوئے ہیں، عثمان غنیؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہؓ وزبیرؓ بھی ہوئے ہیں۔

(۴۴) آپؐ کے معاصرین کے زمانے میں سفر کا ایک مصیبت ہونا تو ظاہر ہی تھا۔ اب جب اتنی سہولتیں بہم پہنچ گئی ہیں، سفر پھر بھی حضر کی آسائشوں اور راحتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اپنے معمولات میں کچھ نہ کچھ فرق آجانا تو بہر حال ناگزیر ہے۔

(۴۵) کسی کا راز افشا نہ ہونے دینا، مجلس کی بات مجلس ہی تک محدود رکھنا، تو پہلا قدم مجلسی، اجتماعی، زندگی کا ہے۔

(۴۶) سفر کے سلسلے میں تو یہ ٹکڑا ایک آیت قرآنی کا ہے۔ رسول اللہؐ نے اسے عام کر کے بتادیا، کہ پرہیزگاری تو ایسی نعمت ہے جو سفر زندگی کے ہر ہر شعبہ میں بہترین زادراہ کا کام دے سکتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات

ترجمہ

پروفیسر خلیق احمد نظامی

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مکتوب اوّل	۲۷
۲	مکتوب دوم	۳۰
۳	مکتوب سوم	۴۱
۴	مکتوب چہارم	۴۲
۵	مکتوب پنجم	۴۳
۶	مکتوب ششم	۴۴
۷	مکتوب ہفتم	۴۵
۸	مکتوب ہشتم	۴۶
۹	مکتوب نہم	۴۷
۱۰	مکتوب دہم	۵۰
۱۱	مکتوب یازدہم	۵۱
۱۲	مکتوب دوازدہم	۵۳
۱۳	مکتوب سیزدہم	۵۴
۱۴	مکتوب چہاردہم	۵۵
۱۵	مکتوب پانزدہم	۵۶
۱۶	مکتوب شانزدہم	۵۷
۱۷	مکتوب ہفت دہم	۵۸
۱۸	مکتوب ہشت دہم	۵۹
۱۹	مکتوب نوازدہم	۶۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰	مکتوب بستم	۶۱
۲۱	مکتوب بست و یکم	۶۲
۲۲	مکتوب بست و دوم	۶۴
۲۳	مکتوب بست و سوم	۶۵
۲۴	مکتوب بست و چہارم	۶۷
۲۵	مکتوب بست و پنجم	۶۸
۲۶	مکتوب بست و ششم	۶۹
۲۷	مکتوب بست و ہفتم	۷۱
۲۸	مکتوب بست و ہشتم	۷۲
۲۹	مکتوب بست و نہم	۷۴
۳۰	مکتوب سی	۷۵
۳۱	مکتوب سی و یکم	۷۷
۳۲	مکتوب سی و دوم	۷۸
۳۳	مکتوب سی و سوم	۷۹
۳۴	مکتوب سی و چہارم	۸۱
۳۵	مکتوب سی و پنجم	۸۳
۳۶	مکتوب سی و ششم	۸۴
۳۷	مکتوب سی و ہفتم	۸۶
۳۸	مکتوب سی و ہشتم	۸۷
۳۹	مکتوب سی و نہم	۸۹
۴۰	مکتوب چہل	۹۰
۴۱	مکتوب چہل و یکم	۹۱
۴۲	مکتوب چہل و دوم	۹۲

مکتوب اوّل

بجانب

بادشاہ ووزیر واُمراء

بعد حمد وصلوٰۃ: یہ چند کلمات ہیں جن کی تحریر کا باعث بادشاہ اسلام، امراء اور جمہور مسلمین کی خیر خواہی ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ''خیر خواہی دین (۱) ہے''، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ اگر ان کلمات کے بموجب عمل کریں گے تو امورِ سلطنت کی تقویت، حکومت کی بقاء اور عزت کی بلندی ظہور پذیر ہوگی۔

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ اُستادِ ازل گفت بگوی گویم

(یعنی مجھ کو آئینے کے پیچھے طوطی کی مانند رکھا ہے، جو کچھ ''استادِ ازل'' نے کہا ہے وہی کہتا ہوں)

کلمۂ اوّل: اصل اصول جس پر حکومت کی بہتری اور ملت بیضا کی رونق موقوف ہے یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے یہ بات لازم کرلیں کہ جب فتحیابی نصیب ہو اور مخالف شکست یافتہ ہو تو سب سے پہلی چیز جس کے اجراء کا مضبوط ارادہ کریں، جاٹوں (۲) کے علاقے اور ان کے قلعوں کے فتح کرنے کی جدوجہد ہو، اس کام میں دینی ودنیاوی دونوں فائدے ہیں، منجملہ ان ضروری کاموں کے ''بدمعاشوں کی'' سرزنش کرنا بھی ہے، تاکہ کوئی زمیندار اس قسم کی شوخی اور بے باکی کا خیال بھی نہ لائے۔

کلمۂ دوم: یہ کہ خالصہ (۳) کو کشادہ تر کرنا چاہئے، خصوصاً وہ علاقہ جو دہلی کے ارد گرد ہے، آگرہ، حصار اور دریائے گنگ اور حدودِ سہرند تک سب کا سب علاقہ یا اس میں کا اکثر خالصہ ہو، کیونکہ امورِ سلطنت میں ضعف کا سبب خالصہ کی کمی اور خزانہ کی قلت ہوا کرتی ہے۔

کلمۂ سوم: یہ کہ جاگیر (۴) عطا کرنا، بڑے بڑے امراء کے لئے مخصوص ہو چھوٹے چھوٹے منصب داروں کو نقد دینا چاہئے (جاگیر نہ دی جائے) جیسا کہ عہد شاہجہاں میں قاعدہ تھا، اس لئے کہ چھوٹے منصب دار (۵)، جاگیروں پر قابو نہیں پاتے، اس لئے ٹھیکہ دینے کی احتیاج ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ اکثر اوقات مفلس رہتے ہیں اور اپنے آپ کو کارہائے پادشاہی میں پوری طرح مشغول نہیں کر سکتے۔

کلمۂ چہارم: یہ کہ جو لوگ اس فتنہ میں غنیم کے ساتھی ہوئے ہیں، ضروری ہے کہ ان کو جاگیر و منصب اور خدمت سے بے دخل کر دیں تا کہ ان کے لئے یہ چیز سزا کے قائم مقام ہو جائے اور دوسرے لوگ اس قسم کے مواقع پر ''حق نمک (۶)'' کی ادائیگی کے راستے سے نہ بھٹکیں۔

کلمۂ پنجم: یہ کہ افواج بادشاہی کی ترتیب عمدہ طریقے پر کرنی چاہئے، اور یہ ترتیب (۷) تین طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

(۱) وہ داروغہ مقرر کئے جائیں جو مندرجہ ذیل تین صفتوں سے متصف ہوں۔

الف: نجیب ہوں۔

ب: بہادر ہوں اور اپنے ساتھیوں پر شفیق ہوں۔

ج: تہہ دل سے بادشاہ کے خیر خواہ ہوں۔

(۲) جن لوگوں سے اس فتنہ میں بے غیرتی اور نمک حرامی سرزد ہوئی ہے ان کو معزول کر کے دوسروں کو داخل رسالہ کیا جائے۔

(۳) یہ کہ ملازموں کی تنخواہیں (۸) بغیر تاخیر کے ان کو ملنی چاہئیں، اس لئے کہ تاخیر کی صورت میں وہ لوگ سودی قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کا اکثر مال ضائع ہو جاتا ہے۔

کلمۂ ششم: ''خالصہ (۹)'' سے ٹھیکہ دہندگی کی رسم موقوف کر دی جائے، دین دار، واقف کار امین ہر جگہ مقرر کر دیئے جائیں، ٹھیکہ دینے میں ملک خراب ہوتا ہے اور رعیت پامال و بدحال

ہو جاتی ہے۔

کلمۂ ہفتم: یہ کہ قاضی و محتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے جن پر رشوت ستانی کی تہمت نہ لگائے گئے ہوں اور مذہب اہل سنت و جماعت رکھتے ہوں۔

کلمۂ ہشتم: ....

کلمۂ نہم: ائمۂ مساجد کو اچھے طریقے پر تنخواہ دی جائے، نماز با جماعت کی حاضری کی تاکید اور ماہِ رمضان کی بے حرمتی کی ممانعت پورے طور پر کی جائے۔

کلمۂ دہم: یہ کہ بادشاہ اسلام اور امرائے عظام ناجائز عیش و عشرت میں مشغول نہ ہوں، گزشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں، اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں، بالفعل اگر ان دس کلمات پر عمل کریں گے، مجھے امید ہے کہ بقائے سلطنت، تائید غیبی اور نصرت الٰہی میسر ہوگی، وما توفيقي الا بالله، عليه توكلت واليه أنيب. یعنی مجھے توفیق اللہ ہی سے حاصل ہوگی اور اُسی کی ذات پر میرا توکل ہے، اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

مکتوب دوم

بجانب

بعض بادشاہوں کے نام (۱)

بعد حمد وصلوٰۃ کے- یہ چند کلمات ہیں جن کے لکھے جانے کا باعث اسلامی حمیت ہے، اللہ تعالیٰ ان کلمات کو گوشِ مبارک تک پہنچادے۔

بادشاہان اسلام کا وجود اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست نعمت ہے، جاننا چاہیئے کہ ملک ہندوستان ایک وسیع ملک ہے، قدیم اسلامی بادشاہوں نے بڑی مدت میں بڑی جدوجہد کے بعد کئی دفعہ میں جاکر اس ولایت کو فتح کیا ہے، علاوہ دہلی کے جو صاحب اقتدار پادشاہوں کا مستقر رہی ہے، ہر علاقے میں علیحدہ علیحدہ فرمانروا تھے، مثلاً گجرات، احمد آباد کا علاقہ ایک علیحدہ حکمراں سے تعلق رکھتا تھا، ٹھٹہ کا دوسرا بادشاہ تھا، بنگالہ ایک اور حاکم کے زیر حکومت تھا، اودھ جدا ایک شخص کے زیر اقتدار تھا، جس کو سلطان الشرق یعنی پورب کا بادشاہ کہتے تھے، ملک دکھن پانچ حسب ذیل سلطنتوں کا مجموعہ تھا:

(۱) برہان پور۔

(۲) برار۔

(۳) اورنگ آباد۔

(۴) حیدرآباد۔

(۵) بیجاپور۔

ان پانچوں سلطنتوں میں سے ہر سلطنت کا ایک جداگانہ مستقل بادشاہ تھا۔

مالوہ کا بھی حکمراں علیحدہ تھا اور ان تمام مذکورہ علاقہ جات میں سے ہر ایک علاقے کا بادشاہ مستقل طور پر صاحب فوج اور صاحب خزانہ ہوتا تھا۔

ہر ایک بادشاہ نے اپنی اپنی مملکت میں مسجدیں تعمیر کرائیں، مدرسے قائم کیے، عرب وعجم کے مسلمان اپنے اپنے وطنوں سے منتقل ہو کر ان علاقوں میں آگئے اور یہاں اسلام کی ترویج واشاعت کا باعث بنے، اس وقت تک ان لوگوں کی اولاد اسلام کے طور وطریقہ پر قائم ہے، ایک اور ملک بھی ہے جو کبھی کسی بادشاہ اسلام کے قبضہ میں نہیں آیا اور وہ اپنے خالص غیر مسلمانہ طریقہ پر باقی رہا، اتنا ضرور ہوا کہ بادشاہ ان راجاؤں سے جو اُن کے حدود میں تھے خراج لیا کرتے تھے، یہ ملک جس کا تذکرہ ہو رہا ہے راجپوتانہ کا ملک ہے، اس ملک کا طول حدود ٹھٹہ سے لے کر حدودِ بنگالہ وبہار تک چالیس منزل ہے اور عرض دہلی وآگرہ سے لے کر گجرات واجین کی حد تک بیس منزل ہے، یہی وہ باوسعت ملک ہے جو کبھی ملوک اسلامیہ کی نشست گاہ نہیں بنا۔ قصہ مختصر: پادشاہان مغلیہ نے رفتہ رفتہ اتنا کر لیا کہ اپنی طرف سے ان کو ریاست پر متعین کرتے تھے اور انھوں نے راجپوتوں سے معاہدہ کر لیا اور اس گروہ کو اپنا ماتحت قرار دے کر ان کی مخالفت سے مامون ومحفوظ ہو گئے اور جنگ سے دست کشی اختیار کر لی، واقفان فن تاریخ تفصیلی طور پر ان واقعات کو بیان کریں گے (۲)۔

غیر مسلموں میں ایک قوم مرہٹہ نامی ہے کہ...... ان کا ایک سردار ہے، اس قوم نے کچھ عرصہ سے اطراف دکن میں سر اٹھایا ہے اور تمام ملک ہندوستان پر اثر انداز ہے، شاہان مغلیہ میں سے بعد کے بادشاہوں نے عدم دور اندیشی، غفلت اور اختلاف فکر کی بنا پر ملک گجرات (۳) مرہٹوں کو دے دیا پھر اسی سست اندیشی اور غفلت کی وجہ سے ملک مالوہ بھی ان کے سپرد (۴) کر دیا اور ان کو وہاں کا صوبہ دار بنا دیا، رفتہ رفتہ قوم مرہٹہ قوی تر ہو گئی اور اکثر بلاد اسلام ان کے قبضہ (۵) میں آگئے، مرہٹوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں سے باج لینا شروع کر دیا اور اس کا نام چوتھ (۶) (یعنی آمدنی کا چوتھا حصہ) رکھا۔

دہلی اور نواح دہلی میں مرہٹوں کا تسلط اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ دہلی کے رؤسا، پادشاہان

قدیم کی اور یہاں کے وزراء اور اُمراء، امرائے قدیم کی اولاد ہیں، ناچار مرہٹوں نے ان لوگوں سے یک گونہ مروت کا معاملہ رکھتے ہوئے عہد و پیمان کرلیا اور رواداری کا سلسلہ جاری کر کے طرح طرح کی چاپلوسی سے دہلی والوں کو اپنی طرف سے امن وامان دے کر چھوڑ دیا، دکن پر بھی مرہٹوں کا قبضہ اس بنا پر نہ ہوسکا کہ نظام الملک مرحوم کی اولاد نے بڑی بڑی تدبیریں کیں کبھی مرہٹوں کے درمیان میں پھوٹ ڈلوادی، کبھی انگریزوں کو اپنا رفیق بنالیا اور برہان پور، اورنگ آباد، بیجاپور جیسے بڑے بڑے شہروں پر اولاد نظام الملک قابض رہی، البتہ اطراف ونواحی کو مرہٹوں کے لئے چھوڑ دیا، المختصر سوائے دہلی ودکن کے خالص طور پر مرہٹوں کا تسلط ہے، قوم مرہٹہ کا شکست دینا آسان کام ہے، بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ لیں، حقیقت یہ ہے کہ قوم مرہٹہ خود قلیل ہیں، لیکن ایک گروہ کثیر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے، اس گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائے گی اور اصل قوم اسی شکست سے ضعیف ہو جائے گی، چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے، اس لئے اس کا تمام تر سلیقہ ایسی کثیر فوج جمع کرنا ہے جو چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہو، دلاوری اور سامان حرب کی بہتات ان کے یہاں نہیں ہے۔

الغرض قوم مرہٹہ کا فتنہ ہندوستان کے اندر بہت بڑا فتنہ (۷) ہے حق تعالیٰ بھلا کرے اس شخص کا جو اس فتنے کو دبائے۔

غیر مسلموں کی ایک قوم جاٹ ہے جس کی بود وباش دہلی وآگرہ کے درمیان ہے (۸)، یہ دونوں شہر بادشاہوں کے لئے دو حویلیوں کی مانند رہے ہیں، مغل بادشاہ کبھی آگرہ میں رہتے تھے تاکہ ان کا دبدبہ اور رعب راجپوتانہ تک پڑے اور کبھی دہلی میں فروکش ہوتے تھے تاکہ ان کی شوکت وہیبت سہرند اور نواحی سہرند تک اثر ڈالے۔

دہلی وآگرہ کے درمیان کے مواضعات میں قوم جاٹ کاشتکاری کرتے تھے، زمانہ شاہجہان میں اس قوم کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں، بندوق اپنے پاس نہ رکھیں اور اپنے لئے گڑھی نہ بنائیں، بعد کے بادشاہوں نے رفتہ رفتہ ان کے حالات سے غفلت اختیار کرلی اور اس قوم نے فرصت کا غنیمت جان کر بہت سے قلعے تعمیر کر لئے اور اپنے پاس بندوق رکھ کر بٹ ماری کا طریقہ شروع کر دیا، اورنگ زیب اس وقت دکن میں قلعۂ بیجاپور وحیدرآباد کے فتح کرنے میں مشغول

تھا(۹)، دکن ہی سے ایک فوج جاٹوں کی تادیب کے لئے اس نے روانہ کی اور اپنے پوتے کو فوج کا سردار مقرر کیا(۱۰)، رئیسان راجپوتانہ نے اس شہزادے سے مخالفت کرلی(۱۱)، لشکر میں اختلاف واقع ہوا، جاٹوں کی تھوڑی سی عاجزی پر اکتفا کر کے فوج بادشاہی واپس ہوگئی۔

محمد فرخ سیر کے زمانہ میں اس جماعت کی شورش پھر جوش میں آئی قطب الملک وزیر نے زبردست فوجیں ان کی طرف بھیجیں، چورامن جو اس قوم کا سردار تھا بعد جنگ، صلح پر راضی ہوگیا، اس کو بادشاہ کے سامنے لائے اور تقصیرات کی معافی دلوائی، یہ کام بھی خلاف مصلحت عمل میں آیا۔

پھر عہد محمد شاہ میں اس قوم کی سرکشی (۱۲) حد سے تجاوز کر گئی، اور چورامن کا چچازاد بھائی سورج مل اس جماعت کا سردار ہوگیا اور فساد کا راستہ اختیار کیا، چنانچہ شہر بیانہ جو کہ اسلام کا قدیم شہر تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ سات سو سال سے اقامت پذیر تھے اس شہر پر قہراً و جبراً قبضہ کر کے مسلمانوں کو ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے نکال دیا، اس کے بعد سے سرکشی برابر بڑھتی رہی، بادشاہوں اور امیروں کے اختلاف و غفلت کی بناء پر کوئی بھی اس جانب متوجہ نہ ہوا، اگر بالفرض ایک امیر اس کی تنبیہ کا قصد کرے تو سورج مل کے کارکن دوسرے امراء کی جانب رجوع کرتے ہیں اور اس طرح بادشاہ کے مشورے کو پلٹ دیتے ہیں، پسر محمد شاہ (۱۳) کے عہد میں صفدر جنگ (۱۴) ایرانی نے خروج کیا اور سورج مل سے سازش کر کے پرانی دہلی پر حملہ کر دیا اور تمام باشندگان شہر کہنہ کو لوٹ (۱۵) لیا۔

پسر محمد شاہ نئے شہر میں دروازے بند کر کے چھپ کر بیٹھ گئے اور مرہٹوں نے توپوں کے ذریعہ جنگ کی، محض خدا کے فضل سے صفدر جنگ اور سورج مل دو تین ماہ کے بعد ناکامیاب واپس ہوئے اور صلح و موافقت کی داغ بیل (۱۶) ڈالی، چونکہ بادشاہ کے آدمی جنگ سے تھک چکے تھے، اس لئے انھوں نے صلح کو غنیمت شمار کیا، اس کے بعد سے سورج مل کی شوکت ترقی پا گئی، دہلی سے دو کوس کے فاصلے سے نے کر آگرہ کے آخر تک طول میں اور میوات کے حدود سے فیروز آباد و شکوہ آباد تک عرض میں سورج مل قابض ہوگیا، کسی کی طاقت نہیں کہ وہاں اذان و نماز جاری کر سکے۔

ایک سال ہوا کہ قلعہ الور جو کہ تمام میوات کی خبر گیری کے لئے ایک جائے بلند تھی، سورج مل اس کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا ارکان سلطنت میں سے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ وہ اس کام سے

روک دیتا۔

ہندوستان کے محصولات سات آٹھ کروڑ سے کم نہیں ہیں بشرطیکہ غلبہ وشوکت موجود ہو، ورنہ ایک کوڑی بھی ملنی مشکل ہے، جیسا کہ اس وقت دیکھا جا رہا ہے، جس علاقہ پر جاٹ قابض ہیں وہ ایک کروڑ روپیہ محصول کی جگہ ہے، راجپوتانہ کا علاقہ اپنی وسعت کے باعث دو کروڑ روپے سے کم آمدنی کا نہیں ہے، بشرطیکہ ہر راجہ پر خراج مقرر کیا جائے، عہد محمد شاہ میں بنگالہ سے ہر سال ایک کروڑ کی آمدنی تھی اور وہاں کا صوبہ دار ہمیشہ بلا توقف بھیجتا رہتا تھا، اس رقم کی ادائیگی کے باوجود صوبہ دار بنگالہ ہندوستان کے امراء میں انتہائی مالدار امیر تھا، چنانچہ اس وقت بھی بنگالہ میں بے اطمینانی ہے اور وہاں ایک بیوقوف ناواقف کار نوجوان یعنی ناظم قدیم کا پوتا (۱۷) مسلط ہے، پھر وہی نوجوان خزائن بے شمار کا مالک ہے، سعادت خاں ایرانی اور اس کے بعد اس کا داماد صفدر جنگ صوبہ اودھ پر قابض تھے، دو کروڑ اس صوبہ سے وصول کرتے تھے، ایک کروڑ خرچ کرتے تھے اور ایک کروڑ جمع کرتے تھے، اسی مالداری نے صفدر جنگ کے اندر بادشاہ سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کیا، جاٹ کی شوکت کو درہم برہم کرنا بھی تدبیر کے نزدیک آسان کام ہے، انھوں نے جو علاقے اپنے قبضے میں کر لئے ہیں وہ ان کے نہیں ہیں بلکہ غصب کئے ہوئے ہیں، ان مواضع کے مالک ابھی تک زندہ موجود ہیں، اگر کوئی صاحب شوکت وعدالت بادشاہ مہربانی کا ہاتھ ان مالکوں کے سر پر رکھے تو وہ لوگ سورج مل کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے، یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہندوستان کے غیر مسلموں کا حال تھا، رہا مسلمانوں کا حال وہ یہ ہے کہ نوکران بادشاہ جو کہ ایک لاکھ سے زائد تھے، ان میں پیادہ سوار بھی تھے، اہل نقدی و جاگیردار بھی تھے، بادشاہوں کی غفلت سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ جاگیردار اپنی جاگیروں پر عمل ودخل نہیں پاتے، کوئی غور نہیں کرتا کہ اس کا باعث بے عملی ہے، جب خزانہ بادشاہ نہیں رہا، نقدی بھی موقوف ہوگئی، آخر کار سب ملازمین تتر بتر ہوگئے اور کاسہ (۱۸) گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا، سلطنت کا بجز نام کے اور کچھ باقی نہ رہا (۱۹)، جب ملازمین بادشاہ کا یہ برا حال ہے تو تمام دیگر اشخاص کے حال کو جو کہ وظیفہ خوار یا سوداگر یا اہل صنعت ہیں، انھیں پر قیاس کر لینا چاہئے کہ کس حد تک خراب ہوگیا ہوگا. طرح طرح کے ظلم اور بیروزگاری میں یہ لوگ گرفتار ہیں، علاوہ اس تنگی اور مفلسی کے جب سورج مل کی قوم نے

اور صفدر جنگ نے مل کر دہلی کے پرانے شہر پر دھاوا بولا (۲۰)، یہ غریب سب کے سب بے خانماں، پریشان اور بے مایہ ہوگئے، پھر متواتر آسمان سے قحط نازل ہوا، غرضیکہ جماعت مسلمین قابل رحم ہے، اس وقت جو عمل ودخل سرکار پادشاہی میں باقی ہے وہ ہنود کے ہاتھ میں ہے، کیونکہ متصدی اور کارکن سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہے، ہمہ قسم کی دولت وثروت ان کے گھروں میں جمع ہے، افلاس ومصیبت کا بادل مسلمانوں پر چھا رہا ہے، بات طویل ہوگئی اور اختصار کے حدود سے باہر نکل گئی، حاصل کلام یہ ہے کہ ملک ہندوستان میں غیر مسلموں کے غلبہ کی نوعیت یہ ہے کہ جو معرض بیان میں آئی، اور مسلمانوں کا ضعف اس حد تک پہنچ گیا ہے جو لکھا گیا، اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار وشوکت ہو اور لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو، دور اندیش اور جنگ آزما ہو، سوائے آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے، یقینی طور پر جناب عالی پر فرض عین ہے، ہندوستان کا قصد کرنا اور مرہٹوں کا تسلط توڑنا اور ضعفائے مسلمین کو غیر مسلموں کے پنجے سے آزاد کرنا، اگر غلبہ کفر معاذ اللہ، اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا زمانہ نہ گزریگا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائے گی کہ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز نہ ہو سکے گی، یہ بھی ایک بلائے عظیم ہے، اس بلائے عظیم کے دفع کرنے کی قدرت بفضل خداوندی جناب کے علاوہ کسی کو میسر نہیں ہے

ہم بندگان الہی، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع گردانتے ہیں اور خدائے عزوجل کے نام پر التماس کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے مقابلہ کریں، تاکہ خدائے تعالیٰ کے یہاں بڑا ثواب جناب کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے، اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فہرست میں نام درج ہو جائے، دنیا میں بے حساب غنیمتیں ملیں اور مسلمان دست کفار سے خلاصی پا جائیں، خدا سے پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو، کہ وہ مسلمانوں کو زیروزبر کر گیا اور مرہٹہ وجٹ کو سالم وغانم چھوڑ کر چلتا بنا، نادر شاہ کے بعد سے مخالفین قوت پکڑ گئے اور لشکر اسلام کا شیرازہ بکھر گیا، اور سلطنت دہلی بچوں کا کھیل (۲۱) بن گئی، پناہ بخدا اگر قوم کفار اسی حال پر رہے اور مسلمان ضعیف ہو جائیں تو اسلام کا نام بھی کہیں باقی نہ رہے گا۔

خدائے تعالیٰ مجاہدین کی صفت میں فرماتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ الآية۔ یعنی وہ غیروں پر سخت دل ہیں اور اپنوں پر مہربان ہیں (۲۲)۔

اس جماعت کے وصف میں جو مرتدوں سے مقابلہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (۲۳)!

يَـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ الخ (یعنی خدائے تعالیٰ دوست رکھتا ہے ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں خدائے تعالیٰ کو، وہ مسلمانوں کے سامنے تواضع سے پیش آتے ہیں اور غیروں پر سخت ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ فتح اسلام اس جماعت کو نصیب ہوتی ہے، جس کی یہ شان ہو کہ اگر کسی جگہ مسلمان ہوں ان کو وہ اپنے بیٹوں اور سگے بھائیوں کی طرح رکھے اور مخالف کے مقابلہ میں وہ شیر نر کی مانند ہو۔

پس واجب ہے کہ ان مجاہدات میں تقویت اسلام کی نیت کر لی جائے، جب افواج قاہرہ ایسے مقام پر پہنچیں جہاں پر مسلمان اور غیر مسلمان دونوں رہتے ہوں، چاہئے کہ منتظمین خاص طور پر ایسے مقام پر متعین ہوں اور ان کو تاکید کی جائے کہ جو ضعیف مسلمان قریوں میں ساکن ہیں ان کو قصبوں اور شہروں میں لے آئیں پھر کچھ منتظمین قصبوں اور شہروں پر مقرر کئے جائیں جو اس بات کی کڑی نگرانی کریں کہ کسی مسلمان کا مال نہ لوٹا جائے اور کسی مسلمان کی عزت میں فرق نہ آنے پائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ’’اللہ کے نزدیک تمام دنیا کا زوال قتل مسلم کے مقابلے میں ہیچ ہے (۲۴)‘‘۔ حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بقصد عمرہ جب حدیبیہ تشریف لے گئے اور کفار قریش مکہ کے داخلہ سے مانع آئے، آخر الامر کفار مکہ سے صلح ہوئی، اگرچہ بعض بڑے صحابہ میں سے ایسے تھے جن کی حمیت دینی جوش میں آئی اور اس صلح پر راضی نہیں ہوتے تھے، لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قول پر التفات نہیں فرمایا اور صلح کر لی، جب اس سفر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو سورۂ اِنَّا فتحنا نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں صلح کی حکمت اور تاخیر فتح کی وجہ ظاہر فرمائی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ تا عَذَابًا اَلِيْمًا (۲۵)

(اگر نہ ہوتے (مکہ میں) کئی مرد ایمان والے اور کئی عورتیں ایمان والیاں جن کو تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم ان کو پیس ڈالو گے، پس اس کے نتیجہ میں تم کو گناہ

ہوتا بغیر دانست کے (تو تصدیق خواب یا بالفعل ہو جاتی اور جلد فتح میسر ہوتی)
(خدا نے فتح کو موخر کیا) تا کہ داخل کر دے جس کو چاہے اپنی رحمت کے سایہ میں،
اگر ہر دو فریق ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تو ہم منکروں پر (فی الفور) آفت
ڈال دیتے)

یعنی چونکہ مسلمانوں کو مضرت پہنچ جانے کا اندیشہ تھا، حکمت الٰہی نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کو مہلت کے ساتھ انجام دیا جائے تا کہ منکرین کسی نہ کسی طرح قبول اسلام کر لیں اور مسلمان مجاہدین کے غلبہ سے محفوظ رہیں، چنانچہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد مکہ فتح ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار اشخاص کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچے، اور اہل مکہ بہر طور داخل اسلام ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

اس واقعہ صلح حدیبیہ و فتح مکہ میں بادشاہان دور اندیش کو حکمت کی عجیب و غریب تعلیم دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلم و غیر مسلم کے اختلاط کے مقام پر حلم کا معاملہ کرنا چاہئے، پہلے مخالفین اسلام کو جو مسلمانوں پر تسلط جمائے ہوئے متفرق کریں، بعد ازاں مسلمان خود بخود بادشاہ عادل اور دور اندیش کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں گے۔

ترجمہ شعر عربی

(اللہ کی کتنی پوشیدہ پوشیدہ مہربانیاں ہیں، جن کی پوشیدگی سے ایک ذکی وفہیم بھی بے خبر ہے)
جیسا کہ دوائے تلخ ہر چند فائدہ مند ہو لیکن مریض کی طبیعت اس کی طرف رغبت نہیں کرتی،

طبیب حاذق، اس کڑوی دوا کو شہد کے ساتھ ملاتا ہے، اسی طرح پادشاہان عادل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی طرف جس جگہ متوجہ ہوتے ہیں اور وہاں پر جو مسلمان متفرق طور پر ہوتے ہیں اور اپنی جان و آبرو کا خوف کرتے ہیں اور اپنی طبیعت سے اس گیرودار کو نہیں چاہتے، وہاں پر فقیروں، غریبوں اور سادات علماء کو اپنے الطاف خسروانہ اور انعام بادشاہانہ سے اور طرح طرح کے دلاسوں اور تسلیوں سے محفوظ رکھتے ہیں تا کہ ان کی مہربانی کا شہرہ دور و نزدیک شہروں تک پہنچ جائے اور سب کے سب ہاتھ اٹھا اٹھا کر پادشاہ عادل کی فتح و نصرت کی دعائیں کریں اور خدائے عزوجل سے شب و روز یہی درخواست کریں کہ اللہ یہ رحمت کی نشانی بادشاہ عادل ہمارے شہر میں

فروکش ہو۔

سب سے پہلے اہم اس کے بعد بالترتیب اس کے نیچے درجے کے اہم امور انجام دیئے جائیں، جس جگہ کسی مسلمان کی شکست کا احتمال ہو وہاں توقف کرنا چاہئے، جماعت منکرین کے گرداگرد جہاد مقدم رکھنا چاہئے تاکہ بغیر احتمال قتل مسلم مدعا حاصل ہو جائے، آخر کلام میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پادشاہان اسلام کے حق میں اور خلفائے راشدین کی نصیحتیں حفظ آداب بادشاہی کے باب میں لکھی جاتی ہیں۔

ترجمہ وصایا و نصائح

ارشادات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم:

بخاری نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت لکھی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، ہر وہ شخص جو خلیفہ بنایا جاتا ہے اس کے دو ولی دوست (باطنی قوت) ہوتے ہیں، ایک ان میں سے اس کو خیر و نیکی کی تلقین کرتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے، دوسرا اس کو شر کا حکم کرتا ہے اور اس کی رغبت دلاتا ہے اور محفوظ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

وصیت صدیق اکبرؓ

امام ابویوسفؒ نے ابن سابط سے روایت کی ہے کہ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کا وقت قریب آیا، انھوں نے حضرت عمر فاروق کو بلایا، پھر ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں اگر تم اس کو یاد رکھو گے تو موت سے زیادہ کوئی شے تمہیں محبوب نہیں ہوگی، اور اگر اس وصیت کو تم نے بھلا دیا تو موت سے زیادہ کوئی شے تمہارے نزدیک مبغوض و مکروہ نہیں ہوگی اور تم موت کے پنجے سے نکل نہیں سکتے، وہ وصیت یہ ہے:

> ''اللہ تعالیٰ کا تم پر رات میں ایک حق ہے کہ وہ اس کو دن میں قبول نہیں کرے گا اور ایک دن میں حق ہے جس کو رات کو قبول نہیں کرنے کا (یعنی ہر حق کو ادا کرنے کے لئے ایک وقت مقرر ہے) اللہ تعالیٰ نفل اس وقت تک قبول نہ فرمائے گا جب تک فرض کی ادائیگی نہ ہوگی، جن لوگوں نے دنیا میں باطل کی پیروی کی اور باطل کی پیروی کو معمولی چیز تصور کیا اس کی پاداش میں ان کی میزان ہلکی ہو جائے گی اور

میزان قیامت کا معاملہ یوں ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی صورت میں ہلکی پڑتی ہے جبکہ اس میں باطل دھرا ہو، اور جن لوگوں نے دنیا میں حق کا اتباع کیا ہوگا اور اس کو اہم تصور کیا ہوگا ان کی میزان قیامت میں بھاری ہوگی اور میزان میں جب حق ہوگا اس کا پلہ بھاری ہی ہوگا''۔

پس اگر تم نے میری اس وصیت کو یاد کرلیا تو کوئی غائب شے موت کے مقابلہ میں محبوب نہیں ہونے کی، اور موت کا آنا یقینی ہے اور اگر اس وصیت کو ضایع کردیا (بھول گئے) تو کوئی غائب شے موت سے زیادہ مبغوض نہیں ہوگی اور تم موت کو ہرگز عاجز نہیں کرسکتے (وہ تم پر غالب آکر رہے گی)

وصیت فاروق اعظمؓ

امام ابو یوسفؒ نے زبیدؒ سے روایت کی ہے کہ جبکہ حضرت عمرؓ نے وصیت کی تو فرمایا کہ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں خدا سے ڈرنے کی اور وصیت کرتا ہوں مہاجرین اولین کے بارے میں کہ ان کا حق پہچانا جائے اور ان کی کرامت وعظمت ملحوظ رکھی جائے اور وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے بارے میں وہ انصار جنھوں نے دار وایمان میں ٹھکانہ پکڑا، ان کی خوبیوں کو قبول کرتے ہوئے ان کی لغزشوں سے درگذر کی جائے اور اولاد انصار کے بارے میں بھی وصیت کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ اسلام کی جڑ اور عدو کے غصے کا سبب ہیں کہ ان سے ان کی رضامندی کے بغیر ان کا زائد مال وصول نہ کیا جائے اور اعراب کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ اعراب جو اصل عرب ہیں اور اسلام کے لئے مرکز طاقت ہیں کہ خلیفہ ان کے اموال کو لے کر ان کے فقراء پر تقسیم کردے، اور میں اللہ اور اس کے رسول کے عہد کی پاسداری کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے عہد کو پورا کیا جائے اور ان کی حفاظت کے لئے مقاتلہ کیا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ حکم نہ دیا جائے۔

وصیت حضرت عثمانؓ

امام ابو یوسفؒ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کے آزاد شدہ غلام حضرت ہانی کی روایت نقل کی ہے کہ ہانی نے کہا کہ جب کبھی حضرت عثمانؓ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تھے تو زار زار روتے

تھے، یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی تھی، ان سے کہا گیا کہ آپ جنت و دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں اس پر تو روتے نہیں، قبر پر کیوں رویا کرتے ہیں، اس کے جواب میں عثمانؓ نے فرمایا، کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے، پس جو اس منزل سے نجات پا گیا سمجھ لو کہ اس کے بعد معاملہ آسان ہے اور اگر یہاں سے نجات نہیں ملی تو اس کے بعد کی منزل اس سے زائد سخت ہے۔

وصیت حضرت علیؓ

امام ابو یوسفؒ نے عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا ہے کہ عطاء نے کہا، حضرت علیؓ جب کوئی لشکر روانہ کرتے تو اس لشکر کے ایک شخص کو امیر بناتے پھر اس سے یہ وصیت کرتے تھے کہ میں تجھے اس خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جس کی ملاقات یقینی ہے، اور اس کے علاوہ تیرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، وہ دنیا اور آخرت کا مالک ہے، میں تجھ کو جس کام کے لئے روانہ کر رہا ہوں تیرے اوپر اس کی انجام دہی ضروری ہے اور تیرے اوپر ایسے امور کی پابندی لازم ہے جو باعث قرب خداوندی ہوں، اس لئے کہ خدا کے یہاں دنیا کے ہر کام کا بدلہ ہے۔

یہ کچھ چیزیں بطریق استعجال تحریر ہوئی ہیں اگر ان کلمات کی جانب آنجناب کی توجہ محسوس ہوئی تو بعض مطالب تفصیلاً پہنچیں گے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّاٰخِراً وَّظَاهِراً وَّبَاطِناً

مکتوب سوم

بجانب

نواب زیت المحل والدہ شاہ عالم عالی گہر

اللہ تعالیٰ مرادوں پر فائز فرمائے اور آپ جیسے برگزیدہ افراد کے مطالب و مقاصد کو پورا فرما کر طرح طرح کے برکات کا دروازہ کھول دے۔

آپ کا خط اچھے وقت پر صادر ہوا، حق بات یہ ہے کہ آپ کے خاندان پر جو ظلم ہوا ہے اس کے شرارے ایک طرف سے دوسری طرف تک پہنچے ہیں، امید یہ قوی ہے کہ عدل الٰہی: مَنْ قُتِلَ مَظْلُوماً فَقَدْ جعلْنَا لِوَلِيّهِ سُلْطَاناً فَلاَ يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ اِنَّهُ كَانَ مَنْصُوْراً

(اور جو کوئی ظلم کے ساتھ ناحق قتل کردیا جائے پس ہم نے اس کے وارث کو (قصاص یا دیت کا) تسلط دیا ہے، پس چاہئے کہ وہ وارث قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے، یعنی غیر قاتل کو قتل نہ کرے)

فقیر دعاؤں میں مشغول ہے اور قبولیت کا منتظر ہے، سروش غیب نے حصول مراد کا افادہ فرمایا ہے، بلکہ وہ تدبیر بھی گوش ہوش میں ڈال دی ہے جو صاحب معاملہ کو تین چار سال کی مدت میں کرنا چاہئے اور وہ تدبیر بھی جو سات سال کے بعد کرنا چاہئے۔

انشاء اللہ ان تدبیروں کو بروقت لکھا جائے گا، اس وقت اسی زمین میں رہنا مناسب ہے جہاں اس وقت ہیں، آیت رَفِيعُ الدَّرَجاتِ ذُو الْعَرْشِ تا قَهَّار بعد نماز فرض گیارہ گیارہ بار پڑھنا اس بارے میں نافع ہوگا۔

مکتوب چہارم

بجانب

نجیب الدولہ

خدائے عزوجل امیر المجاہدین کو نصرت ظاہر اور تائید واضح کے ساتھ مشرف کرے اور اس عمل کو قبولیت کے درجہ میں پہنچا کر بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں اس پر مرتب کرے۔ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت مشام کے واضح ہو کہ نصرت مسلمین کے لئے یہاں دعا کی جارہی ہے اور سروشِ غیبی سے آثار قبول محسوس ہوتے ہیں، امید یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر طریقہ ''جدوجہد'' کو زندہ کر کے اس کے برکات اس دنیا میں اور آخرت میں عطا فرمائے گا۔

اِنَّهٗ قَرِیبٌ مُجِیبٌ

مکتوب پنجم

بجانب

نجیب الدولہ

خدائے عزوجل اس امیر الغزاۃ، رئیس المجاہدین کو فتوحات تازہ اور بزرگیٔ بے اندازہ سے معزز و ممتاز فرما کر مسلمانوں پر برکتوں اور رحمتوں کے دروازے کھول دے۔ اپنے کمال کرم سے، اِنَّہٗ قَرِیْبٌ مُجِیْبٌ ، اکثر خاص اوقات میں دعائے خیر کا وظیفہ ادا کیا جاتا ہے اور بعض اوقات غلبۂ اسلام کی خوش خبری ہوش کے کان میں پہنچتی ہے اگر چہ یہ حقیقت بعد انتظار اور پس از کوشش حاصل ہوگی، لیکن مایوس نہ ہونا چاہئے، ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے، والسلام۔

مکتوب ششم

بجانب

نجیب الدولہ

خدائے عزوجل امیر الغزاۃ، رئیس المجاہدین کو محفوظ اور بنظر عنایت ملحوظ رکھے، بعد سلام کے واضح ہو کہ خط مبارک پہنچا، ذات گرامی کی صحت وسلامتی معلوم کر کے شکر الٰہی بجالایا، ''پردۂ غیب'' میں مرہٹہ اور جٹ کا استیصال مقرر ہوگیا ہے، بس وقت پر موقوف ہے جونہی کہ اللہ کے بندے کمر ہمت باندھیں گے طلسم باطل ٹوٹ جائے گا۔

ایک بات اور کہنی ہے وہ یہ کہ جب افواج شاہیہ کا گزر دہلی میں واقع ہو تو اس وقت اہتمام کلی کرنا چاہئے کہ دہلی سابق کی طرح ظلم سے پامال نہ ہو جائے، دہلی والے کئی مرتبہ اپنے مالوں کی لوٹ اور اپنی عزت کی توہین اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں، اسی وجہ سے کارہائے مطلوبہ کے حصول میں تاخیر ہو رہی ہے۔

آخر مظلومین کی آہ بھی تو اثر رکھتی ہے، اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ کار بستہ جاری ہو جائے تو پوری پوری تاکید کرنی چاہئے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذی کی حیثیت رکھتے ہیں، ہرگز تعارض نہ کرے، والسلام۔

مکتوب ہفتم

بجانب

نجیب الدولہ

خدائے عز و جل آں منبع الحسنات، امیر المجاہدین، رئیس الغزاۃ کو فتوح تازہ اور برکات بے اندازہ سے مشرف وممتاز کرے۔

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے التماس یہ ہے کہ اکثر اوقات مجیب الدعوات کی درگاہ میں دعا کی جاتی ہے کہ وہ مخالفین اسلام کے فرقوں کو ''شکست خوردہ'' کردے، فضل باری سے امید یہ ہے کہ یہ بات عنقریب وجود میں آئے گی، ہندوستان میں تین فرقے شدت وصلابت کی صفت سے موصوف ہیں، جب تک ان تینوں کا استیصال نہ ہوگا، نہ کوئی بادشاہ مطمئن ہوکر بیٹھے گا، نہ امراء چین سے بیٹھیں گے اور نہ رعیب خاطر جمعی سے زندگی بسر کرسکے گی۔

دینی ودنیاوی مصلحت اسی میں ہے کہ مرہٹوں سے جنگ جیتنے کے بعد فوراً قلعہ جاتِ جٹ کی جانب متوجہ ہوجائیں اور اس مہم کو بھی برکات غیبیہ کی مدد سے آسانی کے ساتھ سر کرلیں، اس کے بعد نوبت سکھ کی ہے اس جماعت کو بھی شکست دینی چاہئے اور رحمت الٰہی کا منتظر رہنا چاہئے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانِ ہندوستان نے خواہ وہ دہلی کے ہوں، خواہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ کے، کئی صدمات دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کا شکار ہوئے ہیں، ''چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے'' رحم کا مقام ہے، خدا کا اور اس کے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں، اگر اس بات کا خیال رکھا، تو امید یہ ہے کہ فتوحات کے دروازے پے درپے کھلتے چلے جائیں گے اور اس امر سے تغافل برتا گیا تو میں ڈرتا ہوں کہ ''آہِ مظلوماں'' سدِراہ مقصود نہ بن جائے۔

مکتوب ہشتم

بجانب

نجیب الدولہ بہادر

خدائے عزوجل آں راس المجاہدین، رئیس الغزاۃ، امیر الامرا بہادر کو فتوحات تازہ اور ترقیات بے اندازہ سے مشرف وممتاز کرے۔

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ فقیر زادہ نے آنجناب کا ایک زبانی پیغام نواحی دہلی پر جاٹوں کے غلبہ اور ان کی سرکشی کی بابت مجھ کو سنایا اور اس بارے میں مفصل جواب کی درخواست کی، بناء بریں یہ کلمات لکھے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فقیر نے عالم رویا میں قوم جاٹ کا استیصال اسی قسم کا دیکھا ہے جس طرح قوم مرہٹہ کا استیصال ہوا ہے اور یہ بھی خواب میں دیکھا ہے کہ مسلمان جاٹوں کے دیہات اور قلعہ جات پر مسلط ہو گئے ہیں اور وہ دیہات و قلعے مسلمانوں کی جائے بودوباش بن گئے ہیں، غالب گمان یہ ہے کہ روہیلے جاٹوں کے قلعوں میں اقامت گزیں ہوں گے یہ چیز غیب الغیب میں مصمم ومقرر ہے، فقیر کو اس بارے میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں ہے لیکن ابھی تک عالم ملکوت میں صورت فتح ظاہر نہیں ہوئی ہے، جن خدا کے خاص بندوں کو اس کام پر قائم کیا گیا ہے ان کی توجہ اور دعا کی ضرورت ہے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی تو اب فقیر کا مشورہ یہ ہے کہ جناب عالی اعلاء کلمۃ اللہ اور تقویت ملت محمدیہ کی نیت مضبوط طریقے پر کرلیں، اور مخالفین سے مقابلہ شروع کردیں، جس دن تم سے

بقصدِ جنگ کوچ کریں فقیر کو اطلاع دیں تاکہ فقیر اس طور پر کہ جس طور پر خداوند کریم نے اس کو تعلیم دی ہے، متوجہ ہو۔

امید فضل خداوندی سے یہ ہے کہ فتح عجیب رونما ہو گی اور افواج مخالفین درہم برہم ہو جائیں گی، یہ بات ملحوظ رہے کہ جنگ اعداء اتار چڑھاؤ رکھتی ہے کہیں ذرا سی خبر سے بد دل نہ ہو جانا، پیدائش حضرت آدم سے لے کر تا ایں دم کونسی ایسی فتح ہوئی ہے جو نشیب و فراز نہیں رکھتی تھی، اس بارے میں مبالغہ کرنا فقیر کی عادت میں داخل نہیں ہے، لیکن ایک نکتہ اور خیال میں رہے وہ یہ کہ بعض مردم ہنود جو بظاہر تمہارے اور تمہاری حکومت کے ملازم ہیں اور باطن میں ان کا میلان مخالفین کی جانب ہے، وہ نہیں چاہتے کہ مخالفین کی جڑ کٹ جائے، وہ ملازمین ہزار جتن اس معاملے میں کھڑے کریں گے اور ہر طریقے سے آں عزیز القدر کی نظر میں صلح کو آراستہ و پیراستہ کر کے دکھلائیں گے۔

دل میں ٹھان لینا کہ اس جماعت کی بات نہ سنوں گا اور انکی باتوں کی طرف میلان طبع ہو گیا تو نصرت میں تاخیر ہو گی۔ فقیر اس چیز کو اس طرح جانتا ہے گویا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے، والسلام۔

مکتوب نہم

بجانب

نجیب الدولہ بہادر

اللہ تعالیٰ راس المجاہدین، رئیس الغزاۃ، امیر الامراء بہادر کو فتوحات تازہ اور ترقیات بے اندازہ کے ساتھ مشرف کرے۔

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ آپ کا مکتوب گرامی جنگ کی استعداد کے بارے میں اور اس بات کے استفسار کے سلسلہ میں پہنچا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جاٹوں کے ساتھ مل گئی ہے، ان کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔

میرے عزیز! جاٹوں پر فتح غیب الغیب میں مقرر ہو چکی ہے اس بارے میں کوئی اندیشہ دل میں نہیں لانا چاہئے، انشاء اللہ تعالیٰ مرہٹوں کی طرح جوں ہی کہ مقابلہ ہوگا یہ طلسم ٹوٹ جائے گا، اگر مسلمانوں کی ایک جماعت جاٹوں کے ساتھ ہے تو اس کا کوئی خیال نہ کریں، مجھے امید ہے کہ بجز اس کے کہ ظاہر میں دشمنوں کی کثرت نظر آئے اور کوئی تشویش پیش نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کے ہاتھوں کو جو (غیروں کے ساتھ ہیں) روک دے گا، وہ جنگ نہ کر سکیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ بس یوں سمجھ لو کہ جس طرح شیر بکریوں کے گلے میں آ جاتے ہیں اور بکریاں بھاگ جاتی ہیں، اسی طرح مخالفین کو بھاگتے بنے گی، دشمنوں کی کثرت سے اور دشمنوں کے ساتھ مسلمانوں کی رفاقت سے ڈرنا نہ چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ سب پر غالب ہے، اگر مخالفین مکر و حیلہ کے ساتھ صلح

کی گفتگو کریں تو ان کی باتوں پر کان نہ دھرنا، اگر بعض ایسے مسلمان جن کا اعلاء دین محمدیؐ کے سلسلے میں نیت کمزور ہے، لمبے چوڑے خطرے سامنے لا کر پیش کریں تو ان کی بھی نہ سننا چاہیے۔

اس کام میں بس آپ کی توجہ استعداد حرب کے بہم پہنچانے اور شدت کی طرف منعطف ہونی چاہیے، میاں فقیر گل نے مسلمانوں کی بعض باتیں اور غلط اندیشے مفصل بیان کیے، تاکید مزید کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ جس وقت جنگ جاٹ کے لیے نکلیں، فقیر کو اطلاع دیں، انشاء اللہ تعالیٰ روانگی کے وقت سے لے کر فتح کے وقت تک دعائے دلی میں مشغول رہوں گا، والسلام۔

مکتوب دہم

بطرف

نجیب الدولہ

اللہ تعالیٰ آں راس المجاہدین، رئیس الغزاۃ، امیر الامراء کو مسند عزت پر برقرار رکھ کر طرح طرح کی بھلائیاں ظہور میں لائے۔

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ جو کچھ معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ اس دور میں تائید ملت اسلامیہ و امت مرحومہ آپ (جو مصدر خیر ہیں) کے پردے میں ظہور کر رہی ہے، کسی طرح کا وسوسہ قلب گرامی میں نہ آنے پائے، تمام کام انشاء اللہ تعالیٰ دوستوں کی مراد کے مطابق ہوں گے، اگر تمام دشمن قہر الٰہی سے پامال ہو جائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حافظ جواہر خاں بہت نیک خصلت آدمی ہیں خراش و تراش اور لگانا بجھانا جو کہ بادشاہوں کے مصاحبوں کی بری عادت ہے ان کے اندر نہیں ہے، میں موصوف کو اس وقت سے جانتا ہوں کہ جبکہ وہ جواہر خاں مرحوم کی تربیت میں تھے، آپ کی توجہ جوان کی ملازمت کے برقرار رکھنے کے لئے ان کے حال پر رہی اور اب بھی ہے، صحیح و درست ہے...... پہلے بھی اس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، والسلام۔

مکتوب یازدہم

بنام

شیخ محمد عاشق پھلتیؒ

حقائق و معارف آگاہ عزیز القدر سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التیام مطالعہ کریں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے خیر و عافیت دے رکھی ہے، دیگر آنکہ کل میں بعد از نماز جمعہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے مجلس سے اٹھ گیا تھا اور آں عزیز کو جلد رخصت کر دیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں ہجوم خلق پریشان نہ کر دے، پادشاہ (۱) اور اس کی والدہ (۲) آئے تھے، پہلے مسجد میں زنانہ کا انتظام کیا گیا، اس صورت سے بادشاہ کے آنے کی غرض یہ تھی کہ بے تکلف ہو کر کچھ دیر ٹھہرے، تقریباً تین چار گھنٹے وہ بیٹھا، کھانا بھی کھایا، اس کی زیادہ تر باتیں مخلوق خدا کی بھلائی کے کاموں میں مدد چاہنے سے متعلق تھیں، وہ اس بات پر افسوس کرتا تھا کہ اس نے اعتکاف کے زمانے میں جن باتوں کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، وہ آشکارا ہو گئیں اور یہ بھی دریافت کرتا تھا کہ آیا مجھ سے کونسی ایسی لغزش ہو گئی، جس کی وجہ سے صفائی قلب جاتی رہی، اس نے یہ بھی کہا کہ اس سے پہلے میں خواب میں مشاہدۂ جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتا تھا، اب ’’زیارت‘‘ میسر نہیں ہوتی، درمیان گفتگو میں اپنی تین خوابیں ذکر کیں۔

پہلی خواب

اس نے کہا، جس وقت رفیع الدولہ (۳) کو تخت شاہی پر بٹھایا گیا تھا اس وقت میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ رفیع الدولہ کے بعد کون بادشاہ ہوگا؟ فرمایا کہ روشن اختر (محمد شاہ) میں نے عرض کیا روشن اختر (۴) کے بعد کون ہوگا؟ فرمایا ایک اور ہے جس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے (۵)۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون ہوگا؟ فرمایا ''تو'' (۶)، پھر میں نے یہ دریافت نہیں کیا کہ میری حکومت کب تک چلے گی۔

دوسری خواب

جس وقت نادر شاہ کی طرف سے قتل عام واقع ہوا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ گویا ایک حصار کھینچ رہے ہیں اور اشارہ فرما رہے ہیں، میں نے عرض کیا حضورؐ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ ایک زبردست آگ لگی ہے، میں نے حصار کردیا ہے تاکہ قلعہ محفوظ رہے۔

تیسری خواب

میں نے خواب میں دیکھا، کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کلغی دست مبارک سے تیار فرما رہے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ تیرے واسطے بنا رہا ہوں۔

بادشاہ سے فقیر نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت ہونے کا طریقہ بیان کیا اور بادشاہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کے تصور کے لئے کہا، اس نے کہا کہ رفیع الدولہ اور روشن اختر والے خواب میں جو صورت مبارک دیکھی تھی وہ میرے ذہن میں حاضر ہے، فقیر نے کہا کہ اسی کو اپنے دل کے سامنے رکھو، اس گفتگو کے بعد مسجد میں فقیر کے ساتھ نماز پڑھ کر رخصت ہوا، والسلام۔

مکتوب دوازدہم

بنام

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ سے بعد از سلام مطالعہ کریں۔

الحمدللہ کہ اس ''حادثۂ عامہ'' میں عافیت نصیب ہوئی اس محلّہ کو معلوم نہیں ہوا کہ مخالف کی فوج آئی تھی یا نہیں، نہ تو لوٹ ڈالنے والوں کی لوٹ سے کوئی اذیت پہنچی اور نہ اس تاوان و جرمانہ (تعزیری ٹیکس) سے جو حویلیوں پر ڈالا گیا تھا کوئی زیر بار ہوا۔

سابق میں عالمگیر ثانی سے جو کچھ کہہ دیا گیا تھا کہ اس فتنہ میں تم کو سلامتی حاصل رہے گی وہ بھی ظہور میں آیا، اکثر کی جائیدادوں کی سندیں، (دستاویزیں) ضبط ہوگئیں، مگر میری سند کہ دستخط کر کے مجھ کو واپس کر دی گئی ہے، اس وقت احمد شاہ درانی جنگ جاٹ کی طرف متوجہ ہے، جو کچھ وقوع میں آئے گا بعد کو لکھا جائے گا، اہل شہر اپنے قتل ہونے سے تو محفوظ رہے، لیکن دولت کا مادۂ فاسدہ جن لوگوں کے مزاجوں میں پیدا ہوگیا تھا اس کا تنقیہ پورے طریقے پر ہوگیا، چنانچہ عبرت کی چیز ہے کہ جو لوگ جاہ و حشمت میں جس قدر زیادہ تھے، قید و ضرب اور سزا بھگتنے میں بھی وہی آگے آگے رہے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنا چاہا وہ محفوظ رہا، والسلام۔

مکتوب سیزدہم

بنام

شیخ محمد عاشق پھلتیؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد محبت کے مطالعہ کریں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے خیر و عافیت عطا فرما رکھی ہے آج ایک افواہ سنی گئی ہے، جس نے یک گونہ تشویش خاطر پیدا کر دی وہ یہ کہ درانی کی فوجیں بارہہ (۱) کی جانب روانہ ہو رہی ہیں اور یہ بات تشویش کا باعث ہے بھی۔

میرا ظن غالب یہ ہے کہ پھلت اور بوڑھانہ (۲) کی طرف جانے سے ان فوجوں کو کوئی تعلق نہیں ہے، حاصل کلام فضل الٰہی سے امید قوی ہے کہ خدا تم کو اور ہم کو تمام آفات سے محفوظ رکھے گا، اور یہی اطمینان دل میں موجزن ہے، اگرچہ بحسب ظاہر کچھ نہ کچھ تشویش بھی ہوتی ہے اور تدبیر اصلاح کی جاتی ہے، والسلام۔

مکتوب چہاردہم

بنام

یعنی شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام کے مطالعہ کریں۔

خیر و عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمہیں ہمیشہ عافیت سے رکھے، آپ کا مکتوب گرامی پہنچا اور آپ کا موضع پھلت میں سلامتی کے ساتھ آنا معلوم ہوا کہ خیریت سے وہاں پہنچے۔

دستور کے موافق امسال بھی اعتکاف میں داخل ہوا، اس توفیق کے ملنے پر اور مزید احسانات کے دروازے کھلنے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

جو باتیں ''وارداتِ احوال'' کے قبیل سے ہیں ان کا لکھنا چنداں لطف نہ دے گا باقی جو ''معارف'' کے قبیل سے باتیں ہیں وہ انشاء اللہ تعالیٰ بعد فراغت اعتکاف بشرط سہولت لکھی جائیں گی۔

جو کچھ فقیر کو معلوم ہو رہا ہے یہ ہے کہ احمد شاہ ابدالی مخالفین کی سرکوبی کے لئے پھر آئے گا(۱) اور بعد تمام ہونے امر ''وعدہ شدہ'' کے شاید اسی سرزمین میں اپنی ودیعت حیات کو سپرد کر دے گا، گناہوں کی کثرت اور لعنتی کاموں کے ہجوم کے باوجود اب تک جو کام کی نوعیت برقرار ہے، غالباً اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو طاقت مخالفین کو تہس نہس کرنا ہے، والسلام۔

مکتوب پانزدہم

بنام

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام کے مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس سے دنیا اور آخرت میں عافیت اور عفو مانگتا ہوں۔

گرامی نامہ مشکیں شامہ پہنچا، حقیقت مرقومہ واضح ہوئی، کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ''طوائف الملوکی'' ہوگی، فوجیں حرکت میں آئیں گی اور شہر تہہ و بالا ہوں گے۔

اللہ سے یہ دعا ہے کہ اس ''حادثہ'' میں مخالفین اسلام پر ہی مصیبت پڑے اور ''مٹھی بھر'' مسلمان جو ان بلاد میں غرباء(۱) کی حیثیت سے پڑے ہوئے ہیں، محفوظ و مامون رہیں، ''اللہ تعالیٰ قریب ہے اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے'' جو کچھ قضا و قدر میں ہے چاروناچار ضرور ظہور میں آئے گا، اس جماعت کو خوشخبری ہو جو تسلیم و رضا کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہے، اپنے مقال سے بھی اور اپنے حال سے بھی، ایسی جماعت کو خوش خبری ہو کہ اس کے شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کرنے کے بعد جب کبھی ''ہوائے قدس'' چلے گی، اس کی حافظ و ناصر ہوگی۔

''البتہ میرے کام کا بنانے والا اللہ ہے جس نے قرآن اتارا اور وہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے''، والسلام۔

مکتوب شانزدہم

بنام

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق ومعارف آگاہ عزیز القدر، سجادہ نشین اسلام کرام، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد سلام مطالعہ کریں، خیر وعافیت پر شکر خداوندی ادا کرتا ہوں۔

سید فتح اللہ خاں کا خط پہنچا، ان کو ''یا حفیظ'' ابجد کے حساب سے (۹۹۸) مرتبہ پڑھنے کے لئے لکھا گیا کہ اس کے اوّل آخر چند بار یہ الفاظ درود پڑھا جائے، **اللہ صل علی سید القاہرین علی اعداء رب العلمین**، یعنی اے اللہ رحمت بھیج اس ذات اقدس پر جو سردار ہے اللہ کے دشمنوں پر قہر کرنے والوں کا۔

چند ''تعویذ سلاح'' بھی بھیجے گئے اور ان کے خط میں یہ فقرہ بھی تحریر ہوا ہے، فقیر کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ اگر یہ مسلمان دریا سے پار ہوکر ایک بار جماعت مرہٹہ پر حملہ کردیں تو اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی مشاہدے میں آئے گی، مخالفین طلسم کی طرح منتشر ہوجائیں گے، والسلام۔

مکتوب ہفت دہم

بنام

شیخ محمد عاشق پھلتیؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد از سلام کے مطالعہ کریں۔

عافیت پر اللہ کی حمد ہے اور اللہ سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اور تمہیں ہمیشہ عافیت سے رکھے، نامہ مشکیں شمامہ پہنچا، وہ دہشت جو اس طرف مخالفین اسلام کی فوج کے قریب آجانے سے پھیل گئی ہے، اس کا علم ہوا، رب العزت کی بارگاہ سے التجا ہے کہ قریۃ الصالحین کو جہنم آفات سے محفوظ رکھے۔

مکتوب ہشت دہم

بنام

شیخ محمد عاشق پھلتیؒ

.....لکھا تھا کہ کیا اچھا ہو اگر اعتکاف رمضان میں پھلت آ کر کروں، فقیر یہ بات دل سے چاہتا ہے، لیکن شہر دہلی کے موجودہ ناساز گار حالات کے پیش نظر کہ یہاں روزنت نیا فتنہ کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں قسم قسم کا خوف لاحق ہوتا رہتا ہے، مناسب نہیں ہے کہ اپنا گھر بار اور اپنے متعلقین کو یونہی چھوڑ دیا جائے۔

وہی عربی کا مشہور مصرعہ مناسب حال ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ (کبھی) ہوائیں کشتیوں کی خواہش کے برخلاف چلتی ہیں۔

مکتوب نوازدہم

بنام

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد از سلام کے مطالعہ کریں۔

عافیت پر خدا کی حمد ہے اور اس سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمہیں ہمیشہ عافیت سے رکھے، تمہارا خط پہنچا، حقائق مندرجہ سے آگاہی ہوئی، تم نے لکھا تھا کہ اگر دہلی سے جانے کا قصد ہو تو سواری کا انتظام کیا جائے۔

اصل قصہ یہ ہے کہ وقوع فتنہ یقینی ہے، جب افواج ابدالی کی آمد آمد کشمیر(۱) کی طرف سنی گئی تو وہ پوشیدہ خطرہ ظاہر ہو گیا اور اس بارے میں مشورہ کیا گیا، بعد مشاورت یہ طے پایا کہ جب نوبت لاہور تک پہنچے اس وقت خاندان کو پھلت کی طرف روانہ کر دیں اس لئے کہ قبل پیدا ہونے فتنہ کے خواہ مخواہ کہیں کو چل پڑنا کم عقلی ہے اور ہجوم فتنہ کے بعد توقف کرنا، یہ گھمنڈ کی بات ہے، ابھی تک وہی بات دل میں ٹھان لی ہے جس کو اوپر ذکر کیا گیا ہے، معلوم نہیں یہ بات جلد پیش آنے والی ہے، یا کچھ مدت کے بعد ”میں نہیں جانتا ہوں آیا ہے قریب وہ جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے واسطے میرے رب نے کوئی میعاد“۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فی الحال کوئی تشویش بظاہر نہیں ہے کہ یہاں سے کہیں جانے کی باعث ہو جب وہ وقت ظاہر ہوگا ہم وہی کریں گے جس کو ہم نے سوچا ہے، والسلام۔

مکتوب بستم

بنام

شاہ محمد عاشق پھلتیؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ سے بعد مطالعہ کریں۔

الحمدللہ عافیت سے ہوں، مکتوب بہجت اسلوب پہنچا اور ایام عرس میں نہ آنے کا سبب معلوم ہوا، اللہ تعالیٰ اچھے طریقے سے تلافی مافات کرے۔

کفار ہر طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہیں ارباب حل وعقد کو بظاہر کوئی بے طاقتی و بے بسی نہیں ہے مگر روپیہ کی کمی ہے اور جنگ کے دراز ہونے کا خوف لگا ہوا ہے، ہر چند وزیر سے مکرر تاکید کے ساتھ لکھا گیا کہ جماعت مرہٹہ عنقریب عقوبات شدیدہ میں مبتلا ہوں گے اگر اس وقت کمر ہمت باندھ لیں تو کھلی فتح حاصل ہوگی، مگر ابھی تک یہ حال ہے کہ صبح کو ایک رائے قائم کرتے ہیں اور شام کو توڑ دیتے ہیں، یہ بات یقینی ہے کہ مسلمین کو نصرت، بادشاہ و وزیر کو فتح اور جیوش کفر کو شکست نصیب ہوگی۔

آپ کو اس فرشتے کا قصہ تو معلوم ہوگا جو معاملہ جنگ پر مقرر و متعین ہے۔

صفدر جنگ کی حالت یہ ہوئی کہ آکلہ (کینسر) اس کے پاؤں میں پیدا ہوگیا، ہر چند اس کے پاؤں کے گوشت کو کاٹتے تھے اور خراب ہوتا تھا بالآخر پاؤں کاٹنے پر مجبور ہوئے، یہاں تک کہ برے حال میں گزر گیا۔ بس اسی طرح اس وقت مرہٹہ و جٹ کے حق میں خدا کی ناراضگی متوجہ ہوگی، اور ملکوت میں اس جماعت کی شکست وہلاکت مصمم ہوگئی ہے۔ واللہ غالب علی امرہ۔

مکتوب بست ویکم

بنام

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔

عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کے فضل عظیم سے یہی درخواست ہے کہ وہ ہمارے اور تمہارے لئے عافیت کو ہمیشہ قائم رکھے، اس خبر پر مشتمل مکتوب پہنچا کہ وہ ظالم و فاجر لوگ جو انتہائی سرکشی اختیار کر چکے تھے اور ان کے ظلم کے ہاتھوں سے کچھ سختی اور شدت بھی سرزد ہوئی تھی، تائید الٰہی کے بروقت پہنچنے کی وجہ سے ظلم سے باز رہے اور انھوں نے اطاعت و انقیاد کا اظہار کیا، اس خبر کے پہنچنے پر شکر الٰہی ادا کیا گیا دو وجہ سے، ایک تو اس لئے کہ ظالموں کا ظلم موقوف ہوا، دوسرے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے آں عزیز القدر کو استجابت دعاء اور دفع بلا کا مصدر و مرکز بنایا، اس نے تم کو ان لوگوں میں سے کر دیا جن کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور جن کی وجہ سے بلائیں دور کر دی جاتی ہیں، اور یہ انعام قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہے۔

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰى اَبَوَيْكَ مِنْ
قَبْلُ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ

یہ بڑی دولت تم کو مبارک ہو، اللہ تعالیٰ ہر لحظہ اس میں ترقی عطا فرمائے، ہر چند جو کچھ خارج

میں ہوتا ہے یعنی بندے کے ساتھ اللہ کے جو معاملات ہوتے ہیں، اس کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، مثلاً ہمت ارواح طیبہ احیاء و اموات، لیکن چونکہ اس ہمت کا سلسلہ جنباں بھی کوئی شخص ہوتا ہے لہٰذا وہ کامیاب صورت حال اسی مبارک شخص کی طرف منسوب ہوگی۔

وَتِلْکَ سُنَّةُ اللّٰهِ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِیْلاً

والسلام

مکتوب بست و دوم

بجانب

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، عزیز القدر، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التیام مطالعہ کریں، عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اس کے کرم عظیم سے درخواست ہے کہ وہ مستقبل میں بھی ہم کو اور تم کو عافیت سے رکھے۔

رقیمہ گرامی پہنچا، حقیقت مندرجہ واضح ہوئی، تمام حالات میں سوائے فضل الٰہی پر اعتماد کرنے کے ہم کسی چیز پر بھروسہ نہیں کرتے، عین رفاہیت و امن کے زمانہ میں یہ بات دل میں راسخ رہتی ہے کہ انس و جن میں سے بہت سے ظالم و سرکش موجود ہیں اور ہم نے اپنے اندر اتنی طاقت بھی نہیں پاتے کہ ان ظالموں کے مظالم کا دسواں حصہ بھی دفع کر سکیں، بس محض فضل الٰہی سے دن کو رات اور رات کو دن تک پہنچاتے ہیں، لمحات رفاہیت میں بھی ہر لمحہ یہی حقیقت اپنا نصب العین رہی ہے اور اب بھی جبکہ ''امواج فتن'' کا تلاطم نظر آرہا ہے، بغیر ذرہ برابر فرق کے یہی عقیدہ ہے۔

ہم کو پوری امید ہے کہ ہم اور ہمارے رفقاء یہاں (دہلی میں) محفوظ رہیں گے، اور اسی طرح آں عزیز القدر مع جمیع احباء و اعزاء وہاں (پھلت میں) محفوظ رہیں گے، مدبر السموت والارض (اللہ تعالیٰ) کی نظر کرم یہاں اور وہاں یکساں ہے، پھر خواہ مخواہ کہیں منتقل ہو جانے کی تکلیف ہم کیوں اٹھائیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ بعض نفوس کا یہاں رہنا اس جگہ کے (صالح) انقلاب حالات کا سبب بن جائے، لہٰذا تم کو یہاں کے حالات کے بارے میں ہرگز پریشان نہ ہونا چاہئے اب، نہ آئندہ، والسلام والاکرام۔

مکتوب بست وسوم

بجانب

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق ومعارف آگاہ، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد از سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔

رقیمۂ گرامی پہنچا، اس میں لکھا تھا کہ "ہنگامۂ افغان" کی خبر گرم ہے، اس وقت مناسب یہ ہے کہ آپ اس طرف (یعنی پھلت) منتقل ہو جائیں، ان دنوں یہ بات بھی تو مشہور ہو رہی ہے کہ کچھ عرصہ سے افغان لاہور میں ٹھہرا ہوا ہے اور جس بات سے لوگ ڈر رہے تھے کہ وہ غارت گری کا بازار گرم کرے گا ایسا نہیں ہوا، بلکہ وہ رعیت کو اور (یہاں کے) سپاہیوں کو تسلی دے رہا ہے، اس مرتبہ اس گروہ افغانان کے پیش نظر ماضی کے برخلاف ملک داری ہے نہ کہ غارت گری، واللہ اعلم بحقیقة الحال

اس کے باوجود دل میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اس حادثہ میں جس کا وقوع ضرور ہوگا، بعض نفوس کا وجود ضروری ہے، نظر رحمت الٰہی اس شخص کی طرف متوجہ ہے، حضرت حکیم جل مجدہ کی یہ بھی طاقت ہے کہ عین تلاطم میں خوشی اور کشادگی پیدا فرما دے اور آگ گلزار ہو جائے، جیسا کہ آب نیل، مجوبین کے لئے بلا بن گیا تھا اور محبوبین کے لئے نعمت، میرا دل تو بالکل مطمئن ہے، میں شور وغوغا کو کسی شمار میں نہیں لاتا۔

لطف علی خاں، دیوان خواب بہادر اپنے آقا کا پیغام میرے پاس لائے یعنی اس بلا (ہنگامۂ افغان) کے دفع کرنے کے لئے میں کوئی دعا کروں، میں نے ان کے سامنے یہ دعا کی، "اے اللہ! امت محمدیہؐ کی اصلاح فرما، اے اللہ! امت محمدیہؐ کے گناہ بخش دے"۔

یہ دعا کر کے میں نے کہا کہ ہماری تو یہ دعا ہے۔ لطف علی نے کہا کہ میں تو بادشاہ کے لئے افغانوں پر فتح و نصرت کی دعائے خاص چاہتا ہوں، میں نے کہا دعائے زبانی تو زبانی جمع خرچ کے طور پر ہو سکتی ہے مگر تہہ دل سے دعاء داعیۂ الٰہیہ پر موقوف ہے اور وہ داعیہ میں اپنے دل میں نہیں پا رہا ہوں، ہر چند یہ بات ان پر شاق گزری، مگر حقیقت کا اظہار کر دیا گیا۔

سید محمد نعیم، اس فتنہ کے دوران اپنے گھر میں بیٹھنا لازم جانیں، والسلام۔

مکتوب بست و چہارم

بجانب

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق و معارف آگاہ، سجادہ نشین اسلاف کرام، شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ۔

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد از سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔

الحمد للہ علی العافیۃ والسلامۃ، حقیقت حال تمہارے مکاتیب بہجت اسالیب سے واضح ہوئی، اللہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رکھے اور راحت واطمینان اور یسر کا معاملہ فرمائے۔ اِنَّهٗ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ گسائیوں کے غلبہ سے جو سہارنپور کے نواح میں رونما ہے۔ دل میں تردد تھا، آخر اس کلمہ کی طرف رجوع کرنے سے جو ابھی ذکر کیا گیا (اِنَّهٗ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ) اس تردد کو رفع کیا، والسلام۔

مکتوب بست وپنجم

بجانب

شیخ محمد عاشقؒ

حقائق ومعارف آگاہ، سجادہ نشین اسلاف کرام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد از سلام محبت مشام مطالعہ کریں، عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تم کو جمیع آفات وبلایا سے محفوظ رکھے۔

رقیمۂ کریمہ پہنچا، اور اس کی طرف انتشار فساد گسائیں کے سبب جو پریشانی لاحق ہوگئی ہے وہ بھی معلوم ہوئی۔

امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے طریقے سے جس کا لوگ گمان بھی نہ کرسکیں گے اس اضطراب وپریشانی کو اطمینان وامن سے بدل دے گا، ”اللہ تعالیٰ پر یہ بات دشوار نہیں ہے“، والسلام۔

مکتوب بست و ششم

بنام

شاہ شیخ محمد عاشق پھلتیؒ

جمعرات کے دن بادشاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کرنے کے لئے سوار ہو کر گیا تھا، مجھے پہلے سے اطلاع دیئے بغیر کابلی دروازے سے سادہ تخت پر سوار ہو کر غریب خانے پر وارد ہوا، فقیر کو کوئی اطلاع ہی نہ تھی، مسجد میں بوریوں پر آکر بیٹھ گیا، اس قدر توقیر سلطان کرنا لازم ہوئی کہ فقیر جس مصلّیٰ پر بیٹھتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے اس کو اس طریقے سے بچھا دیا گیا کہ اس کی ایک جانب فقیر بیٹھ گیا اور دوسری جانب بادشاہ، بادشاہ نے اوّل مصافحہ کیا بڑی تعظیم کے ساتھ، بعد ازاں کہا، میں مدت سے آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا لیکن آج اس جوان کی رہنمائی میں یہاں پہنچا ہوں، اشارہ وزیر کی طرف کیا، پھر کہا کہ غلبۂ کفر اور رعیت کا تفرق وانتشار اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے، چنانچہ مجھے تو سونا اور کھانا پینا دوبھر اور تلخ ہو گیا ہے، اس بارے میں آپ سے دعا مطلوب ہے، میں نے کہا کہ پہلے بھی میں دعا کرتا تھا اور اب تو انشاءاللہ اور زیادہ دعاء میں مشغول رہوں گا۔

اسی دوران میں وزیر نے مجھ سے کہا کہ حضرت بادشاہ پانچوں وقت کی نماز کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں، میں نے کہا، الحمدللہ! یہ وہ بات ہے کہ ایک مدت کے بعد سننے میں آرہی ہے ورنہ ماضی قریب کے بادشاہوں میں سے کسی میں یہ نماز کی پابندی سننے میں نہیں آئی تھی۔

بادشاہ نے (مجھ سے مخاطب ہوکر) کہا علماء انبیاء کے وارث ہیں، جب تک ایسے کاموں میں دعائے اہل دل شامل نہیں ہوتی، کامیابی نہیں ہوتی، اس لئے کہ پادشاہان دین علماء اور اہل دل ہیں بلکہ صحیح ہے کہ وہ دین ودنیا دونوں کے بادشاہ ہیں، دنیا کا کام بھی ان کی توجہ کے بغیر انجام پذیر نہیں ہوتا ہے، اس گفتگو میں بادشاہ نے بڑی تواضع اور عاجزی ظاہر کی، میں نے کہا کہ ایک فقیر کی جھونپڑی میں اگر کوئی بادشاہ آئے تو اس کی غرض اللہ کے لئے تواضع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگی۔

حدیث شریف میں آیا ہے......

> ''جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اس کو اللہ نے بلند کردیا''۔

آپ کو اس جامع حدیث کے ذریعہ بشارت مند ہونا چاہئے، بعد ازاں فقیر نے (بادشاہ سے) کہا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ بناتے وقت بطور وصیت یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

> ''خلیفہ کو بھی عجیب عجیب مشکلات درپیش ہوتی ہیں، اعدائے دین کی طرف سے بھی اور موافقین کی طرف سے بھی، ان تمام مشکلات کا بس یہی ایک علاج ہے کہ مرضیات حق کو اپنا نصب العین بنا کر حق تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے اور اس کے غیر سے قطع نظر کرلی جائے''۔

اس کے بعد میں نے بادشاہ کو ایک تسبیح دی، اس نے ''تعظیم تمام'' کے ساتھ اس کو لیا پھر میں نے کہا کہ یہ آیت فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ الآیة سوسو بار ہر نماز کے بعد پڑھنی چاہئے، آپ کے معاملات میں یہ عمل نافع ہوگا، بادشاہ نے قبول کیا، اس کے بعد اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے دراز کیا، میں نے مصافحہ کیا، پھر وہ کھڑا ہوا اور سوار ہوگیا۔

بالجملہ بادشاہ خوش نیت، سخی اور نماز پنج گانہ کا پابند ہے، کوئی فسق وفجور کی علامت اس پر نمایاں نہیں تھی، اس کی داڑھی مونچھ شریعت کے مطابق تھی، زبان ہندی وفارسی درست ہے، عربی میں کوئی مہارت نہیں رکھتا، عقل وتدبیر میں، اگرچہ عالمگیر اورنگ زیب کی مانند تو نہیں کہا جاسکتا، مگر ہاں بظاہر بہادر شاہ (اوّل) کی مثل تو ہوگا، واللہ اعلم۔

مکتوب بست وہفتم

بنام

مولانا سید احمد

سیادت مرتبت، نقاہت منقبت، خلاصہ دودمان نجابت مولانا السید احمد سلمہ اللہ تعالیٰ و ابقاہ ومتع المسلمین بصحبتہ ولقیاہ۔

بعد از سلام مسنون اسلام فقیر ولی اللہ کی طرف سے مطالعہ فرمائیں، عافیت پر اللہ کی حمد ہے اور اس لئے یہ دعا ہے کہ وہ ہم کو اور آپ کو ہمیشہ عافیت سے رکھے، وہ احباء جو وہاں سے اس طرف آئے وہ آنجناب سیادت مآب کے شکریے سے تر زبان تھے کہ آپ نے روہیلوں کے لشکروں کو بادشاہ اسلام کی رفاقت کی طرف رغبت دلائی، نیز مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی اور ان کی (حملہ آوروں) کے حملہ وغارت گری سے اس طرح محفوظ رکھا کہ اس سے زیادہ متصور ہی نہیں، فقیر ان سب باتوں کے سننے سے بہت مسرور ہوا اور آپ کے لئے دنیا و آخرت میں بلندی مرتبہ کی دعا بھی کی، آپ بھلا ایسا کیوں نہ کرتے آپ کے تو ضمیر میں جوہر غیرت دینی وحق شناسی ودیعت کیا گیا ہے، فی الواقع اس جماعت اشقیاء نے بغوت، قطع طریق، دشمنان دین حق سے مدد طلب کرنا، ان کو بلاد مسلمین پر مسلط کرنا اور انتہائی درجہ کا رفض ان سب باتوں کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے، اس جماعت کی سزا یہی ہے کہ وہ آپ کے دل سے اتر جائیں اور آپ اپنی پوری توجہ ان کے دفع کرنے میں لگا دیں، وہ جماعت جس کے دل میں ابھی حق بات نہیں بیٹھی، مکرر اس کو ترغیب دی جائے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور ہمارے اور آپ کے امور کا انجام اچھا کرے، نیز آپ کو اس مقام بلند تک پہنچائے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو اور نہ کسی کان نے سنا ہو۔

محمد وفا آپ کے مخلصوں میں سے ہیں، امید کہ زیر عاطفت ہوں گے، والسلام۔

مکتوب بست وہشتم

بجانب

وزیرالمما لک آصف جاہ

الحمدلله والسلام علٰی عباده الذین اصطفیٰ

بعد حمد وصلوٰۃ کے اس فقیر کی طرف سے جناب کو واضح ہو کہ عالم ملکوت میں یہ بات مقرر شدہ ہے کہ مخالفین اسلام ذلیل وخوار ہوں گے، بعد ازاں باغی لوگ رسوا اور خانہ خراب ہوں گے، اگر جناب عالی ان بدمعاشوں کے مقابلہ میں کمر ہمت باندھ کر آجائیں تو یہ تمام کارنامے جناب کی طرف منسوب ہوں گے اور دنیا آپ کی تابعدار ہو جائے گی اور ملت مرحومہ کے رواج اور مسلم حکومت کی استقامت کا باعث جناب عالی کو قرار دیا جائے گا۔

کوشش تھوڑی اور فوائد عظیم الشان مرتب ہوں گے، اگر آنجناب کوشش نہ فرمائیں گے تو یہ تمام مخالف عنصر ”آسمانی حادثات“ سے ہلاک و مضمحل ہو جائے گا، اس صورت میں جناب عالی کی طرف کوئی نیک نامی کی بات منسوب نہ ہو سکے گی۔

(ترجمہ شعر فارسی) اے محبوب اصل میں تو تیری زلف کا کام مشک افشانی کرنا ہے،
لیکن مصلحت کی بنا پر ”آہوئے چین“ کی طرف مشک کو منسوب کر دیا گیا ہے۔

چونکہ یہ حقیقت بالکل یقینی ہے اس لئے آں عزیز القدر سے بے اختیار کہی گئی اور لکھی گئی، وقت کو غنیمت جانئے اور مخالفین کے مقابلہ میں جدوجہد کرنے میں ذرہ برابر کوتاہی جائز نہ رکھے

کچھ عرصہ کے بعد کام خود بخود واضح ہو جائے گا۔

(ترجمۂ شعر عربی (۱)) ''جس وقت گرد و غبار ہٹے گا تو عنقریب دیکھ لے گا کہ تیری سواری میں گھوڑا تھا، یا گدھا یعنی عنقریب حقیقت حال کھل جائے گی''۔

چونکہ ایک امر حقیقت کا اظہار مطلوب تھا، اور درستی و خیر خواہی مقصود تھی، اس لئے کسی قدر مبالغہ سے بھی احتراز نہیں کیا گیا، اس سے زیادہ کھول کر بات کرنا مشکل ہے۔

گوئے توفیق وکرامت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد (۲)

یعنی توفیق وکرامت کی گیند میدان میں ڈال دی گئی ہے، سواروں میں سے کوئی بھی میدان میں نہیں آتا، آخر نہیں کیا ہو گیا ہے؟ وہ بات کہ جو اپنے راز داروں سے در پردہ کہا کرتا ہوں اس مقام پر بے پردہ لکھی گئی ہے تاکہ عذر کا موقع باقی نہ رہے، والسلام والاکرام۔

مکتوب بست و نہم

بنام

وزیر الممالک آصف جاہ

...... بعد حمد وصلوٰۃ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے شجر اقبال کے نئے میوے کو مبارک و مسعود کرے اور اس درخت سعادت (آپ) کی پرورش میں بے اندازہ پرورشیں عطا فرمائے، آمین، بقیۃ الکلام یہ ہے کہ حکیم مطلق جل شانہ نے آدمی کو دو چیزوں سے مرکب فرمایا ہے، ایک بدن عنصری جو کہ حسی خواہشوں کا متقاضی ہے، دوسرے روح جو کہ عقائد حقہ اور اعمال نافعہ کی خواہشمند ہے، یقینی طور پر آدمی کی سعادت بھی جسم و روح دونوں سے متعلق ہے، فطرت سلیمہ رکھنے والے حضرات دونوں قسم کی سعادتیں جمع کرتے ہیں، فقط ایک ہی قسم پر اکتفا نہیں کرتے جس طرح غذائے روح ضروری ہے (اسی طرح غذائے جسم بھی ضروری ہے) کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے مزاجِ روح درہم برہم ہو جاتا ہے، مسلمانوں سے مظالم کا دفعیہ کرنا اور دین کی اشاعت کرنا، نیز رسوم نیک جاری کرنا سراپا سعادت در سعادت ہے، والسلام۔

مکتوب سی

بجانب

وزیرالممالک آصف جاہ

خدائے تعالیٰ بے نہایت ترقیات عطا فرمائے اور دونوں جہان کی نعمتوں سے خوش اور دونوں جہاں کی مصیبتوں سے محفوظ رکھے، بعد اس دعاء کے واضح ہو کہ بابا فضل اللہ نے ہم سے بعض باتوں کا استفسار کیا، فقیر کے دل میں یہ آیا کہ ان باتوں کا جواب بزبان قلم واضح کیا جائے۔

یہ تمام سختیاں جو ظاہر ہو رہی ہیں فقیر کے اعتقاد میں اس کا سبب وہ کوتاہی عمل ہے جو جنگ مرہٹہ کے سلسلے میں اختیاری یا اضطراری طور پر واقع ہوئی، جن دنوں فقیر نے آگاہ کیا تھا، اس وقت کام ہوتا تو عجیب عجیب رحمتیں پیش گاہ خداوندی سے (وقت کی سازگاری کی وجہ سے) بارش کی طرح برس جاتیں، اگرچہ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ تقدیر، حوادث کو شامل ہے، لیکن کارخانہ حکمت الٰہی میں ہر کام کسی نہ کسی خیر سے وابستہ ہے، خیر جو بات گزر گئی وہ گزر گئی۔

قضیۂ قطب خاں (۱) افغان کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ امید ہے کہ عنقریب ختم ہو جائے گا، ظاہرا ایسا ہوتا ہے کہ یہ شخص سرسبز نہیں ہوگا اور اپنے باطل مدعا کو حاصل نہیں کر سکے گا جو کچھ فقیر کو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آں عزیز القدر منصور و مظفر اور محفوظ و محظوظ ہیں۔

بادشاہ کا باہر جانا مناسب نہیں، ان کا یہیں رہنا بہتر ہے، البتہ شاہزادوں میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے ہمراہ لے لیں، بقیہ کلام یہ ہے کہ آں عزیز القدر کو خدائے عزوجل نے

ہندوستان پر پورا تسلط بخشا ہے، ہم لوگ بڑی بڑی امیدیں قائم کئے بیٹھے ہیں کہ آپ کے ذریعہ رفع مظالم، تغیر رسوم بد، ترویج دین حق، اقامت امر خیر، اشاعت علم ونماز وروزہ، یہ سب کچھ عمدہ طریقے پر ہوگا اس لئے کہ آپ کے اندر ایک عجیب شان اور سعادت محسوس ہوتی تھی اور آپ کا مزاج بھی صلاحیت، ذکاوت اور رغبت امور خیر لئے ہوئے معلوم ہوتا تھا، شاید مقتضیات زمانہ کی وجہ سے ابھی تک مذکورہ بالا امور خیر میں کسی کا ظہور نہیں ہوسکا، خدا کرے کہ اس کے بعد تلافی مافات ہوجائے، اس قدر البتہ گزارش ہے کہ فی الحال جس قدر طاقت ہو گرانیٔ غلہ دور کرنے میں سعی بلیغ فرمائیں، (۲) اور اطراف عالم میں جو لوٹ مچ رہی ہے اس کو حتی الامکان ختم کرنا بھی ضروری ہے، والسلام۔

مکتوب سی و یکم

بجانب

نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی

قادر بیچون آں عزیز القدر کو ترقیات ظاہر و باطن سے بہرہ مند کرے، وہ مکتوب جو سرونج سے تحریر کیا گیا تھا پہنچا، چونکہ وہ خط صحت مزاج اور درستی احوال کی اطلاع پر مشتمل تھا اس لئے وہ موجب مسرت و فرحت ہوا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی تھی کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تمام عالم تم سے ڈرے گا۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دنیا سایہ کی طرح ہے، اگر تو اس سے بھاگے گا تو وہ تیرے پیچھے پیچھے دوڑے گی اور اگر تو دنیا کے پیچھے دوڑے گا تو وہ تجھ سے گریز کرے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آں عزیز القدر کو اس زمانے میں اہل سنت و جماعت کا پشت و پناہ بنایا ہے، فرقۂ امراء میں آپ کے علاوہ کوئی حامی اہل سنت نہیں رہا، امید کہ تمام حالات میں ترویج سنت کو منظور نظر رکھیں گے، آپ نصرت اسلام کی طرف پوری پوری توجہ کرنے اور مطالب دنیوی کو دوسرے نمبر پر رکھنے کو بہت ہی نفع مند اور مفید پائیں گے، قرآن مجید میں ہے ''اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا''۔ آج عمل صالح کا سواں حصہ انجام دیا جائے گا اس کو ماضی کے سیکڑوں اور ہزاروں اعمال صالحہ کی برابر سمجھنا چاہئے، والسلام۔

مکتوب سی ودوم

بجانب

نواب مذکور (یعنی نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی)

خدائے تعالیٰ ترقیات ظاہر و باطن عنایت فرمائے، نیز اعلاء کلمۃ اللہ اور نصرت دین اللہ کی توفیق عطا فرمائے۔

فقیر ولی اللہ کی طرف سے بعد سلام واضح ہو کہ ہم آپ کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ آسانی اور معونت الٰہی آپ کے شامل حال و مآل ہوگی، ہمارے مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا کہ آفتاب کے نکلنے کے وقت ''یا عزیز'' اکتالیس بار پڑھنا اور اس کے بعد یا اللہ الا لہ الرفیع جلالہ، پندرہ بار پڑھنا زیادت عزت و غلبہ کا موجب ہوتا ہے، چونکہ آسان وظیفہ ہے اس لئے اس کو پڑھنا چاہئے، والسلام۔

مکتوب سی وسوم

بطرف

عمادالملک

(ان کی ایک عرضداشت کے جواب میں)

اللہ تعالیٰ عالی جناب کی ذات گرامی کو اپنی حفاظت میں رکھے اور تمام حالات میں دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جانب دلالت فرمائے۔

اس فقیر کی طرف سے بعد سلام محبت التزام واضح ہو کہ آپ کا نامہ مشکیں شمامہ پہنچا جس میں اس بات کی اطلاع دی کہ آپ نے اس سے پہلے کوئی مکتوب بھیجا تھا؟ اور اس کا جواب نہیں ملا (درحقیقت) اس سے پہلے آپ کا کوئی خط (یہاں) نہیں پہنچا ہے ورنہ جواب میں کوتاہی نہ کرتا، شاید وہ خط قاصد کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں آں عزیز القدر کی دوستی کے حقوق کا معترف ہوں اور یہ شرط آدمیت ہے کہ حقوق دوستی کا اعتراف کیا جائے، باقی رہا الہام محبت، خاص وضع پر کہ اہل اللہ اس وضع کو پہچانتے ہیں نہ کہ دوسرے لوگ، پھر اس محبت کا نکل جانا، پھر اس محبت کا اپنے وقت پر لوٹ آنا، یہ باتیں اس قبیل سے نہیں ہیں کہ بندے کے اختیار کو اس میں کوئی دخل ہو۔

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت وطاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
ہر چہ استاذ ازل گفت بگوی گویم

صاحب من! مجھے صاف صاف بات کہنی چاہئے تا کہ (کامیابی کے) انتظار سے آپ کا دل ملول نہ ہو، (وہ یہ ہے کہ) ابھی آپ کے آزمائش اور ابتلاء کے ایام ختم نہیں ہوئے ہیں، ان ایام میں سوائے اس کے کہ حفاظت جان کی سعی کر لی جائے اور کچھ بس کی بات نہیں ہے اور یہ بات (جان کی حفاظت) بروئے کار آئے گی، اغلب یہ ہے کہ آپ سلامت رہیں گے، اگر چہ شور وغل اور ہنگامے پیش آئیں گے، آزمائش کے ایام گزرنے پر وہ ترقی جو کہ سابق میں رکھتے تھے اس کی توقع ہرگز نہیں کرنی چاہئے وہ ترقی اب کہاں ع

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

عقلمندی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات عزیز کو ایسے امر کے حاصل کرنے کی فکر میں صرف نہ کریں جو متصور اور متوقع نہیں ہے، اور (ترقی سابق کے) فقدان سے رنجیدہ نہ ہوں، یہ امید ہے کہ ایام آزمائش کے ختم ہونے اور سلطنت ہندوستان کی استقامت پر ظاہراً وباطناً پوری پوری کوشش کرنے کے بعد کوئی اچھی ملازمت میسر ہو جائے۔

علاوہ ازیں آپ نے لکھا تھا کہ ایک عزیز کے ذریعے ایسے پیغام ملاقات آرہے ہیں جو قسم کے ساتھ موکد ہیں اس بارے میں کیا مشورہ ہے؟

صاحب من! جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے جب آپ نے میری رائے دریافت کی ہے تو مجھے لازم ہے کہ دل میں جو بات آئے اس کو بیان کر دوں، اس کے موافق کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے، اس قوم کے قول وقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جس عزیز کا آپ نے نام لکھا ہے وہ بھی رئیس کے نزدیک اتنا اعتبار نہیں رکھتا کہ قول وقرار پر اعتماد کیا جائے، ہجوم وغلبہ قوم کے وقت مصلحت یہی ہے کہ غیر حاضر رکھا جائے، یہاں تک کہ اچھے دن آئیں، والسلام۔

مکتوب سی و چہارم

بطرف

تاج محمد خاں بلوچ

رفعت دعوالی مرتبت عزیز القدر نواب تاج محمد خاں محفوظ محظوظ اور بہ نظر عنایت خداوندی ملحوظ رہیں، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ آپ کا مکتوب گرامی جاٹوں کی سرکشی سے متعلق پہنچا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید یہ ہے کہ وہ مخالف کو پامال کردے گا، خاطر جمع رکھیں، اندریں حالت ضروری ہے کہ:-

آں عزیز القدر، موسیٰ خاں اور دیگر جماعت مسلمین کے ساتھ موافقت کریں اور آپس میں دوستی و یک جہتی کو کام میں لائیں اور اپنی طاقت کو دشمنوں کے مقابلہ میں صرف کریں، غالب امید ہے کہ اجتماع مسلمین اور ان کی حسن عزیمت کی برکت سے تازہ فتح نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں فرماتا ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ، یعنی اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

اس زمانے میں دشمنان دین کے غالب ہونے اور مسلمانوں کے مغلوب ہونے کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ مسلمان اپنے اغراض نفسانی کو درمیان میں لاتے ہیں اور ہنود کو اپنے کاروبار میں دخیل بناتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہنود غیر مسلموں کا استیصال گوارا نہ کریں گے، دور اندیشی اور تحمل محمود شے ہے لیکن اتنی نہیں کہ غیر مسلم مسلمانوں کے شہروں پر غالب آتے چلے جائیں

اور ہر روز ایک شہر پر قبضہ کرتے رہیں، یہ وقت تحمل اور مصلحت اندیشی کا نہیں ہے۔ یہ وقت خدا پر بھروسہ کرنے اور استعداد حرب ظاہر کرنے اور غیرت مسلمانی کو جوش میں لانے کا ہے اگر آپ ایسا کریں گے تو اغلب ہے کہ ‘‘نسیم نصرت’’ چلنی شروع ہو جائے گی۔ فقیر جو کچھ جانتا ہے وہ یہ ہے کہ جنگ جاٹ ایک طلسم ہے کہ اوّل اوّل خوفناک وخطرناک معلوم ہوتی ہے جس وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر پورا پورا توکل واعتماد کر کے اس جانب توجہ واقع ہوگی تو ظاہر ہوگا کہ سوائے نمائش کے وہاں کچھ نہ تھا، امید کہ اپنے حالات اور استعداد حرب کی کیفیت سے اطلاع دیتے رہا کریں گے، یہ چیز دعائے محافظت ونصرت میں ممد ومعاون اور سلسلۂ جنباں ہوگی، والسلام۔

مکتوب سی وپنجم

بطرف

نواب مجد الدولہ بہادر

خداے عز وجل محفوظ ومحظوظ اور اپنی چشم عنایت میں آپ کو ملحوظ رکھے اس وقت آپ کا والا نامہ پہنچا جس میں روداد لشکر اور ان ضعیف رایوں کی تفصیل تھی جن کو لوگ اپنے دماغوں میں پکار ہے ہیں۔

عزیز قدر من! فقیر اس قدر جانتا ہے کہ عالم سَوت میں مرہٹہ و جٹ کا استیصال مصمم ہے اور وہ بعض اشخاص جنگی توجہ کو اس قسم کے امور کے حل وعقد میں عنایت فرمایا گیا ہے، ان مخالفین کے استیصال کی دعا کرنے کے لئے برابر مامور ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو دن بدن آپ کے دل میں ن کے استیصال کا جذبہ موجزن نہ ہوتا۔

اگر اس بد بخت کا آنا متحقق ہوا جو کہ سلطنت تیموریہ کی تخریب کے درپے ہے تو قول خداوندی ''اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ''یعنی میری تدبیر بڑی مضبوط ہے، کا مصداق بھی یقینی طور پر ظاہر ہوگا، اطمینان رکھیں، والسلام۔

مکتوب سی و ششم

بجانب

نواب مجد الدولہ کشمیری

فرزند نبیل عزیز القدر مجد الدولہ بہادر، محفوظ و محظوظ اور چشم عنایت سرمدی میں ملحوظ رہیں، فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد سلام محبت التیام، واضح ہو کہ ایک مدت سے آپ کا کوئی مکتوب نہیں آیا جس میں آپ کے حالات ہم پڑھتے۔ غالباً آپ کاموں میں مشغول ہیں، پہلے سے آپ کا یہ قاعدہ ہے کہ پریشانیوں کے وقت اپنے حالات کے اظہار کے لئے آپ فارغ ہوتے ہیں اور جب کبھی کسی نہ کسی درجے میں ''گل مراد'' کھلنے کا وقت آتا ہے تو کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں، رسم جہاں اور اہل جہاں کچھ ہے بھی اسی طرح کی۔

دوسری بات یہ لکھنا ہے کہ حافظ جواہر خاں اور ان کے لے پالک غلام مصطفٰی کے بارے میں جو کہ فقیر سے اخلاص کا معاملہ رکھتے ہیں، آپ نے جو توجہ مبذول فرمائی یا فرماتے رہتے ہیں، یہ بہت مناسب بات ہے، میں جہاں تک سمجھتا ہوں جواہر خاں نیک نفس آدمی ہے، خراش و تراش ادھر کی اُدھر اور اُدھر کی ادھر لگانا اور چغلی کھانا جو کہ بادشاہوں کے مصاحبوں کی سخت مضرت رساں عادت ہوتی ہے، یہ بات جواہر خاں کے مزاج میں نہیں ہے، اغلب یہ ہے کہ جواہر خاں کے مزاج میں تلون اور رنگ برنگی بھی نہیں ہے کہ ان کا مزاج ہر روز پلٹا کھاتا رہے...... اس زمانہ میں اسی قسم کے اشخاص چاہئیں کہ وہ بادشاہوں کے ہم کلام ہوں، جو شخص لگاؤ بجھاؤ کی عادت اور مزاج میں

تلون رکھتا ہے، وہ ہر چند اوّل اوّل سبز باغ دکھائے مگر بے مزہ پھل اس سے پیدا ہوں گے، یہ دو تین باتیں جو میں نے لکھی ہیں ان میں اچھی طرح غور کرنا چاہیے، بابا فضل اللہ نے غلام مصطفیٰ کے بارے میں آپ کی توجہ اور ان کے مکان سے ''چوکی'' کے اٹھا لینے کو لکھا، اس سے میری طبیعت کو مسرت حاصل ہوئی، وجہ مسرت یہ ہے کہ غلام مصطفیٰ مجھ سے اخلاص صمیم رکھتے ہیں اور اچھی طبیعت کے انسان ہیں، والسلام۔

مکتوب سی و ہفتم

بطرف

نواب مجد الدولہ عبد الاحد خاں

فرزند نبیل، رفعت نشان عزیز القدر مجد الدولہ، عین عنایت خداوندی میں ملحوظ اور آفات سے محفوظ رہیں۔

آپ کا گرامی نامہ پہنچا جس کے ذریعہ وہاں کے واقعات کا علم ہوا نیز اہل غرض کا آنا اور مشرک کا طلب کرنے کا حال معلوم ہوا۔

عزیز قدر من! بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اسباب ارضی ضعیف نظر آتے ہیں بلکہ اسباب ملکوت بھی ضعیف ہوتے ہیں، (مگر) اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے دل میں اس بات کا القاء فرماتا ہے کہ اس کام کے لئے اپنی ہمت کو مضبوط کر لیں، تاکہ اس مراد حق کے مطابق جو غیب الغیب میں ہے، اور جس کا کوئی اثر و نشان خارج میں اور ملکوت میں محسوس نہیں ہوتا، وہ کام پورے طریقے سے متحقق ہو جائے، یہ آپ کا کام بھی اسی قسم کا ہے، اگر تمام اسباب ارضی خلاصی جت پر مجتمع ہو جائیں تب بھی سنت اللہ سے امید قوی یہی ہے کہ یہ لوگ خلاصی نہیں پائیں گے مگر یہ بات ضرور ہے کہ وجود مراد کے وقت تک بہت کچھ نشیب و فراز آئیں گے، اطمینان کرنے اور وساوس کو دور کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، اس سلسلہ میں مبالغہ کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے، ہر شے اپنے وقت کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، والسلام۔

مکتوب سی و ہشتم

بجانب

نواب مجد الدولہ کشمیری

فرزند جمیل عزیز القدر مجد اللہ تعالی، محفوظ اور چشم عنایت سرمدی میں ملحوظ رہیں۔

نامہ گرامی ایک مدت کے بعد ملا، مشرک معلوم اور اس کے دخیل کار ہونے کی وجہ سے آپ کو جو ملال خاطر تھا الحمد للہ کہ اللہ تعالی نے اس کا تدارک اچھے طریقے سے کر دیا ہے، بالفعل سلطنت اس شخص کے لئے مقرر ہوئی ہے جو مشرک معلوم کے ساتھ اور اس شخص کے ساتھ ہرگز موافقت اور سازباز نہ کرے گا جو سابق میں سلطنت پر تسلط رکھتا تھا اور مشرک معلوم کی ڈینگیں مارنا اور بڑھ بڑھ کر باتیں اس تسلط والے شخص ہی کے ذریعہ تھیں۔

نیرنگ زمانہ کبھی کچھ دنوں اس (تسلط والے) کو اوپر اٹھاتا ہے اور کبھی سرنگوں کر دیتا ہے۔

متولیہ امور کے اطوار کے بارے میں اور اس کے ناواقف و نادان لوگوں سے باتیں سننے کے سلسلے میں جو آپ کو تشویش ہے (اس کے متعلق یہ لکھا جاتا ہے) کہ یہ تولیت اور بردوات بھی عارضی ہے۔

مکرر مرقوم کیا جاتا ہے کہ زمانہ اپنے اندر بہت کچھ پست و بلند رکھتا ہے، پھر آپ دل کے خواہ مخواہ کیوں پریشان کرتے ہیں؟

الحمد للہ، فقیر کسی سے غبار نہیں رکھتا، آں عزیز القدر سے کہ اخلاص مصمم رکھتے ہیں، کس لئے

غبار رکھے گا۔

نصیحت کی باتیں اس لئے لکھی جاتی ہیں کہ آپ کی تشویش خاطر کا علاج ہو جائے۔

زمانہ اور اہل زمانہ یہی لوگ ہیں، بھروسہ صرف کارساز بندہ نواز کے فضل و کرم پر کرنا چاہئے، اور لوگوں کی طرف سے کوئی ملال دل پر نہیں لانا چاہئے، اپنی خیریت کو اور حالات کو جیسے بھی ہوں مفصل لکھتے رہیں، آپ کی سرگزشتوں کے مطالعہ سے کوئی زحمت نہیں ہوتی بلکہ آپ کے حالات کے نہ معلوم ہونے سے تکلیف ہوتی ہے اور تلخی انتظار برداشت کرنا پڑتی ہے، زیادہ کیا لکھوں، والسلام۔

مکتوب سی ونہم

بطرف

نواب عبیداللہ خاں کشمیری

آپ کو خدائے عزوجل محفوظ محظوظ اور اپنی چشم عنایت میں ملحوظ رکھے، گرامی نامہ پہنچا، آپ نے علاقہ جات میں اقامت کرنے کے لئے دریافت کیا تھا، عزیز القدر! ایک جماعت کے دل پر بار بار ہر دو گروہ کے استیصال کے لئے دعا کرنے کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے، ہرگز ان کے درمیان سکونت پذیر نہ ہونا چاہئے، اگر اس زمانہ میں حج کا ارادہ کریں سب سے بہتر رہے گا، دنیا میں بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی، اگر ممکن ہو سکے تو وہاں سے منتقل ہونا ضروری ہے، اگر حج بیت اللہ کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ واپسی کے بعد بہت سے فائدے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کریں گے، یہ فتنہ کا زمانہ ہے کیوں دو سال تک خواہ مخواہ خوف وخطر میں اپنے آپ کو رکھا جائے، والسلام۔

مکتوب چہل

بجانب

حافظ جار اللہ (پنجابی)

...... دہلی میں ایک حادثۂ عظیم واقع ہوا، قوم جاٹ نے دہلی کے شہر کہنہ کو لوٹا اور حکومت اس فساد و شرارت کو دفع کرنے سے عاجز رہی، انھوں نے مال لوٹے، عزت و ناموس کو برباد کیا اور مکانات کو آگ لگائی، اللہ تعالی نے مجھ کو بمع اہل و عیال و مال و مکانات کے ان کے دست ستم سے محفوظ رکھا، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، نیز اللہ تعالی نے ہمارے بھائی کی کتابوں کو بھی ہماری کتابوں کے ساتھ محفوظ رکھا، اور یہ لوٹ مار کا حادثہ اوائل رجب ۱۱۶۱ھ میں ہوا، اور آخر شعبان تک باقی رہا(۱)۔

مکتوب چہل و یکم

بجانب

میاں ناز گل خاں

خلاصہ دودمان مروت، میاں نیاز گل خاں سلمہ اللہ تعالیٰ۔

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔

آں عزیز القدر کے خطوط برابر پہنچتے رہتے ہیں، ان خطوط سے آپ کی عافیت وخیریت معلوم ہوتی ہے اور فقیر کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے، حمد الٰہی بجالاتا ہوں، اکثر اوقات میرا دل آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور چشم دل آپ کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی طرف کشادہ رہتی ہے، پروردگار کے فضل سے امید یہ ہے کہ جان و مال اور آبرو کی خیریت کے ساتھ باکمال جمعیت وترقی معاونت کریں گے، نواب نجیب الدولہ کی جانب بھی چشم دل کھلی رہتی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی باکمال عزت وآبرو رہیں گے۔

مکتوب چہل و دوم

بجانب

ملا امان اللہ و ملا شیر محمد

فضائل دستگاہ ملا امان اللہ و ملا شیر محمد، حفظ الٰہی میں رہ کر دونوں جہان کی نعمتوں سے مالا مال رہیں، فقیر ولی اللہ کی طرف سے بعد از سلام محبت التیام مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ عافیت سے ہوں اور آپ کی عافیت کا خداوند کریم سے طالب ہوں، عرصہ ہو گیا کہ آپ کے احوال کا ایک ورق بھی پڑھنے میں نہیں آیا، دل خیریت کا منتظر ہے، دیگر (آنکہ) جب بادشاہ (ابدالی) عازم ہندوستان ہوں تو آپ کے واقف کاروں اور مخلصوں میں سے جو شخص لشکر میں ہو، اس کو آپ تاکید کر دیں کہ فلاں شخص (ولی اللہ) شہر (دہلی) میں رہتا ہے، اگر ناگاہ فوج شہر میں داخل ہو تو اس کے متعلقین اور علاقے کی ہر ممکن حفاظتی تدبیر کی جائے، اگر کسی طالب علم کو ہمراہ لشکر کر دیں تا کہ اس مخلص کو بروقت یاد دلا دے تو یہ بہت احتیاط کی بات ہوگی، اور اگر کسی ایسے شخص کی تحریر جس سے بادشاہ اعتقاد رکھتا ہو ہمارے بارے میں لکھوالیں اور اس طالب علم کے ہمراہ کر دیں تو یہ بھی بہتر ہوگا۔

اگرچہ تمام امور وابستہ تقدیر الٰہی ہوتے ہیں لیکن توکل کو سبب کے ساتھ جمع کرنا انبیاء کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔

ایسے شخص کے انتخاب میں طبیعت متردد تھی جو ان چاروں امور کے سرانجام پانے کا سبب ہو، بالآخر آپ حضرات سے بہتر جس کو لکھا جائے کوئی اور سمجھ میں نہیں آیا، والحکم للہ۔

حواشی

مکتوب اوّل

(۱) ''الدین النصیحۃ''، حدیث نبوی ہے: ''انما الدین النصح'' ابوالشیخ فی التوبیخ عن ابن عمر، ملاحظہ ہو، جامع الصغیر، سیوطی، مطبع میمنیہ مصر ۱۳۲۱ھ جلد اول ص ۸۹۔

امام بخاری نے اس حدیث کو بطور عنوان اس طرح درج کیا ہے۔

''الدین النصیحۃ للہ و الرسول و لائمۃ المسلمین و عامتھم''

بخاری، جلد ۱ ص ۱۳ (مطبع اصح المطابع، دہلی)

(۲) سرجدوناتھ سرکار کا خیال ہے:-

''اورنگ زیب کی شمالی ہندوستان سے غیر حاضری کا فائدہ سب سے پہلے جاٹوں نے اٹھایا، انھوں نے سب سے پہلے سلطنت کی فوجوں کا مقابلہ کیا، اور عسکری طرز پر اپنی تنظیم شروع کر دی، ہر جاٹ کسان کو تلوار چلانی سکھائی جاتی تھی اور اس کو بندوقیں وغیرہ دی جاتی تھیں، جاٹوں نے حملہ کرنے کے لئے جواڈے، اور لوٹ مار کا مال جمع کرنے کے لئے جو مرکز بنائے تھے وہ گڑھیاں کہلاتی تھیں، یہ چھوٹے چھوٹے قلعے ہوتے تھے جو گھسان جنگلوں میں بنائے جاتے تھے، مٹی کی دیواروں سے ان کو اتنا مضبوط اور مستحکم کر لیتے تھے کہ توپ خانہ کا مقابلہ کر سکتے تھے''۔

ملاحظہ ہو ''تاریخ اورنگ زیب'' جلد پنجم ص ۷_۲۹۶

(۳) خالصہ سے مراد وہ علاقہ ہے جو براہ راست مرکزی حکومت یعنی بادشاہ کے تحت ہوتا تھا، اس کے محاصل بادشاہ اپنے افسران کے ذریعہ وصول کرتا تھا، اس کے برخلاف جاگیر کا علاقہ ہوتا تھا جس کے محاصل جاگیردار وصول کرتے تھے اور جس کا براہ راست مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا، ملاحظہ ہو۔

R. P Tripathi. Some Aspects of Muslim Administration. P 308.

دہلی کے ہر صاحب بصیرت فرمانروا کی یہ کوشش رہی ہے کہ خالصہ کا علاقہ بڑھایا جائے ایسی صورت میں بادشاہ، صوبائی گورنروں اور جاگیرداروں کے رحم وکرم پر نہیں رہتا اور مرکزی دفاتر اور محلات شاہی کے اخراجات کے لئے جس قدر روپے کی ضرورت ہوتی ہے وہ براہ راست بادشاہ کو ملتا رہتا ہے، علاوہ ازیں اگر صوبائی حکومتیں یا جاگیردار بادشاہ کے خلاف بغاوت کریں یا محاصل ادا نہ کریں تو بادشاہ پر فوری اثر نہیں پڑتا۔

ضیاء الدین برنی، مبارک شاہ خلجی کی ایک سیاسی غلطی کا ذکر کرتا ہے۔

”بسے دیہا وز مین ہا کہ در عہد علائی بخالصہ باز آوردہ بودند در عصر او مردمان یافتند“

(تاریخ فیروز شاہی ص ۳_۳۸۲)

بابر جب ہندوستان آیا تو اس نے اپنے افسران کو جاگیریں ضرور دیں، لیکن خالصہ کا بڑا خیال رکھا، مثلاً بہار کی جاگیر محمد زماں کو دی، لیکن ایک کروڑ اور ۲۴۱ لاکھ کے محاصل کا علاقہ خالصہ قرار دے دیا۔

ملاحظہ ہو: Memoirs of Babar. P 663

شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ میں خالصہ کی کمی سے بادشاہ کی زندگی پر جو اثر پڑا تھا اس کا حال ایک معاصر مورخ، مصنف عالمگیر ثانی کی زبانی سنئے لکھتا ہے:-

”صوبہ دہلی کے پرگنے اور چند دیگر صوبوں کے پرگنے جو خالصہ میں شامل تھے اور جن سے بادشاہ کے ذاتی ملازمین کی تنخواہیں ادا ہوتی تھیں، اب ہاتھ سے نکل گئے تھے، سہارنپور جس کے محاصل جاگیرداروں کے حوالے کر دیئے گئے تھے، اب نجیب خاں روہیلہ کے قبضہ میں تھا آگرہ کے قریب کے علاقے جاٹوں کے پاس تھے، جے پور کے مادھو سنگھ نے نارنول وغیرہ کے علاقوں پر تسلط کر لیا تھا، نتیجہ یہ تھا کہ ایک محل بھی خالصہ میں نہ تھا، نوبت بایں جا رسید کہ بادشاہ کے دسترخوان کے لئے بھی روپیہ نہ رہا، بیگمات بہت سے اخراجات اپنی جیب خاص سے کرتی تھیں“

(تاریخ عالمگیر ثانی، قلمی نسخہ ص ۲۹، ۲۸، ۲۲)

نیز ملاحظہ ہو: Sarkar. Fall of The Mughal Empire II. P 35.

نظام الملک نے اس سلسلہ میں بادشاہ کو جو مشورے دیئے تھے ان کا ذکر خافی خان نے اس طرح کیا ہے۔

”......روزی نظام الملک بہادر باظہار خیر خواہی بعرض رسانند کہ اول نام اجارۂ محال خالصہ کہ باعث خرابی و ویرانی ملک گردیدہ برطرف باید نمود، دوم رشوت کہ بنام پیش کش جاری گشتہ از طریقہ و داب بادشاہان بعید و خلاف رائے سلیم است، سوم جزیہ بر کفار بدستور عہد خلد مکان جاری باید نمود، چہارم آنکہ چوں در ایام فتور ہمایوں پادشاہ کہ ملک ہندوستان بتصرف شیر شاہ افغان رفتہ بود از شاہ ایران کومک و خدمت گاری و مہمان پرستی واقعی بعد توجہ ہمایوں

پادشاہ طرف ایران بہ ظہور آمدہ اگر درین وقت برای دفع اذیت افغانان کومک فرماں روای ایران نمایندہ در تواریخ باعث نیک نامی خاندان تیموریہ ثبت خواہد گردید پادشاہ فرمودند کہ کرداریم کہ چنیں مہم مامور سازیم، فتح جنگ بعرض رساند ہر یکی از بندہای کار طلب حضور کہ بدیں خدمت مامور گردد اطاعت حکم بجا خواہد آورد والا اگر خانہ زاد را بدین مہم ماذون فرمائید بدل وجان خواہیم کوشید ازیں مقولہ چند کلمہ از راہ خیر اندیشی و خیر خواہی در خدمت پادشاہی عرض نمود بعد کہ پادشاہ برای ایں مصلحت کنگاش با دیگر امرای حضور بیان آورد قسمی از طرف نظام الملک بہادر خاطر نشان پادشاہ نمودند کہ حسن ظن نظام الملک را بسوی ظن مبدل ساختہ در حق چناں وزیر بی نظیر سراپا تدبیر بدمظنہ ساختند، واز آنکہ آداب تسلیمات منایات و آداب اطاعت پادشاہ موافق رویہ سلطنت بالکل نماندہ بود نظام الملک بہادری خواست کہ در نسق آداب پادشاہی اجرای حکم از سرنو کوشد وایں معنی باعث خار خار دل مقربان حضور می گردید لہذا روز بروز از طرف فتح جنگ آنچہ مرکوز خاطر او اصلا نبود خاطر نشان پادشاہ نمودہ حقوق جانفشانی او بہ کلمات غرض آمیز حسد انگیز مبدل نمودہ بدمظنہ می ساختند و پادشاہ ناتجربہ کار را بمرتبہ در حق نظام الملک بہادر بفکر ہای فاسد انداختند ۔

(منتخب اللباب جلد دوم ص ٩٤٨_٩٤٩)

(۴) جاگیر کا علاقہ بڑھانے سے مرکزی حکومت کے استحکام میں فرق آجاتا ہے، سلطنت کے اجزاء میں نظم وضبط کا اعلیٰ معیار قائم نہیں رہ سکتا، مرکزی حکومت جاگیرداروں کے رحم وکرم پر ہوتی ہے، فلسفۂ تاریخ کا ایک ناقابل تردید اصول ہے کہ "The More the Jagirs, The More Unhappy Is the Peasant and Unstable is the Government" یعنی جتنی زیادہ جاگیریں ہوں گی اتنی ہی حکومت کمزور اور کاشت کار پریشان ہوں گے ۔

شاہ صاحب کی نگاہ حقیقت بیں تھی، انھوں نے جاگیرداری کو بالکل ختم کرنے کا مشورہ نہیں دیا کہ ایسی صورت میں جاگیردار حکومت کے خلاف متحد ہوجاتے اور سیاسی ابتری اور انتشار میں اضافہ ہوجاتا، شاہ صاحبؒ مشورہ دیتے ہیں کہ چھوٹے منصب داروں کو جاگیریں نہ دی جائیں اور پھر اس کی وجوہات بتاتے ہیں ۔

(۵) منصب داری کے مختلف پہلوؤں کے تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو

Abdul Aziz "The Mansabdari System and the Mughal Army" G S.K. Rao Sahib: Some Notes on Mughal Mansabs. J.I H XVI P 50-62

(٦) ''حق نمک'' کو قرون وسطی کے سیاسی اور سماجی نظام میں ایک ناقابل تردید اخلاقی اصول کی اہمیت حاصل تھی، نمک حرامی کو بدترین اخلاقی جرم سمجھا جاتا تھا، راحت المحبین میں حضرت نظام الدین اولیاء کا قول نقل کیا گیا ہے ۔

''بزرگ حقے است حق نمک   حق آں نگاہ تواند داشت''

قلمی نسخے (ب)

برنی (ص ۵۴۵_۵۸۳) عفیف (ص ۶۶) تاریخ مبارک شاہی ص ۸۶، تاریخ داؤدی (۴۴۳) ایلیٹ وغیرہ سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، پروفیسر محمد حبیب نے خزائن الفتوح کے مقدمہ میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، ملاحظہ ہو:

The Compapaigns of Sultan Alauddin Khalji, P. XV.

اٹھارہویں صدی میں نمک حرامی کو ایک آرٹ بنالیا گیا تھا، اس صدی کی ساری تاریخ نمک حرامی اور غداری کی ایک طویل داستان ہے، کمزور فرماں روا، ایسے سیاسی اور اخلاقی مجرموں کو سزا نہیں دیتے تھے، اس کے اثرات عوام پر برے پڑتے تھے، شاہ صاحبؒ کے خیال میں سیاسی زندگی کی بہتری کا راز ''نمک حرامی'' کے خاتمہ میں تھا۔

اٹھارہویں صدی میں مغل فوجوں کی حالت انتہائی خراب تھی، نظم وضبط اور فرمانبرداری کے بجائے بدنظمی اور حکم عدولی عام ہوگئی تھی، سر وولز ے ہیگ نے لکھا ہے۔

''سلطنت کے زوال کا ایک بڑا سبب فوجوں کی بدنظمی اور بے قاعدگی بھی تھی، فوج کے اعلیٰ افسران آپس میں لڑتے رہتے تھے، دشمنوں سے پوشیدہ خط وکتابت کرتے تھے، عام بدنظمی نے فوج کو ایک بے ترتیب ہجوم کی صورت دیدی تھی، نہ کوئی عسکری تربیت تھی نہ نظام، غیر حاضری کی سزا بہت دی جاتی تو ایک دن کی تنخواہ کاٹ لی جاتی، فوجی جرائم کے لئے کوئی سزا نہ تھی، افسر کبھی بہت ہی زیادہ غصہ ہوجاتا تو گدھے پر بٹھا کر کیمپ میں گھموا دیتا، اس فوج میں نہ فاتحانہ عزم تھا نہ کوئی سپاہیانہ جذبہ''۔

Cambridge History of India Vol IV P 374-75.

نیز ملاحظہ ہو: Irvine: The Army of the Indian Mughal, P. 296-299.

(۸) احمد شاہ (۱۷۴۸_۱۷۵۵) کے زمانہ میں تین سال تک فوجیوں کی تنخواہیں ادا نہیں کی گئیں، مجبور ہوکر سپاہیوں نے شورش کی، محلوں کے دروازے روک کر کھڑے ہوگئے، ایک امیر کا جنازہ چار دن تک پڑا رہا اور فوجیوں نے اس وجہ سے دفن نہ ہونے دیا کہ اس نے تنخواہیں ادا نہیں کی تھیں، شاکر خاں پانی پتی نے لکھا ہے کہ احمد شاہ کے زمانہ میں محلات شاہی کے ساز وسامان کی فہرست بنا کر دکانداروں کو دی گئی تھی، تاکہ اس کو فروخت کرکے سپاہیوں کی تنخواہیں ادا کردی جائیں (تذکرہ شاکر خاں (قلمی) ص ۳۴)

نیز ملاحظہ ہو: Fall of the Mughal Empire Vol II P. 346-347.

فوجیوں کے افلاس کا اندازہ مصنف تاریخ عالمگیر ثانی کے اس بیان سے ہوتا ہے:

''فوجیوں نے افلاس سے تنگ آ کر اپنے گھوڑے بیچ دیئے تھے، پیدل فوج کے پاس وردیاں نہ رہی تھیں، جانوروں کو چارہ نہ ملتا تھا، اس وجہ سے وہ مرنے لگے تھے، فوجی اپنے گھروں سے باہر نہ نکلتے تھے، اور بعض اوقات شاہی سواری کی ہمراہی میں بھی نہ ہوتے تھے''۔

(تاریخ عالمگیر ثانی (قلمی) ص ۲۱-۲۳ وغیرہ)

نیز ملاحظہ ہو۔ Fall of the Mughal Empire Vol II P. 37

(۹) مرکزی حکومت کی نااہلی اور بادشاہوں کی سستی اور عدم توجہی کی اس سے بڑھ کر مثال ملنی مشکل ہے کہ انھوں نے خالصہ کے علاقہ میں بھی ٹھیکہ دینے کی رسم جاری کردی تھی، اول تو اس زمانہ میں خالصہ کا علاقہ تھا ہی کتنا، یعنی دہلی سے پالم تک، پھر جب اس کے محاصل وصول کرنے میں بھی بادشاہوں کو دقت ہونے لگے تو قبائے جہانداری کو تار تار کر دینا ہی بہتر ہے، بابر کے سیاسی تدبر کا ذکر اس سے پہلے (نوٹ ۳) میں گذر چکا ہے، کہ اس نے بہار میں بھی خالصہ کا علاقہ رکھا، اسی کے جانشین یہ تھے کہ دہلی کے خالصہ کا انتظام کرنے سے معذور تھے۔

مکتوب دوم

(۱) گجرات کا صوبہ جغرافیائی، اقتصادی، تجارتی، عسکری اور سیاسی اعتبار سے نہایت اہم تھا، دکن پر تسلط قائم رکھنے کے لئے اس پر اقتدار ہونا ضروری تھا، شاہان مغلیہ نے اس علاقہ کو اپنے قبضہ سے نکال کر جس سیاسی بصیرت کے فقدان کا ثبوت دیا اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

Irvine, Lateir Mughals Vol II P. 165-215.

(۲) صوبہ مالوہ، جمنا سے نربدا تک پھیلا ہوا تھا، اس کے مغرب میں راجپوتانہ اور مشرق میں بندھیل کھنڈ تھا، سلطنت مغلیہ کے لئے اس کا محل وقوع اور پیداوار کی خاص اہمیت تھی، جنوبی اور شمالی ہندوستان کے درمیان یہ کڑی کی مانند تھا، افیون، گنا، انگور، چھالیہ وغیرہ کی زبردست کاشت یہاں ہوتی تھی، صنعت وحرفت میں گجرات کے بعد اسی کا درجہ تھا، شمالی ہندوستان سے دکن کو جانے والی فوجوں کو مالوہ سے ہی گذرنا پڑتا تھا، مرہٹوں اور شمالی ہندوستان کے درمیان کی اس حیثیت پشتے کی تھی اس کے نکل جانے کے بعد مرہٹوں کا طوفان کف بردہان امنڈنے لگا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

Raghubir Sinh, Malwa In Transition P. 107-111.

Irvine, later Mughalls Vol II P.242-245.

(۳) مرہٹوں نے اپنا اقتدار کس طرح بڑھایا، اس کے لئے ملاحظہ ہو

Sarkar: Fall of the Mughal Empire Vol I P. 67-76

سیکشن: "How the Maratha Power Spread Over the Mughal Empire"

مرہٹوں کے اقتدار کا عوام پر اقتصادی اثر کیا پڑا؟ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے۔

''نیتے دارند کہ ہر جا دست یابند وجوہ معاش جمیع خلق خدا بند کردہ بطرف خودی کشند و زمینداری و مقدمی و عمل پٹواری گری باقدیمین نگذاشتہ، اساس وارثان کارہائے مذکورہ را از بیخ و بن برکندہ بنیاد دخل و تصرف خود قائم کنند''۔

اس کے بعد ایک زبردست معاشی اور اقتصادی حقیقت کو اس طرح مذہبی انداز میں بیان کیا ہے۔

رازق مطلق تعالی شانہ کو روزی رسان ہندو و مسلمان است برات رزق اضافت خلائق برین زمین نوشتہ، تمام این مملکت بر یک قوم چطور مسلم تواند ماند۔

رازق مطلق اللہ تعالی جو ہندو مسلمان دونوں کا روزی پہنچانے والا ہے، اسی نے ہر ایک کی روزی کا حصہ اسی سرزمین (ہند) میں مقرر فرمایا ہے، یہ سلطنت کسی ایک قوم کے فائدہ کے لئے کس طرح مخصوص کی جا سکتی ہے۔

(۴) چوتھ سے مراد لگان کا وہ چوتھائی حصہ ہے جو مرہٹے جبراً مغلیہ سلطنت کے ان دور افتادہ علاقوں سے وصول کرتے تھے جو ان کے رحم و کرم پر تھے۔

مورخوں نے اس کی نوعیت کے متعلق مختلف رائیں ظاہر کی ہیں، رانا ڈے نے لکھا ہے کہ اس کی ادائی کے بعد وہ علاقے کسی تیسری طاقت کے حملوں سے محفوظ ہو جاتے تھے اور یہ بالکل ولزلی کے Subsidiary System کے مانند تھا۔

سرکار کا خیال ہے کہ اس ٹیکس کے دینے کے بعد صرف مرہٹوں کے حملوں سے نجات مل جاتی تھی، مرہٹوں پر دوسری طاقتوں کے حملے سے بچانے کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی تھی، چوتھ، ڈاکوؤں کو خریدنے کا ایک طریقہ تھا، سارو دیسائے نے لکھا ہے کہ یہ خراج تھا جو مفتوحہ علاقوں سے لیا جاتا تھا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

Sarkar: Shivaji and His Times P. 407-408.

Sarkar: History of Aurangzeb Vol. IV P. 262-3

Sen: Military System of The Marathas P. 28-53

Sen: Administrative System of The Marathas P. 111.

(۵) سخت ناانصافی ہوگی اگر یہ سمجھا جائے کہ شاہ صاحب غیر مسلم جماعتوں سے تعصب کی بنا پر یہ لکھ رہے

ہیں، اس زمانہ میں مرہٹوں کی ہنگامہ آرائیوں سے ہندو اور مسلمان سب ہی متاثر ہوئے تھے، بنگال کا مشہور شاعر گنگارام، بنگال پر ان کے حملوں کا حال لکھتا ہے:-

”برگیوں نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا، کچھ لوگوں کے انھوں نے ہاتھ، ناک اور کان کاٹ لئے، کچھ کو مار ڈالا، خوبصورت عورتوں کو وہ رسیوں میں باندھ کر لے گئے، جب ایک بارگی زنا کر چکتا تھا تو دوسرا کرتا تھا، عورتیں چیخیں مارتی تھیں، انھوں نے گھروں کو آگ لگا دی اور ہر طرف لوٹ مار کرتے ہوئے گھومے“۔

سر جدوناتھ سرکار نے گنگارام کی یہ عبارت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ مرہٹوں کی زنا کے معاملہ میں بہت بری شہرت تھی، ملاحظہ ہو۔

Fall of the Mughal Empire P 87

پرتگال مصنفوں نے بھی مرہٹوں کی ان حرکتوں پر کانوں میں انگلیاں دی تھیں، ملاحظہ ہو:-

Pissurlencer: Fortuguesese Marathas II P 49

بنگال کے ایک مشہور پنڈت ونیشور ودیا پتی نے ۱۷۴۴ء میں مرہٹوں کے ہنگاموں اور مظالم کا ذکر نہایت دردانگیز لہجے میں کیا ہے، ملاحظہ ہو Fall of the Mughal Empire I P 88 ان سب بیانات کے پیش نظر شاہ صاحب کا یہ جملہ کچھ تعجب خیز نہیں معلوم ہوتا۔

(۶) جمنا کے جنوبی علاقہ میں آگرہ سے دہلی تک جاٹ آباد تھے، ان کی مشرقی سرحد چنبل تھی، اس علاقہ میں ان کی ہنگامہ آرائی کا یہ عالم تھا کہ مرکزی حکومت کا ناک میں دم آ گیا تھا بقول سرکار دہلی اور آگرہ کی سڑک پر ایسا کانا برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا، Fall Vol I P 369 دہلی سے آگرہ نقل و حرکت میں بڑی احتیاط برتنی پڑتی تھی، دکن کو اجمیر ہوتی ہوئی جو فوجیں جاتی تھیں وہ اسی علاقے سے گزرتی تھیں۔

بہادر شاہ کے زمانہ میں اس سڑک کی مخدوش حالت کا اندازہ دستور الانشاء کے مطالعہ سے ہوتا ہے، ملاحظہ ہو دستور الانشاء از یار محمد ص ۱۳۰

۱۷۱۲ء میں فوج ڈچ نمائندے اس علاقہ سے گزرے تو انھوں نے بھی ان ہنگاموں کو دیکھا:

Later Mughals I P 321

جان سرمن (John Surman) جون ۱۷۱۵ء میں یہاں سے گزرا تھا، اس نے جاٹوں کی امن سوز حرکتوں کا ذکر اپنی ڈائری میں کیا ہے: Orme Collections P 1694

شاہ جہاں کے عہد میں جاٹوں نے ایک مرتبہ زبردست شورش برپا کی تھی ۱۰۴۷ھ۔ ۱۶۳۷ء میں متھرا کا فوجدار مرشد قلی خاں ان سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔

(۷) سرجدوناتھ سرکار، تاریخ اورنگ زیب جلد پنجم ص ۷۔ ۲۹۶ پر لکھتے ہیں۔

''اورنگ زیب کی شمالی ہندوستان سے غیر حاضری کا فائدہ دو نئے جاٹ لیڈروں راجہ رام اور رام چہرہ نے اٹھایا، راجہ رام کی قانون شکن حرکتوں کو آگرہ کا گورنر خانی خان بھی نہ روک سکا، جاٹوں نے راستے بند کر دیئے اور بہت سے علاقوں کو لوٹا اور اکبر کے مقبرہ کو لوٹنے کے لئے سکندرہ کا رخ کیا، لیکن میر ابوالفضل نے جو وہاں کا فوجدار تھا بہادری سے مقابلہ کیا اور باغی کو آگے نہ بڑھنے دیا، راجہ رام نے مشہور تورانی افسر اصغر خاں کا سامان لوٹا، اصغر خاں جاٹوں سے لڑتا ہوا مارا گیا''۔

(۸) مئی ۱۶۸۶ء کو اورنگ زیب نے مشہور جنرل خان جہاں کوکلتاش ظفر جنگ کو جاٹوں کے مقابلے کے لئے بھیجا، خان جہاں کو شکست ہوئی تو اورنگ زیب کو خطرہ کی نوعیت کا اندازہ ہوا اور اپنے لڑکے اعظم کو جاٹوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، اعظم ابھی برہان پور ہی پہنچا تھا کہ شہنشاہ نے اس کو واپس بالالیا اور اعظم کے بڑے بیٹے بیدار بخت کو جو اس وقت ۱۷ سال کا تھا جاٹوں کے مقابلے کے لئے بھیج دیا (دسمبر ۱۶۸۷ء) یہاں شاہ صاحب کا اشارہ بیدار بخت ہی کی جانب ہے۔

(۹) شاید یہاں شاہ صاحبؒ کا اشارہ راجہ بھوشن سنگھ (جے پور) کی جانب ہے، لیکن راجہ بھوشن سنگھ نے جاٹوں کے استیصال میں بڑا زبردست کام کیا تھا اور اس وقت بیدار بخت سے اس کی مخالفت کا کوئی واقعہ نظر سے نہیں گزرا، راجہ بھوشن سنگھ نے اورنگ زیب سے تحریری عہد کیا تھا کہ وہ جاٹوں کے مشہور قلعہ ''سنسنی'' کو برباد کر دے گا''۔

(تاریخ اورنگ زیب ج ۵ ص ۳۰۰)

سرکار نے لکھا ہے کہ راجہ بھوشن اپنے باپ اور دادا کی طرح بڑے منصب کی آرزو رکھتا تھا اور اس لئے یہ اہم کام انجام دینے کا وعدہ کیا تھا، سنسنی کا محاصرہ بیدار بخت نے کیا تھا، ممکن ہے راجہ کو شہزادہ سے اسی لئے مخالفت پیدا ہوگئی ہو کہ ایسا اہم کام جس کے لئے اس نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا شہزادہ کے سپرد کیوں کر دیا گیا۔

(۱۰) فرخ سیر کے زمانہ میں چورامن کے ہنگاموں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

Irvine Later Mughals, Vol. I P 321-27

شاہ صاحبؒ نے جس مہم کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے مفصل واقعات اروِن نے بیان کئے ہیں، چورامن نے قطب الملک وزیر کو ۲۰ لاکھ روپیہ رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا وہ فرخ سیر کو صلح کر لینے کا مشورہ دے۔

(اروِن جلد اول ص ۳۲۶)

راجہ جے سنگھ (جو چورامن کے خلاف بھیجا گیا تھا) اس مصالحت کے خلاف تھا اس کا خیال تھا کہ چورامن

کی طاقت کے ختم ہونے میں زیادہ عرصہ نہیں لگے گا، اس کے بغیر مشورہ یہ صلح کرلی گئی، فرخ سیر خود اس صلح کے لئے آمادہ نہ تھا لیکن قطب الملک نے مجبوراً صلح کرائی، جب چورامن دہلی آیا تو فرخ سیر نے اس کو صرف ایک مرتبہ دربار میں آنے دیا، دوسری مرتبہ دربار میں حاضری کی اجازت نہ دی۔

Irvine: Later Mughals, I P. 327

قطب الملک کے چال چلن اور سیاسی ہنگاموں کے لئے ملاحظہ ہو:

Sarkar: Fall of the Mughal Empire Vol. P. 10-11.

(۱۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

Irvine: Later Mughals II P. 120-124.

(۱۲) محمد شاہ (۱۷۱۹ـ۱۷۴۸) کا بیٹا احمد شاہ تھا جو اس کے بعد تخت پر بیٹھا، یہاں شاہ صاحبؒ نے اس کا نام لکھنے کے بجائے پسر محمد شاہ لکھا ہے اور ایسا عمداً کیا ہے، شاہ صاحبؒ احمد شاہ ابدالی کو خط لکھ رہے ہیں اس لئے اس کا نام لکھنا سوءِ ادب خیال کیا۔

(۱۳) صفدر جنگ، سعادت خاں صوبہ دار اودھ کا داماد تھا، ۱۷۳۹ میں سعادت خاں کے انتقال پر اودھ کا صوبہ دار ہوگیا اور اٹھارویں صدی کی سیاست میں کافی حصہ لیا مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔

Fall Vol. I PP. 22-24, 442-448

اس کا تفصیلی ذکر اپنی کتاب Fall Vol I P. 480-8. میں کیا ہے لکھا ہے۔

''وزیر کو خود لڑنے میں تامل تھا، اس لئے سورج مل کو آگے بڑھا دیا اس نے پرانی دہلی کو خوب لوٹا، عام لوگوں پر سخت مصیبت آئی بہت لوگوں نے خودکشی کرلی...... جاٹوں کے اس ہنگامہ کو لوگ جاٹ گردی کے نام سے یاد کرتے تھے۔''

ہرچرن داس مصنف چہار گلزار شجاعی کا بیان ہے کہ جب جاٹوں نے لوٹنا شروع کیا تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کر کھڑے ہوئے، وہ دربدر، گلی بہ گلی مارے پھرتے تھے، بالکل اس طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم وکرم پر ہو، پاگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔'' (قلمی نسخہ ۴۱۰)

(۱۵) صفدر جنگ کے خلاف بادشاہ کی تفصیلی کارروائی کے لئے ملاحظہ ہو:

Sarkar: Fall of the Mughal Empire Vol. I P. 483-500

(۱۶) سراج الدولہ کی طرف اشارہ ہے جو ۱۷۵۶ء میں علی وردی خاں کے انتقال کے بعد بنگال کا صوبہ دار ہوا تھا۔

(۱۷) گداگری کے دو حسرت ناک واقعات کے لئے ملاحظہ ہو:

Fall of the Mughal Empire Vol P 37

(۱۷-الف) ملاحظہ سیر المتاخرین ص ۸۷

طباطبائی نے لکھا ہے کہ سلطنت اور شہنشاہ اس وقت بے معنی الفاظ ہو کر رہ گئے تھے (۱۷-ب) ملاحظہ ہو۔

Fall of the Mughal Empire I P 481

(۱۸) نادر شاہ کے حملہ نے مغلیہ سلطنت کی کمزور عمارت کو متزلزل کر دیا تھا۔

سرکار نے لکھا ہے کہ نادر شاہ کے حملہ نے دہلی سلطنت کا ایک مرکز تباہ کر دیا (Fall Vol. I P VII) شاہان مغلیہ کا سیاسی اقتدار خاک میں مل گیا، کرنال کے میدان میں ان بارہ ہزار سپاہیوں کا خون ہوا، دہلی کے تقریباً ۲۰ ہزار نفوس تہ تیغ ہوئے، ہندوستان کی بعض نئی طاقتوں کا عروج بھی اسی وجہ سے ہوا، دہلی کی سلطنت اتنی کمزور ہوگئی کہ ان نئی طاقتوں کا مقابلہ نہ کر سکی، پروفیسر ہری رام گپتا نے بتایا ہے کہ سکھوں نے اس حملہ سے بے حد فائدہ اٹھایا اور پنجاب میں لوٹ مار کی۔ History of the Sikhs. P 3-4.

(۱۹) سورۃ الفتح۔ ۴۸:۲۹

''محمد رسول اللہ کا ہے، اور جو لوگ کہ ساتھ اس کے ہیں سخت ہیں اوپر کفار کے، رحمدل ہیں درمیان اپنے، دیکھتا ہے تو ان کے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے''۔

(۲۰) سورۃ المائدہ۔ ۵:۵۴

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جو کوئی پھر جاوے گا تم میں سے دین اپنے سے پس البتہ لاوے گا اللہ ایک قوم کو کہ پیار کرتا ہے ان کو اور پیار کرتے ہیں وہ اس کو، نرمی کرنے والے ہیں اوپر مسلمانوں کے، جہاد کریں گے بیچ راہ اللہ کے اور نہ ڈریں گے ملامت کسی ملامت کرنے والے کی سے''۔

(۲۱) پوری روایت ابن ماجہ (مطبع اصح المطابع دہلی ص ۱۹۱) میں اس طرح ہے: ''عن البراء بن عازب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لزوال الدنيا اهون على الله من قتل مومن بغير حق''

(۲۲) سورۃ الفتح۔ ۴۸:۲۵

''اور اگر نہ ہوتے مرد مسلمان اور عورتیں مسلمان نہیں جانتے تم ان کو یہ کہ کچل ڈالو تم ان کو پس پہنچ جاوے تم کو ان سے ایذا بے خبر، یعنی تو ابھی فتح ہو جاتی کہ داخل کرے اللہ بیچ رحمت اپنی کے جس کو چاہے، اگر جدا ہو جاتے مسلمان کافروں سے البتہ عذاب کرتے ہیں ہم ان لوگوں کو کہ کافر ہوئے ان میں سے عذاب درد دینے والا''۔

(۲۳) ''اخرج البخاری عن ابی سعید ..... من عصم اللہ'' یہ روایت مشکوۃ میں بحوالہ بخاری درج ہے۔ مشکوۃ جلد دوم ص ۶۳۔۶۲ (مطبوعہ لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز)

بخاری نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت لکھی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو خلیفہ بنایا جاتا ہے اس کے دو دلی دوست (باطنی قوت) ہوتے ہیں، ایک ان میں سے اس کو خیر و نیکی کی تلقین کرتا۔ اور اس پر آمادہ کرتا ہے، دوسرا اس کو شر کا حکم کرتا ہے اور اس کی رغبت دلاتا ہے، ور محفوظ ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے''۔

(۲۴) ''واخرج ابویوسف ..... تعجزہ''

ملاحظہ ہو کتاب الخراج ص ۶ (المطبعۃ الامیریہ القاہرۃ)

(۲۵) ''واخرج ابویوسف عن زبید ..... طاقتہم'' ملاحظہ ہو کتاب الخراج ص ۸

(۲۶) ''واخرج ابویوسف عن ھانی ..... اشد منہ'' ملاحظہ ہو کتاب الخراج ص ۹

(۲۷) ''واخرج ابویوسف عن عطاء بن ابی رباح ... من الدنیا'' ملاحظہ ہو کتاب الخراج ص ۹

مکتوب سوم

(۱) ومَنْ قُتِلَ مَظْلُوماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰناً فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا

(سورہ بنی اسرائیل ۱۷:۳۳)

''اور جو کوئی مارا جاوے مظلوم، پس تحقیق کیا ہے ہم نے واسطے اس کے غلبہ پس چاہئے کہ نہ زیادتی کرے بیچ قتل کے تحقیق وہ ہے یعنی وارث مقتول کا مدد دیا گیا''۔

(۲) ''رفیع الدرجات ذو العرش'' تا ''قہار'' رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ، يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ، يَوْمَهُمْ بٰرِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، (سورۃ المومن ۱۶۔۱۵:۴۰)

''بلند درجوں والا ہے صاحب عرش کا، ڈالتا ہے، روح کو حکم اپنے سے اوپر جس کے چاہتا ہے بندوں اپنے سے، تو کہ ڈراوے دن ملاقات کے سے جس دن کہ وہ ظاہر ہوں گے، نہیں چھپے گا اوپر اللہ کے ان سے کچھ، واسطے کس کے ہے بادشاہی اس دن، واسطے اللہ اکیلے غالب کے''۔

مکتوب چہارم

(۱) انّہ قریبٌ مجیبٌ، سورۃ ہود (۱۱:۶۱) میں ہے، انّہٗ قریبٌ مُجیبٌ

"تحقیق پروردگار میرا نزدیک ہے دعا قبول کرنے والا"۔

مکتوب پنجم

(۱) سورۃ ہود ۱۱:۶۱

(۲) لکل اجل کتاب ۔ سورۃ الرعد ۱۳:۳۸" واسطے ہر ایک وعدے کے ایک لکھت ہے۔

مکتوب نہم

(۱) صفدر جنگ نے سورج مل جاٹ کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا، ملاحظہ ہو

Fall of the Mughal Empire. Vol. II P. 435

مکتوب یازدہم

(۱) یعنی احمد شاہ (۱۷۴۸ـ۱۷۵۴) جیسا کہ آگے آنے والی عبارت سے ظاہر ہے۔

(۲) احمد شاہ کی والدہ کا نام ادہم بائی تھا، اس نے اپنے زمانہ کی سیاست میں بڑا حصہ لیا تھا، احمد شاہ نے اس کو بائی جیو صاحبہ، نواب قدسیہ صاحب الزمانی، صاحب جیو صاحبہ اور قبلہ عالم وغیرہ کے خطابات یکے بعد دیگرے دیئے تھے، احمد شاہ کے عہدہ میں سارا انتظام مملکت اسی کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا، بڑے بڑے امراء اور افسران روزانہ اس کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوتے تھے، وہ پردے کے پیچھے سے ساری عرضیاں اور احکام لکھواتی تھی۔

(۳) رفیع الدولہ بہادر شاہ بن اورنگ زیب کا منجھلا بیٹا تھا، سادات بارہہ نے ۴؍جون ۱۷۱۹ء کو رفیع الدرجات کو تخت سے اتار کر رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھادیا تھا اس نے کل چار مہینے اور ۱۲ دن حکومت کی، ۲۱ ستمبر ۱۷۱۹ء کو درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ میں دفن کیا گیا۔

(۴) روشن اختر، بہادر شاہ بن اورنگ زیب کا چوتھا بیٹا تھا، رفیع الدولہ کے بعد ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی کے لقب سے تخت پر بٹھایا گیا ۱۷۴۸ء تک حکومت کی۔

(۵) یہاں شہزادہ محمد ابراہیم کی طرف اشارہ ہے جس کو عبداللہ خاں (سید بارہہ) نے محمد شاہ کی زندگی میں ۵؍اکتوبر ۱۷۲۰ء کو تخت پر بٹھادیا تھا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد محمد شاہ نے اس کو پکڑ بلوایا اور جیل خانہ میں ڈلوادیا، جہاں ۳۰؍جنوری ۱۷۴۶ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔

(۶) احمد شاہ، محمد شاہ کے بعد تخت نشین ہوا تھا، اس کے دور حکومت کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

Sarkar Fall of the Mughal Empire Vol I Chapter VIII

(۷) نادر شاہ کا قتل عام ۱۱/ مارچ ۱۷۳۹ء (بروز اتوار) ۹ بجے صبح سے شروع ہوا تھا اور ۲ بجے دوپہر تک جاری رہا۔

مکتوب دوازدہم

(۱) احمد شاہ ابدالی نے جب پانچویں بار (۱۷۵۷ء) ہندوستان پر حملہ کیا تو جاٹوں کی طرف خاص توجہ کی، اس حملہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ Fall, Vol II P. 114-125.

مکتوب سیزدہم

(۱) بارہہ ضلع مظفر نگر (یوپی) میں ایک قصبہ ہے، سید برادران جنھوں نے اٹھارہویں صدی کی سیاست میں نمایاں حصہ لیا تھا، اسی جگہ کے باشندے تھے۔

(۲) بڈھانہ اور کھتولی، ضلع مظفر نگر (یوپی) کے دو قصبات ہیں، کھتولی میں پھلت ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، پھلت کو شاہ ولی اللہ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مکتوب چہاردہم

(۱) احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ،

مکتوب پانزدہم

(۱) اس زمانہ میں شاہ صاحب کے قلب وجگر پر ملت کی پریشان حالی کا کچھ ایسا اثر تھا کہ ''غرباء'' ہی کا لفظ ان کی زبان سے نکلتا تھا، وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:

''مامردم غریبیم کہ در دیار ہندوستان آبائے ما بغربت افتادہ اند'' (وصیت نامہ ص ۲۰۲)

(۲) سورۂ ہود (۱۱:۶۱)

(۳) اِنَّ وَلِیِّ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (سورہ الاعراف ۷:۱۹۶

''بتحقیق دوست میرا ہے اللہ جس نے اتاری ہے کتاب اور وہی دوستی کرتا ہے صالحوں سے''۔

مکتوب شانزدہم

(۱) سورۂ فیل۔ ۱۰۵

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ، اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ، وَّاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ

طَيْرًا اَبَابِيْلَ، تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ، فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ.

"کیا نہ دیکھا تو نے، کیونکر کیا پروردگار تیرے نے ساتھ ہاتھیوں والوں کے، کیا نہ کر دیا مکر ان کا بیچ گمراہی کے اور بھیجے اوپر ان کے پرند جانور جماعت جماعت، پھینکتے تھے پتھر کنکر کے، پس کر دیا ان کو مانند بھس کھائے ہوئے کے"۔

(۲) شاہ صاحب صرف وظیفہ بتا دینے پر اکتفا نہیں کرتے عمل کی تلقین بھی ساتھ ساتھ کرتے ہیں، یہ ان کا مخصوص انداز ہے۔ ان کی نظر میں کامیابی کا انحصار "دعا" اور "عمل" دونوں پر تھا۔

مکتوب ہفت و ہم

(۱) قریۃ الصالحین سے مراد پھلت ہے شاہ صاحب پھلت ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنی پیدائش گاہ کی سلامتی کا خیال شاہ صاحب کو ہر وقت رہتا تھا، اس سے قبل بھی ایک مکتوب میں اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔

مکتوب ہشت و ہم

(۱) یہ متنبی کا مصرع ہے جس کا صدر یہ ہے۔ ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ

مکتوب نوازدہم

(۱) احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۲ء میں کشمیر پر حملہ کیا تھا، حملہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

Islamic Culture, Vol XI No 4 P 499-500

(۲) قُلْ اِنْ اَدْرِيْ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْ اَمَدًا (سورہ الجن: ۲۵:۲)

"میں نہیں جانتا کیا نزدیک ہے جو کچھ وعدہ دیے جاتے ہو تم یا کرے واسطے اس کے پروردگار میرا مدت"

مکتوب بستم

(۱) صفدر جنگ کی ٹانگ میں ایک پھوڑا نکلا تھا جو بعد کو کینسر میں تبدیل ہو گیا۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ مطابق ۵ اکتوبر ۱۷۵۴ کو اس کا انتقال ہوا، ملاحظہ ہو:

The First Two Nawabs of Awadh, A. L. Sriwastava PP 238-239

مکتوب بست و یکم

(۱) وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ

واسحق (سورہ یوسف:۱۲:۶)

''اور پوری کرے گا نعمت اپنی اوپر تیرے اور اوپر اولاد یعقوب کے جیسا پورا کیا تھا اس کو اوپر دو باپ تیرے کے، پہلے اس سے ابراہیم اور اسحاق کے''۔

(۲) سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً (سورہ الاحزاب۶۲:۳۳)

''عادت خدا کی بیچ ان لوگوں کے کہ گذرے پہلے ان سے اور ہرگز نہ پاوے گا تو واسطے عادت اللہ کے بدل ڈالنا''۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً (سورہ الفتح:۲۳:۴۸)

''عادت اللہ کی جو تحقیق گزری ہے پہلے اس سے اور ہرگز نہ پاوے گا تو واسطے عادت اللہ کے بدلے جاتا''

مکتوب بست و پنجم

(۱) سورۃ الطلاق ۳:۶۵ میں ہے:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبُ ''اور رزق دے گا اس کو اس جگہ سے کہ نہیں گمان کرتا''

مکتوب بست و ششم

(۱) فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ، (سورہ التوبہ ۹:۱۲۹ ''پس اگر پھر جاویں پس کہہ کفایت ہے مجھ کو اللہ''۔

مکتوب بست و ہشتم

(۱) حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں متعدد جگہ اس شعر کو استعمال کیا ہے، یہاں شاہ صاحب بالکل اسی ذہنی کیفیت میں اس کو نقل کرتے ہیں۔

مکتوب سی

(۱) صفدر جنگ کی نظر میں روہیلوں کی طاقت کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی، جب وہ برسر اقتدار آیا تو اس نے روہیل کھنڈ کی سند قطب الدین خاں نبیرۂ عظمت اللہ خاں سابق گورنر مراد آباد کے نام دربار شاہی سے جاری کرادی، قطب الدین سات ہزار فوج اکٹھا کر کے عازم روہیل کھنڈ ہوا، حافظ الملک نے اس قصد سے باز رکھنا چاہا، مجبوراً حافظ الملک نے جنگ کی، رام گنگا کے کنارے جنگ ہوئی اور قطب خاں مارا گیا، شاہ صاحبؒ نے یہ خط آصف جاہ کو اس وقت لکھا ہے جبکہ قطب خاں کا ہنگامہ شروع ہوا تھا، اس میں پیشین گوئی بھی کی ہے کہ ''سرسبز نخواہد

شد"۔ ملاحظہ ہو" گلستان رحمت"۔

Life of Hafizul Mulk, P 28.

Cambridge History of India IV P. 429.

Fall of Mughal Empire P. 337.

(۲) ستمبر اکتوبر ۱۷۵۷ء میں گرانی غلہ کا یہ عالم تھا کہ روپیہ کے ۹ سیر گیہوں ملتے تھے، مونگ کی دال روپیہ کی آدھ سیر، ماش کی دال، روپیہ کی پانچ سیر، دہلی میں دوائیں تک گراں ہوگئی تھیں۔

Fall of the Mughal Empire. II P. 154.

مکتوب سی ویکم

(۱) اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ (سورہ محمد ۴۷:۷)

”اگر مدد کرو تم دین خدا کے کی مدد دے گا تم کو“۔

مکتوب سی وسوم

(۱) لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (سورۃ البقرہ ۲:۲۸۶)

”نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو مگر طاقت اس کی پر“۔

مکتوب سی و چہارم

(۱) سورہ محمد ۴۷:۷

مکتوب سی و پنجم

(۱) اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ (سورۃ الاعراف۔ ۷:۱۸۳) ”تحقیق مکر میرا مضبوط ہے“۔

مکتوب چہلم

(۱) ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء۔

قتل و غارت گری کی یہ انتہا ہے کہ دہلی رجب سے شعبان تک لٹتی رہی اور مغلیہ سلطنت بالکل بے بس رہی، تاریخوں میں اس لوٹ کا تفصیلی حال نہیں ملتا، بہر حال ان حالات میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مسلمانوں نے حد درجہ مایوسی کی حالت میں ”جوہر“ کر کے اپنے آپ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

انفاس العارفین

ترجمہ

سید محمد فاروق قادری

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حصہ اول قدوة العارفین حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے روحانی تصرفات اور نایاب واقعات کا بیان	۱۳۳
۲	زندۂ جاوید	۱۳۴
۳	میراثِ ولایتؒ	//
۴	آثار سعادت	۱۳۵
۵	شہباز قدس	//
۶	تاثیر فیضان نبوت	۱۳۶
۷	سیر و ولایت	//
۸	نفی و اثبات اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۸
۹	حضرت خواجہ حافظ سید عبداللہ قدس سرہ	۱۳۹
۱۰	مجالس قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری	//
۱۱	شوق علم و ہدایت	//
۱۲	طالبان حق کے ادنیٰ مجاہدات	۱۴۰
۱۳	عالم استغراق	۱۴۱
۱۴	مقام مجدد	۱۴۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵	ولی کی وسعت نظر	۱۴۴
۱۶	نامۂ شیخ	۱۴۵
۱۷	تصفیۂ قلب	۱۴۶
۱۸	کلام ربانی کی تاثیر و اعجاز	۱۴۷
۱۹	کشف و کرامت نہیں، جہد و استقامت	//
۲۰	اہل دل سے پردہ	۱۴۸
۲۱	مستقبل بینی	//
۲۲	ہونہار بروا	۱۴۹
۲۳	کرامت مکتب یا فیضان نظر	//
۲۴	نگاہ شیخ	۱۵۱
۲۵	گردن نہ جھکی جس کی شہنشاہ کے آگے	۱۵۲
۲۶	حسد سد راہ ہے	۱۵۳
۲۷	بمزار خواہی آمد	۱۵۴
۲۸	تذکرہ حضرت خواجہ خوردؒ فرزند خواجہ محمد باقی باللہؒ (۱)	۱۵۵
۲۹	شیوۂ اہل نظر	//
۳۰	دست بہ کار	۱۵۷
۳۱	نسبت و ارادت کا احترام	//
۳۲	ثمرۂ اخلاص	۱۵۸
۳۳	ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی	//
۳۴	ولایت کی عقابی نگاہ	۱۵۹
۳۵	فقر کی بے نیازی	//
۳۶	بزرگوں کی خوردی	//
۳۷	طریق نقشبندیہ کی انفرادیت	۱۶۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۸	کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو	۱۶۲
۳۹	طریقۂ نقشبندیہ میں عرس کا اہتمام	//
۴۰	نسبت نبویؐ کا احترام	۱۶۳
۴۱	تذکرہ خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادیؒ	//
۴۲	صوفیا کا ذوق علمی	//
۴۳	احوال خلیفہؒ	۱۶۴
۴۴	سوانح میر ابوالعلیٰؒ	۱۶۵
۴۵	سیر روحانی	۱۶۷
۴۶	مقصود سماع	//
۴۷	تعلق باللہ کی حقیقت	//
۴۸	کشف و کرامت	//
۴۹	برکات اسم ذات	//
۵۰	وصول حق کے طریق	//
۵۱	قوتِ توجہ	۱۶۸
۵۲	تاثیر وجد و رقص	//
۵۳	تاثیر کلاہ	//
۵۴	سود کی نحوست	//
۵۵	جانوروں پر توجہ کا اثر	۱۶۹
۵۶	سلسلۂ ابوالعلائیہ کی خصوصیات	//
۵۷	حضرت خلیفہ کی پختگی ارادت اور توکل	۱۷۰
۵۸	ذخیرہ اندوزی سے تنگی رزق	//
۵۹	قرب سلطانی سے استغناء	۱۷۱
۶۰	صوفیا کا تبحر علمی	۱۷۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۱	خواب فقراء	۱۷۲
۶۲	حج درویشاں	۱۷۳
۶۳	طوفانوں پر تصرف	۱۷۴
۶۴	قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید	//
۶۵	قحط میں خوشحالی	۱۷۵
۶۶	احترام مہمان	//
۶۷	خانقاہی بے تکلفی	۱۷۶
۶۸	فقیر اور دنیوی سکون	//
۶۹	صوفیا اور وقت کی قدر	۱۷۷
۷۰	انداز تربیت	//
۷۱	امانت فقیر	//
۷۲	سوانح شاہ عظمت اللہؒ	۱۷۹
۷۳	فقراء اور مجاذیب کے ساتھ حضرت والد ماجدؒ کی ملاقاتیں	//
۷۴	مسلم معاشرہ میں تقریبات عرس کا سلسلہ	//
۷۵	آئینۂ دل	۱۸۰
۷۶	منوا مجذوب	//
۷۷	مجاہدات سلوک	۱۸۱
۷۸	طعام اغنیاء سے نفرت	//
۷۹	حدیث دل	۱۸۲
۸۰	ولی را ولی می شناسد	۱۸۳
۸۱	آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند	۱۸۴
۸۲	مگس را ہما کنند	۱۸۵
۸۳	بئس الفقیر علی باب الامیر	//

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۸۴	ہستی فریب ہے	۱۸۵
۸۵	استاذ اور شاگرد کے روابط	۱۸۶
۸۶	زوال پذیر اسلامی حکومت کے ارکان کی خداترسی	//
۸۷	سوانح میرزا زاہد ہروی	۱۸۷
۸۸	نکات تصوف اور میرزا زاہدؒ کا منطقی استدلال	۱۸۸
۸۹	کشف ارواح اور اس قسم کے دوسرے احوال پر حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے وقائع	۱۸۹
۹۰	مرتبہ فنافی التوحید	//
۹۱	مقام قیومیت	۱۹۰
۹۲	تصرف بالحق فی الخلق	//
۹۳	صوفیاء اور رویت باری	//
۹۴	بے صورت اندر صورت آمد	۱۹۱
۹۵	اسمائے الٰہیہ کے ظہور کی کیفیت	//
۹۶	تصرفات وعلوم صوفیاء	۱۹۲
۹۷	مقامات صوفیاء	//
۹۸	شان عبدیت	//
۹۹	جنت اولیاء	۱۹۳
۱۰۰	علوم اولیاء	//
۱۰۱	بدعتی کی مجلس میں جانے پر تنبیہ	۱۹۴
۱۰۲	جبۂ غوث الاعظمؒ	//
۱۰۳	نگاہِ ولی	//
۱۰۴	نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی	۱۹۵
۱۰۵	ذکر اسم ذات میں مقام کمال	//
۱۰۶	فضیلت بیعت	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۷	شرف اقتداء	۱۹۵
۱۰۸	عطیہ سرکار دو جہاں	۱۹۶
۱۰۹	مشکل میں حضورؐ کی دستگیری	//
۱۱۰	مجلس سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم	۱۹۷
۱۱۱	جمال محمدیؐ	۱۹۸
۱۱۲	ولایت اور نبوت کے مراتب اور ان میں فرق	۱۹۹
۱۱۳	موئے مقدس کی برکات	۲۰۰
۱۱۴	سجدہ غیر اللہ کی ممانعت	۲۰۲
۱۱۵	قرابت رسولؐ کا مقام	//
۱۱۶	حضورؐ کا پسندیدہ درود	//
۱۱۷	حضورؐ کی نیاز کی اشیاء کی بارگاہِ نبوی میں مقبولیت	۲۰۳
۱۱۸	نسبت فقر	//
۱۱۹	اجازت سلسلہ	۲۰۴
۱۲۰	خواجہ اجمیریؒ سے خلافت	//
۱۲۱	سیر روحانی	//
۱۲۲	مقامات اولیاء	۲۰۵
۱۲۳	بشارت فرزند	۲۰۶
۱۲۴	مجالس ارواح اولیاءؒ	۲۰۷
۱۲۵	تصرف اولیاء	//
۱۲۶	مقام مجاذیب	۲۰۸
۱۲۷	دعوت مخدوم الدویہؒ	//
۱۲۸	ذکر الٰہی	۲۰۹
۱۲۹	حسن نیت	//

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۳۰	تاثیر ذکر	۲۱۰
۱۳۱	قصر نماز	۲۱۱
۱۳۲	علوم اولیاء	//
۱۳۳	تاثیر جذب ورقص	۲۱۲
۱۳۴	فیوض اولیاء	//
۱۳۵	موکل وباء	//
۱۳۶	موت اختیاری	۲۱۳
۱۳۷	انجام کفر	//
۱۳۸	اولیاء اللہ کے ساتھ بحث وتکرار	//
۱۳۹	از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است	۲۱۴
۱۴۰	واقف اسرار چڑیا اور موحد کوا	۲۱۵
۱۴۱	صالح جن	۲۱۶
۱۴۲	جن کی ہمدردی	۲۱۷
۱۴۳	ایک متعلم جن کا نظام الاوقات	//
۱۴۴	شاہ عبدالرحیمؒ کے تصرفات، مکاشفات اور دیگر کرامات کا بیان	۲۱۹
۱۴۵	طریق تربیت	//
۱۴۶	مستقبل بینی	//
۱۴۷	نگاہ دوررس	۲۲۰
۱۴۸	جو چاہے سو آپ کرے	//
۱۴۹	ختم خواجگان	۲۲۱
۱۵۰	آداب مجلس اولیاء	//
۱۵۱	فراست مومن	۲۲۲
۱۵۲	دست پیر از غائباں کوتاہ نیست	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۳	چراغ فقر ہوا بھی جسے بجھا نہ سکی	۲۲۳
۱۵۴	توجہ و تاثیر	//
۱۵۵	ایک منکر سے بزور نذر وصول کی	//
۱۵۶	ولی اور عامل میں فرق	۲۲۴
۱۵۷	در دل گاؤ خر	۲۲۵
۱۵۸	تاثیر توجہ جانور پر اثر انداز مگر عابد معترض کے لئے بے سود	//
۱۵۹	رافضیت سے توبہ	۲۲۶
۱۶۰	نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار	۲۲۷
۱۶۱	باران کرم منتظر دست دعا ہے	۲۲۸
۱۶۲	قوت تاثیر کا کرشمہ	۲۲۹
۱۶۳	روشن ضمیری	//
۱۶۴	......صید نہ چھوڑا زمانے میں	//
۱۶۵	سفر و حضر میں شیخ کی نگاہ الفت	۲۳۰
۱۶۶	ہر کہ با دردکشاں در افتاد بر افتاد	//
۱۶۷	از نہیب او بلرزد ماہ و مہر	۲۳۱
۱۶۸	جس نے دیکھے نین متوارے ترے	//
۱۶۹	تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں	۲۳۲
۱۷۰	حکمت ایمانیاں را ہم بخواں	۲۳۳
۱۷۱	دست پیر از غائباں کوتاہ نیست	//
۱۷۲	تصرف ولی	۲۳۴
۱۷۳	مبین حقیر گدایان عشق الخ	//
۱۷۴	دل راہ بدل رہ	۲۳۵
۱۷۵	امداد اولیاء	۲۳۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷۶	کیا ہے جوان پہ عیاں نہیں	۲۳۶
۱۷۷	مالِ زکوٰۃ	۲۳۷
۱۷۸	چاہ کن را چاہ درپیش	//
۱۷۹	تسخیر جنات	۲۳۸
۱۸۰	آتشیں آدمی اور برکت قرآن	//
۱۸۱	ولی کے خلاف جھوٹی شہادت کا انجام	۲۳۹
۱۸۲	مشائخ کی روحانی امداد	//
۱۸۳	جام جہاں نما است ضمیر منیر دوست	//
۱۸۴	ناز ولایت	۲۴۰
۱۸۵	حضرت شاہ ولی اللہ کی پیدائش کا قصہ	۲۴۱
۱۸۶	قبل از پیدائش شاہ اہل اللہ کی بشارت	//
۱۸۷	انسانی فعل وعمل کی اہمیت	۲۴۲
۱۸۸	مرد مومن کی موت	//
۱۸۹	جن کی نظر چڑھا تر ار خسار آتشیں	۲۴۳
۱۹۰	ز ملک تا ملکوتش حجاب بردارند	//
۱۹۱	مقام صبر	۲۴۴
۱۹۲	مردان راہ خدا کا جمال باطنی	//
۱۹۳	تاثیر شراب وحدت	۲۴۵
۱۹۴	حضرت والد ماجدؒ کے ملفوظات	۲۴۷
۱۹۵	صوفیاء اور رویت باری	//
۱۹۶	حصول رزق میں نیت کے ثمرات	۲۴۸
۱۹۷	راز درون پردہ ز رندان مست پرس	۲۴۹
۱۹۸	تاج شاہی فقر کے قدموں پر	۲۵۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۹۹	مقبولانِ بارگاہ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں	۲۵۱
۲۰۰	فاتحہ خلف الامام میں شاہ عبدالرحیمؒ کا مسلک	۲۵۲
۲۰۱	دائمی حضوری	۲۵۳
۲۰۲	فیوضِ باطنی کے باوجود ظاہری توسل سنت مشائخ ہے	۲۵۴
۲۰۳	مکتوب شیخ فقیراللہؒ	۲۵۵
۲۰۴	نسبت آگاہی کے متعلق شاہ عبدالرحیمؒ کی تشریح	۲۵۹
۲۰۵	ذرّہ ذرّہ جلوہ گاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۶۲
۲۰۶	پختگی نسبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟	۲۶۴
۲۰۷	نقشبندی مشائخ کے ایک قول پر اعتراض اور شاہ عبدالرحیمؒ کا جواب	//
۲۰۸	مختلف سلاسل کی نسبتوں کے خصائص	۲۶۵
۲۰۹	ترقی مدارج کی حقیقت	۲۶۷
۲۱۰	سلطان العارفینؒ کے قول کی تشریح	//
۲۱۱	لہو ولعب سے اجتناب صفائی قلب کا ذریعہ ہے	۲۶۸
۲۱۲	والدین کے ساتھ نیکی واحسان کا عجیب نکتہ	//
۲۱۳	کیفیت وحالت کی حفاظت کا طریقہ	۲۶۹
۲۱۴	خودساختہ مشائخ کی عیاریاں	//
۲۱۵	تمباکونوشی اور بارگاہ نبویؐ	//
۲۱۶	تمباکونوشی پر عالم مثال میں تنبیہ	۲۷۰
۲۱۷	شاہ عبدالرحیمؒ کا علمی مقام	۲۷۱
۲۱۸	علم مصالح اور شرائع	۲۷۲
۲۱۹	قال را بگذار مرد حال شو	۲۷۴
۲۲۰	حقیقتِ کیمیا	//
۲۲۱	زندگی گزارنے کا گر	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۲۲	عدل وانصاف	۲۷۴
۲۲۳	باید کہ ہر جا روی طالب مردے شوی	۲۷۵
۲۲۴	شیخ اکبرؒ اور شاہ عبدالرحیمؒ	//
۲۲۵	وھو معکم کی عالمانہ تشریح	۲۷۶
۲۲۶	تجدد امثال	۲۷۷
۲۲۷	صفات باری	//
۲۲۸	حسن ذاتی اور قبح نسبتی	//
۲۲۹	مسمّٰی حقیقت	//
۲۳۰	شاہ عبدالرحیمؒ کا ہندی دوہا	۲۷۸
۲۳۱	لطائف ستہ اور ان کے مقامات	//
۲۳۲	شاہ عبدالرحیمؒ یا ابوالفیض ؟	//
۲۳۳	مباش درپے آزار الخ	۲۷۹
۲۳۴	شاہ عبدالرحیمؒ کے جواہر پارے	//
۲۳۵	سراپائے شاہ عبدالرحیمؒ	۲۸۱
۲۳۶	معمولات شاہ عبدالرحیمؒ	۲۸۳
۲۳۷	صحبت یار آخر شد	۲۸۴
۲۳۸	حصہ دوم	۲۸۵
۲۳۹	درحالات جناب معارف مآب امام طریقت وحقیقت کاشف حقائق مخدومنا شیخ ابوالرضا محمد رضی اللہ عنہ	//
۲۴۰	حضرت شیخ کے ابتدائی حالات	۲۸۶
۲۴۱	علی المرتضیٰؓ وسیلۂ بیعت ہیں	۲۸۷
۲۴۲	برکات قرب نبویؐ	۲۸۸
۲۴۳	آپ کی پاکیزہ زندگی، تصرفات اور مخفی امور پر مطلع ہونے کا بیان	۲۹۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴۴	معمولات شیخ ابوالرضا	۲۹۰
۲۴۵	مبین حقیر گدایان عشق	۲۹۱
۲۴۶	جسے اللہ رکھے	۲۹۲
۲۴۷	بادشاہ حقیقی کا انصاف	//
۲۴۸	عاشقم برقہر و بر لطفش بجد	۲۹۳
۲۴۹	مدار شریعت ظاہر پر ہے	//
۲۵۰	دست پیر از غائبان کوتاہ نیست	۲۹۴
۲۵۱	قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید	//
۲۵۲	اتباع سنت میں آپ کا مقام	۲۹۵
۲۵۳	برکات نسبت	//
۲۵۴	بارگاہ اولیاء میں حاضری کے آداب	۲۹۶
۲۵۵	شاعر گلشن دہلویؒ کا واقعہ	۲۹۷
۲۵۶	تصرف شیخ	//
۲۵۷	وسعت علوم اولیاء	۲۹۸
۲۵۸	ھو یطعمنی	//
۲۵۹	غرور علم سے سرشار عالم بارگاہ فقیر میں	//
۲۶۰	کسے خبر کہ جنوں بھی ہے، صاحب ادراک	۲۹۹
۲۶۱	خطرات قلب پر اطلاع	۳۰۰
۲۶۲	علم ظاہر اور علم باطن کا فرق	//
۲۶۳	حضرت شیخ ابوالرضاؒ کے حقیقت و معرفت سے معمور ملفوظات	۳۰۱
۲۶۴	رویت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	//
۲۶۵	نکتہ شیخ اکبرؒ	//
۲۶۶	بعض دعاؤں کے عجیب اثرات	۳۰۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۶۷	لوح محفوظ است پیش اولیاء	۳۰۲
۲۶۸	منازل ایمان	//
۲۶۹	مقامات بایزیدؒ اور سید الطائفہؒ	۳۰۳
۲۷۰	مقام فنا فی اللہ	//
۲۷۱	خواب اولیاء	۳۰۴
۲۷۲	اتباع سنت ہی ذریعۂ نجات ہے	//
۲۷۳	علوم صوفیاء	//
۲۷۴	اعتقاد توحید	۳۰۵
۲۷۵	ولایت حقیقیہ	//
۲۷۶	بہترین مجاہدہ توجہ الی الحق	//
۲۷۷	العلم حجاب الاکبر	//
۲۷۸	شیخ یاقوت عرشیؒ کی وجہ تسمیہ	۳۰۶
۲۷۹	مشاہدۂ حق	//
۲۸۰	بشری خصوصیات کی خصوصیات	۳۰۷
۲۸۱	الصوفی ھواللہ	//
۲۸۲	بصارت اور بصیرت	۳۰۸
۲۸۳	علمائے ظاہر کا نزاع لفظی	//
۲۸۴	اولیاء اور دیدار باری	//
۲۸۵	حقیقت بیعت	۳۰۹
۲۸۶	تجلی ذات کی دولت	//
۲۸۷	تعصب راہ خدا میں بڑی رکاوٹ ہے	//
۲۸۸	لفظوں کے پجاری علماء	۳۱۰
۲۸۹	مسئلۂ توحید خالی کتابوں سے حل نہیں ہوتا	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹۰	اولیاء ابوالوقت ہوتے ہیں	۳۱۰
۲۹۱	ذوق مشاہدہ	۳۱۱
۲۹۲	خدا کا دشمن کون ہے	//
۲۹۳	ریاضات صوفیاء	۳۱۲
۲۹۴	عین القضاۃ ہمدانیؒ کے قول کی تشریح	//
۲۹۵	لامحدودیت واجب الوجود	۳۱۳
۲۹۶	شیخ اکبرؒ کے ایک قول کی تشریح	//
۲۹۷	عظمت قرآن	۳۱۴
۲۹۸	مقامات سلوک	۳۱۵
۲۹۹	تشریح شعر عطارؒ	//
۳۰۰	ایک لطیف نکتہ	۳۱۶
۳۰۱	مقام ابن منصورؒ	//
۳۰۲	نظارۂ جمال حقیقی	۳۱۷
۳۰۳	ظلمت عدم سے وجود خارجی تک	//
۳۰۴	احدیت وواحدیت	۳۱۸
۳۰۵	اصلیت شطحیات	۳۱۹
۳۰۶	تجلی برقی	//
۳۰۷	لذت عشق	۳۲۰
۳۰۸	کشف ذات	//
۳۰۹	علوم عارف	۳۲۱
۳۱۰	اقسام حدیث قدسی	//
۳۱۱	استعانۃ باصحاب القبور	//
۳۱۲	حقیقت دنیا	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۱۳	حقیقت کذب	۳۲۱
۳۱۴	مشابہت یہود سے ممانعت	۳۲۲
۳۱۵	پردہ ہائے امکان ووجوب	//
۳۱۶	تعریف مشاہدہ	//
۳۱۷	حصول شہود	//
۳۱۸	العلم اوسع من الحال	۳۲۳
۳۱۹	ہمہ اوست	۳۲۴
۳۲۰	صفت علم	۳۲۵
۳۲۱	ایک قول کی تاویل	//
۳۲۲	مقام عارف	//
۳۲۳	سماع سرود	۳۲۶
۳۲۴	ولایت عامہ وخاصہ	//
۳۲۵	حقیقت محمدیہ	//
۳۲۶	فناء نفس	۳۲۷
۳۲۷	توجہ شیخ	//
۳۲۸	حقیقت کشف وخواب	//
۳۲۹	تعبیر رؤیا	۳۲۸
۳۳۰	علم توحید ووصول وشہود	۳۲۹
۳۳۱	بسیار خوری اخلاق ذمیمہ پیدا کرتی ہے	//
۳۳۲	حقیقت خوارق عادات	۳۳۰
۳۳۳	مقصود عارف	//
۳۳۴	تسخیر جنات	//
۳۳۵	خواص فاتحہ	۳۳۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳۶	تفسیر فوق کل ذی علم علیم	۳۳۱
۳۳۷	اقوال شیخ جنیدؒ کی تشریح	//
۳۳۸	تحقیق لطائف ستہ	۳۳۲
۳۳۹	علی المرتضیٰ وزیر رسالتمآب میں	//
۳۴۰	مقام علی کرم اللہ وجہہ	//
۳۴۱	علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین	۳۳۳
۳۴۲	العارف لا همة له	//
۳۴۳	مقام عارف کامل	//
۳۴۴	حقیقت فنا وبقا	۳۳۴
۳۴۵	مجذوب واصل کشف اور خوارق سے بلند ہوتا ہے	۳۳۵
۳۴۶	تحقیق مسلک محب اللہ الہ آبادیؒ	۳۳۶
۳۴۷	حق اور عالم	۳۳۸
۳۴۸	مبدأ مکاشفہ محبت ذاتیہ ہے	//
۳۴۹	ظہور حق در مظاہر	۳۳۹
۳۵۰	علامت کمال	//
۳۵۱	ایک تسامح اور اس کا ازالہ	۳۴۰
۳۵۲	حقیقت تعوذ	//
۳۵۳	قصہ خالد بن سنانؒ کی تشریح	//
۳۵۴	منتہائے عابد	۳۴۱
۳۵۵	القید کفر	//
۳۵۶	قول پیرؒ ہرات	۳۴۲
۳۵۷	وصل حقیقی	۳۴۳
۳۵۸	تشریح توحید کوچہ تنگ است	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۵۹	تاویل حقیقة الواجب لایدرکه احد	۳۴۳
۳۶۰	تشریح ان لله سبعین الف حجاب	۳۴۴
۳۶۱	معنی قول خواجہ نقشبندؒ	۳۴۵
۳۶۲	توجیہ خضت بحراً الخ	//
۳۶۳	توحید افعال	۳۴۶
۳۶۴	حدیث ماتقرب الی عبد	//
۳۶۵	راہ سلوک میں حزن واندوہ	۳۴۷
۳۶۶	تشریح والعصر الخ	//
۳۶۷	تشریح ”توحید راہ کی درمیانی منزل“ ہے	۳۴۸
۳۶۸	شیخ اکبرؒ کے قول کی تشریح	۳۴۹
۳۶۹	حضرت شیخ ابوالرضاؒ کے چند مسودات اور مکتوبات	۳۵۱
۳۷۰	مکتوب شیخ عبدالاحدؒ	//
۳۷۱	مکتوب شیخ ابوالرضاؒ	//
۳۷۲	مکتوب شیخ عبدالاحدؒ	۳۵۳
۳۷۳	جواب شیخ ابوالرضاؒ	۳۶۵
۳۷۴	مکتوب شیخ عبدالاحدؒ	۳۷۳
۳۷۵	محاکمۂ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ	۳۸۸
۳۷۶	نامۂ شیخ عبدالاحدؒ	۳۹۲
۳۷۷	نامۂ شیخ ابوالرضاؒ	۳۹۳
۳۷۸	نامۂ شیخ ابوالرضاؒ	۳۹۴
۳۷۹	حکایت محبت ومحنت	۳۹۵
۳۸۰	مکتوب شیخ ابوالرضا	۴۰۱
۳۸۱	مکتوب دیگر	۴۰۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۸۲	بنائے طریقہ رضائیہ	۴۰۸
۳۸۳	تفسیر فاتحہ	۴۰۹
۳۸۴	فرائض ولایت کبری	۴۱۰
۳۸۵	تربیت سالک	۴۱۱
۳۸۶	شیخ ابوالرضاء کا سفر آخرت	۴۱۴
۳۸۷	شاہ ولی اللہ کے اجداد اور مشائخ کے حالات	۴۱۶
۳۸۸	امام ناصر الدینؒ کی روحانی امداد	۴۱۹
۳۸۹	حالات شیخ معظمؒ	۴۲۱
۳۹۰	شیخ معظمؒ کی اولاد	۴۲۲
۳۹۱	مختصر ذکر شیخ وجیہ الدینؒ	//
۳۹۲	معرکہ ڈہاموئی	۴۲۴
۳۹۳	فیل مست سے مقابلہ	۴۲۶
۳۹۴	شیخ رفیع الدین محمدؒ (۱) کے خاندان کے حالات	۴۳۱
۳۹۵	شیخ طاہرؒ	//
۳۹۶	شیخ حسنؒ	۴۳۲
۳۹۷	شیخ محمد خیالیؒ	۴۳۳
۳۹۸	شیخ عبدالعزیزؒ	۴۳۴
۳۹۹	شیخ قطب العالمؒ	۴۳۶
۴۰۰	شیخ رفیع الدین محمدؒ	۴۳۷
۴۰۱	مقام خواجہ محمد باقی باللہؒ	۴۳۸
۴۰۲	قدوۃ العارفین حضرت شیخ محمد قدس سرہ العزیز کے مختصر حالات زندگی اور کرامات کا بیان	۴۴۲
۴۰۳	شیخ ابوالکرمؒ	۴۴۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۰۴	حضرت شیخ محمدؒ	۴۴۵
۴۰۵	تاثیرِ صدقہ	۴۴۷
۴۰۶	حیاتِ شہید	۴۴۸
۴۰۷	حیاتِ اولیاء	//
۴۰۸	حضرت شیخ محمدؒ کے تصرفات اور بعض کرامات	۴۴۹
۴۰۹	صورتِ شیخ کا کرشمہ	//
۴۱۰	سلبِ مرض	۴۵۰
۴۱۱	تصرفِ شیخ	۴۵۱
۴۱۲	تکثیرِ طعام	//
۴۱۳	من عادلی ولیا فاذنته بالحرب	//
۴۱۴	امدادِ اولیاء	۴۵۲
۴۱۵	قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید	۴۵۳
۴۱۶	ختمِ خواجگان	//
۴۱۷	تاثیرِ نظر	//
۴۱۸	کشفِ قبور	۴۵۴
۴۱۹	کشفِ غیوب	۴۵۵
۴۲۰	مثالِ وحدۃ الوجود	//
۴۲۱	نگاہِ ولی	//
۴۲۲	حضرت شاہ ولی اللہ کے اساتذہ ومشائخ حرمین کے مختصر حالات	۴۵۷
۴۲۳	شیخ احمد شناویؒ	//
۴۲۴	شیخ احمد قشاشیؒ	۴۵۹
۴۲۵	سید عبدالرحمٰن ادریسی المحجوبؒ	۴۶۲
۴۲۶	شمس الدین محمد بن العلا بابلیؒ	۴۶۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۲۷	شیخ عیسیٰ جعفری مغربیؒ	۴۶۵
۴۲۸	محمد بن محمد بن سلیمان مغربیؒ	۴۶۶
۴۲۹	شیخ ابراہیم کردیؒ	۴۶۷
۴۳۰	شیخ حسن عجمیؒ	۴۷۰
۴۳۱	شیخ احمد نخلیؒ	۴۷۳
۴۳۲	شیخ عبداللہ بن سالم البصریؒ	۴۷۴
۴۳۳	شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنیؒ	۴۷۶
۴۳۴	شیخ تاج الدین قلعی حنفیؒ	۴۸۰
۴۳۵	حضرت شاہ ولی اللہ کے خودنوشت حالات زندگی	۴۸۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ وآلہ واصحابہ اجمعین

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ حقیقت اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مشائخ کرام کی باتیں گویا طائفۂ الٰہی کی باتیں ہیں۔ مشائخ صوفیاء کے احوال واقوال جو ان کی کرامتوں اور استقامتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور جن کی بنیاد ان کے ظاہری وباطنی علوم پر ہوتی ہے۔ نوآموزوں کے لیے اشتیاق وترغیب کا باعث بنتے ہیں اور پختہ کاروں کے لیے نظامِ زندگی اور دستور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر اپنے آباواجداد کے تاریخی آثار سننے سے اولاد واخلاف کے لیے زیادہ سے زیادہ فائدہ کی امید ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بسا اوقات حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے والے اخلاف کی غیرت جاگ اٹھتی ہے اور عرقِ غیرت کے جوش سے چونک کر وہ کسی منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں اور میانہ رو اخلاف ذکر اسلاف کی برکت سے اپنی کوتاہیوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ آگاہی ان پر رجوع اور توبہ کے دروازے کھول دیتی ہے۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقیر حقیر ولی اللہ (اللہ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے اور اسے سلف صالحین میں شامل کرے) نے ارادہ کیا کہ اپنے والد بزرگوار قدوۃ العارفین زبدۃ الواصلین صاحب کرامت جزیلہ ومقامات جلیلہ سیدنا ومولانا شیخ عبدالرحیم (اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے) کے علمی ومجلسی فوائد میں سے کچھ نفیس واقعات وحکایات ونادر کرامات اور تصرفات جو کہ حضرت والد ماجد اور ان کے مشائخ کرام سے ظہور پذیر ہوئیں نیز طریقت وحقیقت کے رموز ونکات جو ان بزرگوں کے سینوں کی زرخیز زمین نے بارانِ الہام سے اخذ وقبول کیے اور سالکانِ طریقت کی ہدایت کیلئے مجالس صحبت یا گوشہ ہائے خلوت میں جو مقامات وملفوظات ان کی زبان گوہر فشاں سے وقوع پذیر ہوئے اور راقم الحروف کے حافظے نے حسب استطاعت انہیں محفوظ ومنضبط کیا حیطۂ تحریر میں لائے۔

علاوہ ازیں اپنے بلند پایہ چچا بزرگوار، اہل ذوق و وجود کے پیشوا، ارباب معرفت وشہود کے امام حلقۂ سلسلہ عارفین رونق چشم کاملین، خدائے بے نیاز کے ساتھ پیوستہ و وابستہ سیدنا ومولانا ابوالرضا محمد قدس سرہ الامجد کے عرفان وحقائق میں سے جو چیزیں نقل صحیح کے ذریعے مجھے معلوم ہوئیں ان کا ترتیب وتالیف میں مشغول ہوا اوران دو اہم مقاصد سے فراغت کے بعد ان بزرگوں کے مختصر حالات بھی بیان کروں جن کے ساتھ اس فقیر کو قرابت یا تلمذ کا قدرے تعلق رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ اہل زمانہ عام طور پر اور اس خاندان کے لوگ خاص طور پر ان فوائد علمی اور مقالات روحانی سے نفع اندوز ہوں اور راقم الحروف کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں، اس کتاب کو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کا نام انفاس العارفین تجویز کیا ہے۔ پہلے دو حصوں کو میں نے دو علیحدہ رسالوں کی شکل میں مرتب کیا ہے ایک کا نام ''بوارق الولایہ'' اور دوسرے رسالے کا نام ''شوارق المعرفۃ'' رکھا ہے تیسرا حصہ پانچ مقالات پر مشتمل ہے جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ **الامداد فی مآثر الاجداد** (خاندان مصنف کے حالات پر مشتمل)

۱۔ **عطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ** (مصنف کے نہالی جد حضرت شیخ محمد پھلتیؒ کے حالات)۔

۳۔ **النبذۃ الابریزیہ فی لطیفۃ العزیزیہ** (مصنف کے جد اعلیٰ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حالات میں)

۴۔ **انسان العین فی مشائخ الحرمین** (مصنف نے حرمین شریفین میں جن مشائخ سے استفادہ کیا ان کا ذکر خیر)

۵۔ **الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف** (مصنف کی خودنوشت)

فقیر خدا سے دعا کرتا ہے کہ ان مقامات سے اللہ اپنے نیک بندوں کو تسکین حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ بیشک وہ سب سے قریب اور سب کی سننے والا ہے۔ اللہ ہی میرے لیے کافی اور میرا بہترین ساتھی ہے۔ ہر نیکی کی توفیق اور ہر بدی سے دوری اس بلند وبالا ذات ہی کی طرف سے ارزانی ہوتی ہے۔

حصۂ اوّل

جناب کرامت مآب قدوۃ العارفین زبدۃ الواصلین سیدنا و مولانا شیخ عبدالرحیمؒ کے پسندیدہ روحانی تصرفات، نایاب واقعات، اور روح پرور واردات قلبی کے بیان میں

تمام حمد وثناء اس ذات اللہ کے لیے ہے جس نے تجلیات اور واردات کے لطیفوں سے اہل عرفان کے دلوں کو منور کیا اور ان کے سینوں کو باران معرفت سے سیراب فرمایا اور عرفان کے نفیس نکتوں سے اور اسماء وصفات کی باریکیوں سے ان کو وہ مقام عطا فرمایا جو نہ کسی کی چشم تصور میں آسکتا ہے اور نہ ہی دید وشنید میں اور نہ ہی بجز ان پختہ کار مردان احرار کے اس مقام تک کسی کے قلب ونظر کی رسائی ہوسکتی ہے۔ اس لطف وکرم کی بناء پر ان مردانِ خدا کو ہر سمت و ہر جہت اور ہر حیثیت سے گونا گوں انوار وتجلیات اور برکات ایزدی نے گھیر رکھا ہے اور ان مقبولان خدا کی زبانیں وصول حق، سلوک طریقت کے نکات اور حکمت واسرار الٰہی کی باریکیاں کلمات ربانی کے نادر حقائق بول اٹھیں اور ان کے ہاتھوں وہ وہ آثار وکرامات اور خلاف عادت واقعات رونما ہوئے جن کے سبب انہیں عامیوں سے ممتاز گردانا گیا، سو پاک ہے وہ ذات جو جسے چاہے اور جو چاہے عطا کردے نہ کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ ہی اس کی تقدیر پھر سکتی ہے، تحیات اور حمد وثناء اسی کو زیبا ہے اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ وہی معبود برحق ہے، جس کا کوئی ساجھی نہیں اور میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے عبد خاص اور رسول ہیں۔ یہی شہادت میری مرگ وزندگی کا سرمایہ ہے۔ ازل سے ابد تک صلوٰۃ وسلام ہوں اس نبی اقدس پر ان کے آل واصحاب پر جو ہدایت کے ستارے ہیں اور بندگان خدا کے قائد، بعد ازیں فقیر ولی اللہ عفی عنہ عرض پرواز ہے کہ یہ چند کلمات حضرت والد بزرگوار قدوۃ العارفین زبدۃ الواصلین صاحب کرامت، جزیلہ و مقامات جلیلہ سیدنا ومولانا شیخ عبدالرحیمؒ قدس سرہ العزیز کی کرامات،

وقائع اور احوال و اقوال پر مشتمل ہیں جن کا نام میں نے بوارق الولایۃ رکھا ہے۔ اللہ ہی مجھے کافی ہے جو میرا بہترین ساتھی ہے۔ وہی نیکی کی توفیق دیتا ہے اور بدی سے باز رکھتا ہے۔

زندۂ جاوید

میرے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے تھے کہ مجھے آغاز کار میں (اپنے نانا) شیخ رفیع الدین دہلویؒ کے مزار مبارک کے ساتھ موانست و رغبت پیدا ہوگئی تھی چنانچہ میں وہاں جا کر ان کے مزار کو مرکز توجہ بنایا کرتا تھا۔ اکثر و بیشتر غیبت کا ایسا حال طاری ہوتا کہ مجھے سردی وگری کے احساس سے بھی بے نیاز کر دیتا تھا۔

میراثِ ولایتؒ

فرماتے تھے کہ شیخ رفیع الدینؒ نے آخری وقت میں ایک دن اپنا تمام اثاث البیت جمع کیا اور وارثوں میں تقسیم کر دیا، اولاد میں سے ہر ایک کو اس کے حسب ضرورت دیا۔ جب سب سے چھوٹی اولاد (یعنی والدۂ حضرت شیخ عبدالرحیمؒ) کی باری آئی تو انہیں مشائخ کرام کا شجرہ، خاندانی اوراد اور فوائد طریقت پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ عنایت فرمایا۔

شیخ کی رفیقۂ حیات نے کہا کہ ''یہ بچی غیر شادی شدہ ہے اسے تو جہیز اور اسباب خانہ چاہیے نہ کہ رسائل تصوف''! فرمایا یہ رسائل ہمیں مشائخ سے میراث میں ملے ہیں اس عفیفہ کے بطن سے اس معنوی میراث کا مستحق ایک بچہ پیدا ہوگا۔ ہم نے یہ روحانی میراث اسی کے لیے دی ہے۔ باقی رہے اسباب خانہ تو وہ خدا میسر کر دے گا ہمیں اس کا غم نہیں، بہت عرصے بعد جب میں (شاہ عبدالرحیمؒ) پیدا ہوا اور ہوش سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری جدہ محترمہ کے دل میں یہ بات ڈال دی اور انھوں نے وہ رسائل مجھے دیدیئے۔ کچھ دنوں بعد وہ کھو گئے اگرچہ بشارت کا لفظاً مشترک تھا لیکن ان رسائل سے نفع اندوزی نے اس بشارت کی تفسیر اور مقصود بشارت کو متعین کر دیا کیونکہ حضرت مخدومی اخوی شیخ ابوالرضاؒ (۱) ان دنوں اس کام کا ذوق نہیں رکھتے تھے اور بھائی عبدالحلیمؒ (۲) ابھی تک متولد نہیں ہوئے تھے۔

---

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے بڑے بھائی۔ (۲) حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے چھوٹے بھائی۔

آثار سعادت

فرماتے تھے کہ میرے شیخ عبدالحیؒ نہایت نیک مرد تھے جو دنیا سے روگرداں اور طریق اسلاف پر گامزن تھے وہ اپنی اولاد کی تربیت میں بہت کوشاں رہے مگر اولاد ان سے متاثر نہ ہو سکی جس کے سبب وہ ہمیشہ رنجیدہ رہتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے مجھے دیکھا کہ میں نے باوجود کم عمر ہونے کے سر سے پگڑی اتار کر گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی اور تمام سنتوں اور نوافل کی رعایت کے ساتھ وضو کر رہا تھا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر ان کا دل کھل اٹھا اور خدا کا شکر کرنے لگے کہنے لگے کہ جب میں نے اپنی تربیت کا کوئی اثر اولاد میں نہ دیکھا تو ڈرا کہ شاید ہمارے اسلاف کا روحانی سلسلہ ہمارے بعد منقطع ہو جائے مگر ابھی معلوم ہوا کہ اس میراث کا حامل ہمارے خاندان میں موجود ہے جو اگرچہ سلسلہ فرزندان میں سے نہیں مگر یہ کیا کم ہے کہ دختر نیک اختر کے نسب سے تو ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ہمارے اسلاف کا روحانی دستور یہ چلا آ رہا تھا کہ ہر صدی میں طریقۂ چشتیہ کی نسبت کے حامل رہے ہیں اور اکثر و بیشتر ہر جانے والا آنے والے کی بشارت دیتا رہا ہے اور یہ قصہ اسی طرح چلتا رہا ہے۔

شہباز قدس

فرمایا کہ میں نو یا دس برس کا تھا کہ سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق ایک بزرگ خواجہ ہاشم (۱) نامی بخارا سے تشریف لائے اور ہمارے محلّہ میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ مجھ پر اکثر توجہ فرماتے تھے ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں ایک درود جانتا ہوں جس کے پڑھنے سے آدمی دولت مند ہو جاتا ہے۔ میرا دل اس وقت تمام تعلقات سے بیزار تھا میں نے کہا اللہ تعالیٰ والد ماجد کے ذریعے میری ضروریات پوری کر دیتا ہے، مزید احتیاج نہیں رکھتا۔ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

چند دنوں بعد پھر فرمانے لگے۔ مجھے بزرگوں سے ایک دعا ملی ہے جسے کوڑھی پر دم کیا جائے تو کوڑھ فوراً کافور ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا ہے اور اگر

---

(۱) غالباً خواجہ ہاشم سے مراد حضرت شیخ محمد ہاشم کشمیؒ ہیں جو حضرت مجدد صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے برکات الاحمدیہ الباقیہ کے نام سے حضرت مجدد ان کے پیر و مرشد اور خلفاء و صاحبزادگان کے حالات پر نہایت جامع اور مستند کتاب لکھی ہے کشم بخارا کے علاقے میں ایک قصبہ کا نام ہے۔

کوئی کوڑھی نظر پڑا تو آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ دن بعد فرمایا کہ درد دوا اور دعا سے ہماری غرض تمہیں شکار کرنا تھا کیونکہ تم اچھی استعداد رکھتے ہو مگر معلوم ہوا کہ تم انتہا درجے کے بلند ہمت ہو۔ دراصل ہم چاہتے ہیں کہ اشغال صوفیاء میں سے کسی شغل کو اپنا مطمح نظر بناؤ۔ جس پر میں نے کہا سر آنکھوں پر! اس پر انھوں نے مجھے شغل ''استکتاب'' کی تلقین فرمائی یعنی اسم ذات (اللہ) کو لگاتار کسی تختی یا کاغذ پر لکھتے رہنا چاہئے تاکہ کثرت نگاہ کے سبب قوت متخیّلہ میں جاگزیں اور پیوست ہو جائے۔ یہ مشغلہ میں نے شروع کیا جو مجھ پر حاوی ہو گیا۔ ان دنوں میں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ حاشیہ ملا عبدالحکیمؒ لکھوں۔ جب لکھنے لگا تو کم و بیش ایک کاپی کے بقدر اسم ذات لکھتا رہا مگر مجھے کوئی شعور نہ رہا۔

تاثیر فیضان نبوت

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ میں اندازاً بارہ تیرہ برس کا تھا کہ حضرت زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجسم سامنے دیکھا انھوں نے ذکر اسم ذات کی تلقین فرمائی۔ قوت نبوت کے سبب ان کی اس تلقین نے اس قدر تاثیر دکھائی کہ اس عمر میں تحصیل علم کی مشغولیت اور قلت توجہ کے باوجود برکات ذکر اس انداز میں ظہور پذیر ہوئیں کہ کامل اور قوی الطلب طالبانِ حق سے دیکھنے میں نہیں آئیں۔ اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ عبدالعزیز قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا اے بیٹے! ارادت کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں نہ دینا۔ یہاں تک کہ حضرت خواجہ تجھے قبول فرمائیں۔ اس کے بعد تجھے اختیار ہے۔ یہ واقعہ میں نے خواجہ خوردؒ کی خدمت میں ذکر کیا اور اس کی تعبیر چاہی اور عرض کی کہ اس شہر کے اہل عرفان میں بجز آپ کے اور کوئی خواجہ کے لقب سے مشہور نہیں۔ فرمانے لگے اس واقعے کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ وایمن التحیات کی بیعت نصیب ہوگی اور اس فقیر کا مرتبہ اس سے کمتر ہے کہ شیخ عبدالعزیزؒ مجھے خواجہ سے تعبیر کریں۔

فقیر کو اسی طرح یاد ہے۔ بعض احباب شیخ عبدالعزیزؒ کی جگہ خواجہ نقشبندؒ کا ذکر کرتے ہیں واللہ اعلم۔

سیر ولایت

اس کے بعد میں ظہور تعبیر کا منتظر رہا اور اکثر درود پڑھنے میں مشغول رہتا تھا۔ ایک رات

درود پڑھ رہا تھا کہ ایک نورانی شبیہ چاند کی شکل میں ظاہر ہوئی حالانکہ اس رات چاند نمودار نہیں تھا اور آہستہ آہستہ پوری روئے زمین پر پھیلنا شروع ہوئی، اس کے بعد وہ میرے سر اور جسم پر وارد ہوئی جب تک وہ نورانی شبیہ میرے سر سے قدرے پرے تھی تو میں ذوق وشوق سے سرمست ہو رہا تھا۔ جب عین سر پر آئی تو بیہوش ہو گیا اور نظر بہ ظاہر میرا وجود غائب ہو گیا واللہ اعلم، کیونکہ میرے والد نے مجھے بہت ڈھونڈا مگر نہ پایا جس کے سبب ان پر اضطراب اور پریشانی چھا گئی۔ اسی غیاب اور گمشدگی کی حالت میں میں نے آسمان پر آسمان طے کرنا شروع کئے۔ یہاں تک کہ ان سب کو پار کر گیا، حتیٰ کہ بارگاہِ سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جا پہنچا جہاں انھوں نے مجھے اپنی بیعت میں قبول فرما کر نفی واثبات کی تلقین فرمائی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے افاقہ ہوا اور اپنی پہلی حالت میں آ گیا چند دنوں بعد خواجہ خوردؒ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ انجام پذیر ہو چکا ہے اب میری اصلاح وتربیت کا کیا سامان ہو گا؟ فرمانے لگے کہ ظاہراً بھی کسی سے ضرور بیعت کرنی چاہیے۔ عرض کی جی چاہتا ہے کہ آپ سے بیعت کر لوں، فرمانے لگے ''تمھیں بہت ہی دوست رکھتا ہوں۔ نہیں چاہتا کہ تمھیں اپنی بیعت میں لوں''۔ عرض کی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا کہ دوستی، بیعت میں نہ لینے کا سبب کیونکر ہو سکتی ہے؟ فرمایا ''مطلب یہ ہے کہ میں بعض غیر شرعی امور کا مرتکب ہوں اور اتباع سنت میں قدرے غفلت وکاہلی کا روادار، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے تعلق وربط کی بنا پر تمہارے قدم جادۂ شریعت سے ہٹ جائیں۔ ہاں البتہ صحبت ومجلس میں آتے رہو، فیض وبخشش سے کبھی دریغ نہ کروں گا''۔ عرض کی تو پھر جس سے فرمایئے توسل کر لوں۔ فرمانے لگے اگر شیخ آدم (۱) بنوریؒ قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے کوئی مل جائے تو زیادہ مناسب رہے گا! کیونکہ یہ لوگ اتباع شریعت، ترک دنیا اور تہذیب نفس میں ایسا کمال رکھتے ہیں جو دوسروں کو میسر نہیں۔ عرض کی کہ ہمارے پڑوس میں ان کے خلفاء میں سے سید عبداللہؒ قیام پذیر

---

(۱) سید آدم بنوری حسینیؒ آپ کا اصلی وطن قصبہ مودہ تھا مگر بنور میں سکونت اختیار کر لی تھی، سلوک کی ابتدائی تعلیم حاجی خضر سے حاصل کی بعد ازاں حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں آئے۔ آپ امی محض تھے لیکن باطنی طریق پر قرآن مجید حفظ کر لیا اور دیگر علوم بھی حاصل کئے۔ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار سے زائد طالبان معرفت ہر وقت جمع رہتے تھے۔ ایک دنیا آپ سے فیضیاب ہوئی۔ ایک سو کے قریب نامور خلفاء ہیں۔ خیر البلاد مدینہ طیبہ میں ۱۳/شوال ۱۰۵۳ھ میں انتقال فرمایا۔ جنت البقیع میں قبر حضرت عثمانؓ کے قریب مدفون ہیں۔

ہیں۔ فرمایا، غنیمت ہیں۔ جلد ہی ان سے ربط پیدا کرنا چاہئے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجود اس کے کہ تنہائی، عزلت نشینی اور کم آمیزی ان پر غالب تھی۔ پہلی ملاقات میں ہی بیعت میں قبول فرمالیا۔ بیعت کے بعد میں حضرت خواجہ خوردؒ اور سید عبداللہؒ دونوں کی خدمت میں حاضر ہوتا اور فیض صحبت حاصل کرتا رہا۔

نفی واثبات اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ اسم ذات (۱) کا شغل جو میں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے حاصل کیا تھا مجھ پر غالب رہتا تھا اور میں اس سے بہت ہی کیف وسرور حاصل کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں شغل ونفی واثبات (۲) نہیں کرسکتا تھا۔ اگر کبھی کرتا تو اس سے ذرا بھی لذت محسوس نہ ہوتی اور اس پر قادر نہ ہوسکنے کی بنا پر میں ہمیشہ شرمندہ رہتا تھا۔ حضرت سید عبداللہ قدس سرہ سے اس کوتاہی کا علاج دریافت کیا۔ بارہا توجہ فرمائی مگر عقدہ حل نہ ہوا فرمانے لگے کہ جو چیز انبیائے کرام علیہم السلام کے انفاس طیبہ کی توجہ کے سبب استحکام حاصل کرے ہم اس میں تبدیلی نہیں لاسکتے۔ حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ اور رجوع کیجئے، اس نقص وخامی کا علاج ان کی بارگاہ سے ہوگا۔ چنانچہ میں نے آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بارے میں التجا کی جس کے نتیجے میں شغل ونفی واثبات مجھ پر غالب آیا اور بہت ہی آسان ہوگیا۔ اس انداز پر کہ میں کمسنی کے باوجود ایک ہی سانس میں دوسو مرتبہ یہ ذکر کرسکتا تھا۔ میں نے کسی طالب حق میں اس ذکر کے لیے ایسی جذب وکشش نہیں دیکھی باوجود اس بات کے کہ میں تحصیل علم میں مشغول تھا اور دوسرے موانعات بھی حائل تھے مجھے نفی واثبات میں سرور حاصل ہونے لگا۔

---

(۱) اسم ذات کا شغل یہ ہے کہ اسم ذات (اللہ) کا لطیفہ قلب میں دھیان رکھے جس کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے۔ بلالحاظ وقت وطہارت، ہاں طہارت اولیٰ ہے کیونکہ طاہر ومطہر کا ذکر طہارت سے ہونا چاہئے۔

(۲) شغل ونفی واثبات، دم بند کرے اور لا کو لطیفہ نفسی سے لطیفہ سری خفی اخفی تک۔ وہاں سے الٰہ لطیفہ روحی تک۔ وہاں سے الا اللہ، اور ہائے اللہ دل پر مارے۔ ایک ہی حبس میں اکیس دفعہ دوسری بار محمد رسول اللہ ملائے۔ اگر اکیس تک نہ پہنچ سکے تو جہاں تک پہنچ جائے یہی عدد اکیس بار تمام وظیفہ ہے۔

حضرت خواجہ حافظ سید عبداللہ قدس سرہ

شوق علم وہدایت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبداللہؒ اصل میں قصبہ کھیڑی کے رہنے والے تھے جو بارہہ کے نواح میں واقع ہے۔ ان کے والد نے کھیڑی کو وطن بنالیا تھا۔ کمسنی ہی میں ان کے والدین فوت ہو گئے تھے اور ان کے دل میں اسی وقت سے خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا۔ جگہ جگہ اولیائے کرام کی تلاش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پنجاب کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے جو علم قرأت میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور صحرائے پنجاب کی ایک مسجد میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ لوگوں کے میل جول اور آمد ورفت سے بالکل فارغ البال اور انتہائی متوکل علی اللہ تھے۔ سید صاحب ان کی خدمت میں رہ کر راہِ حق طلب کرنے لگے، ان بزرگ نے سید صاحب سے فرمایا کہ تمہاری تلقین وہدایت ایک اور بزرگ سے وابستہ ہے جہاں تم انشاء اللہ ضرور پہنچو گے۔ البتہ ہاں حفظ قرآن کی نعمت مجھ سے حاصل کیجئے۔ چنانچہ سید صاحب اسی جنگل میں مدتوں ٹھہرے رہے اور قرآن حفظ کیا، ان بزرگ کے فیض صحبت سے گوشہ نشینی اور ترک دنیا کے آداب سیکھے اور نفس وشیطان کی کج رویوں سے کنارہ کشی کے انداز حاصل کئے۔

مجالس قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ ایک دن وہ بزرگ اور حضرت سید صاحب دونوں قرآن مجید کا دور کر رہے تھے کہ کچھ لوگ عرب صورت، سبز پوش گروہ در گروہ ظاہر ہوئے۔ ان کا سردار مسجد کے قریب کھڑا ہو کر ان قاریوں کی تلاوت سننے لگا اور کہا بارک اللہ ادیتَ حق القرآن (اللہ برکت دے تلاوت قرآن کا خوب حق ادا کیا) یہ کہہ کر واپس پلٹے۔ ان بزرگ کی عادت تھی کہ تلاوتِ قرآن کے وقت آنکھوں کو نیند کی سی حالت میں رکھتے تھے اور کسی طرف بھی توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب زیر تلاوت سورت کو آخر تک پہنچایا تو سید عبداللہ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ تھے؟ جن کی ہیبت سے میرا دل کانپ اٹھا مگر عظمت قرآن کے سبب میں اپنی جگہ سے اُٹھ نہ سکا۔ سید صاحب نے کہا قبلہ! یہ اس موضع کے لوگ تھے جب ان کا سردار پہنچا تو مجھ میں یہ طاقت نہ رہی

کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہوں۔ مجبوراً اٹھا اوران کی تعظیم بجالایا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اسی وضع قطع کا ایک اور آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت نبی اکرمؐ کل مجمع اصحاب میں بیٹھے ہوئے اس جنگل کے رہنے والے حافظ کی تعریف وصفت فرمارہے تھے اور ساتھ ہی فرمارہے تھے کہ کل علی الصباح ہم اسے دیکھنے جائیں گے اور اس کی قرأت بھی سنیں گے کیا آپ تشریف لائے تھے یا نہیں؟ اگر آئے تھے تو کدھر کو گئے۔ ان دنوں بزرگوں نے جب یہ بات سنی تو دائیں بائیں دوڑے مگر کوئی نشان نہ پایا (اللہ ان دونوں کی قبروں پر رحمت کے پھول برسائے)

راقم الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کا گمان ہے کہ حضرت والد نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس واقعہ کے بعد مدتوں اس جنگل سے خوشبو مہکتی رہی جسے لوگ سونگھتے اور محسوس کرتے تھے۔

طالبان حق کے ادنیٰ مجاہدات

جب حفظ قرآن سے فراغت حاصل ہوئی تو اس بزرگ نے رخصت عطا فرمائی کہ جاؤ اور جہاں بھی کوئی صاحب ولایت ملے اس کی خدمت گزاری میں انتہائی کوشش کرو۔ یہ سیر کرتے ہوئے ''سامانہ'' میں شیخ ادریسؒ سامانی کی خدمت میں جاپہنچے۔ یہ بزرگ متوکل تھے اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کرکے انتہائی مشکل حالات میں گزارہ کررہے تھے۔ یہ سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے۔ پہلی مرتبہ جب ان سے مڈبھیڑ ہوئی تو شیخ نے فرمایا کہ فقیر بہت سارے ہیں۔ کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ میرے پاس تو اس مردے (۱) کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہر سکتا جو طعام، لباس اور تعلقات دنیوی سے بالکل کٹ چکا ہو اور حوائج ضروریہ کے بغیر میرے دروازے سے باہر قدم نہ رکھے۔ حضرت حافظ عبداللہؒ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا اور ان کے سامنے راہ سلوک طے کرنا شروع کیا بلکہ مردانہ وار اس اختیاری موت پر صابر اور رضا مند رہے۔ یہ دیکھ کر ان پر حضرت شیخ نے اپنی توجہ بڑھادی۔ اسی اثنا میں شیخ کا بیٹا ان سے قرآن مجید حفظ کرنے لگا جس کی بنا پر شیخ کی توجہ دونی ہوگئی اور انھوں نے بھی شیخ کی خدمت گزاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حضرت حافظ سید

---

(۱) رہبانیت اور ترک دنیا کی نیت سے ایسا کرنا مذموم ہے، مگر نفس کشی اور پوری توجہ ایک نقطے پر جمانے کے لیے یہ عمل محمود ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے غار حرا میں قیام فرمایا۔ ذات حقیقی کے عرفان خالص کی خاطر دنیاوی آلائشوں سے یکسوئی ہی کا یہ عمل ہے۔ موتوا قبل ان تموتوا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن عمرؓ کو یہ فرمانا کہ اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کر۔ (ترمذی)

عبداللہ فرماتے تھے ان دنوں میں نے اپنی عادت بنالی تھی کہ درویشوں کیلئے استنجے کے ڈھیلے پتھر سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا۔ ایک روز اسی حقیقت پر غور کرنے سے اپنے اندر کبر ونخوت اور خود پسندی کا سرور پایا۔ شیخ میری اس حالت پر مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میرے چہرے اور جسم پر کوئی نشان یا تبدیلی دیکھتے ہو۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا ابتدائے سلوک میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچا تو ان کیلئے استنجوں کے ڈھیلوں کو اپنے چہرے اور بدن سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا اور اس سے مجھے ایک روحانی لذت ملتی تھی۔ یہ زخموں کے نشانات اسی کی یادگار ہیں۔ نیز حضرت حافظ سید عبداللہؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ان دنوں میری عادت تھی کہ حضرت شیخ اور ان کے اہل خانہ کے کپڑے ہر جمعرات کو ندی کے کنارے لے جاتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے دھوتا تھا تا کہ نماز جمعہ صاف ستھرے کپڑوں سے پڑھ سکیں۔ ایک بار اتفاق سے جمعرات کے دن میں فاقہ سے تھا اور دستور کے مطابق کپڑے سر پر اٹھا کر ندی کے کنارے چلا گیا۔ آدمیوں سے ایک طرف ہو کر کپڑے دھونے میں مشغول ہو گیا۔ جب سورج تیز ہو گیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت نے غلبہ پایا تو میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ناگاہ ایک برقع پوش میرے سر پر پہنچا اور مجھے بیدار کیا۔ برقع میں سے گرم روٹی نکال کر مجھے دی اور کہا۔ کیا تو نے یہ نہیں پڑھا **و لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** (اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو) مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں شیطان تو نہیں جو مجھے دھوکا دے رہا ہے؟ اس بناء پر میں نے روٹی قبول نہ کی۔ وہ بزرگ میرے اس اندیشے پر مطلع ہوئے اور فرمایا ''اے فلاں: یہ گمان مت کر''۔ یہ لفظ سنتے ہی یہ خیال میرے دل سے دور ہو گیا۔ میں نے روٹی پیٹ بھر کر کھائی۔ دل میں خیال آیا کہ نہر کا پانی گرم ہے۔ کاش یہاں ٹھنڈا پانی ہوتا تا کہ سیر ہو کر پیتا۔ وہ اس کھٹکے پر بھی مطلع ہو گئے اور برق کے اندر سے مجھے پانی کا آبخورہ نکال کر دیا۔ نہایت ٹھنڈا پانی تھا۔ میں نے جی بھر کر پیا اور پھر کپڑے دھو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جونہی مجھے دیکھا فرمانے لگے! سید خضر (علیہ السلام) کے ہاتھ سے روٹی لے لی؟ محمدیوں کو خضر (۱) کا احسان ہرگز نہیں اٹھانا چاہیے۔

عالم استغراق

حضرت والد ماجد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ ادریس سامانیؒ حجرے میں یاد

---

(۱): اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

خدا میں مشغول تھے۔ ان کے اہل خانہ کی عادت تھی کہ ہر سال اسی حجرے میں جانوروں کے لیے گھاس، بھوسا وغیرہ ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی گھڑی اہل خانہ نے حجرے میں گھاس ڈالنا شروع کی۔ انھیں حجرے میں شیخ کی موجودگی کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ نیز شیخ بھی اپنی ہستی سے اس قدر بے خبر اور محو تھے کہ انھیں اپنے اوپر گھاس پڑنے کا احساس تک نہ رہا۔ چنانچہ حجرے کو گھاس سے بھر کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد شیخ کی پوچھ کی گئی۔ مسجد میں بھی ڈھونڈا گیا لیکن کہیں نہ ملے۔ آنے جانے والوں سے پوچھا گیا۔ کچھ معلوم نہ ہوا۔ مایوس ہو کر تلاش و تجسس بھی چھوڑ دی چھ ماہ بعد جب چارہ باہر لانے کی ضرورت پڑی تو حجرے کا دروازہ کھلا اور گھاس باہر نکالنے لگے۔ بالآخر ایک دن گھاس اٹھانے والے کا ہاتھ شیخ پر جا پڑا تو وہ چونک اٹھا کہ یہاں کوئی آدمی ہے۔ جب اچھی طرح ٹٹولا تو شیخ کو پہچان لیا، یہ سن کر لوگوں کا ہجوم ہو گیا اور اس وقت شیخ کو بھی حالت سکر سے افاقہ ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نہ تو انہیں درازیٔ مدت کا احساس رہا اور نہ ہی ان کے جسم و جان پر کچھ نہ کھانے پینے سے کوئی اثر پڑا اور یہ واقعہ عجیب و غریب واقعات میں سے ہے، واللہ اعلم۔

مقام مجددؒ

سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ بزرگوار شیخ احمد (۲) سرہندیؒ کے ارشادات و کمالات عام ہوئے تو شیخ ادریسؒ نے ان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ "اگر میں زمین کی طرف دیکھتا ہوں تو زمین

---

(۱) حضرت خضر علیہ السلام کے نسب و خاندان اور دیگر حالات کے بارے میں کوئی مستند معلومات نہیں ملتیں۔ قرآن مجید سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ کے ایک برگزیدہ بندے سے ملاقات ہوئی تھی۔ جن کو علم لدنی حاصل تھا اور یہ علم علوم تشریعی سے جداگانہ ہے۔ حضرت خضر کے بارے میں آب حیات کا جو افسانہ لوگوں میں مشہور ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ زندہ ہیں۔ اور مشکل حالات میں مدد کرتے ہیں، اگرچہ یہ بات براہ راست کتاب و سنت سے مستند طور پر ثابت نہیں ہوتی مگر اکثر علماء مشائخ صوفیاء اور اہل معرفت کے نزدیک ان کا زندہ ہونا متفق علیہ ہے، چنانچہ حضرت خضر کی زیارت، ملاقات، مشکل معاملات میں ان کی دستگیری کے قصے اس کثرت سے زبان زد خاص و عام ہیں کہ ان کا شمار اور انکار نہیں۔

(۲) حضرت شیخ احمد سرہندیؒ المعروف مجدد الف ثانی ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو سرہند میں پیدا ہوئے آپ کے والد شاہ عبدالاحد فاروقیؒ بھی مشہور عالم بزرگ تھے۔ مجدد الف ثانیؒ نے سترہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون مروجہ قرآن سے فراغت حاصل کر لی۔ آپ نے طریقۂ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ سکندرؒ نبیرۂ شاہ کمال کیتھلی اور طریقہ

(اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

کونہیں پاتا اور اگر آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا ہوں تو آسمان کو معدوم پاتا ہوں اور اسی طرح عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ کو بھی موجود نہیں پاتا اور جب کسی کے سامنے جاتا ہوں تو اس کا وجود بھی نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ اپنے وجود کو بھی غیر موجود پاتا ہوں اور وجود حق سبحانہ تعالیٰ تو بے پایاں ہے جس کی انتہا کو کوئی نہیں پا سکا۔ تمام مشائخ بھی محض یہی نکتہ کہہ کر رہ گئے ہیں اور اس مقام سے آگے کوئی نہیں جا سکا۔ اگر آپ بھی اسی انتہا کو اپنا کمال سمجھتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر کوئی دوسری بات اس کمال سے ورے معلوم ہوئی ہے تو اس سے ہمیں بھی مطلع کیجئے تاکہ ہم اور ہمارے ایک ایسے دوست جو اس مقام تک پہنچنے کی بہت خواہش رکھتے ہیں، وہاں تک پہنچ سکیں"۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے جواب میں لکھا۔

> "میرے مخدوم! یہ اور اس قبیل کے دوسرے حالات تلون قلب (۱) کا نتیجہ ہیں۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ان حالات کا حامل مقامات قلب میں ایک چوتھائی سے زیادہ طے نہیں کر سکا۔ ابھی اسے تین حصے طے کرنے چاہئیں تاکہ معاملہ قلب کو بتمام و کمال طے کر کے سمجھ سکے۔ مقام قلب سے گزرنے کے بعد مقام روح آتا ہے۔ مقام روح (۲) سے آگے بڑھئے تو مقام سر کا دروازہ کھلتا ہے اور مقام سر کو طے کیجئے تو مقام خفی تک رسائی ہوتی ہے۔ تب جا کر کہیں مقام اخفی کے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔ ان چار حصوں کے علاوہ قلب پر کچھ اور اثرات بھی مرتسم

نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے خلافت و اجازت حاصل کی، احیائے سنت کے سلسلے میں آپ نے بے مثال کارنامے انجام دیئے۔ اکبر کے دین الٰہی اور جہانگیر کے غیر اسلامی رسوم کے خلاف یہ مرد خدا علی الاعلان ڈٹ گیا۔ ہمارے دینی لٹریچر میں آپ کے مکتوبات کا بہت اہم مقام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ ہر دور کے مسلمان کے لیے روشنی کا مینار ہے اور آپ کی ذات عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیات میں سے ایک۔ آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ شیخ احمد وہ آفتاب ہے جس میں ہم جیسے کئی ستارے گم ہو جاتے ہیں۔ آپ نے متقدمین صوفیاء کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے مقابلے میں جس میں وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا جو بہت زیادہ مقبولیت حاصل نہ کر سکا، آپ کی وفات ۹۳۴ھ میں ہوئی۔ سرہند شریف میں مزار مرجع خلائق ہے۔

(۱) تلوین قلب راہ سلوک میں بالکل ابتدائی منازل کا نام ہے، جہاں ابھی تک سالک صفات کے چکر میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور ذات تک اس کی رسائی نہیں ہوتی ان حالات کے تعدد کی وجہ سے قلب کو قرار حاصل نہیں ہوتا۔ اسی کیفیت کا نام تلوین ہے۔

(۲) مکتوب گرامی میں لطائف ستہ کی طرف اشارہ ہے جو یہ ہیں: ۱۔ قلب، ۲۔ روح، ۳۔ نفس، ۴۔ سر، ۵۔ خفی، ۶۔ اخفی

ہوتے ہیں۔ جن کے احوال و کیفیات جدا جدا ہیں۔ ان تمام کو فرداً فرداً طے کرنے چاہیے۔ (آخر مکتوب تک)

یہ خط پڑھ کر شیخ ادریسؒ نے حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی خدمت میں حاضری دینے اور ان کی عزیمت صحبت سے فیض حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ مگر بعض موانعات کے سبب ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی، یہاں تک کہ شیخ احمد سرہندیؒ کے ایام رشد و ہدایت پورے ہو گئے۔

کچھ بعید نہیں کہ یار دیگر سے مراد سید عبداللہ شاہؒ ہوں۔ فقیر کا خیال ہے کہ حضرت والد ماجد یہ قصہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ کے سلسلے میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

ولی کی وسعت نظر

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شیخ ادریسؒ نے حضرت شیخ آدم بنوریؒ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ ”مجھے ہر چیز میں ایک خدا نظر آتا ہے اور ہر در و دیوار کو اس ایک نور کی تجلیات سے بھرپور پاتا ہوں“۔ شیخ آدم نے جواب میں لکھا ”کہ بابرکت اور عجیب حالت ہے، لیکن کاملین سلوک کے حالات سے موازنہ کیا جائے تو مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ بھائی! کسی کوچۂ تنگ سے گزرنے کا سوال نہیں کہ راہِ سلوک میں اتنے سمٹ کر رہ گئے ہو۔ یہاں تو ایک شاہراہِ عظیم کھلی ہوئی ہے جس پر توسن فکر و خیال کو بڑھا چڑھا کر دوڑایا جا سکتا ہے“۔ یہ پڑھ کر ان پر شیخ آدمؒ کی ملاقات کا شوق غالب آیا مگر قضائے الٰہی کہ وہ انہی دنوں بیمار ہو کر رحمت خداوندی کے سائے میں چلے گئے اور سید عبداللہؒ اسی واقعے کی بنا پر ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ آدمؒ کی خدمت میں پہنچے۔ (۱)

حاصل کلام سید عبداللہ شیخ آدم بنوریؒ قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے اور ان کی صورت میں ایک عالی مقام منبع شریعت، حامل عرفان بااثر شیخ کو پالیا۔ ان کی طرز زندگی اور طریق فقر کو پسند کرتے ہوئے اوہام و شکوک کی قوتوں کو شکست دے کر مدتوں ان کی صحبت میں مستحکم اور مقیم رہے۔

واضح رہے کہ سید عبداللہؒ کے چچا یا چچازاد بھائی جن کا نام نامی سید عبدالرحمٰن تھا نہایت خوشحال تھے۔ اور ان کا شمار بڑے امراء میں ہوتا تھا۔ مگر ساتھ ہی دین داری میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ حضرت والد ماجد ان کی دینداری کا بہت ہی ذکر فرمایا کرتے تھے۔ یہ امیر نما درویش بھی شیخ آدم

---

(۱) (نوٹ) معلوم نہیں کہ یہ وہی پہلا قصہ ہے جو سہو و نسیان سے ذرا تبدیل ہو گیا یا کوئی دوسرا واقعہ ہے۔

بنوریؒ کا مرید تھا۔ اسی بنا پر حضرت سید عبداللہ انتقال شیخ کے بعد ہمیشہ سید عبدالرحمٰن کی صحبت میں رہتے تھے اور آپس میں انتہائی محبت وانس رکھتے تھے۔ حضرت سید عبداللہ عفیف و پاکدامن تھے۔ زندگی بھر شادی نہ کی۔ محلّہ ''کوشک نز'' میں حضرت عبداللہ کی اقامت کا سب سے بڑا سبب سید عبدالرحمٰن موصوف کی رفاقت تھی۔ شیخ آدم کے تمام مکتوبات میں جو سید عبداللہ کے نام لکھے جاتے رہے۔ سید عبدالرحمٰن کا ذکر بھی متصلاً ملتا ہے۔ شہادت کے طور پر شیخ آدمؒ کے دو مکتوب بعینہٖ نقل کئے جاتے ہیں جو حافظ عبداللہ اور سید عبدالرحمٰن کے نام صادر ہوئے

نامہ شیخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی خیر خلقه محمد و آله اجمعین الاکرمین

اللہ تعالیٰ دینی اور دنیوی کاموں میں اپنی رضا کے مطابق جمعیت خاطر اور اطمینان قلب کی توفیق ارزانی کرے اور ہمارے دلوں کو خالص ومخلص رکھے۔

زاں یار دلنوازم شکر یست نے شکایت
گر نکتہ دان عشقی خوش بشنو ایں حکایت

(اگر نکتہ داں عشق ہو تو مجھ سے یہ لطف انگیز بات سنو کہ اس محبوب دلنواز کا ہر حالت میں شکرگزار رہنا چاہئے۔ کسی بھی عالم میں زبان شکایت نہ کھولئے۔

ہمارا یہ فقیرانہ سلام نامہ ان برادران معنوی تک بطریق انتباہ مطالعہ سے گزرے کہ چل چلاؤ کا وقت ہے اور کل کا کام کل ہی کے عمل میں شمار ہوگا۔ اللہ نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور اسی سے ہی راہ راست اور رشد وہدایت کی توفیق اس کے حبیب، آل اطہار، اصحاب کبار اور تابعین ذی وقار کے طفیل نصیب ہوتی ہے۔ ان سب پر صلوٰۃ وسلام ہوں۔ یہاں کے تمام احباب کی طرف سے برادرانہ تسلیمات مطالعہ فرمائیے''۔

حضرت شیخ آدم بنوریؒ کا دوسرا مکتوب جو سیادت پناہ سید عمادؒ، حافظ عبداللہؒ اور حافظ عبدالرحمٰنؒ کے نام صادر ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ خير خلقه محمد و آله اجمعين الاكرمين

”بندگان اخی معنوی سیادت پناہ وتوفیق آثار سید عماد و حافظ عبدالرحمٰن سلام فقیرانہ کے بعد مطالعہ فرمائیں کہ اس طرف کے حالات لائق حمد وشکر ہیں اور آپ بھائیوں کی سلامتی واستقامت اللہ سے مطلوب ہے۔ وہی ذات پاک نخل تمنا کو بارآور کرنے والی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آنجناب کا ایک ایک گرامی نامہ جو اخلاص سے پر تھا۔ ”بارہہ“ سے اور دوسرا عنایت نامہ محترم حافظین (حافظ عبداللہ و حافظ عبدالرحمٰن) کا لکھا ہوا اکبرآباد سے موصول ہوا۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ آپ حضرات صحت وسلامتی سے ہیں اور فقیروں کی یاد سے بھی غافل نہیں۔ بہرحال امیدوار ہوں کہ اس اخلاص کا نتیجہ سعادت دارین کی صورت میں نمودار ہوگا (اللہ کے فضل واحسان سے) اے بھائی! وقت ایک چلتا دھارا ہے، گریہ وزاری اور صدق دل سے دعاؤں میں سعی وکاوش دکھانا ضروری ہے تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ بقیہ زندگی اس دار فانی میں ضائع کرنے سے بچائے“۔

تصفیہ قلب

حضرت والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ سید عبداللہؒ نے فرمایا کہ آغاز کار میں جب میں شیخ آدمؒ کی خدمت میں پہنچا۔ میرا قلب نسبت روحانی سے بالکل خالی ہوگیا اور جمعیت خاطر میں فتور ظاہر ہونے لگا۔ میں پریشان ہوا اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی۔ فرمایا ”پہلی نسبت سرکہ کا حکم رکھتی ہے اور جو جمعیت قلب ہماری صحبت میں پاؤ گے۔ اس کی مثال گلاب کی سی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر بوتل میں سرکہ ہو اور اس میں گلاب ڈالنے کا ارادہ کیا جائے تو سب سے پہلے بوتل کو خوب دھو کر صاف کیا جاتا ہے تاکہ سرکے کا ذرہ بھر بھی اثر باقی نہ رہے۔ تب وہ بوتل گلاب کے قابل بنتی ہے۔

کلام ربانی کی تاثیر و اعجاز

حضرت والد ماجد صاحب شیخ آدم بنوریؒ کی اولاد میں سے کسی بزرگ سے نقل فرماتے تھے کہ سید عبداللہؒ صحبت شیخ آدمؒ کے دوران ایک دن کسی درخت کے نیچے پورے اطمینان قلب کے ساتھ آنکھیں بند کئے تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ اسی اثناء میں بہت سی چڑیاں درخت سے گر کر مرتی رہیں اور وہ لوگ جو ماوراء النہر سے حضرت شیخ کی بیعت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ذوق سماع سے وجد میں آ گئے۔ کسی نے حضرت شیخ آدمؒ کو اس صورت حال سے مطلع کیا آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ حافظ! اب بس کرو۔ حافظ نے آنکھ کھولی، انکساری کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور چپ سادھ لی۔

حضرت والد گرامی فرماتے تھے کہ سید صاحب بھی قرآن پڑھتے۔ مسجد میں کوئی شخص ایسا نہ ہوتا جو ان کی قرأت سنکر ذوق سماع سے سر نہ دھن رہا ہو۔ ایک مرتبہ داراشکوہ نے نو قاری ان کے امتحان کے لیے بھیجے۔ ہر ایک مختلف قواعد مثلاً وقف، مد، تفخیم، ترقیق، یرملون وغیرہ میں امتحان لینا چاہتا تھا اور حضرت حافظ سے ان قواعد میں قرأت کی استدعا کر رہا تھا۔ سید صاحب نے فرمایا اگر دو رکوع سننا چاہتے ہو تو ابھی سنائے دیتا ہوں اور اگر تھوڑا سا انتظار کر لو تو نماز چاشت کے بعد دو پارے سنا دوں گا۔ چنانچہ یہ حضرات رک گئے مگر ان دو سیپاروں کی قرأت میں کوئی لائق بحث بات نہ پا سکے۔ فراغت کے بعد حضرت حافظ نے فرمایا کہ لوگ سات قرأتوں کو اس طریق پر پڑھتے ہیں کہ ہر لفظ کو مختلف طریق سے تلفظ کرتے ہیں مگر یہ طریقہ میرے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک بار طریق عاصم کوفی پر تلاوت کی جائے کہ دوسرے کسی کا طریقہ بھی اسی قرأت میں مخلوط نہ ہو اور دوسری بار تمام قرآن کو ابوعمرو کے طریق پر پڑھا جائے اور اس میں دوسروں کے طریق کو نہ ملایا جائے اور اسی طریق پر باقی تمام قرأتوں کی تکمیل کی جائے۔ یہ سن کر ممتحن قاری عاجز آ گئے۔

کشف و کرامت نہیں، جہد و استقامت

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ میں نے یہ نکتہ حضرت حافظؒ سے کئی بار سنا کہ ”کفش بر سر کشف“ (کشف و کرامت کے سر پر جوتے) یعنی صوفیاء کے نزدیک استقامت معتبر ہے نہ کہ

کرامت۔ قبلہ والد صاحب فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب کا طریقہ عزلت وگمنامی تھا۔ لوگوں میں اس طرح گھل مل کر رہتے تھے کہ کوئی انھیں کسی خصوصیت سے الگ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اکثر بوڑھی یا بیوہ عورتوں کے دروازوں پر چکر لگایا کرتے تھے تاکہ انہیں پانی اناج وغیرہ ضروریات خانگی بازار سے لاکر دے سکیں۔ بسا اوقات ضعیف خادمائیں اپنے آقاؤں کا سامان لینے آتیں تو حضرت حافظ صاحب ان کی یہ خدمات اپنے ذمے لے کر منزل مقصود تک پہنچا آتے اور ساتھ ہی کہتے کہ آقاؤں سے مت کہنا تاکہ وہ تمہیں ایذا نہ دے سکیں الغرض باوجود اس گمنامی اور انکساری کے شیخ آدم بنوریؒ کے صحبت یافتگان جیسے شیخ عبداللہ کہاتی جن کا لقب حاجی بہادر تھا۔ شیخ بایزید اور اس قسم کے دوسرے لوگ حضرت سید کی انتہائی تعظیم کرتے تھے۔

اہل دل سے پردہ

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ سید عبداللہ سنایا کرتے تھے کہ طلب کے ابتدائی ایام میں، میں ایک مجذوب کی خدمت میں پہنچا جو ہمیشہ بازاروں میں ننگا پھرا کرتے تھے۔ جب مجھے دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں بھی انکے پیچھے تیز تیز چلنے لگا۔ جب قصبے سے باہر آئے تو وہاں ایک بڑھیا لکڑیاں جمع کررہی تھی۔ مجذوب نے اس کا دوپٹہ لے کر تن ڈھانپ لیا اور میری طرف متوجہ ہوکر کہا السلام علیکم۔ پھر کہنے لگے کہ اس وقت میں ننگا تھا اور تم آرہے تھے مگر تم نے میرا تعاقب کیوں کیا؟ عرض کی میں جانتا تھا کہ آپ کی عادت ہی کچھ ایسی ہے۔ فرمانے لگے۔ قصبے والے جانور ہیں **اولئک کالانعام بل ھم اضل** (یہ جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدترین راہ پر چلنے والے) اس لیے ان سے پردہ نہیں کرتا۔ مگر جب کوئی اہل دل پہنچ جاتا ہے تو پابند ہوجاتا ہوں۔ (۱)

مستقبل بینی

والد ماجد نے فرمایا کہ سید عبداللہ فرماتے تھے۔ جن دنوں شیخ آدم بنوری قدس سرہ نے حج بیت اللہ کا عزم مصمم کیا میں نے بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کرلیا۔ انھوں نے مجھے جانے سے

---

(۱) سرمد شہیدؒ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ اکثر برہنہ رہا کرتے تھے۔ علماء نے اورنگ زیب عالمگیرؒ پر زور دیا کہ سرمد شہید کو اس حرکت کی سزا دیں۔ جب بادشاہ نے سرمد شہیدؒ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا۔

آنکس کہ تو اتاج جہانی داد — مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشانید لباس ہر کرا عیبے دید — بے عیباں را لباس عریانی داد

روک دیا۔ روانہ ہونے لگے۔ میں نے عرض کی کہ اہل و عیال والے تو دولت ہمراہی سے مشرف ہو رہے ہیں، فقیر جو غیر شادی شدہ ہے اور کسی کے نان و نفقہ کا متحمل بھی نہیں اسے کیوں محروم کیا جا رہا ہے؟ فرمانے لگے کہ تمہارا ٹھہرانا حکمت پر مبنی ہے جو تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حکمت تمہاری تربیت سے عہدہ برآ ہونا تھا۔

ہونہار بروا

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ سید عبداللہؒ سنایا کرتے تھے کہ جب تم (شاہ عبدالرحیمؒ) بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ تو ہم اپنے دل میں تمہارے لیے کشش محسوس کرتے تھے اور دعا کیا کرتے تھے بار خدا! اس بچے کو زمرۂ اولیاء میں شریک کر اور اس کے کمالات میرے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ الحمد للہ کہ میری دعاؤں کا اثر ظہور پذیر ہوا۔

کرامت مکتب یا فیضان نظر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبداللہؒ مجھ سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے۔ اگر میں خدمت کرنا چاہتا تو کسی بہانے باز رکھنے کی کوشش کرتے۔ ان کی اس روش سے ایک رات میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس خیال کے اظہار کی خاطر میں ان کے حجرے میں چلا گیا۔ گرمی کا وقت تھا۔ کپڑے بدن سے اتار رکھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور فرمایا میرے جسم کی میل کھرچ لو۔ میں انتہائی مسرت سے بدن کی میل صاف کرنے لگا، درمیان میں فرمایا پورے ہاتھ کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کام تو دو انگلیوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے دو انگلیوں سے میل صاف کرنے پر اکتفا کی۔ پھر فرمایا۔ راہِ طریقت میں طالب سے خدمت لینے کی جو شرط تھی وہ میرے ساتھ پیوست ہو کر تم نے پوری کر لی ہے۔ آئندہ کسی بھی ایسے اندیشے کو دل میں راہ مت دو۔ کیونکہ میں نے اپنی طرف سے صحبت ظاہری و باطنی کے تمام حقوق تمھیں معاف کر دیئے ہیں۔

حضرت سید صاحب ایک بزرگ سے جو شیخ آدم بنوریؒ کا صحبت یافتہ تھا (شاہ صاحب کے گمان میں یہ بزرگ سید صاحب کے عم محترم یا ان کے کوئی عم زاد بھائی تھے) روایت کرتے تھے کہ سید علم اللہؒ مجھ سے تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ اسی دوران انہیں طریقت کا شوق پیدا ہوا اور شیخ آدم

بنوری کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ اکثر اوقات حصول علم میں بھی حرج اور ناغہ ہونے لگا۔ اس بات پر میں نے انہیں بہت ٹوکا۔ اسی اثناء میں میری زبان سے نکلا۔ ’’علم سے بے بہرہ حامی فقیروں سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ یہ سن کر سید علم اللہؒ کی حالت تبدیل ہوگئی اور کہنے لگے کہ تم اور تم جیسے لوگ اگر ان کی صحبت میں آئیں تو اپنے آپ کو گونگے اور جاہل مطلق سمجھنے لگیں۔ میں یہ سنکر بہت تلملایا اور بھڑک اٹھا اور علم کلام کا ایک انتہائی مشکل ترین مسئلہ تلاش کر کے انہیں عاجز اور زچ کرنے کی نیت سے ان کے پاس پہنچ گیا۔ بہت عزت وتکریم سے پیش آئے، میں نے اپنا اشکال پیش کیا۔ پہلے تو فرمانے لگے۔ ’’یہ مسئلہ خالص علمی ہے اور فقیر عامی ہے، ہاں البتہ تم عالم ہو۔ میں کیا جانوں! یہ تو تم ہی سے حل کرانا چاہئے‘‘۔ اسی طرح ٹال مٹول کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے یقین کرلیا کہ انہیں علم لدنی کا کوئی دعویٰ نہیں اور اس مشکل مسئلے پر ان کی بے مائیگی مجھ پر ظاہر ہوگئی۔ میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ ایک دم ان کا چہرہ سرخ ہوگیا اور بلند آواز سے فرمانے لگے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر مشرق ومغرب کے علماء جمع ہوں تو بھی حل نہ کرسکیں۔ ہاں البتہ ہم اسے حل کریں گے۔ پھر غیر مبہم، شگفتہ اور پرتاثیر تقریر شروع کی۔ جس سے اشکال رفع ہوگیا۔ آپ نے ایسے معارف اور نکات بیان کیے جن تک میرا فہم وشعور نہیں پہنچ سکتا تھا اور اکثر باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ میں اپنے آپ کو ان کے آگے طفل مکتب سمجھنے لگا۔ جب ان کی مجلس سے اٹھا تو خیال آیا کہ ان کی سچائی ظاہر ہوچکی ہے لہٰذا توبہ کرلینی چاہئے مگر جھوٹی انا اور خواہش نفس نے ایسا جکڑ رکھا تھا کہ دوبارہ علم تفسیر کا ایک مشکل ترین مسئلہ ڈھونڈھ کر ان کے سامنے پیش کیا۔ اس بار بھی روز اول کی طرح تعظیم سے پیش آئے اور شروع میں حد سے زیادہ معذرت کرنے لگے۔ جس سے مجھے شبہ گزرا کہ شاید اس مسئلے کے بیان سے عاجز آگئے ہیں۔ مگر ایک دم پلٹا کھایا اور تقریر دل پذیر شروع کردی۔ تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا جس سے متاثر ہوکر میں نے دل ہی دل میں کہا کہ یہ راست رو اور منصف مزاج ہیں لیکن میرے اندر کج روی اور خامی ہے۔ چنانچہ میں نے ان کا امتحان اور آزمائش لینے سے توبہ کی اور اپنی خطا وقصور کا معترف ہوکر نیازمندگی وانکساری سے ان کی مجلس میں پہنچا۔ اس بار کوئی توجہ نہ فرمائی۔ جوتیوں میں بیٹھا توبہ وزاری کا اظہار کرتا رہا۔ فرمانے لگے تم تو صاحب علم ہو، سر کے بال کنپٹیوں سے نیچے کیوں

چھوڑ رکھے ہیں، اور تہ بند ٹخنوں سے نیچے کیوں لٹک رہا ہے؟ حجام کو بلوایا، سر منڈوا دیا اور تہ بند ٹخنوں سے اوپر کرایا اور بیعت میں قبول فرمایا۔

سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابراہیم مراد آبادیؒ طریقہ چشتیہ کے ایک نامور بزرگ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ طلب سلوک کے آغاز میں جب میں شیخ آدم بنوریؒ کی خدمت میں پہنچا تو ان کے دوستوں میں سے ایک بزرگ نے میری سفارش کی کہ حضرت! یہ شخص صحیح معنوں میں طالب خدا ہے۔ اسی وقت مجھ پر شیخ نے ایسی نگاہ ڈالی کہ مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی جو اب تک باقی ہے۔ چند روز وہاں ٹھہر کر راہِ سفر لی اور شیخ محمد صادقؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگیا۔ وہاں سے بھی بے انتہا روحانی فوائد حاصل کیے، مگر ریاضت اور تصفیہ قلب کے بعد معلوم ہوا کہ میری جمعیت خاطر اور للّٰہیت کا اصل سرمایہ شیخ آدمؒ کی وہی نگاہ کرم ہے۔ ریاضات اور مجاہدات نے اس میں رونق وصفا کے علاوہ کوئی اضافہ نہیں کیا۔ سننے میں آیا ہے کہ شیخ بایزید جو اللہ گو کے لقب سے مشہور تھے۔ مرد سخی اور بے طمع تھے۔ خلق خدا پر انتہائی شفقت فرماتے تھے اور ان کا یہ وصف شہرہ آفاق تھا۔

نگاہ شیخ

فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے سلوک میں جب میں حضرت شیخ آدمؒ کی بارگاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ تمام ارادت مندوں نے شیخ کے گھر کا کاروبار آپس میں بانٹ رکھا ہے اور کوئی خدمت بھی باقی نہیں چھوڑی۔ کچھ مدت میں نے انتظار کیا تو دیکھا کہ جو ارادت مند جنگل سے لکڑیاں وغیرہ لانے پر مقرر ہے بہت ہی کمزور اور لاغر ہے۔ صحیح معنوں میں یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔ میں چونکہ تنومند جوان تھا یہ کام میں نے اپنے ذمے لے لیا۔ ہر روز دو ڈھیر اٹھا لاتا تھا۔ مگر ابھی تک یہ شرف حاصل نہ تھا کہ شیخ کی مجلس میں باریاب ہوسکوں۔ کچھ مدت کے بعد شیخ ایک نہر پر غسل کرنے تشریف لے گئے۔ ارادت مند بدن کی میل دور کرنے اور مالش کرنے میں مشغول ہوگئے۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوگیا، ان سب کی بہ نسبت میں نے خدمت بہتر طور پر انجام دی جس کی بنا پر شیخ اسی وقت میری طرف متوجہ ہوئے۔ ایک ہی نگاہ نے میرا کام تمام کردیا اور اسی نہر میں بیہوش ہوکر گر پڑا۔ ساتھی مجھے مردے کی طرح وہاں سے خانہ شیخ تک اٹھا لائے۔ چھ ماہ بعد پھر اسی نہر پر شیخ کی مالش بدن میں مصروف تھا کہ از راہ کرم پھر مجھ سے دریافت حال فرمایا۔ اس التفات کی

کیفیت سے میں پھر بیہوش ہو گیا۔ میرے پلے جو کچھ بھی ہے یہ اسی نگاہ لطف کا صدقہ ہے جو حضرت شیخ نے دو مرتبہ مجھ پر مبذول فرمائی۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے شیخ آدمؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر توجہ طلب کی، فرمایا۔ وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے۔ یہ سن کر میرے سامنے اس شخص نے منھ بنا کر کہا۔ نماز کا وضو تو حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے گناہوں کا کفارہ ہے پھر تمہاری توجہ کی کیا ضرورت ہے؟ شیخ اس کی بے ادبی سے درگزر فرماتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔ اسی وقت الہام (۱) ہوا کہ ہم نے تو تمہیں اپنی مخلوق میں اس لیے رکھا ہے کہ ان کی بے ادبیوں سے درگزر کرو اور انہیں راہ ہدایت دکھاؤ۔ تم نے ویدرؤن بالحسنة السیة (برائی کے بدلے نیکی کو اختیار کرتے ہیں) پر عمل کیوں نہ کیا؟ اس پر شیخ نے اس آدمی کے پیچھے کسی کو بھیجا تا کہ اسے واپس لے آئے اور آداب مجلس سلوک کے برعکس اس پر خاص توجہ فرمائیں۔ شیخ کا قاصد اسے واپس لانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شیخ نے قاصد سے فرمایا کہ اس کے دونوں کانوں میں اللہ کا اسم پڑھو۔ چنانچہ لفظ اللہ سنتے ہی وہ بیہوش ہو گیا اور اسے مردے کی طرح اٹھا کر شیخ کی خدمت میں لائے۔

گردن نہ جھکی جس کی شہنشاہ کے آگے

حضرت والد ماجد نے حضرت شیخ آدمؒ کے رفقاء سے نقل کیا کہ جب شیخ کی شہرت عام ہو گئی تو ان کی دھوم شہنشاہ ہند شاہجہان تک بھی جا پہنچی۔ شاہجہان نے اپنے وزیر سعد اللہ خان اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو بھیجا تا کہ شیخ سے مل کر حقیقت حال کا پتہ کریں۔ دونوں شیخ کی خدمت میں پہنچے شیخ اس وقت مراقبے میں تھے۔ کافی دیر دروازے پر بیٹھے رہے۔ جب شیخ حالت مراقبہ سے باہر نکلے تو دونوں ان کے حجرے میں داخل ہو گئے۔ شیخ ان کی تعظیم بجا نہ لائے یہ دیکھ کر دونوں بزرگوں کا مزاج بگڑ گیا۔ سعد اللہ خان نے کہا۔ میں تو اہل دنیا ہوں۔ مشائخ کے نزدیک مستحق تعظیم نہیں مگر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی تو عالم دین ہیں۔ ان کی تعظیم ضروری ہے۔ شیخ نے فرمایا حدیث میں آتا ہے۔ العلماء امناء الدین مالم یخالطوا الملوک فاذا خالطوهم فهم اللصوص (علماء محافظ دین ہیں۔ جب تک کہ بادشاہوں سے دور رہیں۔ جب سلاطین کی

---

(۱) الہام کی حقیقت یہ ہے کہ بلا واسطہ کسی نظر و اکتساب کے کوئی حقیقت قلب میں القا ہو جائے۔ مانعین زکاۃ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ ان اللہ شرح صدر ابی بکر۔ الہام ہی کی فہم

بارگاہوں تک جا پہنچیں تو وہ علماء نہیں چوز ہیں) پھر ان دونوں نے پوچھا۔ آپ کا نسب کیا ہے؟ فرمایا سید ہوں مگر چونکہ ہماری مائیں افغان قبائل سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے عوام کی زبان پر افغان مشہور ہو گئے۔ پھر پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ علم لدنی رکھتے ہیں، فرمایا ہاں اور اس نعمت پر اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں۔ یہ سن کر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور شاہجہان سے جا کر کہا کہ یہ ایک عامی اور متکبر فقیر ہے جو لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے۔ اصل میں افغان ہے مگر سید کہلاتا ہے۔ باوجود اس کے پٹھان اس کے بے حد معتقد ہیں۔ لہٰذا اسے چھیڑنے سے خوف ہے کہ کہیں فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ یہ سن کر شاہجہان بگڑ گیا۔ قاصد کے ہاتھ شیخ کو کہلا بھیجا کہ آپ حج کو چلے جائیں۔ شیخ انتہائی عجلت میں عازم مکہ ہو گئے۔ جب سورت میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حاکم سورت آپ کا ارادت مند ہے۔ شیخ نے کہا۔ تمہارے ذمے یہ خدمت ہے کہ ہمیں جلد تر جہاز میں سوار کر دو۔ جب سوار ہوئے تو بادشاہ کا حکم پہنچا کہ اس فقیر کو جلد واپس لوٹائیے کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس درویش کا باہر جانا میرے ملک کے لیے زوال کا باعث ہوگا۔ حاکم سورت نے معذرت لکھی کہ شاہی حکم پہنچنے سے پہلے حضرت شیخ جہاز پر سوار ہو گئے۔ بہت ہی جلد بادشاہ قید ہوا۔ ادھر شیخ کی وفات مدینہ منورہ میں واقع ہوئی اور جنت البقیع میں قبہ حضرت عثمانؓ کے قریب مدفون ہوئے۔ (اللہ ان کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے۔

حسد سدراہ ہے

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ طالب نامی ایک درویش حضرت سید عبداللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ روتا اور ہائے ہائے کا نعرہ لگاتا رہتا تھا۔ حضرت سید نے اس سے ہمیشہ روتے رہنے کا سبب پوچھا تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ عزیز حصول علم میں مشغول رہتا ہے اور میں فارغ البال اور یکسو ہوں مگر پھر بھی اس پر مجھ سے زیادہ روحانی عقدے اور مخفی اسرار آشکارا ہوتے جا رہے ہیں۔ فرمانے لگے اس فکر و اندیشے میں مت پڑو۔ یہ عطائے الٰہی ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ حوصلہ و ہمت تفویض ہوئی ہے۔ مگر وہ پھر بھی روتا رہا۔ حضرت سید نے فرمایا۔ تیری اصلاح یوں ہو سکتی ہے کہ تو سفر میں رہا کر۔ چنانچہ اس نے دائمی سفر اختیار کیا۔ کبھی کبھی مجھے دیکھنے کے لیے آ جایا کرتا تھا اور کہا کرتا کہ حضرت سید صاحب کے منہ سے

جو بات نکل گئی اس کا یہ اثر ہے کہ سفر میں مجھے ہمیشہ جمعیت خاطر اور انبساط حاصل رہتا ہے لیکن ایک جگہ قیام میں تنگی و غمگینی۔ کبھی کبھی وہ مغلوب الحال ہو جاتا۔ ایسی حالت میں ایک مرتبہ کسی کے گھر میں گھس گیا۔ انھوں نے پکڑ کر اسے تکلیف دی اور قید کر ڈالا۔ جس قدر بھی اس کی قید اور تکالیف بڑھتی رہی اس کے گھریلو نقصان میں اضافہ ہوتا رہا اس کا بیٹا مر گیا۔ گھوڑا لنگڑا ہو گیا۔ دوسرا بیٹا بیمار پڑ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ سخت نادم ہوا، توبہ کی اور پھر میرے ساتھ نیازمندانہ سلوک شروع کیا۔

بمزار خواہی آمد

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جن دنوں اورنگ زیب اکبرآباد میں تھا، میں میرزا زاہد ہروی محتسب لشکر سے کچھ اسباق پڑھتا تھا۔ اسی تقریب کے بہانے میں اپنے والد کے ہمراہ اکبرآباد آ گیا۔ سید عبداللہؒ بھی سید عبدالرحمٰنؒ کی رفاقت کے سبب وہاں موجود تھے وہاں انہیں ایک عارضہ ہو گیا اور رحمت حق سے واصل ہوئے۔ انھوں نے وصیت کی کہ مجھے مسکینوں کے قبرستان میں دفن کرنا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ میں بھی اس دن شدید بیمار تھا۔ جنازے کے ساتھ جانے کی سکت نہیں تھی۔ جب میں تندرست ہوا اور چلنے پھرنے کی طاقت پیدا ہوئی تو ایک ایسے ساتھی کے ساتھ جو ان کے جنازہ میں دفن میں موجود تھا۔ زیارت و برکت کے لئے ان کے مزار مبارک کی طرف چل پڑا۔ یہ ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ میرے ساتھی کافی غور و فکر کے باوجود ان کی قبر نہ پہچان سکے۔ آخر اندازے سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔ میری پشت کی طرف سے سید صاحب نے آواز دی کہ فقیر کی قبر ادھر ہے لیکن جو کچھ شروع کر چکے ہو، اسے وہاں ہی تمام کر لو اور اس کا ثواب اسی قبر والے کو بخشو۔ جلدی مت کرو۔ جو کچھ پڑھ رہے ہو اسے انجام تک پہنچاؤ۔ یہ سن کر میں نے ساتھی سے کہا۔ اچھی طرح غور کرو۔ سید صاحب کی قبر وہی ہے جدھر تم نے اشارہ کیا یا میری پیٹھ کے پیچھے ہے۔ تھوڑی دیر سوچ کر کہنے لگا، میں غلطی پر تھا۔ حضرت سیدؒ کی قبر تمہارے پیچھے ہے۔ میں اسی سمت ہو کر بیٹھا اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ اسی اثناء میں دل گرفتہ اور غمگین ہونے کے سبب اکثر مقامات پر قواعد قرأت کی رعایت نہ کر سکا۔ قبر میں سے آواز آئی کہ فلاں فلاں جگہ پر تساہل سے کام لیا ہے۔ قرأت کے معاملے میں حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔

تذکرہ حضرت خواجہ خوردؒ فرزند خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (۱)

شیوۂ اہل نظر

والد ماجد فرماتے تھے کہ رسائل صغار (شرح عقائد سے پہلے کے رسائل) سے لے کر شرح عقائد و حاشیہ خیالی تک جملہ متداول کتب میں نے مخدومی اخوی ابوالرضا محمد سے پڑھیں اور دوسری درسی کتب میرزا زاہد ہروی سے ایک دن شرح عقائد و حاشیہ خیالی کے درس کے دوران میرے دل سے ایک اعتراض اٹھا۔ مخدومی ابوالرضا جواب میں گویا ہوئے۔ اس مناظرے نے طول پکڑا اور معاملہ رنج و غصے تک جا پہنچا۔ میں نے کتاب پڑھنا چھوڑ دی۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن ہم دونوں خواجہ خورد (۲) کی خدمت میں پہنچے آپ نے مجھ سے پوچھا کہ خیالی کو کہاں تک پہنچایا ہے؟ عرض کی عرصہ ہوا کہ ترک کر دی ہے فرمایا کیا سبب ہوا۔ عرض کی نماز، روزے کے ضروری احکام معلوم ہو چکے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ میسر نہیں ہوسکتا۔ مگر آپ نے حقیقت معلوم کرنے میں مبالغے سے کام لیا، بالآخر بات ظاہر ہوگئی۔ تاکید سے فرمانے لگے۔ مجھ سے پڑھ لیا کرو۔ صبح سویرے کتاب لے کر خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے درس دینا شروع کیا اور میرے سابقہ اعتراض کو بہت ہی پسند کیا اور قوت استدلال کو سراہا دوسرے اور تیسرے روز بھی سلسلہ یونہی چلتا رہا چوتھے دن فرمایا کہ تمہارے جد بزرگوار شیخ رفیع الدینؒ نے بھی مجھے تین دن سے زیادہ سبق نہیں پڑھایا تھا۔ لہٰذا میں بھی تین اسباق سے زیادہ نہیں پڑھاؤں گا۔ پھر یوں حکایت شروع کر دی کہ آغاز جوانی میں میں حسن پرستی شعار رکھتا تھا۔ شیخ رفیع الدینؒ کا ایک صاحبزادہ بہت ہی خوبصورت

---

(۱) حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ، کابل میں ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد قاضی عبدالسلامؒ بھی جلیل القدر عالم اور بزرگ تھے۔ آپ نے اس دور کے مشہور فاضل مولانا حلوائیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ یوں تو آپ اویسی المشرب تھے۔ آپ کی باطنی تربیت براہ راست سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خواجہ بہاؤ الدینؒ کی روحانیت سے ہوئی لیکن ظاہراً آپ نے ماوراء النہر اور ہندوستان کے سینکڑوں مشائخ سے کسب فیض کیا۔ آخر میں حضرت خواجگی امکنگیؒ سے مجاز طریقت ہوئے۔ آپ شریعت و طریقت کے ماہتاب تھے۔ اکتالیس سال کی عمر میں ۲۵ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ کو وفات پائی۔ مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۲) خواجہ خوردؒ کا اصل نام خواجہ عبداللہؒ ہے۔ آپ حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے فرزند ارجمند اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع والد گرامی کے نقش قدم پر کاربند تھے۔

تھا۔ اس کو دیکھنے کے ارادے سے گیا اور شرح لمعات بھی ساتھ لیتا گیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ مسائل تصوف کی تحقیق کے لیے آیا ہے کیونکہ حضرت شیخ رفیع الدینؒ مشکل مسائل کے حل کرنے کے سلسلے میں شہر کے اندر اپنی مثال آپ تھے۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہؒ) سے توسل کے سبب میرے ساتھ انتہائی مہربانی سے پیش آئے اور تعظیم بجالائے۔ جب میں نے سبق شروع کیا تو سرسری طور پر دو چار چیزیں بیان فرمائیں اور زیادہ تحقیق نہ فرمائی۔ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اسی صاحبزادے کو بلا کر فرمایا کہ خواجہ کی خدمت میں رہو۔ یہ دیکھ کر میں شرمندہ اور نادم ہوا مگر چونکہ ایام شباب تھے۔ دوسرے روز بھی اسی نیت اور ارادے سے جا پہنچا اور پھر بھی وہی سلوک ہوا۔ تیسرے روز مجھ پر انتہائی ندامت غالب ہوئی۔ میں نے توبہ کی اور خلوص نیت کے ساتھ پہنچا۔ اخلاص کی تلقین فرمائی اور پہلے سے بھی زیادہ التفات دکھایا اور اس روز نکاتِ تصوف پر خوب زوردار تحقیقی تقریر فرمائی اور اس لڑکے کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب سبق سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اگر تمہاری غرض اس فن کی تحقیق سے ہے۔ تو مجھے حکم دیجئے کہ ہر روز قیام گاہ پر حاضر ہوتا رہوں، کیونکہ آپ کا یہاں تشریف لانا میرے لئے بے ادبی کے مترادف ہے۔ میں نے عرض کی مجھے آپ آنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ آپ کی تکلیف فرمائی کے لیے میں تیار نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کام کو موقوف رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ دراصل ایک اور سبب ہے۔ یہ کہہ کر میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد فیروز شاہ (۱) میں لے آئے اور ایک متعین مقام پر لے جا کر کہنے لگے کہ تمہیں تصوف کی ہر مشکل کتاب کا مطالعہ اس جگہ بیٹھ کر کرنا چاہئے۔ اگر پھر بھی مسئلہ حل نہ ہو تو میرا ذمہ رہا۔ اس دن کے بعد جب بھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو میں وہاں جا کر مطالعہ کرتا اور وہ حل ہو جاتا۔ اگر ایک بالشت بھی اس جگہ سے ادھر ادھر ہو جاتا تو دوسرے مقامات کی طرح وہاں کوئی خاص فیض حاصل نہ ہوتا۔ جب خواجہ خوردؒ یہ قصہ بیان کر چکے تو میں نے عرض کی کہ تین اسباق پر اکتفا کرنا بھی شاید اسی کرامت سے مقید تھا۔ آپ بھی اگر ایسا ہی تصرف فرمائیں تو کیا ہی بہتر ہو! فرمانے لگے۔ یہی تو عرض کر رہا ہوں کہ اگر تمہیں بھی کوئی علمی مشکل پیش آئے اور اسے حل نہ کر سکو تو مجھے بتاؤ کہ فلاں نالائق نے میرا راستہ روک رکھا ہے! والد

---

(۱) مسجد کوٹلہ فیروز شاہ، نئی دہلی۔ (قاسمی)

ماجد فرماتے تھے کہ اس کے بعد مجھے کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا جو حل نہ کر سکا ہوں۔ اگر چہ میں نے مکمل درس و تحصیل علوم میرزا زاہد سے حاصل کی مگر ان کے پاس پڑھنا بھی گویا تحصیل حاصل تھا۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ میں اوّل سے پڑھ رہا ہوں اور آخر سے درس دے رہا ہوں۔

دست بہ کار

حضرت والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خوردؒ اپنے انگوٹھے سے ہمیشہ انگلیوں پر کوئی چیز لکھتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اسباق اور باتوں کے درمیان بھی ایک دن میں ان سے پوچھ بیٹھا فرمانے لگے۔ یہ ایک عمل ہے جسے میں ہمیشہ کرتا رہتا ہوں۔ مگر تیرے سوا یہ بات آج تک کسی نے نہیں پوچھی۔ آغاز حال میں مجھے شغل استکتاب سے لگاؤ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھی گاہے گاہے یہ عادت پوری کر لیا کرتا ہوں۔

نسبت وارادت کا احترام

فرمایا ایک دن خواجہ خوردؒ اپنے اصحاب و احباب میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خود پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ باقی لوگ چٹائی پر اس موقع پر میں بھی خدمت میں جا پہنچا۔ حد سے زیادہ تعظیم و تکریم فرمائی۔ خود پلنگ کی پائنتی کو ہو بیٹھے اور مجھے صدر نشین بنایا۔ ہر چند میں نے معذرت چاہی۔ مگر نہ مانے۔ اس معاملے سے اہل مجلس کے چہرے متغیر ہو گئے۔ ان کے فرزند خواجہ رحمت اللہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ مجلس میں ان سے بھی زیادہ معمر اور لائق تعظیم لوگ بیٹھے ہیں آخر ان میں کیا خصوصیت ہے، جو آپ اس قدر انکساری سے پیش آ رہے ہیں۔ فرمایا میں یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ تم سلوک کا مشاہدہ کر سکو اور میری طرح ان سے پیش آتے رہو۔ جب میں ان کے جد مادری حضرت شیخ رفیع الدینؒ کے دولت خانے پر حاضری دیتا تھا تو وہ میرے ساتھ اسی طرح سلوک فرماتے تھے۔ حالانکہ وہ میرے استاذ تھے اور میں نے ان سے فیوض حاصل کئے تھے۔ جب شیخ رفیع الدینؒ ہمارے پیشوا خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت میں آئے تھے تو قریب قریب وہ بھی ان کے ساتھ ہی سلوک کرتے تھے۔ اگر چہ شیخ رفیع الدینؒ حضرت خواجہؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ مگر چونکہ ابتدائے سلوک میں حضرت شیخ قطب العالمؒ کی خدمت میں رہ کر کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور فوائد علمی حاصل کیے تھے۔ لہٰذا ہمیں بھی یہی سلوک روا رکھنا چاہیے۔

ثمرۂ اخلاص

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہم دونوں بھائی حضرت خواجہ خوردؒ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان پر بھوک کا غلبہ ہوا۔ جس کے سبب وہ درس دینے کے قابل نہ رہے۔ اپنے گھر والوں سے پوچھا۔ کوئی کھانے کی بھی چیز موجود ہے۔ انھوں نے کہا۔ ہاں بچوں میں سے کسی بچے کے لیے تھوڑا سا طعام پکایا ہے، فرمایا اس میں سے تھوڑا سا لے آؤ۔ چنانچہ پیالی میں بہت ہی تھوڑا طعام لایا گیا۔ آپ نے ہاتھ دھوئے اور حاضرین سے کہا۔ آیئے مل کر کھائیں۔ سب کو کافی ہے۔ سب لوگ تعجب میں آ گئے میں دوسرے انداز میں دوبارہ اشارہ کیا۔ ہم چلے گئے اور ہم تینوں نے مل کر کھایا۔ یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور پیالی میں پھر بھی کچھ بچ رہا! جو بچے کے لیے بھیج دیا گیا۔

ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللٰہی

حضرت والد ماجدؒ نے فرمایا کہ ایک شخص خواجہ خوردؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ بادشاہ مجھے کسی مہم پر بھیج رہا ہے۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور میں اسباب جنگ سے خالی ہوں۔ جانے سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔ آپ توجہ فرمایئے کہ یہ مصیبت ٹل جائے۔ خوش طبعی کے طور پر فرمایا۔ کچھ نقدی پیش کرو تا کہ ہمارا دل تمہاری طرف متوجہ ہو جائے۔ اتفاقاً اس وقت اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ دوستوں سے بھی اسے کچھ نہ مل سکا، کمر سے لٹکا ہوا خنجر گروی رکھ کر دس روپے حضرت کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے میعاد مقرر فرما دی اور فرمایا کہ فلاں دن جنگ لڑو۔ دشمن کی کثرت اور دوستوں کی قلت سے خوف مت کھاؤ۔ اپنی جگہ پر مستحکم رہو اور پھر مجھے فرمایا کہ جب مقررہ تاریخ آئے تو مجھے خبر کرنا۔ جب وہ وقت آیا میں نے یاد دہانی کرائی۔ حجرے میں اکیلے بیٹھ گئے اور مجھے دروازے پر بٹھا دیا تا کہ کوئی شخص خلل انداز نہ ہو۔ کچھ دیر بعد خوش ہو کر باہر نکلے اور فرمایا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دوست بہت ہی کم، پہلے حملے میں دوستوں کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا مگر وہ عزیز شکست سے گھبرایا نہیں اور نہ ہی اپنی جگہ سے اکھڑا۔ ہم بھی اس حالت میں وہاں پہنچ گئے۔ الحمدللہ فتح نصیب ہوئی۔ دشمن کافی تعداد میں قتل ہوئے اور باقی ماندہ لشکر نے شکست کو غنیمت جانا۔ کافی عرصے بعد اس عزیز کا عریضہ پہنچا۔ جس میں یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ بطور نذرانہ اس نے بہت سا مال بھیجا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔

ولایت کی عقابی نگاہ

حضرت والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ محلّہ ''کوشک زر'' کے ایک آدمی نے حضرت خواجہ خوردؒ کی خدمت میں التماس کیا کہ توجہ فرمائیے تاکہ حصول علم سے جلد فراغت نصیب ہو۔ فرمایا ہم جواب دیں گے۔ جب گھر واپس آئے تو ایک آدمی کے ہاتھ اس کو رقعہ بھجوایا۔ جس میں لکھا کہ کل انشاءاللہ تمام علوم سے فارغ ہو جاؤ گے یہ مژدہ سنکر وہ متعجب ہوا اور دوسری صبح بغیر کسی ظاہری سبب کے سوتے میں ہی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

کسی نے حضرت والد ماجد سے سوال کیا کہ لوگوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ خواجہ خوردؒ شراب خوری کے مرتکب ہوئے تھے یہ کیا قصہ ہے؟ فرمایا کمسنی میں حضرت خواجہ کو کوئی انتہائی جانکاہ مرض لاحق ہوا۔ طبیبان شہر نے بالاتفاق علاج کے لیے شراب تجویز کی۔ علماء نے بھی نزاکت حال کے پیش نظر جواز کا فتویٰ دیا۔ مگر خواجہ خوردؒ ان تمام رعایتوں کے باوجود شراب کے استعمال پر آمادہ نہ ہوئے۔ پھر خواجہ حسام الدینؒ نے اس بارے میں انتہائی اصرار و مبالغہ سے کام لے کر انہیں بطور دوا شراب پینے پر مجبور کر دیا۔ شراب پینے کا قصہ اس قدر ہے مگر جاہلوں نے خواجہؒ پر تہمتوں کے طومار باندھے اور ان کے اس فعل کو غلط رنگ چڑھا دیا۔ ایسے مواقع پر اباحت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے انھوں نے اس فعل کو شرعی کوتاہی پر محمول کیا۔

فقر کی بے نیازی

فرمایا۔ ایک دن بہمن یار خاں لباس فاخرہ زیب تن کر کے حضرت خواجہ خوردؒ کی خدمت میں آئے۔ اس وقت حضرت کے گھر میں کوئی فرش نہیں تھا۔ لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بہمن یار خان بھی زمین پر بیٹھ گا۔ حاضرین میں سے کوئی شخص اٹھا اور خواجہ کے کان میں کہا کہ یہ بہمن یار خاں ہے۔ اس کی تعظیم کرنی چاہیے۔ حضرت خواجہ نے بلند آواز سے فرمایا۔ اگر یار ہے تو محتاج تعظیم نہیں اور اگر غیر ہے تو لائق تعظیم نہیں۔ یہ نکتہ سن کر بہمن یار خاں بہت محظوظ ہوا۔ (یہ قصہ مختصر کیا گیا ہے)

بزرگوں کی خوردی

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ خواجہ کے خدام میں سے ایک نے شراب پی

رکھی تھی۔ میں اس سے جھگڑ پڑا۔ بات پریشان خاطری تک جا پہنچی۔ میں نے عزم کر لیا کہ دوبارہ ادھر کبھی نہیں جاؤں گا۔ دو تین روز بعد خواجہ خورد بنفس نفیس تشریف لائے اور میرے دروازے پر آ کر کسی بڑھیا سے میرا پتہ معلوم کیا۔ اس نے کہا نیند میں ہے۔ فرمایا۔ ”جب بیدار ہوں تو انہیں کہہ دینا کہ خورد تمہیں ڈھونڈھ رہا ہے اور مسجد حبوط میں سویا ہوا ہے۔ ذرا اس کی بھی خبر رکھ لینا“۔ میں جب بیدار ہوا بڑھیا نے مجھے اطلاع دی۔ جلد ہی اس مسجد میں پہنچا۔ حضرت خواجہ اپنی دستار سر کے نیچے رکھ کر بے تکلف سو رہے تھے۔ جب ظہر کی اذان ہوئی تو بیدار ہوئے اور میرے ساتھ بڑے لطف و کرم سے پیش آئے اور دیر تک خیر و عافیت پوچھتے رہے۔ حضرت والد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خوردؒ اور خواجہ کلاںؒ (۱) دونوں کمسن تھے کہ حضرت خواجہ محمد باقیؒ وفات پا گئے۔ جب یہ دونوں صاحبزادے سن بلوغ کو پہنچے تو حضرت شیخ احمد سرہندی کے پاس گئے اور بہت دن وہاں مقیم رہے۔ خواجہ کلاںؒ کے حالات تو معلوم نہیں ہو سکے البتہ خواجہ خوردؒ نے حضرت شیخ احمد سرہندی سے طریقۂ نقشبندیہ میں فیض حاصل کیا اور اجازت بیعت بھی پائی۔ وہاں سے آ کر خواجہ حسام الدینؒ اور شیخ اللہ دادؒ (خلفائے خواجہ محمد باقی باللہؒ) سے بھی رشد و ہدایت اور فیوض روحانی میں کمال حاصل کیا۔ واضح ہو کہ خواجہ حسام الدین آغاز عمر میں امراء کے زمرے میں شمار ہوتے تھے اور ان کے والد اپنے وقت کے امیر الامراء تھے۔ جب یہ خواجہ محمد باقی باللہؒ کی صحبت میں پہنچے اور جذب طریقہ نے ان میں تاثیر دکھائی اور انھوں نے سب کچھ ترک کر دیا۔ رضا کارانہ طور پر تمام امور دنیوی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جب ان کے اقرباء نے انہیں فقرانہ وضع میں دیکھنا پسند نہ کیا تو انھوں نے اپنے آپ کو دیوانہ قرار دیدیا اور برسر عام گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر اپنے کپڑوں کو اس سے آلودہ کیا۔ یہ دیکھ کر عزیز و اقرباء نے ان سے ہاتھ دھو لئے۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ کی اولاد، ان کے مریدین، ان کے طریق تصوف اور اشغال و اوراد کے بارے میں جس قدر رعایت و کشش ان دو بزرگوں (خواجہ حسام الدین و خواجہ اللہ دادؒ) کے دل میں پائی جاتی تھی، کسی عقیدت مند میں بہت کم دیکھی گئی۔

---

(۱) خواجہ کلاں کا اصل نام حضرت خواجہ عبید اللہ ہے۔ آپ حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ کے بڑے فرزند اور خواجہ خوردؒ خواجہ عبید اللہ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ جید عالم، متقی، پرہیزگار اور اپنے اسلاف کے طریق پر گامزن تھے۔

طریق نقشبندیہ (۱) کی انفرادیت

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار آغاز جوانی میں حضرت خواجہ خوردؒ دعوتِ اسماء کے شغل میں مشغول تھے کہ جنات نے مزاحمت کی یہاں تک کہ خواجہ کے جسم میں حلول کر گئے۔ جس سے خواجہ بے ہوش ہو کر مردے کی طرح گر پڑے۔ خواجہ حسام الدینؒ اتفاق سے وہاں پہنچے۔ کچھ دیر ان پر توجہ ڈالی۔ خدا کے فضل سے افاقہ ہو گیا۔ شیخ اللہ داد پہلے دوسرے سلاسل سے بہرہ یاب ہوئے اور بہت سے ہم عصر بزرگوں کی خدمت میں پہنچے۔ جب خواجہ محمد باقیؒ کی بارگاہ میں آئے تو پچھلے تمام دفتر معرفت کو بالکل لپیٹ کر رکھ دیا اور خواجہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ خانقاہ کی تمام خدمات اپنے ذمے لے لیں۔ خواہ ظاہری خدمات مثلاً قیام وطعام کا انتظام خواہ باطنی خدمات یعنی طالبان حق کی مزاج پرسی، دریافت حال اور ان پر پوری توجہ دینا ہو۔ بیخودی اور استغراق کی کیفیت جو نسبت نقشبندیہ کا حاصل سمجھی جاتی ہے۔ شیخ اللہ دادؒ میں اس قدر تھی کہ باوجود ان تمام خدمات اور مشاغل کے وہ ہر وقت اس سے پر کیف رہتے تھے۔

واضح ہو کہ حضرت والد ماجد طریقہ نقشبندیہ کی مختلف شاخوں میں سے حضرت خواجہ محمد باقیؒ کی شاخ کو اس قدر پسند کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ ایسی رغبت نہ تھی۔ آپ کی تمام تعلیم وتربیت اور ارشاد وہدایت اسی شعبے کے ذریعے تکمیل کو پہنچی ہے۔

---

(۱) سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اہم خصوصیت نسبت دائمی حضور وآگاہی ہے۔ جس کے ساتھ غیبت کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدانی نے ان آٹھ اصطلاحات پر طریقہ کی بنیاد قائم کی ہے۔ ۱۔ ہوش در دم یعنی ہر دم ہشیاری اور ہر سانس پر یہ تجسس کہ غافل ہوں یا ذاکر، ۲۔ نظر برقدم سے یہ مراد ہے کہ چلتے پھرتے ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ نظر کو پریشانی سے بچانے کے لئے قدم پر ہی جمائے رکھے ۳۔ سفر در وطن بشری صفات خسیسہ سے ملکوتی صفات فاضلہ کی طرف نقل کرتا رہے۔ ۴۔ خلوت در انجمن، جمیع حالات بشری میں رہ کر بھی اللہ سے مشغول رہے، ۵۔ یاد کرد مرشد نے بھی ذکر کی تعلیم دی ہے۔ اس کی تکرار کرتا رہے ۶۔ بازگشت ذکر کے اندر مناجات کرے اور مناجات کے بعد ذکر اس طرح مکرر، سہ کرر کرے۔ نگاہ داشت خطرات نفس اور وساوس خاطر کے دور کرنے کا نام ہے۔ ۸۔ یادداشت ایسی توجہ جو واجب الوجود کی حقیقت پر الفاظ اور تخیلات سے خالی ہو کر کی جائے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے یہ تین اصطلاحیں اور زیادہ کی ہیں۔ وقوف زمانی، وقوف قلبی، وقوف عددی۔

شیخ تاج سنبھلیؒ جو خواجہ محمد باقی باللہؒ کے اولین خلفاء میں سے ہیں اور آخر عمر میں مکہ معظمہ میں اقامت اختیار فرما کر وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی رفعت شان کا عالم یہ ہے کہ اس فقیر نے آخری دور کے مشائخ ہند میں سے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا۔ جس کے ساتھ اہل مکہ شیخ سنبھلیؒ سے زیادہ عقیدت رکھتے ہوں اور شیخ تاج سے زیادہ اس کی کرامات وکمالات بیان کرتے ہوں۔ چنانچہ شیخ تاج سنبھلیؒ نے سلسلۂ نقشبندیہ کی اسی محبوب ترین شاخ یعنی شعبۂ باقویہ کے اشغال وعقائد کے بارے میں مستقل ایک رسالہ لکھا جو افراط وتفریط سے پاک اور واضح باتوں پر مشتمل ہے۔ حضرت والد ماجدؒ نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کیا ہے جسے جا بجا عبارات واقوال سلف سے مزین کیا گیا ہے۔ اس فقیر (ولی اللہ) نے حضرت والد کی خدمت میں یہ دونوں رسالے مطالعہ سے گزارے اور اس پر اللہ کا شکر ہے۔

کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خوردؒ کی طرز بود وباش گمنامی اور عزلت نشینی سے عبارت تھی۔ ایک بزرگ عالم جن سے ہمارے شہر کے اکثر لوگ استفادہ کیا کرتے تھے اور جن کا نام نامی محمد صالح تھا۔ وہ مسجد فیروز شاہ میں درس دیا کرتے تھے اور حضرت خواجہ خوردؒ سے بیعت ہوگئے تھے۔ خواجہؒ نے تاکید فرمادی تھی کہ میرے ساتھ اپنی نسبت کبھی ظاہر نہ کرنا اور صحبت بھی خلوت میں اختیار کرتے رہنا۔ چنانچہ یہ ہمیشہ بیگانوں کی طرح رہتے تھے۔ جب مولانا محمد صالحؒ نے اپنے وطن پنجاب کو جانے لگے تو عرض کی کہ لوگ اگر پوچھیں کہ طریق فقر کس سے حاصل کیا ہے تو کیا جواب دوں؟ فرمایا اگر مجبوراً بتانا پڑے تو میرا نام لے دینا ورنہ اظہار سے احتراز کرنا۔

طریقۂ نقشبندیہ میں عرس کا اہتمام

حضرت خواجہ خوردؒ کبھی کبھار حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بارہا دیکھا کہ کوئی شخص ان کے سامنے آکر کہتا ہے کہ حضرت چاول میرے ذمے! دوسرا آکر کہہ رہا ہے حضور! گوشت میرے ذمے۔ ایک اور حاضر ہوکر کہتا کہ فلاں قوال کو میں لا رہا ہوں اور اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہوجاتے۔ حضرت خواجہ خوردؒ اس دوران کوئی تکلف نہیں برتتے تھے۔

نسبت نبوی کا احترام

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خوردؒ نے آخری عمر میں مجھ سے فرمایا کہ "مجھے حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے روضۂ اقدس میں جوتے اتارنے کی جگہ میں دفن کرنا اور حضرت خواجہ بزرگ کی نسبت روحانی براہِ راست ذاتِ نبویؐ سے مستحکم ہونے کی رعایت سے مجھے مقبرے میں دفن نہ کرنا۔ میں مقامِ نعلین میں دفن ہونے کے لائق ہوں" میں نے عرض کی آپ کی تدفین کا کام تو دوسروں کے سپرد ہوگا۔ مجھے اس پر کیا اختیار؟ فرمایا۔ "میری وصیت ان کو پہنچا دینا" حضرت خواجہ خوردؒ کی وفات کے بعد میں نے آپ کی وصیت ورثاء سے بیان کی مگر ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

تذکرۂ خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادی قدس سرہٗ

صوفیا کا ذوق علمی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب اکبرآباد میں حضرت سید عبداللہؒ، اللہ کو پیارے ہوئے تو میں بہت رنجیدہ اور ملول ہوا اور کسی ایسے بزرگ کی طلب محسوس ہوئی جس کی صحبت سے کچھ فیض پاسکوں۔ اسی نواح میں کسی نے حضرت خلیفہ ابوالقاسمؒ کا اس سلسلے میں ذکر خیر کیا چنانچہ میں اس شخص کی معیت میں حضرت خلیفہؒ کی مجلس گرامی میں پہنچا۔ جب پہلی بار حاضر ہوا تو حضرت خلیفہ اپنے گھر کی تعمیر میں مشغول تھے اور معمار کو ہدایات دے رہے تھے۔ اسی دوران یہ شعر آپ کی زبان مبارک پر آیا۔

ہر کرا ذرۂ وجود بود   پیش ہر ذرّہ در سجود بود

(جسے ذوق و وجدان سے ذرہ بھر نعمت بھی حاصل ہے وہ کائنات کے ہر ذرے کو لائق سجدہ سمجھے گا)

میں نے ادنیٰ تصرف کے ساتھ اس شعر کو یوں دہرایا کہ۔

ہر کرا ذرّہ شہود بود   پیش ہر ذرّہ در سجود بود

(جسے شہود باری تعالیٰ کی نعمت کا ذرا سا عرفان حاصل ہو۔ وہ ذرّاتِ عالم کو مسجود تصور کریگا)

فرمانے لگے۔ میں نے کثرت سے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ہے۔ جن میں لفظ وجود رقم ہے۔

عرض کی فقیر نے بھی صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں لفظ شہود پایا ہے۔ فرمانے لگے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے بھی بہرہ ور ہو؟ عرض کی اگر راہِ حق میں یہ علم ضرر رساں ہو تو اس سے توبہ کر لوں۔ فرمایا علم ہر شخص کے لیے نقصان دہ نہیں اور نہ ہی ہر شخص کے لیے نافع ہے اور پھر یہ شعر پڑھا۔

علم را برتن زنی مارے بود　　　علم را بردل زنی یارے بود

(اگر علم پرورش جسم وتن کے لیے حاصل کیا جائے تو وہ سانپ کی مانند ہے اور اگر حصول تعلیم کا مقصد ارتقائے روح ہو تو وہ رفیق راہ ثابت ہوتا ہے)۔

عرض کی کہ آپ کا ضمیر مصفا ہمارے لیے کسوٹی ہے لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرا علم میرے لیے نافع ہے یا نقصان دہ! یہاں پہنچ کر مجلس ختم ہو گئی اور جواب میں کچھ بھی نہ فرمایا۔ دوسرے دن دل میں آیا کہ کل تعمیر مکان میں مشغول تھے۔ بات ادھوری رہ گئی اور زیادہ تحقیق بیان نہ کر سکے لہٰذا آج پھر ان کی خدمت میں جانا چاہیے۔ جب میں پہنچا تو خندہ پیشانی اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا کل میں تعمیر میں مشغول تھا۔ بات نامکمل رہ گئی۔ اب کہیے کہ اختلاف نسخہ کی وجہ سے لفظ شہود والے نسخے کی صورت میں آپ اس مصرعہ کا کیا معنی لیں گے۔ عرض کی۔

”جس کسی کو بھی پہلے ذرات عالم میں حضرت حق تعالیٰ کا شہود حاصل ہوگا وہ لامحالہ ہر ذرّے کو سجدہ کرے گا“۔

لیکن لفظ وجود کی صورت میں جو عبارت ہے مرتبہ جمع سے۔ مشاہدہ کرنے والا ذاتِ باری میں مستغرق ہوگا لہٰذا وہ قید وجود سے فارغ ہوگا۔ فرمانے لگے بعض صحیح نسخوں میں لفظ وجود بھی پایا جاتا ہے۔ اس صورت میں آپ اس کی کیا تاویل کریں گے؟ عرض کی اس صورت میں مناسب ہوگا کہ لفظ وجود وجدان کے معنوں میں لیا جائے جو کہ شہود کے قریب المعنی ہے اس بات سے انہیں بوئے آشنائی آئی اور طبع مبارک پر شگفتگی چھا گئی۔ اس روز کی مجلس بڑی خوشگوار رہی۔ اس کے بعد میں مسلسل ان کی خدمت میں جاتا رہا اور وہ مجھ پر التفات فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ قدیم لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے۔

احوال خلیفہ

واضح ہو کہ خلیفہ ابوالقاسمؒ ملا عمرؒ کے داماد تھے جنھوں نے شرح ملا پر حاشیہ لکھا اور اپنے زمانے

کے معتبر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ملا عمر حضرت میر ابوالعلی (بانی سلسلۂ ابوالعلائیہ) کی خدمت میں بھی رہ چکے تھے۔ نیز ملا ولی محمد کے شاگرد رشید تھے جو اپنے زمانے کے اکابر میں سے تھے اور حضرت میر ابوالعلیؒ کے ممتاز خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں حضرت میر ابوالعلیؒ کے خلفاء میں وہی مقام حاصل تھا۔ جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی (۱) کو حضرت شیخ نظام الدین دہلوی (۲) قدس سرہ کے خلفاء میں حاصل ہے۔ ملا ولی محمد بھی اکبر آباد میں مدفون ہیں۔

سوانح میر ابوالعلیؒ

معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت میر ابوالعلیؒ اکبر آبادی آبائی سلسلے میں حسینی سید تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب امیر تقی الدین کرمانی تک جا پہنچتا ہے۔ امیر تقی الدینؒ اور خواجہ عبید اللہ احرار کا ایک واقعہ ''رشحات'' میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ امیر ابوالعلی کے ننھیالی مورث اعلیٰ خواجہ محمد فیضی ابن خواجہ ابوالفیض بن خواجہ عبد اللہ بن خواجہ عبید اللہ احرارؒ ہیں۔ حضرت میر ابوالعلیؒ کے والد ماجد ابوالوفا خواجہ ابوالفیض مذکور کے نواسے تھے اور میر ابوالعلی کے جد محترم میر عبد السلام خواجہ عبد اللہ بن خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے نواسے تھے۔ اسی لحاظ سے میر ابوالعلی کو دو طرف سے نسبت احراری حاصل تھی۔ میر ابوالعلیؒ کے والد بزرگوار اور جد امجد علاقہ سمرقند سے سفر کر کے ہندوستان کے راستے مکہ معظمہ پہنچے اور وہیں واصل بحق ہوئے۔ حضرت امیر ابوالعلی اسی سفر کے دوران متولد ہوئے اور اپنے والد وجد امجد کی وفات کے بعد خواجہ فیضی (مصاحب مان سنگھ صوبیدار پورب (۳)) کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاکر جوان ہوئے اور جب خواجہ فیضی وفات پاگئے تو کچھ دن بعد میر ابوالعلی نے بھی

---

(۱) شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مشہور اور ممتاز خلیفہ ہیں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ صاحب اسرار اور احوال شیخ کے وارث تھے۔ ۱۸/ رمضان المبارک ۷۵۷ھ کو انتقال فرمایا۔

(۲) شیخ الشیوخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے خلیفہ متاخر چشتیہ مشائخ کے سرخیل ہیں۔ پورا نام محمد بن احمد بن علی بخاریؒ اور لقب سلطان المشائخ ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ومقرب تھے۔ آپ ۱۱/ ربیع الاوّل ۷۲۵ھ کو رحمت ایزدی کی آغوش میں چلے گئے۔

(۳) صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکا کہ پورب سے کیا مراد ہے تاہم اندازہ ہے کہ جونپور، الٰہ آباد اور لکھنؤ وغیرہ کا علاقہ ہے۔

انہی کی روش پر مان سنگھ کے لشکر میں ملازمت اختیار کر لی۔

انہی دنوں ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ تین بزرگوں نے آ کر انہیں فرمایا کہ یہ کیا روش اختیار کر رکھی ہے؟ وضع تو یہ ہے کہ جو ہم رکھتے ہیں۔ ہماری وضع قطع اختیار کرو اور اگر معاش کی فکر ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ نور السموات والارض (اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے) یہ کہہ کر ان میں سے ایک آدمی نے استرا پکڑا اور ان کا سر مونڈھ دیا۔ دوسرے نے ایک پیراہن پہنا دیا۔ تیسرے نے دستار بندھا کر نعلین پکڑا دی۔ اس خواب کے بعد حضرت امیر ابوالعلی کے دل میں ایک قسم کا اضطراب اور قلق پیدا ہوا۔ چاہا کہ ملازمت ترک کر دیں مگر مان سنگھ مانع ہوا یہاں تک کہ اذا اراد اللہ شیأ ھیا اسبابہ کے تحت ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ چاروناچار یہ ملازمت سے فارغ ہو گئے اور تلاش خدا میں یکسو اور یک رو ہو کر لگ گئے۔ اسی اثناء میں حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کے مزار پر انوار کی طرف متوجہ رہنے لگے اور بارگاہِ خواجہ کی عنایات اور فیوض سے بہرہ ور ہوئے۔

مروی ہے کہ میر ابوالعلی کے اہل خانہ نے ان کے فرزند میر ابوالعلی کے عارضہ علالت کے سبب ایک روپیہ اور ایک چادر بطور نیاز مزار خواجہ پر بھجوائی تھی۔ حضرت امیر کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔ ایک دن صاحب مزار کی طرف متوجہ تھے کہ مزار سے ندا آئی کہ تمہارے فرزند کی صحت کے لیے تمہارے گھر سے یہ کچھ نیاز آئی ہے اور اہل خانہ نے دوسرے فرزند کے لیے بھی التجا کی ہے۔ نیاز قبول اور التجا مبذول ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مزار خواجہ سے خطاب ہوا کہ یہ نعمت جو تمہیں عنایت ہوئی ہے بائیس یا ایک سوتیس سال بعد بزرگان خاص میں سے کسی ایک کو عنایت ہوگی (پھر بطور جملہ معترضہ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے ارشاد فرمایا کہ) ہمارے زمانے میں یہ نعمت ہمیں عنایت ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد سید تقی الدین کرمانی مذکور کے پوتے سید جعفر کی قبر کی توجہ سے امیر ابوالعلی کے دل میں اپنے عم بزرگوار امیر عبداللہ کی بیعت کا شوق اور خواہش دامن گیر ہوئی۔ حضرت امیر ابوالعلی ظاہراً اگرچہ نوکری پیشہ تھے۔ مگر حقیقت میں ان کی ذات سے ولایت کے آثار نمایاں تھے اور طریقت میں ان کا رابطہ اپنے خالو خواجہ یحیٰی کے ساتھ تھا۔ جو حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے خلیفہ و فرزند اور اپنے عم بزرگوار خواجہ عبدالحق سے مجاز تھے۔ حضرت امیر ابوالعلی طریق

تصوف میں اسی سلسلے کے مطابق عمل فرماتے تھے۔ مگر حقیقت میں ان کی تربیت اویسانہ طریق پر تھی۔ امیر ابوالعلی کے ارشادات وکلمات طیبات میں سے چند یہ ہیں۔

سیر روحانی

نسبت روحانی کا ارتقاء بھی سیر کشتی کی مانند ہے۔ کشتی کا سوار ہمیشہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ساکن ہے جب ساحل پہ پہنچتا ہے تو وہ قطع منزل پر مطلع ہوتا ہے۔

مقصود سماع

سماج اور بے خودی سے مقصود بشریت کی عادات مذموم کو ختم کرنا ہوتا ہے نہ کہ ان کے ذریعے محض عقل وہوش کو مغلوب کرنا جیسا کہ غواص کا اصل مقصد موتیوں کا حصول ہوتا ہے نہ کہ منھ اور ناک میں پانی داخل کرنا۔

تعلق باللہ کی حقیقت

مشاغل دنیوی کے دوران حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے آگاہی وعرفان کے تعلق کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص مٹکے پر مٹکا سر پر رکھ کر باتوں میں مشغول ہو جائے۔ اسی اثناء میں اس کی باطنی توجہ مٹکے کی آواز سے منقطع نہیں ہوتی۔

کشف وکرامت

اگر کوئی شخص ہماری صحبت ومجلس میں اس صحرانورد کی طرح سکون واطمینان محسوس کرتا ہے جو انتہائی گرمی کے موسم میں اچانک کسی درخت کے سائے میں پہنچ کر اپنے تن بدن کی راحت محسوس کرتا ہے تو اسے ہماری صحبت مبارک ہے۔ ورنہ وہ دوسری جگہ چلا جائے۔ ہمارے ہاں کشف وکرامت کی دنیا نہیں بلکہ عالم خداوندی ہے۔

برکات اسم ذات

میر نورالعلی حبس دم کے ساتھ ذکر نفی واثبات کثرت سے کرتے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا جو کچھ تم نے اختیار کیا ہے یہ طریقہ سلف ہے مگر اسم ذات کی ورزش دوسرے اذکار سے زیادہ موثر ہے۔

وصول حق کے طریق

اگر کوئی شخص ان سے وصول حق کی طلب کرتا ہے تو اس سے دریافت کرتے کہ محنت

ومشقت سے حاصل کرنا چاہتے ہو یا مفت میں؟ اگر کوئی شخص پہلا طریقہ پسند کرتا تو اسے طریقہ ذکر لکھ کر دیدیتے اور اگر دوسری خواہش کا اظہار کرتا تو فرماتے صحبت میں آیا کرو۔

قوتِ توجہ

فرماتے تھے کہ جس شخص نے بھی ہمارے سامنے آکر کچھ فیوض حاصل کر لئے، بالفرض اگر وہ دولت آباد جا کر بھی مرتکب گناہ ہو تو ہمارا فیض اس سے ضائع نہیں جائے گا ہاں البتہ اس کی راہ ترقی مسدود ہو سکتی ہے۔

تاثیرِ وجد ورقص

نقل ہے کہ حضرت امیر عارضۂ فالج میں مبتلا ہو گئے۔ جس کے سبب خاص طور پر طہارت اور وضو کے وقت آپ کو انتہائی تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دن یہ شعر پڑھنے لگے ؎

دردم از یار است ودرماں نیز ہم　　　دل فدائے اوشد وجاں نیز ہم

(میرا درد بھی تو درماں بھی تو۔ میرا قلب وجسم وجان بھی تو)

اس شعر کی تاثیر سے آپ پر زبردست وجد طاری ہوا۔ جس کی حرارت سے تمام اعضاء وجوارح میں کشادگی پیدا ہوگئی اور قوت بدن پہلی حالت پر واپس لوٹ آئی۔

تاثیر کلاہ

حضرت امیر نے ایک آدمی کو اپنی ٹوپی عنایت فرمائی جسے اس نے جنگ میں پہنا۔ اتفاق سے کسی سپاہی کا تیر اس ٹوپی کو آکر لگا۔ اس کا پھل ٹیڑھا ہو گیا اور تیر گر پڑا۔

سود کی نحوست

ایک رات حضرت امیر نے رفیقان مجلس پر بھرپور توجہ ڈالی مگر انھوں نے کچھ اثر قبول نہ کیا۔ آپ متعجب ہوئے۔ اچانک چراغ گل ہو گیا۔ اسی وقت مجلس میں عجیب وغریب آثار نمودار ہونے لگے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ چراغ ایک سودخوار لایا تھا۔ واضح ہو کہ حضرت امیر جذب وکشش کی انتہائی قوت رکھتے تھے۔ جب بھی کسی پر توجہ ڈالتے۔ وہ بیخود ہو کر مردے کی طرح کھنچا چلا آتا تھا۔

جانوروں پر توجہ کا اثر

منقول ہے کہ حضرت امیر کی سواری کے جانوروں میں سے ایک جانور آپ سے اس قدر متاثر تھا کہ وہ ان کی مجلس میں دوسرے طالبان حق کی طرح باادب ہوکر بیٹھتا تھا۔ جب اہل طلب امیر کی خدمت میں پہنچتے اور ان کے رخ انور کو دیکھ کر جوش و مستی میں بے قراری کا مظاہرہ کرتے۔ ان کے گرنے پڑنے سے اگر اس جانور کو کوئی چوٹ، ضرب یا دھول دھپہ لگ جاتا تو وہ اپنے آپ ہی میں مست بیٹھا رہتا۔ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاتا۔ جانوروں کے اس قسم کے بیشمار قصے حضرت امیر سے روایت ہیں۔

سلسلۂ ابوالعلائیہ کی خصوصیات

واضح رہے کہ حضرت امیر ابوالعلیٰ کا طریقۂ تصوف شریعت نبویؐ کے اتباع اور طریق محمدیؐ کی پیروی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا جادۂ طریقت پر انھوں نے کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں کیا۔ اور اس جادۂ نبویؐ سے وہ سر مو بھی انحراف نہیں فرماتے تھے۔ نہ قول میں اور نہ ہی فعل میں۔ ان کے ابتدائی صحبت یافتگان مثلاً ملا ولی محمد وغیرہ بھی اسی روش پر کاربند تھے۔ ان کے بعد ع بدنام کن مرد نکونامے چند قسم کے ایسے لوگ آئے جنھوں نے خواہش نفسانی کا اتباع کیا۔ فاسد عقیدوں اور کھوٹے اعمال کو اختیار کیا اور اللہ کے اس فرمان کے مصداق بنے کہ۔ ومن ذریتھما محسن وظالم لنفسہ (۱) (اور ان کی اولاد میں کوئی اچھا کام کرنے والا اور کوئی جان پر صریح ظلم کرنے والا ہے) حالانکہ حضرت امیر کی دستار مقدس اس خس وخاشاک سے پاک تھی اور ان کے طریقۂ عالیہ کا دامن اس گندگی سے آلودہ نہیں تھا۔ ملا لطف اللہؒ جامع مقامات حضرت امیر نے اس بات کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

> ’’حضرت امیرؒ کے حاضرین مجلس پر ہمیشہ بے اختیار وجد طاری ہوتا تھا۔ یوں نہیں کہ کوئی ان کی محفل میں کوئی خلاف شرع ارتکاب کرے اور مزامیر وسرود کی آواز پر رقص کرے۔ آپ مزامیر کو بھی خواجہ بزرگ (خواجہ معین الدینؒ) کے فرمان کہ ’’مانہ ایں کاری کنیم نہ انکاری کنیم‘‘ کے مطابق کبھی کبھار اتفاق سے سن لیا کرتے تھے‘‘۔

---

(۱) پ۲۳۔ ص۳۷۔

حضرت والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے نور العلی خلف الصدق میر ابوالعلی سے زیادہ حق گو کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میر ابوالعلی سماع کی طرف حد سے زیادہ راغب تھے۔ فرمانے لگے مجھے یاد نہیں کہ سوائے چند تقریبات کے انھوں نے سماع میں حصہ لیا ہو۔ میں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ میر ابوالعلی جس شخص پر بھی نگاہ فرماتے تھے یا اسے پان چبا کر دیتے تھے وہ بیہوش ہو جاتا تھا۔ فرمانے لگے میں نے ان کا چبایا ہوا پان کئی بار استعمال کیا ہے۔ یہ کوئی کلیہ نہیں تھا۔ واضح ہو کہ حضرت والد ماجد نے میر ابوالعلیؒ کی کافی صحبت اٹھائی اور ان سے کلاہ و خرقہ بھی حاصل کیا تھا۔

حضرت خلیفہؒ کی پختگی ارادت اور توکل

حضرت والد فرماتے تھے کہ خلیفہ ابوالقاسم کو بھی میر ابوالعلی کی صحبت نصیب ہوئی لیکن حصول فیض کا رابطہ اور بیعت کا شرف ملا ولی محمد سے حاصل تھا۔ ایک دن میر ابوالعلی نے حضرت خلیفہ سے فرمایا کہ تم ہم سے بیعت کیوں نہیں کرتے؟ خلیفہ نے عرض کیا کہ ملا ولی محمد کی بارگاہ بھی آپ کی بارگاہ کی مظہر ہے۔ اس عاجز نے جب علم ظاہری ان سے حاصل کیا ہے اور حصول علم کے دوران ان سے بے حد محبت پیدا کی تو رابطہ بیعت بھی ان کے ساتھ بہتر سمجھا۔ حضرت امیر یہ سن کر تبسم اور تحسین فرمانے لگے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ ابوالقاسم پر مشرب گوشہ نشینی غالب تھا۔ کسی سے تعلقات نہیں رکھتے تھے۔ نیز ان کا مشرب توکل کل اور ترک کاروبار تھا اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

نشان بود ولی را

چوتھا نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے ان کی روزی کا کفیل ہوتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ بات حضرت خلیفہ کے حق میں بالکل درست تھی۔ ظاہری سامان نہ رکھتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ پرلطف زندگی گزارتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی سے تنگی رزق

ایک بار حضرت خلیفہ کے گھر میں گھی ختم ہو گیا اور کئی دن تک کہیں سے گھی میسر نہ آ سکا۔ آپ متعجب ہوئے اور بغیر گھی کے گزارہ کرتے رہے۔ ایک دن کسی سبب سے اچانک مکان کی چھت پر

تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ لنگر کے گھی کا ایک مٹکا اہل خانہ میں سے کسی نے چھپا رکھا ہے۔ فرمایا ان ایام میں غیب سے روزی نہ ملنے کا سبب یہی تھا۔ چنانچہ وہ گھی لنگر میں خرچ کیا اور اس کے بعد متواتر لنگر میں گھی آتا رہا۔

قرب سلطانی سے استغناء

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شہنشاہ عالمگیر کے زمانے میں فتاویٰ عالمگیری حکم شاہی سے جب تدوین وترتیب اور نظر ثانی کے مراحل سے گزر رہا تھا تو کچھ تحریری کام شیخ حامد کے سپرد بھی ہوا جو میرزا محمد زاہد(۱) کے مدرسہ میں ہمارے شریک درس تھے۔ یہ علمی خدمت ملنے پر وہ میرے پاس آئے کہ تم بھی میرے ساتھ اس کام میں تعاون کرو۔ تمہارے نام اتنا روزینہ مقرر ہو جائے گا۔ میں نے قبول نہ کیا۔ والدہ ماجدہ نے یہ قصہ سن کر انتہائی ناگواری کا اظہار کیا اور مجھے اس کام پر آمادہ کرنے کے لیے بہت مبالغے سے کام لیا۔ مجبور ہو کر ایک مقررہ وظیفے پر میں اس کام میں مشغول ہو گیا۔ حضرت خلیفہ جب اس حقیقت سے مطلع ہوئے تو فرمایا کہ یہ ملازمت ترک کر دو۔ عرض کی والدہ ماجدہ ناراض ہوتی ہیں تو فرمایا اذا جا حق اللہ ذهب حق العباد (جب اللہ کا حق آ جاتا ہے تو بندوں کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں) ایک سچی بات ہے۔ عرض کی دعا فرمائیے کہ حق سبحانہ تعالیٰ بغیر کوشش کے یہ ملازمت مجھ سے چھڑا دے تاکہ والدہ کی ناراضگی سے بھی بچ جاؤں۔ آپ نے دعا فرمائی چنانچہ کچھ دنوں میں بادشاہ نے تدوین فتاویٰ کے تمام ملازموں کی فہرست طلب کی اور از سر نو تقرری و برطرفی کے احکام صادر کیے۔ جب میرے نام پر پہنچا تو وظیفہ خواروں سے کاٹ کر لکھا کہ اگر چاہیں تو اتنی زرعی زمین ان کو دی جائے۔ اہلکاروں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے قبول نہ کی اور اس نجات پر شکر بجالایا اور حمد وثنا پڑھی۔

---

(۱) میرزا زاہد ہروی کے والد قاضی اسلم ہرات سے عہد جہانگیر میں ہندوستان آئے۔ قاضی اسلم ملا فاضل کے اور وہ میرزا جان شیرازی مشہور منطقی عالم کے شاگرد تھے۔ میرزا زاہد بچپن سے بڑے ذہین تھے کل تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ عالمگیر کے دور میں مختلف خدمات پر مامور ہوئے۔ علاوہ زواہد ثلاثہ کے ان کا ایک حاشیہ تجرید پر بھی ہے اور اشراقیوں کی کتاب، ہیاکل النور پر بھی ایک شرح لکھی ہے۔ ۱۶۹۰ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔

صوفیا کا تبحر علمی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن فتاویٰ عالمگیری کے مفوضہ حصے پر نظر ثانی کے دوران ایک ایسی عبارت پر میری نظر پڑی جس میں صورت مسئلہ کو گڈمڈ کر کے گنجلک بنا دیا گیا تھا۔ میں نے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جو اس مسئلے کا ماخذ تھیں۔ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مذکور ہے۔ اور ہر کتاب میں مختلف انداز سے بیان ہوا ہے۔ مؤلف فتاویٰ عالمگیری نے دونوں عبارتوں کو یکجا کر دیا ہے چنانچہ اس وجہ سے صورت مسئلہ کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔ میں نے اس مقام پر ایک نوٹ دیا جس میں لکھا۔

من لم يفقه في الدين قد خلط فيه هذا غلط وصوابه كذا. یعنی جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا۔ اس نے یہاں گڑبڑ کر دی ہے اور صحیح یوں ہے۔

ان دنوں عالمگیرؒ کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں حد سے زیادہ اہتمام تھا اور ملا نظامؒ روزانہ ایک دو صفحات بادشاہ کو پڑھ کر سناتے تھے۔ جب میرے اختلافی نوٹ پر پہنچے تو اتفاقاً نوٹ کو متن کے ساتھ ملا کر ایک ہی سانس میں پڑھ ڈالا۔ بادشاہ چونک اٹھا اور کہا یہ عبارت کیسی ہے۔ ملا نظام نے اس نشست میں دفع الوقتی کرتے ہوئے کہا۔ اس مقام کا میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے کل تفصیل سے عرض کروں گا۔ جب گھر لوٹے تو ملا حامد پر بگڑے کہ فتاویٰ کا یہ حصہ میں نے تمہارے اعتماد پر چھوڑا ہوا تھا۔ تم نے مجھے بادشاہ سے شرمندہ کیا ہے۔ فرمائیے یہ لفظ کیا ہے؟ ملا حامد اس وقت کچھ نہ بولے۔ بعد میں مجھ سے اظہارِ ملال کیا۔ اس پر وہ کتابیں جو اس مسئلے کا ماخذ تھیں میں نے پیش کر دیں اور مسئلے کا ابہام اور عبارت کا گنجلک پن ان پر اس انداز سے واضح کیا کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس دن کے بعد مفتیان کرام کا یہ گروہ مجھ سے حسد کرنے لگا۔ میری برطرفی کا ظاہری سبب یہ واقعہ بنا زیادہ بہتر خدا جانتا ہے۔

خواب فقراء

والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ تعمیر مکان میں مشغول تھے۔ کاریگر کھڑی کی موٹی دیوار میں میخ نکال رہے تھے۔ میں بھی اسی دوران جا پہنچا۔ مجھے دیکھ کر خوش ہوئے۔ میں نے اپنے کپڑے کس لیے اور چاہا کہ گلِ گارا تیار کروں۔ فرمانے

لگے۔ اس سے پہلے بھی کبھی گارا تیار کیا ہے۔ عرض کی نہیں مگر اندازے اور قیاس سے ضرورت کی ہر چیز بنا سکتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ یہ کام اٹکل پچو سے صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔ تمہارے لیے ایک اور کام تجویز کیا ہے۔ ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ چارپائی لا کر سایۂ دیوار میں بچھا دو اور مجھے حکم دیا کہ تم دور سے آئے ہو، ذرا آرام کر لو۔ میں تعمیل حکم میں لیٹ گیا مگر نیند کوسوں دور تھی۔ فرمانے لگے درویشوں کی نیند تو اختیاری ہوتی ہے۔ یعنی ماسوی اللہ سے فراغت اور خیال حق میں کھو جانا، اسی اثناء میں ایک دوسرا رفیق سید عبدالرسول نامی آیا۔ فرمانے لگے وقت پر پہنچے ہو۔ وہ کمر کس کر حکم کا انتظار کرنے لگا۔ فرمایا میرا مطلب یہ ہے کہ اس چارپائی پر بیٹھ کر اس درویش کے پاؤں داب دیجئے کیونکہ یہ لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ بہر حال اس قسم کے الطاف کریمانہ فرماتے رہے اور ہر روز کرم و احسان میں اضافہ ہوتا رہا۔

حج درویشاں

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کو حج کا خیال آیا۔ بغیر سواری زاد راہ اور بلا رخصت اہل خانہ گھر سے نکل کر حجاز کی راہ لی۔ راستے میں بعض مخلص ان کے ہم سفر ہونے لگے۔ اگر کوئی غیر متاہل ہوتا تو اسے ساتھ لیتے اور عیال دار کو یہ کہہ کر رد کر دیتے کہ ہم نے طویل سفر کا قصد کر رکھا ہے۔ اسی طرح حجاز جا پہنچے اور کافی عرصہ وہاں رہے۔ بہت دنوں بعد گہوارہ امن و بہبود کو واپس لوٹے۔ سفر حجاز میں آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ مثلاً ان میں سے ایک یہ ہے کہ رفقاء میں مشہور تھا کہ آپ جب گھر سے نکلے تھے تو صرف ایک چونی پاس تھی۔ پورے سفر میں کہیں بھی اسے صرف کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہاں تک کہ جب واپس لوٹے تو جیب میں وہی چونی موجود تھی۔ جب ان سے اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو فرمایا کہ تا حال کسی نے بھی اس بارے میں سوال نہیں کیا۔ جب میں گھر سے نکلا تو ایک شخص نے یہ چونی بطور نیاز پیش کی اور میں نے جیب میں رکھ لی۔ بعد میں کہیں بھی اس کی ضرورت پیش نہ آئی۔ جب وہ کپڑے اتار کر میں نے نیا لباس پہنا تو ہم سفروں نے وہ چونی کپڑے میں باندھ کر محفوظ کر دی۔ اس کے بعد لباس بدلتا رہا اور وہ چونی باندھ کر محفوظ کی جاتی رہی۔ مجھے پورے سفر میں نہ اترے ہوئے لباس اور نہ اس چونی کی طرف کوئی التفات ہوا۔ جب گھر لوٹے تو وہ کپڑے اور چونی رفقائے سفر نے

پیش کی اور یہ قصہ مشہور ہو گیا۔

طوفانوں پر تصرف

حضرت خلیفہؒ سفر حجاز میں عموماً اپنے رفقائے جہاز کو مقامات اور کرامات اولیاء سنایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ اولیاء کے پانی پر چلنے اور دور دراز مقامات کو آناً فاناً طے کرنے کی بات چل پڑی تو جہاز کے کپتان نے ان کرامات سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ ایسے جھوٹ کے طومار بہت سے سننے میں آتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ یہ سن کر آپ کی غیرت ایمانی جاگ اٹھی اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کپتان کو ملامت کی اور وہ خود بھی اس بات پر نادم ہوا کہ میرے جھگڑے کی وجہ سے فقیر ہلاک ہوا اور رفقائے خلیفہ بھی حضرت کے تصورِ مجبوری سے غمناک ہونے لگے۔ عین اسی وقت حضرت خلیفہؒ نے بلند آواز سے کہا کہ رنجیدہ نہ ہوں۔ میں خیر وعافیت سے پانی کی سطح پر سیر کر رہا ہوں۔ یہ سن کر تمام اہل جہاز اور کپتان نے آئندہ درویشوں سے گستاخی کرنے سے توبہ کی اور حلقۂ نیاز منداں میں شامل ہو گئے۔ ان کے رجوع و توبہ کے بعد حضرت خلیفہ صحیح وسالم جہاز پر چڑھ آئے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

حرمین شریفین میں ایک ایسا شخص مقیم تھا۔ جسے حضرت غوث الاعظمؒ کی کلاہ مبارک تبرکاً سلسلہ وار اپنے آباء واجداد سے ملی ہوئی تھی۔ جس کی برکت سے وہ شخص حرمین شریفین کے نواح میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور شہرت کی بلندیوں پر فائز تھا۔ ایک رات حضرت غوث الاعظمؒ کو (کشف میں) اپنے سامنے موجود پایا جو فرما رہے تھے کہ یہ کلاہ ابوالقاسم اکبر آبادی تک پہنچا دو۔ حضرت غوث الاعظمؒ کا یہ فرمان سن کر اس شخص کے دل میں آیا کہ اس بزرگ کی تخصیص لازماً کوئی سبب رکھتی ہے۔ چنانچہ امتحان کی نیت سے کلاہ مبارک کے ساتھ ایک قیمتی جبہ بھی شامل کر لیا اور پوچھ گچھ کرتے حضرت خلیفہ کی خدمت میں جا پہنچا اور ان سے کہا کہ یہ دونوں تبرک حضرت غوث الاعظمؒ کے ہیں اور انھوں نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ یہ تبرکات ابوالقاسم اکبر آبادی کو دیدو۔ یہ کہہ کر تبرکات ان کے سامنے رکھ دیئے۔ خلیفہ ابوالقاسمؒ نے تبرکات قبول فرما کر انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ اس شخص نے کہا۔ یہ تبرک ایک بہت بڑے بزرگ کی

طرف سے عطا ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس کے شکریے میں ایک بڑی دعوت کا انتظام کر کے رؤسائے شہر کو مدعو کیجیے۔ حضرت خلیفہ نے فرمایا۔ کل تشریف لانا۔ ہم کافی سارا طعام تیار کرائیں گے۔ آپ جس جس کو چاہیں بلا لیجیے۔ دوسرے روز علی الصباح وہ درویش رؤسائے شہر کے ساتھ آیا۔ دعوت تناول کی اور فاتحہ پڑھی، فراغت کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ آپ تو متوکل ہیں ظاہری سامان کچھ بھی نہیں رکھتے۔ اس قدر طعام کہاں سے مہیا فرمایا ہے؟ فرمایا کہ اس قیمتی جبے کو بیچ کر ضروری اشیاء خریدی ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص چیخ اٹھا کہ میں نے اس فقیر کو اہل اللہ سمجھا تھا مگر یہ تو مکار ثابت ہوا۔ ایسے تبرکات کی قدر اس نے نہیں پہچانی۔ آپ نے فرمایا چپ رہو۔ جو چیز تبرک تھی۔ وہ میں نے محفوظ کر لی ہے اور سامان امتحان تھا ہم نے اسے بیچ کر دعوت شکرانہ کا انتظام کر ڈالا۔ یہ سن کر وہ شخص متنبہ ہو گیا اور اس نے تمام اہل مجلس پر ساری حقیقت حال کھول دی جس پر سب نے کہا کہ الحمدللہ تبرک اپنے مستحق تک پہنچ گیا۔

قحط میں خوشحالی

حاجی نور محمد جو حضرت سید عبداللہؒ اور خلیفہ ابوالقاسمؒ دونوں کے صحبت یافتہ اور ہمارے یار قدیمی تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حضرت خلیفہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ اتفاق سے سخت قحط پڑا۔ قریب تھا کہ لوگ انسانوں کو کھا جاتے۔ انہی ایام میں بارہا ہم حضرت خلیفہ کی خدمت میں پہنچے تو انہیں بریانی وغیرہ ایسے لذیذ طعام تناول کرتے ہوئے پایا جو ہمیں بھی عنایت فرماتے تھے جسے کھا کر ہم لوگ تعجب کرتے تھے۔ ایک روز ہم اس معمہ کے بارے میں پوچھ بیٹھے تو متبسم ہو کر فرمایا کہ جو خدا اکبر آباد میں تھا۔ وہ یہاں بھی ہمارے ساتھ ہے۔

احترام مہمان

والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک روز ہم حضرت خلیفہؒ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ حمام کی تیاری کر کے گھر سے باہر آئے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر واپس پلٹے۔ چمچ، پیالہ، گلاب اور بتاشے میرے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ پھر فرمایا جی چاہے تو بتاشے کھا لیجیے ورنہ گلاب میں ڈال کر شربت نوش کیجیے۔ ان کے مریدوں میں سے ایک درویش نے جلدی سے کہا کہ موسم سرد ہے لہٰذا محض بتاشے کھانا مناسب رہیں گے۔ آپ خاموش رہے اور مجھ سے فرمایا کہ آپ کو کیا پسند ہے۔ میں

نے عرض کی شربت۔ فرمایا کیوں عرض کی مختصراً یہ کہ آپ جو چمچہ، پیالہ اور گلاب لائے ہیں اور محض بتاشوں پر اکتفا کرلوں تو یہ چیزیں بیکار جائیں گی حالانکہ اولیاء کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت لازمی ہوتی ہے اور تفصیلاً یہ کہ آپ حمام کو جارہے ہیں۔ حمام کی تکلیف کو بھی شربت ہی تسکین دے سکتی ہے۔ ادھر فقیر لمبا سفر کرکے آرہا ہے اور خفقان کا مریض بھی ہے اور شربت خفقان کے لئے مفید ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ اس درویش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تم نے بغیر پوچھے کیوں جواب دیا؟ بے ادب ہماری مجلس کے لائق نہیں ہو۔ آپ بہت غصہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ اٹھ کر چلے جاؤ۔ فقیر نے گزارش کی کہ یہ درویش مجھے بددعا دے گا۔ کیونکہ میری وجہ سے وہ آپ کی مجلس سے محروم ہورہا ہے۔ اس مرتبہ درگزر فرمائیے۔ اگر دوبارہ اس سے کوتاہی سرزد ہو تو آپ کو اختیار ہے۔ بہرحال اسے معاف کردیا۔ آپ اس طرح لوگوں کو ادب سکھایا کرتے تھے۔

خانقاہی بے تکلفی

حضرت والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہؒ نے جب ارادہ کیا کہ مجھے ارشاد و ہدایت میں اجازت بخشیں تو اپنے ایک انتہائی مخلص کو حکم دیا کہ طعام تیار کرو۔ لوگوں کو دعوت پر بلایا اور فقیر کو بھی طلب کرکے دستار بندھائی اور دم کی مانند پیچھے سے شملہ بھی چھوڑ دیا۔ میں نے عرض کی کہ میں مہتمم بالشان کام کی لیاقت نہیں رکھتا اور ان حقوق کی ادائیگی نہیں کرسکتا۔ فرمانے لگے تمہیں دوسری جگہ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ سید عبداللہؒ کے ساتھ تمہارا معاملہ کیسا تھا۔ عرض کی انھوں نے تمام حقوق ارادت مجھے معاف کررکھے تھے۔ فرمانے لگے ہم نے بھی تمام ظاہری و باطنی حقوق معاف کردیئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض فقراء جان بوجھ کر کام کیا کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ عذبہ (شملہ کے لیے مستعمل لفظ) علاقہ یا تعلق کو کہتے ہیں اور اس کے پس پشت ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ تمام حقوق کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

فقیر اور دنیوی سکون

حضرت والد نے فرمایا کہ خلیفہ ابوالقاسمؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اپنے آرام کے لیے بھی فقیری اختیار نہیں کرتے یعنی جب طبیعت یکسو ہو اور تمام خطرات و وساوس دور ہوجائیں تو آدمی کو ظاہری حرج کے باوجود بھی کلیتہً آرام و سکون حاصل ہوجاتا ہے۔

صوفیا اور وقت کی قدر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کے مخلص مریدوں میں سے ایک معمار اکثر و بیشتر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

کار عالم درازی دارد
ہر چہ گیرید مختصر گیرید

(کاروبار دنیا کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ جس قدر ممکن ہو کاروباری دنیوی کو مختصر کرو اور فرصت کے لمحات کو غنیمت جانو)

انداز تربیت

حضرت والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے حضرت خلیفہؒ کے مخلص مریدوں میں سے ایک مرد درویش سید عبدالرسولؒ کی ایک صاحبزادی تھی۔ اس کی شادی کے لیے جب پریشان ہوئے تو ارادہ کیا کہ کچھ مالداروں سے مدد طلب کریں۔ حضرت خلیفہ کے پاس آئے کہ میں دہلی جا رہا ہوں۔ خلیفہ نے رخصت فرمایا اور فرمایا سب سے پہلے فلاں آدمی سے ملاقات کرنا اور یہ کہہ کر میرا نام (عبدالرحیمؒ) لیا۔ اس کے بعد پھر جہاں جی چاہے چلے جانا۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے میرے پاس آئے۔ میں نے ملتے ہی کہا کہ حضرت خلیفہ کا اصل مقصد آپ کو دولت مندوں کے دروازوں سے باز رکھتا تھا۔ مگر جب آپ کو پریشان دیکھا تو نہ چاہا کہ اپنی زبان سے منع کریں۔ یہ سنتے ہی سید صاحب اصل حقیقت تک پہنچ گئے اور اغنیاء کے دروازوں تک جانے کا خیال ترک کر دیا۔ جب یہ بات حضرت خلیفہ تک پہنچی تو فرمایا واقعی اس (عبدالرحیمؒ) کے پاس بھیجنے سے میری غرض یہی تھی۔

امانت فقر

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت خلیفہ مجھے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شہر کے درویشوں کی زیارت کیا کرو لیکن میں پس و پیش کر جاتا تھا۔ کیونکہ میں اپنے دل میں کلی طور پر بجز ان کے کسی کی کشش نہ پاتا تھا۔ ایک روز تاکید سے فرمایا اور جب جھجک دیکھی تو خادم سے فرمایا۔ انہیں سید عظمت اللہ کی خدمت میں لے جاؤ (جو مشائخ چشتیہ کے مشہور بزرگوں میں سے تھے)۔ انہیں میرا سلام کہہ کر عرض کرنا کہ ایک درویش کو آپ کی ملاقات کے لیے بھیج رہا ہوں۔ جب ہم ان کے محلے میں پہنچے تو خادم ان کا مکان بھول گیا۔ اتفاق سے وہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ میری نگاہ

ایک بچے پر پڑی تو میں نے فوراً کہا کہ یہ بچہ تو بزرگ زادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سے پوچھ لیجئے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ سید عظمت اللہ کا بیٹا ہے۔ چنانچہ وہ ہمیں گھر لے گیا اور حضرت خلیفہ کا پیغام جناب سید تک پہنچایا۔ انھوں نے کہلوا بھیجا کہ میں بستر علالت پر پڑا ہوں۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ خاندان کی سب عورتیں گھر میں جمع ہیں۔ پردہ بھی نہیں ہوسکتا مجھے معاف کیجئے۔ یہ یکا یک ایک دوسرے آدمی کو بھیجا کہ حضرت خلیفہ کے درویشوں کو بٹھایئے اور خادموں سے اپنی چارپائی اٹھوا کر دروازے تک پہنچائی اور فرمایا کہ میں معذور تھا مگر پھر خیال آیا کہ حضرت خلیفہ کا بھیجنا حکمت سے خالی نہ ہوگا۔ پھر مجھ سے نام ونسب اور وطن کے بارے میں پوچھنے لگے اور خوب جانچ پڑتال کرتے رہے۔ میں نے اپنے جد بزرگوار شیخ عبدالعزیز شکر بار کی نسبت کو مخفی رکھا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ سید صاحب کا سلسلہ حضرت شیخ تک پہنچتا ہے اور اس اعتبار سے وہ ایسی تکلیف کے وقت میں بھی تواضع وخدمت سے باز نہ آئیں گے جو ان کے لیے تکلیف دہ ہوگی مگر انھوں نے فراست سے پہچان لیا اور ایک علمی اشکال میرے سامنے پیش کر کے جواب کے طالب ہوئے۔ میں نے عرض کی۔ میں فائدہ حاصل کرنے آیا ہوں نہ کہ فائدہ پہنچانے۔ فرمانے لگے ہم یہ سوال پیش کرنے پر مامور ہیں۔ بہرحال اس وقت جو کچھ ظاہر اور منکشف ہوا میں نے بیان کردیا جسے سن کر ان کے چہرے پر تازگی اور مسرت پھیل گئی اور اپنے آپ کو چارپائی سے نیچے گرادیا اور فرمایا نادانی میں مجھ سے کوتاہی سرزد ہوگئی۔

دوران گفتگو فرمایا کہ شیخ عبدالعزیز شکر بار قدس سرہ نے میرے دادا صاحب کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر میری اولاد میں سے کوئی آپ کے پاس آئے اور اس علمی اشکال کا جواب اس طرح سے پیش کرے تو میری امانت اس تک پہنچا دینا اور وہ امانت میرے بعض تبرکات اور اجازت طریقہ پر مشتمل ہے۔ میرے جد محترم زندگی بھر تلاش کرتے رہے۔ وہ میرے والد کو وصیت فرما گئے۔ والد محترم بھی تلاش وتجسس کے باوجود نہ پاسکے تو نوبت مجھ تک پہنچی میں بھی عمر بھر تلاش کرتا رہا ہوں اور نہیں پاسکا۔ اب دم آخر ہے۔ اس لیاقت کا کوئی فرزند بھی نہیں رکھتا مگر الحمدللہ کہ صاحب امانت خوبی تقدیر سے سامنے آگیا۔ یہ کہہ کر عمامہ میرے سر پر باندھا، اجازت طریقت عنایت فرمائی۔ کافی مقدار میں شیرینی اور کچھ نقد نذرانہ بھی پیش کیا۔ جب میں واپس لوٹا تو حضرت خلیفہ خوش روئی سے

ملے اور فرمایا۔ کامل اور بھرپور ہو کر آئے ہو۔ میں نے وہ سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ فرمانے لگے نقد ظاہری خوشحالی کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ سکون قلب اور اجازت طریقت کی طرف اشارہ ہے اور ان دونوں چیزوں میں کوئی کسی کا حصے دار نہیں ہو سکتا۔ بعد میں آپ نے تھوڑی سی چیز قبول فرمالی۔ والد ماجد نے فرمایا کہ اسے قصے سے کئی کرامات کا انکشاف ہوتا ہے۔ خاص طور پر شیخ عبدالعزیزؒ اور حضرت خلیفہ ابوالقاسم (اللہ ان سے راضی ہو) کی کرامات کا اظہار۔

سوانح شاہ عظمت اللہؒ

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ مفتاح العارفین کی تحقیق کے مطابق جو میر محمد نعمان نقشبندیؒ کے اخلاف کی تصانیف میں سے ہے۔ شاہ عظمت اللہ بن بدرالدین بن سید جلال قادری متوکل اکبرآبادی کے فرزند ارجمند اور حسینی ترمذی سادات میں سے تھے۔ ان کا مولد و مسکن اکبرآباد تھا اور مدفن بھی یہی شہر بنا۔ نایاب شخصیت کے مالک تھے۔ فقراء ہوں یا اغنیا سب سے بے نیاز ہو کر گوشۂ قناعت میں لمحات زندگی بسر فرماتے تھے۔ سلسلہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور شطاریہ میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔ بہتر برس کے ہو کر ۴ ربیع الاول ۱۰۸۴ھ کو جان جان آفریں کے سپرد کی اور اپنے محلّہ میں مدفون ہوئے۔

فقراء اور مجاذیب کے ساتھ حضرت والد ماجد کی ملاقاتیں

مسلم معاشرہ میں تقریبات عرس کا سلسلہ

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خواجہ بیرنگ کے ایک ایسے خلیفہ کو دیکھا جو ضعیف العمری کے باوجود تابناک چہرے والے اور انتہائی جلیل القدر بزرگ تھے۔ آپ شیخی کے نام سے مشہور تھے۔ تقریب عرس مناتے تھے۔ چھ سات سال کی عمر میں میں بھی کئی دفعہ ان کے عرس میں شامل ہوا۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس جلیل القدر مرد بزرگ کا اصل نام شیخ نعمت اللہ تھا اور وہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے تھا مگر عرف عام میں وہ شیخی کے نام سے معروف تھے۔ جب شیخ نعمت اللہ خواجہ بیرنگ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے ان پر بے حد لطف و کرم فرمایا۔ حضرت شیخی نے ۱۰۶۷ھ میں رحلت فرمائی۔ خواجہ شیخی کے ذکر کے بعد حضرت

والد نے لطیفے کے انداز میں ایک حکایت بیان کی۔ فرمانے لگے۔ خواجہ شیخی مرد ولایتی تھے۔ بڑی سی پگ سر پر رکھتے اور کشادہ جبہ پہنتے تھے مگر عرس میں تبرک کے لیے انتہائی چھوٹی روٹیاں تقسیم کرتے تھے۔ ایک ظریف نے از راہ تمسخر کہا، میاں شیخی! جبۂ شما ہزار میخی، دستارِ شمار آں و نان شما ایں، (میا شیخی تمہارا جبہ تو وسیع وعریض ہے، دستار وہ ہے مگر روٹی یہ! گویا اونچی دکان اور پھیکا پکوان والا قصہ ہے۔

آئینۂ دل

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میں اکبر آباد میں جا رہا تھا کہ مجذوب شکل ایک درویش سامنے آگیا اور زمانے بھر کے مجذوبوں کے نام لے لے کر کہنے لگا کہ شام میں فلاں مجذوب ہے۔ روم میں فلاں مجذوب ہے وغیر ذلک۔ میرے دل میں آیا کہ کاش ہندوستان کے مجذوبوں کے نام بھی لیتا۔ میرے دل میں اس خیال کے آتے ہی ہندوستان کے مجذوبوں کے نام گننے لگا۔ اسی اثناء میں کہنے لگا کہ فلاں مجذوب بہت ہی خوب ہے (راقم الحروف کا خیال ہے کہ رائے بھیکا مجذوب کے بارے میں تھی، اور فلاں آدمی نیم مجذوب ہے۔ راقم کا گمان ہے کہ یہ بات اس نے بیرا مجذوب کے متعلق کہی اسی دوران میرے دل میں خیال آیا کہ کاش ہندوستان کے سالکوں کے بارے میں بھی کچھ بیان کرتا۔ اس خیال پر فوراً مطلع ہو کر کہنے لگا۔ اکبر آباد میں خلیفہ ابوالقاسم کا ثانی کوئی نہیں ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ تم کیوں کھڑے ہو چلے جاؤ اور میں وہاں سے چل پڑا۔

منوا مجذوب

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں کسی تقریب کے سلسلے میں سونی پت گیا تو دل میں آیا کہ منوا مجذوب کی زیارت بھی کرلوں۔ ان کی جگہ پر گیا تو وہ سوئے ہوئے تھے۔ میری آہٹ پا کر گدڑی لپیٹ لی اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنا ستر ڈھانپ لیا۔ کچھ دیر میں یونہی بیٹھا رہا اور وہ بھی خاموش رہے۔ بالآخر میں نے آغاز کلام کیا اور کہا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اگر ہوش و آگہی سے جواب دیں تو پوچھوں ورنہ رہنے دوں۔ فرمایا حتی الامکان احتیاط برتوں گا۔ میں نے پوچھا کہ آخر منزل سلوک میں آپ کو وہ کونسا مقام حاصل ہوا ہے کہ عقل و شعور سے بھی

ہاتھ دھو بیٹھے ہو۔ کچھ دیر سوچ کر کہا کہ اگر کوئی شخص گرمی سے شرابور ہو کر آئے اور اچانک ٹھنڈی ہوا چلنے سے اسے راحت وفرحت نصیب ہو تو اس راحت کو تم کن الفاظ سے تعبیر کروں گے؟ میں نے کہا یہ کچھ اور اس سے بھی بہتر بہت کچھ سالکان طریقت کو حاصل ہوتا ہے مگر باوجود اس کے ان کی عقل برقرار رہتی ہے۔ کہنے لگا یہ فضل اور عطائے الٰہی ہے جس کو جس حال میں چاہے رکھے۔

مجاہدات سلوک

والد ماجد فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کہ میرے والد ماجد (جد شاہ ولی اللہ) کسی دور دراز سفر سے آئے ہوئے تھے اور ارادہ یہ تھا کہ شہر سے باہر ہی باہر کسی دوسرے سفر پر چلے جائیں۔ مجھے طلب فرمایا۔ میں زیارت کو چل پڑا۔ راستے میں میرا گزر ایک بارونق باغ پر سے ہوا۔ میں اس میں سیر وتفریح کرنے لگا۔ اس میں ایک درخت تھا جس کی شاخیں زمین سے لگی ہوئی تھیں۔ ان شاخوں کی گپھا میں ایک مغلائی صورت مجذوب بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی آواز دی کہ دوست ادھر آؤ۔ کچھ دیر ہمارے ساتھ بھی بیٹھو۔ میں جا کر بیٹھ گیا اس نے اپنے سلوک ومجاہدات کی باتیں شروع کر دیں۔ ان باتوں میں سے ایک یہ بھی بتائی کہ میں آغاز سلوک میں ایک پہر بلکہ اس سے بھی زیادہ حبس دم کرتا تھا۔ یہ مجذوب بظاہر مولانا قاضی قدس سرہ کے سلسلے سے نسبت رکھتا تھا اسی اثنا میں کہنے لگا کہ تمہارے ساتھ فلاں طعام ہے اس میں سے تھوڑا سا میرے لیے منگواؤ میں نے منگوادیا تو انھوں نے تناول فرمایا۔ پھر کہنے لگے تمہاری جیب میں اس قدر پیسے ہیں۔ مجھے ان میں سے ایک سکے کی ضرورت ہے تاکہ حجام کو دے کر سر اور داڑھی کی اصلاح کراسکوں۔ میں نے پیسے انکے سامنے رکھے اور اسی وقت چل پڑا۔

طعام اغنیاء سے نفرت

والد ماجد فرماتے تھے کہ مارواڑ کی طرف ایک مجذوب رہتا تھا جو مسجد میں کبھی نہیں آتا تھا کہتا تھا کہ ہم پلید ہیں۔ ہمیں مسجدوں میں آنا مناسب نہیں علاوہ ازیں اس علاقے کے زمینداروں کا کھانا بھی نہیں کھاتا تھا اور اس سلسلے میں ہندی میں کچھ کہا کرتا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس طعام میں گھٹن اور روحانی قبض ہے۔ جب میں اس طرف گیا تو مجھے دیکھتے ہی وہ مسجد میں چلا آیا اور میرے ساتھ طعام بھی تناول کیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیوں؟ کہنے لگا۔ اس بزرگ کے سبب میں

پاک ہوگیا اور تمہارے طعام کی گھٹن بھی دور ہوگئی۔

حدیث دل

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شرح ملا جامی (۱) کی بحث عطف میں ایک ایسی مشکل عبارت پیش آئی جس کو بڑے بڑے فضلاء اور خوش مزاج (دوسروں کو زچ کرنے کے لیے) اپنا موضوع بنائے رکھتے تھے۔ آغاز جوانی میں میں نے ایک رات اس مقام کا مطالعہ کیا اور ایک اعتراض مرتب کر کے شیخ حامد کے سامنے پیش کیا۔ کہنے لگے بعینہ یہی اعتراض مجھے سوجھا ہے تو وارد ہوگیا ہے۔ دوسری رات میں نے اس کا حل سوچا۔ شیخ حامد نے شرح ملا کا نسخہ منگوا کر دیکھا تو اس مقام پر یہ اعتراض لکھا ہوا تھا اور آخر میں فتامل کا لفظ مرقوم تھا۔ کہنے لگے عبارت میں تامل اور غور وفکر سے یہی حل نکل سکتا ہے۔ تیسری رات میں نے اس حل کو کمزور کر ڈالا اور اعتراض کی تقویت کی۔ بہر حال میں اسی بحث ومباحثے میں مسجد جٹو میں آدھی آدھی رات تک مطالعہ کرتا رہتا۔ اسی دوران ایک رات میں اکیلا تھا کہ ایک کشیدہ قامت خوش رو مجذوب آیا جو فارسی میں کلام کے موتی لٹاتا رہا میرے قریب آبیٹھا اور خوش طبعی سے کہنے لگا۔ اے استاذ! دستار کا شملہ چھوڑنا مکروہ ہے یا حرام؟ میں ان دنوں شملہ نہیں رکھتا تھا۔ میں نے دستار کے نیچے سے اس قدر کونہ کھینچا کہ شملہ بن گیا۔ پھر میں نے فوراً کہا کہ بعض روایات میں سنت ہے اور بعض میں مستحب۔ یہ حرکت دیکھ کر وہ بہت ہنسا۔ اسی اثناء میں اس نے کہا کہ کس قدر اچھی رات ہے کسی طالب علم کی گردن پر سوار ہوکر اسے اس مسجد میں دوڑانا چاہئے۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ میں ڈرا کہ کہیں مجھ پر نہ جھپٹے، خنجر میرے پاس تھا۔ اسے ہاتھ میں مضبوط پکڑ کر میں نے کہا آج رات کتنی اچھی ہے۔ کسی درویش کو ذبح کر کے اس کا گوشت پوست کھانا چاہئے۔ بہت ہنسا اور کہا اے استاذ! یہ کس کتاب میں پڑھا ہے کہ درویشوں کو ذبح کرنا اور ان کا کھانا حلال ہے۔ میں نے کہا کہ اور تم کس کتاب

---

(۱) آپ کا پورا نام عبدالرحمٰن ہے۔ آپ کے جد امجد مولانا شمس الدینؒ نے پہلے پہل خراسان کے موضع جام میں اقامت اختیار کی۔ آپ کے والد مولانا نظام الدین بھی متبحر عالم اور مشہور درویش تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی موضع جام ہی میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجموعۂ کمالات و جامع شخصیت بنایا۔ علم نحو میں آپ کی کتاب شرح ملا جامی اپنے موضوع کی بہترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ آپ کا عارفانہ، عاشقانہ اور نعتیہ کلام بے حد مقبول ہے۔ آپ ۱۹/ ربیع الثانی ۸۹۶ھ کو واصل بحق ہوئے۔

میں پڑھا ہے کہ طالب علم پر سوار ہو کر اسے بیہوش کرنا مباح ہے۔ کہنے لگا۔ ان الفاظ سے میں مجازی معنی لے رہا تھا یعنی طالب علم کو اپنے تصرف میں لے کر اسے دنیائے آب وگل کی تکالیف سے نجات دلانی چاہئے۔ میں نے کہا میں بھی مجازی معنوں میں کہہ رہا ہوں۔ یعنی درویش کے قلب پاک کو کلی طور پر اپنی طرف متوجہ کر کے اس سے کمالات حاصل کرنے چاہئیں۔ کہنے لگے مجاز کو حقیقی معنوں سے کچھ تعلق ہونا چاہئے۔ میرے مجاز کا تعلق ظاہر سے ہے۔ فرمایئے تمہارے مجاز کا حقیقت سے کیا تعلق ہے۔ میں نے کہا منقول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے آغاز عمر میں خواب دیکھا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیاں مبارک قبر سے باہر نکال کر انہیں ایک دوسرے سے چھانٹ رہے ہیں۔ آپ اس خواب کی ہیبت وعظمت سے متاثر ہو کر بیدار ہو گئے اور مشہور معبر ابن سیرینؒ کے اصحاب میں سے ایک کے سامنے یہ خواب بیان کی۔ انھوں نے کہا مبارک اور بشارت ہو کہ تم سنت نبوی کو بخوبی پہچانو گے اور صحیح کو غلط سے جدا کر سکو گے یہ تعبیر میرے مجاز کے تعلق پر شاہد ہے۔ دوران گفتگو انہوں نے کہا کہ اگر ان تین راتوں میں ذکر الٰہی کرتے تو اخروی فوائد حاصل ہوتے۔ اگر آرام کرتے تو تن بدن کو راحت نصیب ہوتی مردوں کے جھگڑوں سے تجھے کیا حاصل۔ عرض کی سچ کہتے ہو مگر کیا کروں۔ ایسی علمی تحقیقات سے اس قدر الفت پیدا ہو چکی ہے کہ اس کا ترک ممکن نہیں۔ فرمانے لگے خوش ہو، ان لایعنی امور کے ترک کا زمانہ قریب پہنچ گیا ہے۔ پھر فرمانے لگے۔ مجھ سے ایک شعر لکھ لو۔ عرض کی دوات وقلم ساتھ نہیں۔ فرمانے لگے۔ حافظے پر نقش کرلو۔

کار نساختیم و دمیدن گرفت صبح　　　اوج چراغ خانہ بافسانہ سوختیم

(زندگی کے سفر میں کوئی کام نہ کر سکے کہ صبح طلوع ہو گئی۔ چراغ خانہ کی بتی یونہی افسانہ گوئی میں جل کر رہ گئی۔

ولی را ولی می شناسد

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ مذکورہ واقعہ کے بعد مطالعہ کرنے سے دل بجھ گیا اور پھر کبھی طالب علموں کی طرح مطالعے کا اتفاق نہ ہو سکا۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ راستہ میں جا رہا تھا کہ ایک مجذوبہ سامنے آ گئی۔ بتی کے تیل سے تر کی ہوئی چیتھڑوں کی گدڑی اس نے اپنے اوپر لے رکھی تھی۔ میرا راستہ پکڑ لیا اور بلند آواز سے پکاری کہ یہ شخص لوائے نقشبندیہ کا حامل ہے جسے خواہش

ہوا سے دیکھ لے۔ میں نے کہا اس سے زیادہ مجھے رسوا مت کرو چنانچہ یہ سن کر وہ چلی گئی۔ راقم الحروف کے گمان میں حضرت والدؒ نے اس روز یہ بھی فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ آج کے دن تجھے جو بھی دیکھے گا وہ بخشا جائے گا اور اسی وجہ سے میں بازار چلا گیا تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میرے دل میں آیا کہ صوفیا کے لباس میں قید رہنا تکلف سے خالی نہیں۔ چنانچہ میں نے یہ لباس اتار دیا۔ سپاہیوں والا عمامہ باندھ کر کمر سے شمشیر لٹکائی اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ ایک مجذوب سامنے آ گیا اور کہنے لگا کہ کوئی شخص چاند کو پیالے سے ڈھانپ سکتا ہے؟ تجھے قسم ہے معبود ذوالجلال کی۔ یہ وردی اتار اور لباس صوفیا پہن اس دن کے بعد میں نے اپنے اوپر صوفیانہ لباس لازم قرار دے دیا۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ شاہ ارزانی ایک مجذوب بزرگ تھے جو عموماً حاکمانہ وضع میں رہتے تھے۔ میری دعوت قبول کرنے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ کبھی کبھی ایسی خلعت فاخرہ میں ملبوس ہو کر باہر نکلتے جو سلاطین کے سوا عموماً کسی کو میسر نہیں آتی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد لباس اتار کر ننگے ہو جاتے ایک روز ہم مسجد جتو میں بیٹھے تھے کہ میں اُٹھ کر کہیں چلا گیا اور اہل خانہ کو بھی مجذوب کی خدمت اور مہمان نوازی کے بارے میں کچھ کہنا بھول گیا۔ پندرہ دنوں بعد واپس آیا تو انہیں وہیں پایا۔ اس عرصے میں ایک دو بار سے زیادہ انہیں کھانا نہ مل سکا۔ مگر اس کے باوجود ان کے بدن پر نقاہت وغیرہ کے کوئی آثار نہیں تھے۔ برادر گرامی (ابوالرضا محمدؒ) ابتدا میں انتہائی تنگدست تھے۔ انھوں نے اس سلسلے میں انہی مجذوب بزرگ سے رجوع کیا۔ مجذوب نے اکتالیس بار سورۂ مزمل پڑھنے کو کہا۔ اللہ تعالیٰ نے برادر گرامی کو وسعت اور خوشحالی سے بہرہ ور فرمایا ایک دفعہ کسی دوست کے بارے میں ان سے سفارش کی کہ تنگدست اور عیال دار ہے اس پر توجہ فرمائیے۔ چند شرائط کے ساتھ ایک دعا پڑھنے کو فرمایا۔ ان شرائط میں ترک کذب اور ترک قتل حیوان بھی شامل تھا۔ اسی دوران اس نے ایک جوں کو مارا اور ایک لڑکے کو بلا کر کہا آؤ اور لے جاؤ مگر دیا نہیں۔ یہ سن کر مجذوب نے فرمایا۔ اب یہ دعا پڑھنے کی تکلیف نہ اٹھاؤ تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا مگر اس نے چلہ پورا کیا اور توبہ و زاری کے ساتھ مجذوب سے رجوع کیا۔ مجذوب نے ایک کورا

برتن طلب کیا۔ اس میں نقش لکھا اور سیماب ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ اس میں سے تھوڑا سا جوڑا بنا اور کچھ ایسے ہی رہ گیا۔ اس کے بعد ان مجذوب کی زبان سے معلوم ہوا کہ یہ شخص اس قابل نہیں تھا ورنہ میں نے جو کچھ چاہا ہے وہ بغیر کسی شرط کے ہو جاتا رہا ہے۔

مگس را ہما کنند

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شیخ لعل کے پاس عجیب قسم کی دعائیں تھیں۔ ایک دن مجھ سے کہا سماع کا ذوق رکھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ پھر ایک کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ سنگریزے پر کچھ لکھا اور وہیں ڈال دیا۔ عجیب وغریب سازوں کی آوازیں آنے لگیں۔ کبھی کبھار ایسی دعا پڑھتے کہ بھڑ نکل آتے اور پہلے سے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لاٹھی سے انہیں مارتے اور خالص سونا بن جاتا ایک دن میرے پاس آئے کہ زندگی کے آخری لمحات ہیں۔ مجھ سے یہ اعمال (دعوت واوراد) لے لیجئے۔ میں نے کہا۔ مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ کہنے لگے اگر تم نہیں لیتے تو دریا میں ڈالتا ہوں کیونکہ دوسرا کوئی اہل نظر نہیں آتا۔ میں نے کہا ڈال دیجئے۔ چنانچہ اعمال واوراد کی وہ تمام کتابیں انھوں نے دریا میں ڈال دیں۔

بئس الفقیر علی باب الامیر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شہر میں ایک صالح وفاضل مرد رہتے تھے جو انتہائی بے تعلق رہ کر اپنا وقت گزارتے تھے۔ سعد اللہ خان کے بعض خواجہ سرا ان سے تعلیم حاصل کرنے آتے اور ان کی خدمت بجالاتے۔ سعد اللہ خان انہیں اپنے پاس ہر چند بلانے کی کوشش کی مگر وہ اس کے پاس نہ گئے۔ اتفاقاً ایک دن ان کی خدمت میں جا پہنچا۔ میں ان دنوں کافیہ پڑھتا تھا۔ ایک خواجہ سرا نے منادیٰ کے مباحث میں سے مجھ سے ایک سوال کیا۔ فوری جواب ذہن میں نہ آنے کے سبب میں کچھ محزون ہوا تو وہ بزرگ صالح میری پریشانی خاطر کا سبب معلوم کر کے خوجہ سرا پر غصہ ہوئے اور کہا اس بچہ کو نہیں جانتے کہ کون ہے؟ ایک وقت آئے گا کہ اس کی نعلین تیرے آقا کے سر تک پہنچنا اپنے لئے ننگ وعار سمجھے گی۔

ہستی قریب ہے

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حاجی شاہ محمد ایک معمر اور سیاح بزرگ تھے۔ بہت سے بزرگوں

سے مل چکے تھے۔ مزاج میں انتہائی گرمی تھی۔ میں مرض الموت میں ان کی عیادت کو گیا۔ میں نے کہا آپ کا وجود مسعود تو غنیمت ہے فرمانے لگے یہ وجود تو تنور میں ڈالنے کے قابل ہے۔ میں نے کہا ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ جو وجود تنور کے لائق ہوا سے تنور میں ڈالا جائے۔ آپ کا وجود اللہ کی نعمت ہے۔ جو حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائی ہے۔ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

استاذ اور شاگرد کے روابط

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شرح مواقف اور کلام و اصول کی دیگر کتابیں میرزا زاہد ہروی کوتوال سے پڑھیں۔ ان کی توجہ میری طرف اس حد تک مبذول تھی کہ اگر کبھی میں کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا تو فرماتے ایک دو سطریں پڑھ لیجئے تا کہ ناغہ نہ ہو۔ ایک دن بادشاہ وقت نے کسی کے ہاتھوں انہیں بلوا بھیجا۔ یہ فوراً ادھر جانے لگے۔ دروازے سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ میں بھی ان سے جاملا۔ میں نے دروازے کے دونوں تختے مضبوطی سے تھام لیتے اور میرزا زاہد ہروی سے کہنے لگا۔ جب تک آپ فلاں کام پورا نہیں کریں گے میں دروازہ ہرگز نہیں کھولوں گا۔ فرمانے لگے تم بیٹھو تا کہ میں واپس آکر اطمینان سے تمہاری بات سنوں۔ اس وقت دل پریشان ہے۔ میں نے کہا کہ جب تک کام پورا نہیں کریں گے دروازہ نہیں کھولوں گا۔ جب یہ اصرار دیکھا تو رک گئے اور جب تک کام پورا نہ کیا پاؤں باہر نہ رکھا۔ جب لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تعجب کیا۔

زوال پذیر اسلامی حکومت کے ارکان کی خدا ترسی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میرزا محمد زاہدؒ نے ایک دن رمضان المبارک میں میری دعوت کی۔ میں انہی کے گھر میں تھا کہ مغرب کے وقت ایک کباب فروش نے کبابوں کا خوانچہ ان کے سامنے لاکر رکھا کہ نیاز لایا ہوں۔ مرزا متبسم ہوئے اور کہا اے عزیز میں تمہارا استاذ ہوں نہ پیر! پھر یہ نیاز کیسی! البتہ کوئی ضرورت پیش آئی ہوگی سو بیان کرو۔ کہنے لگا کسی چیز کی ضرورت نہیں، مرزا نے استفسار میں اصرار کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی دکان راستے میں ہے اور مرزا کے کارکن چاہتے ہیں کہ اس کو اٹھادیں۔ مرزا کہنے لگے کل کسی منصف کو بھیجوں گا تا کہ بغیر کسی ظلم و زیادتی کے تمہاری حق رسی کردے اور یہ کہہ کر اسے جانے کا حکم دیا کبابی کہنے لگا۔ یہ اتنے سارے کباب میں نے آپ کے لئے تیار کئے تھے۔ اب تو وقت بھی کافی گزر گیا ہے۔ اس تنگ وقت میں یہ کباب بک

نہیں سکیں گے۔ اس گفتگو میں مرزا کے بچوں کا استاذ بھی موجود تھا۔ اسے کہنے لگے اے فلاں، ان کبابوں کی قیمت لگا کر میرے گھر سے لا دیجئے۔ اس نے اٹھنی لا کر دیدی۔ اس فقیر (شاہ عبدالرحیم) نے مرزا کو آہستہ سے کہا کہ اس سارے معاملے میں آپ کا مقصد رشوت سے بچنا تھا مگر وہ پورا نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ ان کبابوں کی قیمت زیادہ ہے مگر اپنی مجبوری کے تحت کباب فروش اس قیمت پر راضی ہو گیا ہے۔ مرزا نے یہ بات سنتے ہی کباب فروش کو بلایا اور اس سے پوچھا سچ بتا! گوشت کتنے میں خریدا تھا، مصالحے وغیرہ کتنے میں! اور تیری مزدوری کتنی ہے؟ حاصل کلام جب حساب کیا تو ان کبابوں کی قیمت تین گنا بڑھ گئی۔ پوری قیمت اس کو دے کر استاذ کو طلب کیا اور اس پر بے حد بگڑے اور کہا کیا تم چاہتے ہو کہ ہم مال حرام سے روزہ افطار کریں۔ یہ کہاں کی عقل اور کہاں کی دوستی ہے۔

سوانح میرزا زاہد ہرویؒ

واضح ہو کہ میرزا محمد زاہد ہرویؒ قاضی اسلم کے فرزند تھے جو جہانگیر کے زمانے میں ہرات سے ہندوستان آئے اور بادشاہ نے انہیں قاضی القضاۃ بنادیا۔ وہ ملا محمد فاضل کے شاگرد تھے۔ ملا محمد فاضل کا وطن مالوف بدخشاں تھا۔ آغاز جوانی میں سب سے پہلے کابل میں ملا صادق حلوائی کی شاگردی اختیار کی پھر توران میں جا کر مشہور علمی مشکلات کے حل کرنے والے اور معقولات کے گرہ کشا ملا میرزا جان شیرازی کی صحبت اختیار کی نیز فنون حکمت کا اکتساب ملا میرزا جان شیرازی کے تلمیذ ارشد اور اپنے وقت کے استاذ العلماء ملا یوسف سے کر کے لاہور میں آ کر قیام پذیر ہوئے اور لاہور ہی میں علم تفسیر و اصول ملا جمال لاہوری سے حاصل کیا جو ادب عربی میں یگانہ روزگار تھے۔ اس طرح میرزا محمد زاہد ہروی تیرہ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول سے فارغ ہو گئے تھے۔ وہ جودت طبع اور فہم رسا کے لحاظ سے اپنے زمانے میں بے نظیر مانے جاتے تھے۔ ان کی تصانیف میں سے شرح مواقف، شرح تہذیب اور رسالۂ تصور و تصدیق کے حواشی شہرۂ آفاق اور علماء و طلباء میں متداول ہیں۔ علاوہ ازیں مرزا کی اور تصانیف بھی ہیں، مثلاً حاشیہ شرح تجرید اور حاشیہ ہیاکل، معلوم ہوتا ہے کہ حاشیہ شرح مواقف کی مسودہ نگاری کا کام میرزا نے اسی سلسلے میں کیا۔ جب والد گرامی ان سے یہ کتاب پڑھتے تھے اور اس کا مسودہ کابل میں تیار ہوا کیونکہ میرزا

منصب احتساب سے استعفا کے بعد کابل میں جاکر گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ میرزا زاہد صوفیائے صافیہ کے مشرب سے بھی حصہ وافر رکھتے تھے اور انھوں نے مشائخ عظام کی صحبت میں رہ کر طریق تصوف میں کمال حاصل کیا۔ ان کی تصانیف تصوف میں سے دو تین نکتے تو فقیر کے دل میں پیوست ہوکر رہ گئے مثلاً وحدت الوجود کی بحث میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

نکات تصوف اور میرزا زاہد کا منطقی استدلال

حقیقت یہ ہے کہ لفظ وجود مصدری معنی کے لحاظ سے ایک ایسا امر ہے جو قابل اعتبار اور حقیقت نفس الامری میں ثابت ہے اور حقیقی (وضعی) معنوں کے اعتبار سے وجود کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جائے گا جو موجود بنفسہ ہو بلکہ جس کا وجود اپنی ذات کے لئے واجب اور ضروری ہو اور یہ اس لئے کہ کسی چیز کے قابل اعتیاد (اعتباری) اور نفس الامر میں ثابت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس وجود کا موصوف اس حیثیت میں ہو کہ اس پر سلب وجود کا اطلاق بھی صحیح ہو سکے، کسی بھی شئے کے سلب و وجود کے سلسلے میں تین امور کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

امر اوّل یہ کہ وجود سے جس چیز کا سلب کیا جارہا ہے۔ کیا وہ ماہیت وجود ہے؟ (جس حیثیت میں بھی ہو) دوسرا یہ کہ کیا سلب کردہ چیز وجود کا مصدری معنی ہے؟ تحقیق و تدقیق سے جب ان دونوں امور کا جواب نفی میں ملا تو تیسرا امر خود بخود ثابت ہوا کہ منشاء انتزاع وجود کا ما بہ الموجودی معنی ہے اور وہ یہ ہے کہ وجود اپنی قوت و حیثیت میں قائم اور اپنی ذات کے لئے واجب ہے اس لئے کہ محض انضمام کی وجہ سے وجود کو قائم بالماهیۃ نہیں کہا جا سکتا اگر کہا جائے تو اس کا اپنے موصوف سے موخر ہونا لازم آتا ہے جو بدیہی طور پر غلط ہے اور نہ ہی وجود سے ہیئت کے انتزاع کی وجہ سے اسے قائم بالماهیۃ کہا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو وجود مصدری سے انتزاع کے وقت دوسرا انتزاع لازم آسکتا ہے اور اس طرح انتزاعات کا ایک لامتناہی سلسلہ چل سکتا ہے۔

علم واجب الوجود کی بحث میں ایک نفیس نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

جاننا چاہیئے کہ ذات واجب الوجود تعالیٰ شانہ کے لئے علم اجمالی بھی ہے اور علم تفصیلی بھی۔ علم اجمالی سو علم تفصیلی کے لئے مبداء و ماخذ اور صورت ذہنیہ و خارجیہ کیلئے خلاق ہے۔ یہی علم حقیقی ہے اور یہی صفت کمال اور عین ذات ہے۔ اس مسئلہ کی جو تحقیق مجھے میرے پروردگار نے اپنے

فضل وکرم سے الہام فرمائی ہے سو یہ ہے کہ ممکن کے لئے دو جہت ہیں ایک وجود اور فعلیت کی جہت دوسری عدم وجود اور لا فعلیت کی جہت اور ممکن جہت ثانی سے متعلق ہونے کی صورت میں یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ علم اس سے متعلق ہو۔ اس لئے وہ جہت ثانی سے متعلق ہونے کی بنا پر معلوم محض ہے۔ بس جس جہت کے ساتھ علم متعلق ہو سکتا ہے وہ جہت اولیٰ ہے اور اسی جہت اولیٰ کا مرجع علم ہے کہ وجود ممکن بعینہٖ وجود واجب ہے جیسا کہ اہل تحقیق کا مسلک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے علم بالممکنات اس کے علم بذاتہ میں سمویا ہوا ہے اس حیثیت سے کہ اس سے ممکنات اور ذات کی کوئی چیز خارج قرار نہیں پائے گی۔ موصوفات کے ساتھ اوصاف انتزاعی کے احوال سے بھی آپ کو اس سلسلے میں مدد ملے گی۔ اوصاف انتزاعی بھی وجود رکھتی ہے جو آثار کے مرتب ہونے پر وجود خارجی کے مقابل پایا جاتا ہے اور یہی منشاء اتصاف ہوتا ہے اور اسی کی بناء پر موصوف اور صفات میں امتیاز قائم کیا جاتا ہے۔ اور علم تفصیلی سو موجودات خارجی اور علوی و سفلی مراتب میں صور ذہنی کے علم حضوری کو کہتے ہیں۔ پس غور و فکر کرو، شاید کہ یہ اہم مسئلہ خالی الذہن ہو کر باریک بینی سے اور زیادہ واضح ہو، ہم نے اس کی کچھ مزید تفصیلی تعلیقات شرح تجرید میں بیان کر دی ہے۔

کشف ارواح اور اس قسم کے دوسرے احوال پر
حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے وقائع

مرتبہ فنا فی التوحید

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چشم حقیقت سے دیکھا تو ایک جماعت حضرت حق تعالیٰ کو واقعہ میں دیکھنے کا ارادہ کر کے رواروی میں جا رہی ہے اور میں بھی اس جماعت میں شامل ہوں۔ ایک صاف قطعہ زمین سامنے آیا اور ادھر وقت عصر ہو گیا۔ ان لوگوں نے مجھے اپنا امام بنالیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے جماعت کی طرف رخ کر کے کہا کہ دوستو! اس قدر سعی و کاوش کسی کی تلاش میں دکھا رہے ہو؟ کہنے لگے حق تعالیٰ کی طلب میں۔ میں نے کہا کہ میں وہی تو ہوں جس کی تلاش میں تم نکلے ہو۔ وہ یکدم اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کرنے لگے۔ راقم الحروف (ولی اللہ)

کہتا ہے کہ اس قسم کے واقعات کی حقیقت واصلیت یہ ہے کہ کبھی تو ایسا واقعہ حق تعالیٰ کی اعانت سے تصرف فی الخلق کے مقام حاصل ہونے کی نشاندہی کرتا ہے اور کبھی کبھار ایسا دعویٰ شیخ اس عالم میں کرتا ہے کہ جب وہ فنافی التوحید ہوتا ہے۔

مقام قیومیت

فرمایا کرتے تھے کہ اوقات تدبر و تفکر میں سے ایک وقت میں حق سبحانہ وتعالیٰ سے میں نے تحقیق واطمینان کی نیت سے ذات بیچوں کا مثالی صورتوں میں ظہور طلب کیا۔ میرے اوپر ایک حالت طاری ہوگئی اور اپنے آپ کو قیوم عالم کی صورت میں ملاحظہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ کائنات کے ذرے ذرے کا تعلق اور ربط میری ذات کے ساتھ اس حیثیت سے ہے کہ اگر وہ تعلق منقطع ہو جائے تو پوری کائنات لاشی محض ہو کر رہ جائے۔

تصرف بالحق فی الخلق

والد گرامی فرماتے تھے کہ ایک رات میں نے عیاناً دیکھا گویا حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ میرے گھر میں تشریف لائے ہیں اور میں جگہ کی تنگی سامان خانہ کے بکھرے ہوتے اور اس قسم کی دوسری بے سلیقہ باتوں کے سبب جو بزرگ ہستیوں کی تشریف آوری کے وقت غیر موزوں سمجھی جاتی ہیں، شرمندہ اور خجل ہوں اور باوجود اس کے ادھر سے بے انتہا لطف وکرم مبذول ہو رہا ہے۔ اتفاق سے صبح اٹھتے ہی حافظ عبداللطیفؒ کے گھر گیا۔ انھوں نے مجھے اپنے گھر میں بٹھایا اور میرے جانے پر جگہ کی تنگی وغیرہ سے اظہار ندامت کرنے لگے۔ میں نے کہا آج رات حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کو میں نے دیکھا اور اسی طور پر عرق ندامت میں غرق رہا مگر ادھر سے اظہار نوازش ہوتا رہا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی نصرت حق کے ذریعے تصرف فی الخلق کے مقام کے حصول پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بات واضح ہے کہ اس واقعہ میں حق پر دلالت کرنے والی ہستی خود صورت حق میں ظہور پذیر نظر آ رہی ہے۔

صوفیاء اور رویت باری

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ بعض درویشوں کے بارے میں مجھے تردد تھا کہ حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ کیا مرتبہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے چشم مشاہدہ سے ایک تجلی دیکھی گویا

حضرت حق حسین صورت میں متمثل ہو کر برقعہ پوش ہیں۔ میرے اور حضرت حق کے درمیان کچھ فاصلہ ہے۔ جب اس کا جمال پاک مجھ پر ظاہر ہوا تو دل ہاتھ سے چلا اور مجھے اس سے بھی زیادہ قرب کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ میری اس تمنا پر مطلع ہو کر قدرے اور نزدیک ہوا۔ اس پر آتش شوق بھڑک اٹھی اور خواہش قرب میں اور اضافہ ہوا۔ اس پر مطلع ہو کر وہ اور نزدیک آ گیا۔ اس مرحلہ پر میں برقعہ کی موجودگی سے تنگ آ گیا اور اس کے ہٹانے کی آرزو کی۔ فرمایا برقعہ تو بہت باریک ہے جو حسن مستور کو اور نمایاں کر رہا ہے۔ عرض کی پھر بھی حجاب تو ہے۔ بالآخر نقاب اٹھا دی اور پھر فرمایا کہ بعض سالکوں کو پہلا مرتبہ حاصل ہے۔ خاص سالکین کو دوسرا مرتبہ اور اخص الخواص کو مرتبہ ثالث میسر ہے۔ اور فلاں فلاں ان تینوں میں سے کوئی مرتبہ بھی نہیں رکھتے۔

بے صورت اندر صورت آمد

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں انتہائی روحانی گھٹن محسوس کر رہا تھا کہ واقعتاً مجھ پر ایک تجلی وارد ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک حسین وجمیل عورت زیورات اور جاذب نظر لباس سے مزین ہے وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی اور اس کے قرب سے میرا شعلۂ شوق بھڑکنے لگا۔ بالآخر وہ مجھ سے بغل گیر ہو کر یک تن ہو گئی۔ میرا وجود اسی کی شکل میں متمثل ہو گیا اور وہ تمام زیورات اور لباس میں نے اپنے وجود پر موجود پائے۔ یہ دیکھ کر مجھے انتہائی انبساط وسرور حاصل ہوا اور وہ گھٹن جاتی رہی۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی مقام توحید کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور گزشتہ واقعہ کی ہی ایک شاخ ہے۔

اسمائے الٰہیہ کے ظہور کی کیفیت

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے بصورت واقعہ (کشفی) دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء، حی، علیم، سمیع اور بصیر روشنی بخش دائروں مثلاً سورج اور چاند کی شکل میں میرے لئے صورت پذیر ہو گئے ہیں اور یکے بعد دیگرے طلوع وغروب کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بسیط کے شکل پذیر ہونے کے لئے قریب تر صورت دائرے کی ہے، اسی وجہ سے اسمائے الٰہیہ دائروں کی شکل میں نمودار ہوتے رہے۔

تصرفات وعلوم صوفیاء

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت میں مراقبے میں تھا کہ غیبت (۱) کی کیفیت طاری ہوگئی۔ میرے لئے اس وقت کو چالیس ہزار برس کے برابر وسیع کر دیا گیا اور اس مدت میں آغاز آفرینش سے روز قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے احوال و آثار کو مجھ پر ظاہر کر دیا گیا۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کا گمان ہے کہ آپ نے یہ کلمات بیان کرتے ہوئے بھی فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کے حروف کا فاصلہ اتنے ہزار برس کا ہے۔ واللہ اعلم۔

مقامات صوفیاء

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دو آدمی دکھائے گئے۔ ایک ذکر حق میں اس قدر مستغرق تھا کہ ماسوی اللہ کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی۔ اور نہ ہی کچھ اپنا ہوش تھا۔ دوسرا اس سے بھی زیادہ کامل! لیکن وہ اس قدر ذکر حق کے باوجود تمام کائنات پر بھی نظر رکھتا تھا اور اپنا شعور بھی رکھتا تھا اور ظاہری و باطنی آداب سے بھی کمال درجہ مزین تھا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں الہام ہوا کہ پہلا ذات حق میں فانی ہے اور دوسرے کے مقام کو آیۂ کریمہ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (۲) (البتہ ہم ایسے مردان خود آگاہ و حق آگاہ کو پاکیزہ دائمی زندگی عطا فرماتے ہیں) بخوبی بیان کر رہی ہے۔

شان عبدیت

والد گرامی فرماتے تھے کہ اوقات عزیز میں سے ایک وقت فنائے کلی (۳) اور غیبت تامہ میسر ہوئی تو دیکھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ میرے فلاں بندے کو ڈھونڈ لاؤ۔ زمین میں تلاش کیا نہ پایا آسمان چھان مارے نہ ملا۔ بہشت میں تلاش کیا نہ پایا اس پر حق سبحانہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا کہ جو بھی مجھ میں فنا ہوا وہ نہ آسمان میں ملے گا نہ زمینوں میں پایا جا سکے گا اور نہ ہی بہشت میں۔

---

(۱) اپنے نفس اور خلق سے غائب اور حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہنے کو غیبت کہتے ہیں۔

(۲) پ۱۴س۱۶ات ۹۷

(۳) فنائیت عدم شعور کو کہتے ہیں۔ ذات احد میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے۔

جنت اولیاء

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میں نے بہشت کو دیکھا گویا عین اس کے درمیان میں کھڑا ہوں اور اس کی حوروں اور محلات کو بخوبی دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت دل میں آیا کہ ہم نے تو حور و قصور کے خیال کو دل سے نکال دیا تھا اور یکسو ہو کر حضرت حق تعالیٰ کی طلب میں لگے رہتے تھے۔ یہ کیا ہوا کہ یہاں حور و قصور پیش نظر ہیں مگر مقصود حقیقی نہیں مل رہا۔ اسی وقت مجھ پر وجد اور گریہ طاری ہوا۔ وہاں کے لوگ آ آ کر مجھے اپنی آستینوں اور دامنوں میں چھپانے لگے اور کہنے لگے یہ تو مسرت و شادمانی کی جگہ ہے نہ کہ گریہ و غم کی۔ میں نے ان کے دامن جھٹک دیئے اور منہ پھیر لیا۔ بالآخر انہوں نے کہا کہ تجھے اپنے معبود و مقصود کی قسم ہے۔ بتا کہ تیرے رونے کا سبب کیا ہے۔ ان کی بات سنکر میں پریشان ہوا اور اپنے اسرار و رموز کی کچھ باتیں انہیں پیش کیں۔ اسی اثناء میں مولائے مہربان نے الہام فرمایا کہ کیا تم نے ہماری کتاب میں یہ نہیں پڑھا كانت لهم جنات الفردوس نزلا (۱) (ان بندگان خدا کے لئے فردوس کے باغ بطور مہمانی ہیں) نزل اس چیز کو کہتے ہیں جو بوقت آمد فوری طور پر مہمان کے لئے بچھائی جاتی ہے تا کہ وہ اس پر بیٹھ جائے۔ اس کے بعد اس کی ضیافت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ پس تم اس قدر گریہ و زاری کیوں کر رہے ہو؟

علوم اولیاء

اس فقیر نے حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیمؒ) کے خادم قدیم شیخ فقیر اللہؒ سے (جو حسب ذیل واقعہ کے عینی شاہد اور قاصد رہے ہیں) خود سنا ہے کہ محمد فاضلؒ کے رشتہ داروں میں سے رابعہ نامی ایک عورت کے بچہ نہیں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے حضرت والا سے استمداد کی۔ آپ نے توجۂ کامل سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ جب نومولود سات ماہ کا ہوا تو اس پر حالت نزع طاری ہوگئی۔ آپ اس وقت اکبر آباد (آگرہ) میں تھے۔ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کے دل پر روشن کیا کہ یہ شخص (نومولود) جو تمہارے متوسلین میں سے تھا قریب المرگ ہے مگر تجھے غمگین نہیں ہونا چاہئے۔ ہم تجھے اس کا اجر جمیل عطا کریں گے۔ اس سانحہ کو دل سے نکال دیجئے۔ اس الہام کے بعد آپ کی حالت درست ہوگئی مگر آپ کو قدرے تامل ہوا کہ یہ متوسل کون ہے۔ اس خیال

---

(۱) پ ۱۶۔ س ۱۸۔ ت ۱۰۷

کے آتے ہی آپ پر منکشف ہوا کہ یہ رابعہ کا بچہ ہے جو فلاں تاریخ اور فلاں وقت میں مر گیا ہے۔ آپ نے شیخ فقیر اللہ کو بھیجا تا کہ محمد فاضل کو اس سارے قصے سے آگاہ کرے اور رسم تعزیت بھی ادا کرے۔ محمد فاضل نے اس واقعہ کو وقت اور تاریخ کے ساتھ ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیا۔ ایک ہفتہ بعد اس کا خط پہنچا تو مذکورہ واقعہ بے کم و کاست سچ ثابت ہوا۔

بدعتی کی مجلس میں جانے پر تنبیہ

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک صاحب کشف آدمی کی تعریف سن رکھی تھی میں نے چاہا کہ اس کی صحبت سے کچھ حاصل کروں تو میرے دماغ میں یہ بات سموئی گئی کہ وہ بدعتی ہے اس کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ میں نے اس واہمہ کو دل سے نکال دیا۔ دوبارہ دماغ میں یہ خیال ڈالا گیا۔ پھر میں نے اسے جھٹک دیا اور اٹھا کہ اس کے پاس جاؤں مگر بغیر کسی کیچڑ، سنگ و خشت اور لکڑی کے میرا پاؤں پھسلا۔ شدید چوٹ لگی اور میں گر پڑا دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ اگر پہلی مرتبہ کے انتباہ پر عمل کرتے تو یہ تکلیف نہ پہنچتی۔

فرمایا کرتے تھے کہ مجھے الہام کیا گیا ہے کہ تیرا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔ او کما قال۔

جبۂ غوث الاعظمؒ

فرمایا کرتے تھے ایک دن میرے دل میں ایک بات ڈالی گئی جس کا اجمال یہ ہے کہ آج تجھے ایک نعمت ملے گی۔ میں سیر و تفریح کے خیال سے باہر نکل کر شہر کے بعض مقامات سے گزرا تو دل نے یہ گواہی دی کہ تیرا مطلوب یہیں ہے میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش یا فاضل ہے تو جواب ملا کہ ہاں فلاں درویش یہاں رہتا ہے۔ میں اس کی زیارت کو پہنچا تو وہ کہنے لگا کہ حضرت غوث الاعظمؒ کا جبہ تبرکا مجھ تک پہنچا ہے اور آج رات مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج کے دن جو شخص بھی سب سے پہلے میرے سامنے آئے میں یہ جبۂ مبارکہ اسے دیدوں۔ میں نے وہ جبہ اس درویش سے لے لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

نگاہِ ولی

ایک دن سمت قبلہ کے تعین کی بات چل پڑی تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہماری چشم وجدان کے مشاہدہ کے مطابق عمل کیا جائے تو چاہیے کہ اس سمت کو کھڑے ہوں۔ یہ کہہ کر آپ قدرے

دائیں طرف کو مڑ گئے۔

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ذکر اسم ذات کے دوران میں نے بعض فرشتوں کو دیکھا کہ میرے اردگرد بیٹھے ہوئے تسبیح و تقدیس اور تحمید و تکبیر میں مشغول ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے قریب آؤ اور ذکر اسم ذات میں میرا ساتھ دو۔ کہنے لگے ہم تیرے نزدیک آنے اور تیرے ذکر میں شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ذکر اسم ذات میں مقام کمال

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے حال میں بازاری لوگوں کی آوازیں بھی مجھ پر اسم ذات کی صورت میں ظاہر ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے نیا جوتا پہنا تو چلنے میں اس سے جو آواز نکلتی اس پر بھی میں جل جلالہ کہتا جسے سن کر لوگ تعجب کرتے۔

فضیلت بیعت

فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار میں پھلت (۱) میں تھا۔ مجھے ایک درجہ دکھایا گیا کہ یہ درجہ اس شخص کے لئے ہے جو آج کے دن تمہاری بیعت کرے گا۔ اسی روز ایک عورت بیعت کے لئے تیار ہو کر آئی اور رسم کے مطابق شیرینی وغیرہ بھی ساتھ لائی۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہ عورت تو اس درجے کے قابل نہیں۔ تھوڑی دیر گزری کہ اسے ایک زنانہ عارضہ لاحق ہوا اور وہ شرف بیعت حاصل نہ کر سکی۔ صالحات میں سے ایک دوسری نیک بخت آئی۔ اس کی شیرینی وغیرہ خرید کر بیعت کر لی۔

شرف اقتداء

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اس نماز میں جو شخص بھی تیری اقتداء کرے گا وہ بخشا جائے گا۔ اس جماعت میں ایک ایسا آدمی تھا جس کے بارے میں میرا دل یہ گواہی دیتا تھا کہ اسے یہ دولت نصیب نہیں ہوگی۔ جب تکبیر کہی گئی

---

(۱) پھلت ضلع مظفر نگر (یوپی) کا ایک گاؤں ہے جو میرٹھ سے شمال کی طرف تقریباً بیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا مولد اور ننھیال بھی پھلت ہے۔ شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی شاہ اہل اللہؒ کا مزار بھی یہیں ہے۔

تو اتفاق اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ جب وہ دوبارہ وضو کر کے پہنچا تو ہم نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ ایک اور اجنبی شخص آیا اور اس کی جگہ شریک نماز ہو گیا۔

عطیۂ سرکار دو جہاںؐ

فرمایا کرتے تھے کہ ابتداء میں میں نے چاہا کہ دائمی روزہ اختیار کروں۔ حضرت ختمی مرتبت علیہ السلام کی بارگاہ میں متوجہ ہوا تو بچشم حقیقت دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روٹی عطا فرمائی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا الھدایا مشترک ہدیہ مشترک ہوتا ہے۔ میں نے وہ روٹی ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ انھوں نے ایک ٹکڑا لے لیا۔ اسی وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ الھدایا مشترک میں نے پھر روٹی انہیں پیش کی۔ انھوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا الھدایا مشترک تو میں نے ان کی بارگاہ میں روٹی پیش کی۔ انھوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ اسی دوران حضرت عثمانؓ نے فرمایا الھدایا مشترک میں نے عرض کی اگر روٹی اسی طور تقسیم ہوتی رہی تو اس درویش کو کیا حصہ ملے گا؟ آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اسی موقع پر میں بیدار ہو گیا۔ ایک عرصہ تک میں غور و فکر کرتا رہا کہ حضرت ذوالنورینؓ کی باری پر حرف عذر کہنے میں آخر کیا نکتہ پوشیدہ تھا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ مثالی صورتوں میں ایسے امور اور وقائع کی مثالوں سے رابطہ مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے طریقۂ نقشبندیہ کا تعلق ہے۔ حضرت عمرؓ تک ہمارا شجرہ نسب پہنچتا ہے اور حضرت علیؓ کی ذات گرامی کے ساتھ والدہ کی طرف سے ہماری نسب اور اصل کا تعلق ہے اور طریقۂ نقشبندیہ نیز دیگر سلاسل صوفیا بھی انہی کی ذات گرامی تک پہنچتے ہیں اور بعض واقعات میں آنجناب کی ذات گرامی سے ہم نے فیوض بھی حاصل کئے ہیں تو یہ معاملہ ان اصحاب ثلثہ کی ذات گرامی تک محدود رہنا ضروری تھا۔ جبکہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان وجوہات واسباب میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

مشکل میں حضورؐ کی دستگیری

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ماہِ رمضان میں ایک دن میری نکسیر پھوٹ پڑی تو مجھ پر ضعف طاری ہو گیا۔ قریب تھا کہ میں کمزوری کی بنا پر روزہ افطار کر لوں کہ صوم رمضان کی فضیلت کے

ضائع ہونے کا غم لاحق ہوا۔ اسی غم میں قدرے غنودگی طاری ہوئی تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے تعویذ اور خوشبودار زردہ مرحمت فرمایا ہے۔ پھر انتہائی خوشگوار ٹھنڈا پانی عطا فرمایا جو میں نے سیر ہو کر پیا۔ میں اس عالم غنودگی سے نکلا تو بھوک اور پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی اور میرے ہاتھوں میں ابھی تک زردہ کے زعفران کی خوشبو موجود تھی۔ عقیدت مندوں نے احتیاطاً میرے ہاتھ دھو کر پانی محفوظ کر لیا اور تبرکاً اس سے روزہ افطار کیا۔

مجلس سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت ختمی مرتبت (علیہ اتم الصلوٰۃ واکمل التحیات) کو بچشم حقیقت اس انداز میں دیکھا کہ آپؐ یاقوت سرخ کی ایک ایسی مسجد میں تشریف فرما ہیں کہ جس کا ظاہر و باطن حسن و خوبی کا مظہر ہے۔ آپؐ بہ شکل مراقبہ تشریف فرما ہیں اور صحابہ کرامؓ و اولیائے کاملین بھی مراقبے کی صورت میں صف باندھے ہوئے آپ کے اردگرد بیٹھے ہیں۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ یاقوت کے رنگ کا پردہ لٹکا ہوا ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ اور خواجہ نقشبند قدس اللہ اسرارہما اندر سے اٹھ کر میرے پاس آئے اور میرے ہی بارے میں آپس میں مناظرہ کرنے لگے۔ حضرت غوث الاعظمؒ فرمانے لگے کہ اس شخص کے آباء و اجداد میرے خلفاء سے توسل رکھتے تھے اس لئے میں اس سے زیادہ قریب ہوں اور حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا اس شخص کے میرے خلفاء سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ اس لئے مجھے اس پر زیادہ حق حاصل ہے یعنی آپ کی مراد اس سے تھی کہ اس نے شیخ رفیع الدینؒ خلیفہ خواجہ محمد باقی سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ اس گفتگو نے طول پکڑا یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ اس مجلس کے ختم ہونے تک کہیں میں اس فیض سے محروم نہ رہ جاؤں۔ بالآخر حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا جب کہ آپ کے اور ہمارے طریقے میں کوئی فرق نہیں تو پھر اس قدر مناظرے کی کیا ضرورت ہے۔ خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ اگر کچھ فرق نہیں تو پھر یہ سعادت میں کیوں نہ حاصل کروں۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔ آپ ہی اسے اندر لے جائیے۔ حقیقت میں یہ شخص میرا اعز و شرف ہے اور میں اسے اپنی ہی نسبت سے بہرہ ور کروں گا۔ یہ تمام مناظرہ ایسے ادب و احترام کی فضا میں ہوتا رہا۔ جس سے زیادہ بہتر صورت ناممکن ہے۔ اسی وقت خواجہ نقشبند نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس مسجد

میں داخل کیا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل صف سے ذرا آگے لا بٹھایا اور آپ میرے ساتھ صفِ برابر میں بیٹھ گئے۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس صورت میں بجز اس کے اور کیا حکمت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراقبے سے سر اٹھائیں تو سب سے پہلے آپ کی نگاہ کرم مجھ پر پڑے اور جب کوئی شخص پوچھے کہ تجھے کون لایا ہے تو خواجہ نقشبند عرض کر سکیں کہ اسے میں نے حاضر کیا ہے۔ خواجہ اس خیال پر مطلع ہوئے اور فرمایا کہ واقعی اس انداز میں بٹھانے کا سبب یہی ہے۔

اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مراقبے سے سر اٹھایا اور بے پایاں لطف و کرم سے مشرف فرمایا۔ کاتب الحروف کا گمان ہے کہ اس واقعے کا تتمہ یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلوت میں لے گئے اور نفی و اثبات کی عجیب و غریب کیفیات سے تلقین فرمائی۔ واللہ اعلم۔

جمال محمدی

فرمایا کہ انا املح واخی یوسف اصبح والی حدیث کے بارے میں میرے دل میں حیرت پیدا ہوتی تھی کیونکہ ملاحت حسن عاشقوں کے لئے صباحت سے زیادہ بے قراری واضطراب کا موجب بنا کرتی ہے اور یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسفؑ لباس فاخرہ پہن کر جلوہ گر ہوتے تھے تو جمال یوسفی کی تاب نہ لا کر بہت سے لوگ دارالبقا کو سدھار جاتے تھے۔ جب کہ اس قسم کی کوئی بات حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہیں ہے تو معاملہ برعکس ہونا چاہئے تھا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے چشم حقیقت سے دیکھا اور اس نکتے کے بارے میں استفسار کیا تو فرمانے لگے کہ خدائے غیور نے میرے جمال حسن کو لوگوں کی آنکھوں سے مستور رکھا ہے۔ اگر میرا حسن ظاہر ہو جاتا تو ہر شخص وہی کچھ کرتا جو یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والے کیا کرتے تھے۔ اسی توجیہ سے میں نے جانا کہ حضرت عائشہ یا حضرت فاطمہ علیہما السلام کی یہ روایت کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عمر میں ایک یا دو بار دیکھا ہے کیا معنی رکھتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان معصومات کو قوت اخذ و قبول کے مطابق اس جمال جہاں آراء کے خم خانے سے ان تک ایک آدھ جرعہ پہنچا ہے۔

ولایت اور نبوت کے مراتب اور ان میں فرق

فرمایا کہ حضرت سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میں نے صورت واقعی میں دیکھا۔ میری طرف متوجہ ہوئے۔ محض توجہ گرامی سے میں مقامات اولیاء کو عبور کر گیا اور وہ تمام مقامات مجھ پر بخوبی منکشف ہو گئے حتیٰ کہ میں اس مقام تک جا پہنچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ولی اس سے آگے جا ہی نہیں سکتا۔ میں نے عرض کی کہ اس فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس محال (ناممکن) کی طرف متوجہ ہوں وہ امکان کی صورت قبول کر لیتا ہے۔ کچھ مشکل نہیں کہ استعداد نہ ہونے کے باوجود بھی اس مقصود کا چہرہ مجھ پر جلوہ نمائی کرے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری روح کو اپنی روح کے سائے میں لے کر مقام صدیقیت سے بھی عبور فرما گئے جو ولایت کا انتہائی مقام ہے۔ وہاں برزخ ہمارے سامنے دیا گویا آگ کا دریا ہے جسے کوئی ولی پار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ولایت کے مقامات سابقہ کی مثل ہم پر کچھ مقامات منکشف ہوئے۔ مقام صبر اور مقام توکل سابق مقامات کی طرح ہمیں مشاہدہ کرائے گئے بجز اس فرق کے کہ اب یہ مقامات بطور حقیقت دکھلائے گئے جبکہ سابق مقامات محض مجازی تھے گویا اس مرتبہ یہ مقامات اصولی کی حیثیت رکھتے تھے جب کہ پہلی مرتبہ اشباح وتماثیل کی صورت میں دکھائے گئے

کاتب الحروف نے حضرت والد ماجد کی روح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے سائے (ضمن) میں لینے کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمانے لگے یوں محسوس ہوتا تھا گویا میرا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے مل کر ایک ہو گیا ہے خارج میں میرے وجود کی کوئی الگ حیثیت نہیں تھی بجز اس کے کہ میرا علم مجھے اپنا شعور دلا رہا تھا۔ کاتب الحروف کے نزدیک واقعہ مذکورہ میں آگ کے دریا کو مثالی صورت میں دیکھنے کے سرِ مخفی کا سمجھنا اس مقدمے پر موقوف ہے کہ نبوت کے حصول کا سبب ہر مصلحت سے خالی محض عنایت ازلی کی توجہ کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ عنایت ازلی کی توجہ سے نبوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور اس کی قوم کو دنیا میں ہونے والے عظیم واقعات طوفانوں اور قیامت وغیرہ کے آثار وقرائن سے مطلع کرتا رہتا ہے اس کے برعکس اولیائے کرام کا ہر کمال محض ان کے نفوس قدسی کی استعداد اور ہمت پر منحصر ہوتا ہے گویا کمالات ولایت کے عطا کرنے میں عالم انفس وآفاق کی مصلحتوں اور تدابیر کی بہ نسبت اولیاء کے

نفوس اور ذوات کی مصلحتوں کا بطور خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ان کے مقابلے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت عالم انفس اور عالم آفاق میں حکما تدبیر عالم و مصالح کے رموز و اسرار پر محتوی و مشتمل ہوتی ہے۔ پہلا حکم یعنی مصلحت تدبیر عالم انفس وجود ذہنی رکھتا ہے اور دوسرا حکم یعنی مصالح تدبیر عالم آفاق وجود خارجی۔ حکم اول کا منشاء حکمت خلق اور حکم ثانی کا منشا حکمت تدبیر ہے۔ مجموعی طور پر پہلے حکم یعنی مصالح تدبیر عالم انفس میں کسب و محنت اور ریاضات کو بھی دخل ہے مگر نبوت کے حکم ثانی یعنی مصلحت تدبیر عالم آفاق میں کسب و محنت نہیں بلکہ موہبت الٰہی اور عنایت ازلی کو دخل ہے گویا حکم اول کے لئے الگ استعداد کی ضرورت ہے اور حکم ثانی کے لئے دوسری استعداد کی حاجت۔

حاصل کلام یہ کہ کمالات نبوت کے حکم ثانی کے ممتنع الحصول یا ناممکن الحصول ہونے کی وجہ سے کمالات اول کی استعداد و اہلیت رکھنے اور روح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغلگیر ہونے کی بنا پر حضرت والد ماجد کے سامنے کمال ثانی یعنی مصالح تدابیر عالم آفاق کو آگ کے دریا کی شکل میں برزخی طور پر پیش کیا گیا۔

موئے مقدس کی برکات

فرمایا کہ ایک بار مجھے بخار نے آلیا اور بیماری نے طول پکڑا یہاں تک کہ زندگی سے ناامید ہو گیا۔ اسی دوران مجھ پر غنودگی طاری ہوئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالعزیزؒ سامنے موجود ہیں اور فرما رہے ہیں بیٹے! حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تیری بیمار پرسی کو تشریف لا رہے ہیں اور شاید تیری پائتی کی طرف سے تشریف لائیں۔ اس لئے چارپائی کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ حضور کی طرف تمہارے پاؤں نہ ہوں۔ یہ سن کر مجھے کچھ افاقہ ہوا۔ قوت گویائی نہیں تھی۔ حاضرین کے میرے اشارے پر چارپائی کا رخ پھیر دیا۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم تشریف فرما ہوئے اور فرمایا **کیف حالک یا بنی** (اے بیٹے کیسے ہو)

اس کلام کی لذت اس قدر غالب ہوئی کہ مجھ پر آہ و بکا اور وجد و اضطراب کی عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس انداز سے اپنی بغل میں لیا کہ آپ کی داڑھی مبارک میرے سر پر تھی اور آپ کا جبہ مبارک میری آنکھوں سے تر ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ

وجد و اضطراب کی کیفیت حالت سکون میں بدل گئی۔ اسی وقت میرے دل میں آیا کہ ایک مدت سے موئے مبارک کے حصول کی آرزو رکھتا ہوں۔ کیا ہی کرم ہو کہ اس وقت تبرک عنایت فرمائیں۔ میرے اس خیال سے آپ مطلع ہوئے اور داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو مقدس بال میرے ہاتھ میں تھما دیئے۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ یہ دونوں مقدس بال عالم بیداری میں بھی میرے پاس رہیں گے یا نہیں۔ اس کھٹکے پر مطلع ہو کر آپ نے فرمایا۔ یہ دونوں بال عالم ہوش یا بیداری میں بھی باقی رہیں گے۔ اس کے بعد آپ نے صحت کلی اور طویل عمر کی خوشخبری سنائی۔ اسی وقت مرض سے افاقہ ہو گیا۔ میں نے چراغ منگوایا وہ دونوں مقدس بال اپنے ہاتھ میں نہ پائے تو میں غمگین ہو کر بارگاہ عالی کی طرف متوجہ ہوا۔ غیبت واقع ہوئی اور آنحضورؐ مثالی صورت میں جلوہ فرما ہوئے، فرمایا اے بیٹے! عقل و ہوش سے کام لو وہ دونوں بال احتیاطاً تمہارے سرہانے کے نیچے رکھ دیئے تھے۔ وہاں سے لے لو۔ افاقہ ہوتے ہی میں نے وہ مقدس بال وہاں سے اٹھائے تعظیم و تکریم سے ایک جگہ محفوظ کر کے رکھ دیئے۔ اس کے بعد دفعتہً بخار ٹوٹا اور انتہائی ضعف، نقاہت طاری ہوئی۔ عزیزوں نے سمجھا کہ موت آپہنچی، رونے لگے۔ مجھ میں بات کرنے کی سکت نہیں تھی۔ سر سے اشارہ کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد اصل طاقت بحال ہوئی اور صحت کلی نصیب ہوئی۔ اسی سلسلے میں یہ کلمات بھی فرمائے تھے کہ ان دو بالوں کے خواص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپس میں گتھے رہتے ہیں مگر جب درود پڑھا جائے تو جدا جدا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ تاثیر تبرکات کے منکروں میں سے تین آدمیوں نے امتحان لینا چاہا۔ میں اس بے ادبی پر راضی نہ ہوا مگر جب مناظرے نے طول کھینچا تو کچھ عزیز ان مقدس بالوں کو سورج کے سامنے لے گئے۔ اسی وقت بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا۔ حالانکہ سورج بہت گرم تھا اور بادلوں کا موسم بھی نہیں تھا۔

یہ واقعہ دیکھ کر منکروں میں سے ایک نے توبہ کی اور دوسروں نے کہا یہ اتفاقی امر ہے۔ عزیز دوسری مرتبہ لے گئے تو دوبارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا۔ اس پر دوسرے منکر نے بھی توبہ کر لی۔ مگر تیسرے نے کہا یہ تو اتفاقی بات تھی۔ یہ سن کر تیسری بار موئے مقدس کو سورج کے سامنے لے گئے۔ سہ بارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا تو تیسرا منکر بھی توبہ کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ موئے مبارک زیارت کے لئے باہر لے آیا۔ بہت بڑا

مجمع تھا۔ ہر چند صندوق تبرک کا تالا کھولنے کی کوشش کی گئی لیکن نہ کھلا۔ اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا فلاں آدمی ناپاک ہے۔ جس کی ناپاکی کی شامت کے سبب یہ نعمت میسر نہیں آ رہی۔ عیب پوشی کرتے ہوئے میں نے سب کو تجدید طہارت کے لئے حکم دیا۔ وہ ناپاک آدمی بھی مجمع سے چلا گیا اور اسی وقت بڑی آسانی سے تالا کھل گیا اور ہم سب نے زیارت کی۔ حضرت والد ماجد نے آخری عمر میں جب تبرکات تقسیم فرمائے تو ان دونوں بالوں میں سے ایک کاتب الحروف کو عنایت فرمایا جس پر پروردگار عالم کا شکر ہے۔

سجدہ غیر اللہ کی ممانعت

فرمایا ایک مرتبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بچشم حقیقت دیکھا۔ جب اس مظہر اتم میں صفات الٰہیہ کا کمال ظہور مشاہدہ کیا تو سجدے میں گر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار تعجب کے طور پر انگلی منھ میں دبالی اور اس شکل سے منع فرمایا۔ بارہا دل میں آیا کہ اس صورت سے منع کرنے میں کیا نکتہ پنہاں تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انسان کو دو طرح سے سجدہ کیا جاسکتا ہے ایک اس صورت میں کہ اس کے معبود ہونے کا اعتقاد دل میں ہو اور یہ کفر ہے دوسرا اس صورت میں کہ اس میں صفات الٰہیہ کے ظہور کا مشاہدہ کر کے سجدہ کیا جائے اور یہ مشابہت کفر کی وجہ سے ممنوع ہے لہٰذا اس باریک فرق کی بنا پر اس وضع سے آپ نے منع فرمایا۔

قرابت رسولؐ کا مقام

فرمایا ایک آدمی کے سید یا غیر سید ہونے کے بارے میں مجھے تردد تھا۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ گویا ایک پلنگ پر دراز سو رہے ہیں۔ عنایت سے پیش آئے اور آخر میں فرمایا پلنگ کے نیچے دیکھو میں نے اس شخص کو دیکھا، سو رہا ہے۔ فرمایا اگر سید ہونے کی قرابت نہ رکھتا تو یہاں کیسے پہنچتا

حضور کا پسندیدہ درود

فرمایا کہ ایک دن میں نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حاضرین میں سے ہر شخص اپنے فہم و فراست کے مطابق آپ کی بارگاہ میں درود پیش کر رہا ہے۔ میں نے بھی یہ درود عرض کی اللھم صل علی محمد النبی الامی و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔ جب آپ نے یہ سنا تو آپ کے چہرۂ مبارک سے بشاشت اور تازگی نمودار ہو رہی تھی۔

حضورؒ کی نیاز کی اشیاء کی بارگاہِ نبوی میں مقبولیت

فرمایا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عرس مبارک کے دنوں میں ایک مرتبہ اتفاقاً خزانۂ غیب سے کچھ میسر نہ آسکا کہ میں کچھ طعام پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کی نیاز دلوا سکتا۔ لہٰذا تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے اور قند پر اکتفا کرتے ہوئے میں نے آپ کی نیاز دلوادی۔ اسی رات بچشم حقیقت دیکھا کہ انواع واقسام کے طعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیے جارہے ہیں۔ اسی دوران وہ قند اور چنے بھی پیش کیے گئے۔ انتہائی خوشی ومسرت سے آپ نے وہ قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا اور تھوڑا سا اس میں سے تناول فرما کر باقی اصحاب میں تقسیم فرمادیا۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس قسم کا قصہ اگلے بزرگوں سے بھی روایت کیا جاتا ہے مگر یہ قصہ بلاشبہ حضرت والد ماجد کا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ توارد ہوگیا ہو۔

نسبت فقر

فرمایا امر واقعہ میں دیکھا کہ حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما کسی راستے میں یاقوت سرخ کی بہلی پر سوار ہیں جو بغیر جانوروں کے محض قدرت الٰہی سے چل رہی ہے۔ میں بھی ان کے ہم رکاب سیر کررہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آؤ اور ہمارے ساتھ بہلی میں بیٹھ جاؤ۔ مگر میں رعایت ادب کی وجہ سے اس بات پر راضی نہیں ہوا بلکہ بات ہلکے مزاح پر جا پہنچی اور بلا کر فرمایا کہ بہلی کے پردے کو نیچے لٹکا دو۔ میں اس کے پائے پر چڑھ کر پردہ لٹکانے ہی والا تھا کہ ایک ہاتھ سے حضرت امام حسنؓ اور دوسرے ہاتھ سے امام حسینؓ نے مضبوط پکڑ لیا اور ہنستے ہوئے فرمایا۔ اب خبر دیجیے کیسے رہے۔ میں نے عرض کی کہ اس شخص کی حالت کا بیان کی جائے جس کے دونوں ہاتھ قرۃ العین حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ سلم کے ہاتھوں میں ہوں۔ بہر حال مجھے بہلی میں بٹھا کر مسرت وشادمانی کے ساتھ اپنے گھر تک لائے جہاں مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ملاقات نصیب ہوئی۔ آنجناب کی خدمت میں میں نے التماس کی کہ ہم فقیروں کو کسب وریاض سے جو نسبت فقر حاصل ہوتی ہے۔ کیا وہی نسبت ہے جو حضرت پیغمبرؐ کی بارگاہ سے صحابہ کرام حاصل فرمایا کرتے تھے یا زمانہ دراز گزرنے کے سبب اب کچھ تبدیل ہوگئی ہے۔ فرمانے لگے کچھ دیر اپنی نسبت میں غرق

ہو جاؤ تا آنکہ میں اپنی نسبت روحانی کی طرف متوجہ ہو کر مستغرق ہوا تو تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا کہ تمہیں بھی بغیر کسی فرق کے وہی نسبت حاصل ہے جو صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی۔

اجازتِ سلسلہ

فرمایا کہ ابتدائے احوال میں مختلف طریق سلوک کے اصحاب طریقت کو میں نے دیکھا اور ان سے امر واقعی میں اجازت حاصل کی۔ منجملہ ان اصحاب طریقت کے حضرت خواجہ نقشبند کو بھی میں نے بچشم حقیقت دیکھا کہ لکڑی کے پیالے میں انھوں نے مجھے پانی دیا میں نے سیر ہو کر پیا پھر انھوں نے مختلف طریق وسلاسل کی باتیں بیان کیں اور آخر میں تلقین طریقہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

خواجہ اجمیری سے خلافت

فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ کو میں نے دیکھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک چراغ روشن ہے لیکن اس چراغ کی بتی حرکت کی محتاج تھی تاکہ تازہ ہو کر روشنی پھیلا سکے۔ مجھے انھوں نے اس خدمت پر مامور فرمایا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اپنی خاص نسبت مجھے عنایت فرمائی اور اس واقعے کی تعبیر بھی اجازت طریقہ تھی۔

سیر روحانی

فرمایا کہ ایک بار اولیاء اللہ کے سلاسل مجھے اس طرح مشاہدہ کرائے گئے کہ گویا ایک وسیع بازار ہے جس میں خوبصورت پختہ دکانیں ہیں اور ہر دکان میں صاحب سلسلہ بزرگ اپنے اپنے خلفاء اور معتقدین کے ساتھ فروکش ہیں۔ میں سب بزرگوں کی زیارت کرتا ہوا بازار سے گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت غوث اعظمؒ کی دوکان پر پہنچا اور آپ کی مجلس مبارک میں بیٹھ گیا۔ اس وقت الاعیان ما شمت رائحة الوجود پر بحث ہو رہی تھی۔ حاضرین میں سے ہر شخص اپنی فہم وفراست کے مطابق اس کے معانی بیان کر رہا تھا اپنی باری پر میں نے اس کا مفہوم بیان کیا۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے میری تشریح پر خوش ہو کر فرمایا غرض آں بے چارہ ہمیں بود (اس بیچارے (مصنف) کی مراد بھی یہی تھی) اس واقعے کو عرصہ گزر گیا۔ لیکن فارسی زبان میں ادا کئے ہوئے

آپ کے یہ کلمات ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ اس کے بعد آپ اس مجلس سے اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے اور فرمانے لگے۔ کیا تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی کھٹکا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! تمام صاحب سلسلہ بزرگوں نے مجھے بلا واسطہ اجازت وخلافت عطا فرمائی ہے سوائے آپ کے! آپ نے فرمایا۔ میرے خلفاء سے تم نے اجازت حاصل کر لی ہے۔ گویا بلا واسطہ مجھ سے کسب فیض کر لیا ہے۔ کیونکہ میرے خلفاء اور میں معناً ایک ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یہ درست ہے لیکن بلا واسطہ فیض میں ایک خاص لطف ولذت ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا: اچھا میں نے بھی تم کو اجازت دی۔ میرے طریقہ پر لوگوں کو ارشاد وسلوک کی تعلیم دو۔ جب اشغال کی نوبت آئی۔ فرمایا تم نے ابتدائی، درمیانی اور انتہائی تینوں قسم کے اشغال کر رکھے ہیں۔ مزید ضرورت نہیں ہے۔ پھر آپ نے میرے دل پر توجہ ڈالی اور خاص نسبت عنایت فرمائی بعد میں آگے روانہ ہوا اور سلاسل کی سیر کرتا رہا۔ اس دوران میں نے بے شمار عجائب وحقائق دیکھے۔ آخر میں عرش کے زیر سایہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سلسلہ عرش کے ساتھ معلق ہے اور حضرت خواجہ نقشبندؒ اس کو تھامے ہوئے حالت استغراق میں ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ کے استغراق کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے خلفاء (زندہ ہوں یا رفتہ) میں مخلوق کی طرف توجہ کی ریاضت ومشقت زیادہ ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) عرض کرتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت کی وسعت لطیفۂ سر میں زیادہ ہے اور حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت کی وسعت لطیفۂ روح میں روحانی تربیت اسی اعتبار سے ظہور پذیر ہوتی ہے اسی طرح قدیم صوفیائے کرام کی نسبت لطیفہ نفس میں زیادہ ہے۔ اسی بناء پر قدیم صوفیائے کرام کے ہاں سخت مشکل ریاضتیں پائی جاتی ہیں۔ فتدبر

بظاہر آپ نے بے چارے کا لفظ اسی لئے استعمال فرمایا کہ وہ نفوس قدسیہ کہ جو ارشاد کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک عجیب وغریب علوم ومعارف کو خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔

مقامات اولیاء

فرمایا کہ ایک بار میں حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گیا۔

یکا یک میرے دل خیال پیدا ہوا کہ میری گنہگار آنکھیں اور وجود اس قابل نہیں کہ اس مقدس بارگاہ میں حاضری دیں۔ اس خیال کے آتے ہی مزار مبارک سے متصل چبوترے پر رک گیا۔ اسی دوران آپ کی روحانیت جلوہ گر ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ آگے آؤ! میں دو تین قدم آگے بڑھا۔ اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ آسمان سے چار فرشتے ایک تخت اٹھائے ہوئے آپ کی قبر مبارک کے قریب اترے، معلوم ہوا کہ اس تخت پر حضرت خواجہ نقشبندؒ ہیں قران السعدین ہوا۔ دونوں شیوخ نے خلوت میں راز و نیاز کی باتیں کیں۔ اس کے بعد حسب سابق فرشتے تخت کو اٹھا کر روانہ ہو گئے اور حضرت خواجہ قطب الدین میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ نزدیک آؤ میں دو تین قدم اور آگے بڑھا۔ آپ بار بار نزدیک آنے کے متعلق فرماتے رہے اور میں آہستہ آہستہ قریب ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت کے بہت نزدیک ہو گیا۔ پھر آپ نے پوچھا۔ شعر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا کلام حسنه حسن وقبیحه قبیح (شعر بھی منجملہ دیگر کلام کے ہے۔ اس میں جو بہتر ہے وہ اچھا ہے اور جو مخرب ہے وہ قبیح ہے) اس پر آپ نے فرمایا۔ بارک اللہ

پھر آپ نے دریافت فرمایا۔ خوبصورت آواز کے بارے میں تمہارا نظریہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ذالک فضل الله یوتیه من یشاء (یہ لطف ایزدی ہے) آپ نے فرمایا بارک اللہ! لیکن جب یہ دونوں باتیں (شعر و آواز) جمع ہو جائیں پھر؟ میں نے کہا۔ نور علی نور یهدی الله لنوره من یشاء۔ آپ نے فرمایا بارک اللہ۔ تم بھی کبھی کبھار ایک دو بیت سن لیا کرو۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی موجودگی میں آپ نے یہ بات کیوں نہیں فرمائی؟ خلاف ادب تھا! یا مصلحت نہیں تھی! (ان دو باتوں میں سے آپ نے ایک فرمائی) حضرت والد ماجد نے فرمایا عرصے کی بات۔ صحیح الفاظ یاد نہیں ہے۔

بشارتِ فرزند

فرمایا ایک دفعہ میں انہی (حضرت شیخ قطب الدینؒ) کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گیا۔ آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور مجھے فرمایا کہ تمہیں ایک فرزند پیدا ہوگا۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اس وقت میری زوجہ عمر کے اس حصے کو پہنچ چکی تھیں۔ جس میں اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے۔ میرے اس وہم

پر آپ فوراً مطلع ہو گئے اور فرمایا میرا مقصد یہ نہیں بلکہ یہ فرزند (جس کی بشارت دی گئی ہے) خود تمہاری صلب سے ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد دوسرے عقد کا خیال پیدا ہوا اور اسی سے کاتب الحروف فقیر ولی اللہ پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے وقت والد ماجد کے ذہن سے یہ واقعہ اتر گیا اس لئے انھوں نے ولی اللہ نام رکھ دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب انھیں یہ واقعہ یاد آیا تو انھوں نے میرا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔

مجالس ارواح اولیاء

فرمایا ایک دفعہ میں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کو خواب میں دیکھا کہ وضو فرما رہے ہیں اور نماز کی تیاری میں مشغول ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ تو عالم (آخرت) تکلیف (عمل) نہیں ہے۔ یہاں پر وضو اور نماز کی حکمت کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ دنیا میں اکثر وقت ان امور کی انجام دہی میں گزرا ہے اس لئے ان میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں پر ان کی ادائیگی کسی فریضے پر نہیں بلکہ لطف ولذت کی خاطر ہے۔ نماز کے بعد ارواح اولیاء جمع ہوگئیں اور ان کے درمیان گفتگو شروع ہوگئی حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم بھی ہماری محفل میں شامل ہو جاؤ۔ میں اس مقدس مجلس میں جانے سے گریز کرنے لگا۔ اس پر آپ نے فرمایا ہماری مجلس عام مجالس کی طرح نہیں ہے۔ چنانچہ میں حاضر ہوگیا۔ اس روحانی محفل میں وجد بھی دیکھا گیا۔

تصرف اولیاء

فرمایا کہ اکبر آباد میں میرزا محمد زاہد سے تعلیم کے دوران ایک دفعہ درس سے واپسی پر ایک لمبے کوچے سے گزر ہوا۔ اس وقت میں خوب ذوق میں سعدی شیرازیؒ کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است — جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق — علمی کہ رہ بحق ننماید جہالت است

اتفاق کی بات چوتھا مصرعہ میرے ذہن سے اتر گیا۔ ہر چند ذہن پر زور دیا لیکن یاد نہ آیا۔ اس تار کے ٹوٹنے سے میرے دل میں سخت اضطراب اور بے ذوقی کی کیفیت پیدا ہوئی کہ اچانک ایک فقیر منش، ملیح چہرہ، دراز زلف، پیر مرد نمودار ہوا اور اس نے مجھے لقمہ دیا۔

علمی کہ رہ بحق ننماید جہالت است

میں نے کہا جزاک اللہ خیر الجزاء۔ آپ نے مجھے کتنی پریشانی سے نجات دلائی ہے۔ اور میں نے ان کی خدمت میں کچھ پان پیش کئے۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ یہ بھولا ہوا مصرعہ یاد دلانے کی مزدوری ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں یہ تو بطور ہدیہ اور شکریہ پیش کر رہا ہوں۔ اس پر انھوں نے فرمایا میں پان استعمال نہیں کیا کرتا۔ میں نے عرض کیا۔ پان کے استعمال میں کوئی شرعی پابندی ہے یا طریقت کی رکاوٹ! اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھے بتائیے تاکہ میں بھی اس سے احتراز کروں۔ انہوں نے فرمایا۔ ایسی کوئی بات نہیں البتہ میں پان کھایا نہیں کرتا۔ پھر فرمانے لگے مجھے جلدی جانا چاہئے۔ میں نے کہا میں بھی جلدی چلوں گا۔ انھوں نے فرمایا میں جلد تر جانا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر انھوں نے قدم اٹھایا اور کوچہ کے آخر میں رکھا۔ میں جان لیا کہ کسی اہل اللہ کی روح مبارک انسانی شکل میں جلوہ گر ہے میں نے آواز دی کہ اپنے نام سے تو اطلاع دیتے جائیے تاکہ فاتحہ تو پڑھ لیا کروں! فرمایا فقیر کو سعدیؒ کہتے ہیں۔

مقام مجاذیب

فرمایا میں نے چشم حقیقت سے دیکھا کہ میں آسمان پر گیا ہوں۔ وہاں ایک شخص گدڑی لپیٹے ہوئے محو خرام ہے اور اس سے محبت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص حلقۂ مجاذیب کا سرخیل ہے اور ہر مجذوب اس کا خوشہ چین ہے۔ ظاہراً یہ مجذوب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان مبارک سے پہلے ہو گزرا ہے۔

کاتب الحروف عرض پرداز ہے کہ ممکن ہے کہ مجاذیب کے لئے یہ مثالی صورت تربیت الٰہی اور عقل و خرد سلب کرنے والی عظیم نسبت کا راز ہو۔

دعوت مخدوم اللہ دیہؒ

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے ان احباب سے جو خود اس واقعے میں عینی شاہد تھے۔ سنا ہے کہ ایک بار حضرت والد ماجد، مخدوم شیخ اللہ دیہ صاحب کے مزار کی زیارت کے لئے قصبہ ڈاسنہ میں گئے ہوئے تھے۔ یہ رات کا وقت تھا۔ اسی دوران آپ نے فرمایا کہ مخدوم صاحب نے ہماری دعوت کی ہے اور فرمایا ہے کہ کچھ تناول کر کے جائیں۔ آپ نے دعوت کا انتظار فرمایا۔ یہاں تک

کہ رات گزر جانے کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت بھی ختم ہوگئی۔ احباب ملول ہوئے، اچانک ایک عورت میٹھے طعام کا تھال لئے نمودار ہوئی اور اس نے کہا میں نے منت مانی تھی کہ جس وقت میرا شوہر گھر واپس آئے گا میں اسی وقت طعام پکا کر مخدوم اللہ دیہ کی درگاہ میں قیام پذیر فقراء میں تقسیم کروں گی۔ اسی وقت میرا شوہر گھر واپس پہنچا ہے میں نے اپنی منت پوری کی ہے۔ میری خواہش تھی کہ خدا کرے اس وقت رات گئے درگاہ میں کوئی موجود ہوتا کہ طعام تناول کرے۔

ذکر الٰہی

فرمایا ایک دفعہ رات کے وقت میں سیر کرتا ہوا ایک بہت ہی خوبصورت مقبرے میں پہنچا۔ میں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا۔ اسی اثناء میں میرے دل میں خیال آیا کہ اس جگہ اس وقت میرے بغیر کوئی شخص بھی ذکر الٰہی میں مصروف نہیں ہے اس خیال کے آتے ہی اچانک ایک کوزہ پشت معمر شخص ظاہر ہوا۔ اور اس نے پنجابی زبان میں گانا شروع کیا۔ اس کے گیت کا مفہوم یہ تھا۔

دوست کے دیدار کی آرزو مجھ پر غالب آگئی ہے

میں اس کے نغمے سے متاثر ہو کر اس کی طرف بڑھا۔ میں جوں جوں اس سے نزدیک ہو رہا تھا وہ اس قدر مجھ سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ تمہارا خیال یہ ہے کہ اس مقام پر تمہارے علاوہ اور کوئی ذاکر نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا۔ میرا یہ خیال زندوں کے بارے میں تھا۔ اس پر اس نے کہا۔ اس وقت تو تم نے مطلق تصور کیا تھا۔ اب تخصیص کر رہے ہو۔ اس کے بعد وہ غائب ہوگیا۔

حسن نیت

فرمایا۔ شیخ بایزید اللہ گو نے حرمین کی زیارت کا قصد کیا۔ آپ کی معیت میں بہت سے ضعیف العمر، بچے اور عورتیں بھی تیار ہوگئیں حالانکہ زاد راہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ برادر گرامی اور میں نے متفق ہو کر ارادہ کیا کہ انہیں واپس لایا جائے۔ جب ہم تغلق آباد پہنچے تو دن بہت گرم ہو چکا تھا۔ ہم لوگ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کی غرض سے بیٹھ گئے۔ اس دوران تمام احباب سو گئے اور میں اکیلا ان کے کپڑوں اور سامان کی حفاظت کے لئے جاگتا رہا۔ اپنے آپ کو بیدار رکھنے کے لئے میں نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔ چند سورتیں تلاوت کر کے میں خاموش ہو گیا۔

اچانک قریبی قبور میں سے ایک صاحب قبر مجھ سے مخاطب ہوا۔ قرآن مجید کے زندگی بخش نغمات سننے کے لئے مدت سے ترس رہا ہوں۔ اگر کچھ وقت اور تلاوت کریں تو احسان مند ہوں گا میں کچھ اور تلاوت کر کے پھر خاموش ہو گیا۔ صاحب قبر نے مزید استدعا کی۔ میں نے پھر پڑھا۔ میرے چپ ہونے پر اس نے تیسری بار درخواست کی۔ میں نے اس دفعہ بھی اس کی درخواست قبول کی اور قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں۔ اس کے بعد یہ صاحب قبر مخدومی برادر گرامی جو پاس ہی سو رہے تھے کو خواب میں آیا اور کہا۔ میں نے ان کو بار بار تلاوت کے لئے کہا ہے اب مجھے حیا آتی ہے۔ آپ انہیں فرمائیں کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ زیادہ تلاوت کر کے میرے لئے روح کی غذا فراہم کریں۔ وہ نیند سے اٹھے اور مجھے صورت حال سے آگاہ کیا۔ میں نے نسبتاً زیادہ تلاوت کی اور اس پر ان اہل قبور میں خوشی و مسرت کی خاص کیفیت میں نے محسوس کی اور انہوں نے مجھے فرمایا

جزاک اللہ عنی خیر الجزاء۔

اس کے بعد میں نے ان سے عالم برزخ کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا میں ان قریبی قبروں میں سے کسی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ البتہ میں اپنا حال آپ کو سناتا ہوں۔ جب سے میں نے دنیا سے انتقال کیا ہے۔ میں نے کسی قسم کا عذاب یا عتاب نہیں دیکھا۔ اگرچہ بہت زیادہ انعام واکرام بھی نہیں ہے۔ میں نے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ کون سے عمل کی برکت سے تمہیں نجات ملی ہے۔ اس نے کہا۔ میں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ دنیاوی بکھیڑوں سے خود کو آزاد کروں اور ذکر الٰہی اور عبادات سے غافل کرنے والی چیزوں سے کنارہ کشی کروں۔ اگرچہ اپنے اس ارادے کو مکمل عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ تاہم خدائے تعالیٰ نے میرے حسن نیت کو پسند فرما کر مجھے یہ صلہ عطا فرمایا۔ قیلولہ سے فراغت حاصل کر کے شیخ بایزیدؒ سے صحبت ہوئی اور انہیں واپس لائے۔

تاثیر ذکر

فرمایا ایک دفعہ میں حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی درگاہ کے قریب سیر کر رہا تھا۔ اس دوران مجھے ایک ایسی قبر نظر پڑی کہ اس کے ذکر کی وجہ سے زمین سے تحت الثری اور فضا میں عرش اعلیٰ تک ہر چیز ذاکر ہے۔ مجھے تعجب ہوا۔ میں نے فضیلت پناہ شیخ محمدؒ سے جو اس وقت میرے ہمراہ تھے کہا۔ آپ بھی اس قبر پر مراقبہ کر کے اس کا حال معلوم کریں۔ مراقبے کے بعد قریب انھوں

نے بھی وہی کیفیت بیان کی جو میں مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس وقت وہاں ہمیں ایک عمر رسیدہ دیہاتی ملا۔ میں نے اس قبر کے متعلق اس سے استفسار کیا۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک بزرگ کا مزار ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ اس وقت میری عمر ۸۰ سال ہے۔ میرے والد سو برس کے ہو کر فوت ہو گئے اور میرے دادا نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ میں نے اپنے والد سے سنا ہے وہ اپنے والد سے بیان کرتے تھے کہ اس مزار پر ہر وقت لوگوں کا میلہ لگا رہتا تھا۔ لوگ نذر و نیاز لایا کرتے تھے۔ حضرت قطب الدینؒ کے مزار کی طرح زائرین دور دراز کے علاقوں سے آ کر یہاں قیام پذیر ہوتے تھے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ بزرگ گمنامی میں چلے گئے اور لوگ ان سے غافل ہو گئے۔

قصر نماز

فرمایا ایک سفر کے دوران مجھے خیال آیا کہ سفری نماز میں قصر رخصت ہے کبھی کبھار سفر کی حالت میں مکمل نماز بھی پڑھ لینی چاہیے۔ چنانچہ اس دفعہ میں نے قصر نہیں کی۔ رات کو خواب میں نے حضرت امام شافعیؒ کو دیکھا کہ آپ بیحد مسرور اور میری طرف متوجہ ہیں۔

علوم اولیاء

فرمایا کہ میرے والد شہیدؒ شہادت کے بعد کبھی کبھار ظاہری شکل وصورت میں مجسم ہو کر میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور حال و استقبال کی خبریں سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مخدومی برادر گرامی کی دختر کریمہ بیمار ہو گئی۔ اس کی بیماری نے طول پکڑا۔ انہی ایام میں ایک دن تن تنہا میں اپنے حجرے میں سو رہا تھا کہ اچانک والد شہید تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ کریمہ کو ایک نظر دیکھ لوں لیکن اس وقت گھر میں بہت سی دوسری مستورات آئی ہوئی ہیں۔ ان کی موجودگی میں وہاں جانا طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ تم ان مستورات کو ایک طرف کر دو تاکہ میں کریمہ کو دیکھ لوں! چونکہ اس وقت ان مستورات کا وہاں سے اٹھانا خلاف مصلحت تھا اس لیے میں نے ان کے اور کریمہ کے درمیان پردہ لٹکا دیا۔ اس کے بعد وہ اس طرح ظاہر ہوئے کہ کریمہ اور میرے علاوہ انہیں اور کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ کریمہ نے انہیں پہچان لیا اور کہا عجیب بات ہے کہ لوگ تو ان کو شہید کہتے ہیں حالانکہ یہ زندہ ہیں۔ فرمانے لگے۔ بیٹی! اس بات کو چھوڑو تم نے بیماری میں

کافی تکلیف برداشت کی ہے۔ انشاءاللہ کل صبح کی اذان کے وقت تمہیں مکمل نجات مل جائے گی۔ یہ بات فرما کر اٹھے اور دروازے کے راستے باہر نکلے۔ میں بھی ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ فرمایا تم ٹھہرو! اور پھر غائب ہو گئے۔ دوسرے روز فجر کی اذان کے وقت کریمہ کی روح پرواز کر گئی اور اس نے ہر قسم کی تکلیف سے نجات حاصل کر لی۔

تاثیر جذب ورقص

حضرت والد ماجدؒ ایک دفعہ قصبۂ پھلت میں تھے۔ عرس کے روز ایک بزرگ تشریف لائے۔ قوالوں نے نغمہ چھیڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے۔ شیخ ابوالفتح قدس سرہ کی روحانیت محفل میں آ کر رقص کر رہی ہے عنقریب ان کے جذب کے اثرات اہل محفل پر طاری ہو جائیں گے تھوڑی دیر گزری کہ مجلس کا رنگ بدل گیا اور ہا، وہو کے مستانہ نعروں سے محفل گونج اٹھی۔

فیوض اولیاء

حضرت والد گرامی جب کبھی مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھتے فرماتے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتداء کرتی ہے اور مجھ سے معارف کسب کرتی ہے۔ ایک دفعہ اس فقیر (ولی اللہؒ) کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض فیوض و معارف عطا فرمائے۔ پھر فرمایا۔ مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی روح پرفتوح نے مجھے حکم دیا ہے کہ فلاں کو کچھ معارف کی تعلیم دو۔ وہ تمام میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیتے ہیں۔

موکل وباء

فرمایا ایک دفعہ میں چند احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک طویل القامت پر ہیبت شخص ہاتھ میں تیر و کمان لئے ہوئے آیا اور مسنون طریق سے مجھے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے بتایا کہ میں وباء پر مقرر کیا ہوا فرشتہ ہوں۔ عرصے سے آپ کی ملاقات کی خواہش تھی۔ آج ہمارے لشکر نے اس علاقے سے گزر کیا ہے۔ میں نے سوچا اچھا اتفاق ہے آپ سے مل لوں۔ آج ہمیں فلاں جگہ سے کوچ اور فلاں مقام پر پہنچنے کا حکم ہے۔ میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ آپ کے احباب اور معتقدین میں سے کوئی شخص بھی اس وبا میں ہلاک نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا اور چلا گیا۔ چنانچہ چند دنوں میں وبا بھی اس کے بتائے ہوئے علاقے

میں منتقل ہوگئی اور معتقدین واحباب بھی محفوظ رہے۔

موت اختیاری

فرمایا ایک دن تنہا میں اپنے حجرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو ابھی اسی دنیائے دوں سے دارالآخرت کی طرف منتقل ہو سکتے اور اگر چاہو تو کچھ عرصہ بعد میں نے جواب دیا۔ ابھی کچھ کمالات اور منازل حاصل کرنا باقی ہیں۔ اور میں ان کی امید میں ہوں۔ کہنے لگا۔ اچھا تمہاری مرضی کے مطابق تمہاری موت موخر کردی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ شخص واپس ہوا۔ میں نے اس کی پشت پر جڑے ہوئے مرصع جواہرات دیکھے۔ یہ قصہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

انجام کفر

فرمایا ایک دفعہ میں رہتک کے شہر میں تفریح کے ارادے سے باہر نکلا راستے کی تھکاوٹ اور دن کی گرمی کے باعث تھوڑی دیر ستانے کے لیے ایک مقبرے میں چلا گیا۔ اندر جاتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ان قبور میں آگ بھڑک رہی ہے اور اس کی تپش کے اثرات، میں محسوس کرنے لگا۔ میں نے احباب سے کہا کہ اس مقبرے سے جلدی باہر نکلو۔ کیونکہ یہاں آگ بھڑک رہی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہاں کوئی مسلمان مدفون ہے۔ اتفاقا اس وقت مجلس میں ایک ہندو بھی موجود تھا۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگا۔ آپ نے کس طرح معلوم کرلیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہیں۔ میں نے کہا کشف کے ذریعے! پھر اس ہندو نے اعتراف کیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہیں بلکہ یہاں چند جوگی زندہ درگور ہوگئے تھے۔ بعد میں لوگوں نے مسلمانوں کی طرز پر ان کی قبریں بناڈالیں۔

اولیاء اللہ کے ساتھ بحث وتکرار

فرمایا ایک صاحب کشف بزرگ سے جو بعض کشفی مسائل کے بارے میں اکثر مجھ سے جھگڑتے رہتے تھے۔ میں نے معاہدہ کیا کہ ہم دونوں میں سے جو بھی اس دنیا سے پہلے انتقال کرجائے وہ دوسرے کو ان مسائل کی حقیقت سے مطلع کرے۔ اس بزرگ کی وفات کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ فردوس بریں میں بلند مقام پر فائز اور گوناگوں نعمتوں سے بہرہ مند ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی بصارت کمزور ہے۔ میں نے بصارت کی کمی کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ اس

کا باعث وہی عقیدہ ہے کہ جس پر میں تمہارے ساتھ بخششیں کیا کرتا تھا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) عرض پرداز ہے کہ شیخ عبدالباقی لکھنوی نے وحدت الوجود کے متعلق بہت مطالعہ کیا ہوا تھا لیکن کم فہمی کی بنا پر عبادات اور اسلامی عقائد کے بارے میں سست واقع ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد والد گرامی ان کے مزار پر تشریف لے گئے اور کچھ دیر وہاں قیام فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ عبادات وعقائد میں کمزوری اور سستی کی وجہ سے ماخوذ تھے لیکن میں نے ان کی شفاعت کر دی ہے۔

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

فرمایا ایک دفعہ اکبرآباد میں بارش اور ہواؤں کے موسم میں سوار ہوکر جا رہا تھا، دیکھا کہ راستے میں ایک جگہ کتے کا پلا دلدل میں ڈوب رہا ہے اور خوب زور زور سے چلا رہا ہے یہ دیکھ کر اس کی دردناک آواز سے میرا دل بھر آیا۔ میں نے خادم سے کہا کہ جلدی جاؤ اور اس پلے کو باہر نکالو! اس نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے انکار کیا میں جلدی جلدی گھوڑے سے اترا کپڑے اوپر چڑھائے اور پانی میں اترنے کے لئے آگے بڑھا۔ خادم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو چاروناچار وہ خود آگے بڑھا اور پلے کو باہر نکال لایا۔ قریب ہی ایک حمام تھا۔ وہاں سے گرم پانی لے کر میں نے اس کو نہلایا طباخی سے روٹی اور شوربا لے کر اسے خوب کھلایا۔ پھر میں نے کہا یہ کتا اس محلے کا ہے۔ اگر اس محلے والے اس کی خبرگیری کا ذمہ اٹھائیں تو بہتر ورنہ ہم اس کو اپنے محلے میں لے جائیں گے۔ طباخی نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ چنانچہ یہ کتا اس کے حوالے کر کے میں رخصت ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد میں اسی محلے کے اسی کوچے سے گزر رہا تھا میں نے دیکھ کہ سامنے ایک کتا آ رہا ہے اور اس کوچے میں کچھ کیچڑ بھی ہے۔ میرے دل میں آیا اس جگہ سے جلدی گزر جانا چاہئے تاکہ کتے کے ناپاک چھینٹے کپڑوں پر نہ پڑیں۔ میں تیزی سے بڑھا مگر کتا مجھ سے بھی زیادہ تیزی سے آگے آیا، اسی کیچڑ پر ہم ایک دوسرے کے قریب آ گئے مجھے دیکھ کر وہ کتا ٹھہر گیا اور صاف زبان میں کہنے لگا۔ السلام علیک، میں نے وعلیک السلام کہا۔ پھر اس نے کہا تم نے حدیث قدسی میں پڑھا ہے۔ رب العزت فرماتا ہے یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلته علیکم محرما فلا تظالموا ۔ (میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ اسی طرح تمہارے لئے بھی ظلم

حرام ہے۔ پس ظلم نہ کرو) مجھ پر تم نے کیوں ظلم کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے تو کچھ علم نہیں کہ میں نے کون سا ظلم کیا ہے۔ اس نے کہا راستہ اور کوچہ انسان اور حیوان دونوں کی گزرگاہ ہے اصولاً ہمیں حسب عادت نرم رفتار سے آنا چاہئے تھا۔ پھر بھی ہم دونوں اگر اکٹھے ہو جاتے تو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ میں نے کہا انسان پر عبادت الٰہی کی بجا آوری کیلئے جسم اور کپڑوں کی پاکیزگی بھی فرائض میں شامل ہے۔ میں نے سوچا میں جلدی سے گزر جاؤں کیونکہ اگر میرے کپڑے ناپاک ہو گئے تو انہیں پاک کرنے میں وقت لگے گا۔ اس نے کہا اس وقت تمہارے دل میں یہ خیال نہ تھا بلکہ تم نے محض کتے سے کراہت اور نفرت کے سبب جلدی گزر جانا چاہا۔ اب اپنے اس فعل کو صحیح ثابت کرنے کیلئے ایک جائز عذر کا بہانہ بنا رہے ہو اگر تمہارے کپڑے پلید ہو جاتے تو وہ پانی کی معمولی مقدار سے پاک ہو سکتے تھے لیکن انسانی قلب تکبر اور خود بینی کی پلیدی سے ناپاک ہو جائے تو وہ سات دریاؤں کے پانی سے بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس بات پر اس کی داد دی اور دل میں شرمسار ہوا۔ اس کے بعد میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور اسے کہا۔ تم نے مجھے نصیحت کی ہے اب اس راستے سے گزر جاؤ۔ کہنے لگا گزشتہ زمانے کے درویش قربانی و ایثار کا جذبہ رکھتے تھے لیکن اس دور کے فقراء اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں۔ میں نے کہا ان دو لفظوں کی تشریح تو کرو کہنے لگا پہلے فقراء خسیس اپنے لئے اور نفیس دوسروں کیلئے اختیار کرتے تھے۔ لیکن اس دور کے درویش اچھی چیز اپنے لئے لے لیتے ہیں اور بری دوسروں کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ صاف راستہ تم نے پسند کر لیا ہے اور کیچڑ والا راستہ میرے لئے چھوڑ دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میں خراب راستے کی طرف ہو لیا اور اس کیلئے صاف راستہ چھوڑ دیا۔ پھر کہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ عقل عطا کرے اور عقل کور سے بچائے۔

میں نے پوچھا۔ پاکیزہ عقل کیا ہے اور عقل کور کونسی۔ کہنے لگا پاکیزہ عقل یہ ہے کہ بغیر کہے سنے آدمی صحیح راستہ اختیار کرے اور عقل کور یہ کہ جب تک اسے بتایا نہ جائے وہ بھٹکتا رہے۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا اور رخصت ہو گیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ میں نے جان لیا کہ پلے کو باہر نکالنے کا عمل مقبول ہو گیا ہے اور اس کے نتیجے میں یوں تعلیم و تربیت دی جا رہی ہے۔

واقف اسرار چڑیا اور موحد کوا

فرمایا۔ رمضان المبارک کے آخری دن (جب کہ عید کے چاند کی توقع ہوتی ہے) میں مسجد

حبوط میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک چڑیا آ کر کہنے لگی۔ کل عید ہے۔ میں نے یہ بات حاضرین مجلس سے کہی مگر ہر ایک کہنے لگے۔ حیوانات کی باتوں کا کیا اعتبار۔ اس پر وہ چڑیا کہنے لگی۔ جھوٹ بنی آدم کا وطیرہ ہے۔ ہم اس سے آزاد ہیں۔ پھر وہ اڑ گئی اور اپنی ایک دوسری ہم جنس کو لائی۔ اس نے بھی اس بات کی گواہی دی۔ اس کے بعد جلد ہی قاضی شہر کے سامنے شرعی شہادتیں پیش ہو گئیں۔ کہ عید کا چاند دیکھا گیا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) نے چڑیوں کی گفتگو کے بارے میں پوچھا۔ فرمانے لگے ان کی آواز اور چوں چوں بھی بالکل دوسری چڑیوں کی طرح تھی۔ مگر لطف ربانی سے میں نے ان کی چوں چوں سے بامعنی مفہوم اخذ کر لیا۔

شیخ فقیر اللہ بیان کرتے تھے کہ ایک جنگلی کوا دوسرے تیسرے دن حضرت کی خدمت میں آیا کرتا تھا اور توحید کے بارے میں باتیں پوچھا کرتا تھا۔ کچھ عرصے بعد آپ نے اسے نہ پایا تو راوی (شیخ فقیر اللہؒ) سے پوچھا کہ اکثر یہاں پر ایک کوا بیٹھا کرتا تھا جسے میں چند دنوں سے نہیں دیکھ رہا۔ میں نے عرض کیا، فلاں شخص نے اسے شکار کر کے اپنے شکاری پرندے کو کھلا دیا ہے۔ آپ نے بہت افسوس کیا۔ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ کوا موحد تھا مجھ سے توحید کے بارے میں اکثر سوالات پوچھا کرتا تھا۔

صالح جن

فرمایا ابتدائے حال میں بعض اوقات ساری ساری رات اور بعض دفعہ اکثر شب ذکر الٰہی میں گزرتی تھی۔ یہ ذکر کبھی اونچی آواز میں ہوتا کبھی آہستگی سے، ذکر کے وقت ہمارے ساتھ ایک نیک بخت جن بھی انسانی شکل میں شریک ہوا کرتا جب بعض احباب نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے بڑی درشتی سے جواب دیا کہ تم یہ سوال کیوں پوچھتے ہو۔ جمعہ کے دن میرے وعظ میں بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ جنات میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو نماز اور روزہ ادا کرتے ہوں۔ میں نے کہا۔ ہاں یہ شخص جو تمہارے درمیان موجود ہے۔ جنات کے متقی افراد میں سے ہے وعظ سننے کے لئے آیا کرتا ہے۔ یہ سن کر وہ ایسا غائب ہوا کہ پھر نظر نہ آیا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) نے اس کی شکل و شباہت کے بارے

میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ اس کی پیشانی اور آنکھوں سے وحشت ٹپکتی تھی۔

جن کی ہمدردی

فرمایا ایک جن نے مجھ سے بیعت کے اشغال واوراد سیکھے۔ ایک دن میں گھوڑے پر سوار جا رہا تھا کہ وہ متشکل ہو کر میرے سامنے آ گیا اور صلوٰۃ و تسبیح کے بارے میں پوچھنے لگا۔ میں نے اسے بتایا، جہاں میری بات اسے پوری طرح سمجھ میں نہ آتی۔ وہ دوبارہ پوچھتا۔ یہاں تک کہ اچھی طرح سمجھ گیا۔ ایک دن محمد غوث کی چارپائی، پریاں اٹھا کر لے گئیں اور اسے تکلیف پہنچانے لگیں۔ یہی جن وہاں پہنچ گیا اور اس نے پریوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر محمد غوث کو چھڑایا اور اسے کہا کہ حضرت والا سے سلام کے بعد کہنا کہ یہ پریاں تھیں جو تمہیں ایذا پہنچا رہی تھیں۔ میں نے انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا ہے۔ ایک بار اور آ کر کہنے لگا۔ میرا دکن جانے کا ارادہ ہے۔ معلوم نہیں وہاں سے زندہ واپس آ سکوں یا نہ۔ میری نجات کے لئے دعا کیجئے۔ میں نے دعا کی۔ اس کے بعد پھر وہ نظر نہ آیا۔

ایک متعلّم جن کا نظام الاوقات

فرمایا اکبر آباد میں میرزا محمد زاہد کے درس سے واپسی پر سید لطف سون پتی کے دروازے سے میرا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ دروازے پر پریشان کھڑے ہیں۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمانے لگے۔ ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مجھے گھر کے اندر لے گئے۔ ان کی ایک عزیزہ کو جن نے پاگل کر رکھا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ تعظیم کے لئے اٹھا اور سلام کیا۔ میں نے کہا تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا نام عبداللہ ہے اور میں محمد طاہر کے درس میں انسانی شکل میں پڑھتا ہوں۔ جس روز آپ اکبر آباد میں داخل ہوئے تھے اور محمد طاہر اپنے تلامذہ سمیت آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے تھے تو میں بھی ان میں موجود تھا۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں البتہ آپ مجھے نہیں پہچانتے۔ میں نے کہا کیا پڑھتے ہو؟ کہنے لگا کافیہ میں مفعول مطلق کی بحث کا وہ حصہ پڑھ رہا ہوں جہاں سے مصنف لبیک وسعدیک سے بحث کرتے ہیں۔ میں نے کہا ان دونوں لفظوں کی اس طرح نحوی تشریح کرو کہ جسے کوئی طالب علم بیان نہ کر سکتے ہوں۔ اس نے تشریح کی میں نے کہا میں محمد طاہر سے تمہاری سفارش کروں گا تا کہ وہ تمہاری طرف زیادہ توجہ رکھیں۔ اس نے کہا اگر

انہیں پتہ چل گیا کہ میں جن ہوں تو وہ مجھے ہرگز نہیں پڑھائیں گے۔ پھر اس نے کہا میرا طریقہ یہ ہے کہ میں رات کو چار حصوں میں تقسیم کر لیتا ہوں۔ ایک حصے میں نماز پڑھتا ہوں۔ دوسرے میں نفی و اثبات کرتا ہوں۔ تیسرے حصے میں کافیہ کا مطالعہ کرتا ہوں اور آخری حصے میں آرام کرتا ہوں اور دن بھر محمد طاہر کے پاس رہتا ہوں۔ ایک اونچی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا میں یہاں رہتا ہوں۔ اس عورت نے اس مقام پر پیشاب کر کے میری جگہ کو ناپاک کر دیا ہے اور میرے نظام الاوقات کو خراب کر دیا ہے۔ اسی لئے میں نے اسے تکلیف دی ہے آپ نے حکم دیا۔ فوراً ہی اس جگہ کو پاک کر کے خوشبو میں بسا دیا گیا۔ چنانچہ اس انتظام سے وہ باغ باغ ہو گیا اور واپس چلا گیا۔ اسی وقت وہ عورت ہوش میں آ گئی اور شرم و حیا کے مارے اپنا چہرہ ڈھانپنے لگی۔

....

شاہ عبدالرحیمؒ کے تصرفات، مکاشفات اور دیگر کرامات کا بیان

طریق تربیت

فرمایا شیخ عبدالاحد سرہندیؒ کی مجلس میں ایک آدمی کہنے لگا کہ اس زمانے میں کوئی صاحب کرامت نہیں ہے۔ انہوں نے شخص مذکور کے غلط عقیدہ کی اصلاح کے لئے اسی کے سامنے سات روپئے میری نذر کے لئے مقرر کردیے۔ پھر فرمایا پہلے پانچ روپے پیش کریں گے۔ دیکھیں کیا فرماتے ہیں۔ پھر مجھے کہلا بھیجا کہ آج میں آپ کی ملاقات کے لئے آرہا ہوں۔ میں نے کہا مقدر یہ ہے کہ میں آپ کی ملاقات کے لئے آؤں۔ انھوں نے فرمایا تکلیف نہ کریں۔ میں نے سواری کا انتظام کرلیا ہے۔ میں نے کہا سواری کا ارادہ بے سود ہے ہمارے درمیان جب یہ بات بڑھی تو ہم نے ایک درمیانی جگہ کا انتخاب کرلیا کہ ہم میں سے جو بھی پہلے اس مقام پر پہنچے گا وہ دوسرے کو واپس لے جائے گا۔ میں نے گھوڑے کے لئے بہت کوشش کی لیکن کہیں سے میسر نہ آسکا۔ اسی طرح شیخ عبدالاحدؒ نے پالکی تیار کرائی لیکن انہیں چوتھا کہار نہ مل سکا۔ آخری وقت میں ان سے پہلے اس جگہ پہنچ گیا اور انہیں واپس ان کے دولت کدہ پر لے گیا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو انھوں نے پانچ روپے میرے سامنے رکھ دیئے اور فرمانے لگے یہ آپ کی نذر ہیں۔ میں نے کہا میری نذر یہ نہیں۔ میری نذر تو سات روپئے ہے چنانچہ انھوں نے پورے سات روپئے پیش کئے۔ اس کے بعد شیخ عبدالاحدؒ کے ازراہ خوش طبعی فرمایا کہ اس کامیاب امتحان پر آپ کی خدمت میں دو روپے اور بھی پیش کرنے چاہئیں۔ چنانچہ دو روپے مزید مجھے پیش کئے گئے۔ پھر فرمایا یہ سب کچھ اس شخص کی اصلاح کے لئے کیا ہے۔

مستقبل بینی

فرمایا شیخ عبدالاحدؒ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں تھے۔ میں ان سے ملاقات کے لئے وہاں پہنچا، اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا پرسوں عید ہے۔ پھر ملاقات ہوگی۔ میں نے کہا نہیں بلکہ عید اس کے بعد ہوگی فرمانے لگے۔ جنتری والے یہی کچھ کہتے ہیں۔ میں نے کہا لیکن میرا حساب یوں کہتا ہے۔ چنانچہ جیسے میں نے کہا تھا اسی طرح وقوع پذیر ہوا۔

نگاہ دوررس

فرمایا ایک دفعہ شیخ عبدالاحدؒ پورب یا کسی دوسرے علاقے سے واپس آئے تو میرے لئے ایک تحفہ بھی لیتے آئے مگر فرمانے لگے کہ کشف سے بتلا دیں کہ کیا لایا ہوں تو سمجھوں گا کہ تحفہ قبول ہوگیا۔ میں نے کہا ابھی تو معلوم نہیں، بعد میں بتلا سکوں گا۔ چند دنوں بعد میں جائے آرام واستراحت میں تھا کہ اس ہدیے کی شکل مجھے دکھائی گئی۔ جب دوسری بار ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ یہ ایک دوہرے رنگ کا کپڑا ہے ایک حصہ سبز پھولدار ہے اور دوسرا حصہ بادامی رنگ کا ہے اور وہ بناوٹ میں ہمارے لباس کی طرح نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی چادر ہے کہ اس کی بالائی طرف مدور اور زیریں حصہ مستطیل ہے یہ چادر ایک چہار خانہ کپڑے میں لپٹی ہوئی ہے۔ کہنے لگے اور تو ساری بات درست ہے لیکن وہ چارخانہ کپڑے میں لپٹی ہوئی نہیں ہے۔ کچھ روز بعد انھوں نے یہ کپڑا ایک آدمی کے ہاتھ بھجوایا لیکن اس وقت وہ مذکورہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ انھوں نے اس کے متعلق پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ پہلے یہ کپڑا ایک دوسرے کپڑے میں باندھا ہوا تھا۔ جب وہ کپڑا کام آگیا تو پھر اسے چارخانہ کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا۔ اس درمیانی تبدیلی کا شاہ عبدالاحدؒ کو علم نہیں ہوسکا تھا۔

جو چاہے سو آپ کرے

فرمایا کہ شیخ عبدالاحدؒ سرہند سے چار حل طلب مسئلے لے کر میرے پاس آئے جب باتیں چلیں تو کہنے لگے ایک تو ان میں سے بہت ہی آسان ہے۔ دو اوسط درجے کے اور چوتھا بمشکل پورا ہونے والا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ جسے تم زیادہ مشکل سمجھ رہے ہو وہ تو بادشاہ سے پہلی ملاقات میں ہی پورا ہوجائے گا اور وہ دو جو اوسط درجے کے ہیں ایک دو تین مہینے بعد اور دوسرا پانچ چھ مہینے میں پورا ہوجائے گا اور جسے تم آسان سمجھ رہے ہو اس کا ہونا نہ ہونا میری زبان پر موقوف ہے۔ جب تک میں نہیں کہوں گا اس کے حل کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی! اس گفتگو کے بعد انھوں نے بادشاہ سے ملاقات کی۔ میری ترتیب سے بتایا ہوا پہلا عقدہ اسی وقت حل ہوگیا اور دوسرا تیسرا میری بتائی ہوئی میعاد کے مطابق مگر چوتھا جوں کا توں رہ گیا۔ دوبارہ ملاقات کی اور مجھ سے توجہ کے طالب ہوئے۔ میں نے کہا ایسے نہیں پہلے تمہیں شہر کے ان بزرگوں سے رجوع کرنا چاہئے جو

کشف و کرامت میں شہرت تامہ رکھتے ہیں اور ان سے مشکل حل ہونے کی میعاد مقرر کرنی چاہیے۔ مشائخ میں سے ایک نامور صاحب کشف بزرگ کے پاس گئے۔ انھوں نے تین ہفتے کی میعاد مقرر کی۔ وقت گزر گیا مگر مطلوبہ کام کی خوشبو تک ان کے دماغ تک نہ پہنچی۔ پھر دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کیا۔ انھوں نے ایک ماہ کا عرصہ بتلایا۔ وہ بھی گزر گیا مگر کام ہونے کے کچھ آثار نظر نہ آئے۔ پھر میرے پاس لوٹ کے آئے اور توجہ کے طالب ہوئے۔ میں نے کہا کچھ فرصت چاہیے تاکہ خود بخود میری زبان سے عقدہ حل ہونے کی بشارت نکلے۔ انھوں نے اپنا عقدہ کاغذ پر لکھ کر فقیر اللہ کے حوالے کر دیا تاکہ روزانہ اشراق اور نماز عشاء کے بعد وہ مجھے دکھاتا رہے۔ ایک مدت ہوئی اور انتظار کی گھڑیاں حد سے بڑھ گئیں۔ اتفاق سے ایک دن طبیعت کھل اٹھی اور میں نے فوراً کہہ دیا کہ آج بادشاہ کے پاس جائیے کام ہو جائے گا۔ وہ اسی دن دربار میں چلے گئے۔ بادشاہ نے توجہ سے پوچھا کہ کوئی مطلب ہے تو بتلایئے۔ انھوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ اسی وقت ان کے حسب منشا کام سرانجام پا گیا۔

ختم خواجگان

فرمایا کہ میں شیخ عبدالاحدؒ کے دولت کدہ پر گیا۔ وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے۔ مجھے بھی اس میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ میں نے کہا ختم پڑھنا بے سود ہے۔ اس سے آپ کا کام نہیں ہوگا۔ کہنے لگے کیا آپ کو معلوم ہے کہ کون سا کام ہے؟ میں نے کہاں۔ فلاں کام ہے اور اس کا حل ایک عورت کے ہاتھ میں ہے جن کی شکل ایسی ہے اور عمر یہ ہے۔ اسی طرح میں ان کی زندگی کا پورا کچا چٹھا بیان کرنے اور ان کے کرتوت ظاہر کرنے لگا تو وہ کہنے لگے خدارا بس کیجئے راز ظاہر ہوتے ہیں۔

آداب مجلس اولیاء

حضرت والد ماجدؒ ایک دفعہ شیخ عبدالقدوسؒ کے گھر گئے تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حضرت کی خدمت میں شربت گلاب پیش کرو۔ وہاں دو بوتلیں رکھی تھیں۔ لڑکے نے بڑی بوتل رکھ دی اور چھوٹی لا کر پیش کی۔ حضرت والد ماجد نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ بیٹے بڑی بوتل کیوں چھوڑ آئے ہو وہ بھی لے آؤ۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ عبدالاحدؒ بیمار ہوئے اور حضرت والد ماجد عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ فقیر بھی ہمراہ تھا۔ شیخ نے صحت کے لئے دعا کی درخواست کی تو حضرت والد چپ ہو گئے۔ ان کے عزیزوں نے دعا کے لئے زور دیا تو پھر بھی خاموش رہے بالآخر شیخ عبدالاحدؒ نے حضرت والد کے دل کی بات سمجھ لی اور اپنے عزیزوں کو دعا کے لئے مجبور کرنے سے منع کر دیا کہ اولیاء کی بارگاہ میں اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت والد ماجد وہاں سے اٹھے تو فقیر سے فرمایا کہ شیخ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ اس وقت دعا سے کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ میری خاموشی میں یہی حکمت تھی۔ شیخ چند دنوں بعد آغوش رحمت میں چلے گئے۔

فراست مومن

ایک دن حضرت والد ماجد اس فقیر کو علم وعرفان کے عجیب نکتے تعلیم فرما رہے تھے کہ حدیث نبویؐ اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله کی بحث چل نکلی۔ اس کی تشریح میں آپ نے دو قصے بیان فرمائے ایک قصہ شیخ رفیع الدین کی فراست کا جو اپنی جگہ بیان ہوگا اور دوسرا قصہ اپنی فراست کا کہ ایک مرد فقیرانہ وضع، نقاب پوش حد درجہ دردمند جو ہر لمحے کوئی نہ کوئی عاشقانہ شعر یا پرسوز ہندی دوہے پڑھتا اور گریہ وزاری کرتا رہتا تھا! میرے پاس آیا اور رشد وہدایت کی طلب کے ساتھ قیام کے لئے حجرہ بھی مانگا۔ میں نے بالکل انکار کر دیا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے کہا یہ کالا سانپ ہے اس سے ڈرنا چاہئے۔ حاضرین نے اس بات کو تسلیم کرنے میں تامل کیا ایک مدت کے بعد وہ فقیر عورتوں کے لباس میں آیا اور عاقل خاں صوبیدار دہلی کے گھر میں خیرات کی تقریب میں عورتوں کے ساتھ چلا گیا۔ باہر آتے وقت ایک دربان نے اس کی رفتار دیکھ کر کہا کہ یہ تو عورتوں کی چال نہیں ہے اور تجسس کے خیال سے اس کے پیچھے چل پڑا۔ حقیقت حال واضح ہوگئی اور اسے قید کر لیا گیا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ وہ کسی عورت کو بھگاتے ہوئے پھر رہا تھا۔ اسی لئے اس نے نقاب پوشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اس کا فقیرانہ سوز وساز اور دردمندی محض ایک چال تھی

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست

فرمایا عبدالحفیظ تھانیسری نے اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا اور میرے پاس رخصت کے لئے آئے۔ ایک دستار اور نصف روپیہ نذرانہ بھی لائے اور چاہا کہ دوسرا نصف روپیہ مخدومی محمد

ابوالرضاء کی خدمت میں پیش کرے۔ میں نے خوشدلی سے کہا کہ تمہیں اعظم آباد کے میدان میں بہت خوفناک مشکل پیش آئے گی۔ بہلی کا ایک پہیہ نکل جائے گا۔ میدان میں اسے ٹھیک کرانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ جو شخص بہلی کی سواریوں کی حفاظت کرے گا چوروں اور ڈاکوؤں کی مار دھاڑ سے بچانے اور ساز و سامان کی حفاظت میں کوشش کرے گا۔ مناسب ہے کہ اسے پورا روپیہ دیا جائے۔ اسنے پورا روپیہ مجھے دے دیا اور رخصت ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد جب واپس لوٹا تو کہا کہ اس خوفناک وادی میں جہاں ڈاکوؤں کا بہت خطرہ تھا۔ بہلی کا پہیہ جدا ہو گیا اور کچھ دور تک بغیر پہیے کے گاڑی چلتی رہی۔ ہمیں کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور پھر اس بیابان میں آسانی کے ساتھ ٹھیک ہو گئی۔ یہاں تک کہ ہم ساتھ والے قافلے سے ذرا بھر پیچھے نہ رہے۔

چراغ فقر ہوا بھی جسے بجھا نہ سکی

سننے میں آیا ہے کہ ایک دن مخدومی شیخ ابوالرضاء محمد کی مجلس میں توجہ اور تاثیر کی بات چل پڑی۔ رات کا وقت تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ چراغ روشن کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ حضرت والد نے فرمایا کہ نگاہیں چراغ پر مرکوز رکھو، قدرت کے عجیب تماشے مشاہدے میں آئیں گے۔ چراغ کو پیالے میں رکھ کر لے آئے۔ حضرت والد چراغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب حضرت نے پوری دلجمعی کے ساتھ توجہ ڈالی تو پیالہ بھی چراغ سے ہٹا دیا گیا۔ چراغ خوب جل اٹھا اور اس کے شعلے میں آندھی کے اثر کی کوئی لپک نہ تھی۔

توجہ و تاثیر

فرمایا محمد مظفر نے مجھے خط لکھ کر ایک آدمی کے ہاتھ روانہ کیا، جس میں لکھا تھا کہ خط لانے والا تاثیر و توجہ کا منکر ہے۔ اگر اس پر نگاہ عنایت ہو جائے تو اس کے لئے ہدایت کا سبب بن جائے گی۔ خط پڑھتے ہی میں نے اس پر توجہ ڈالی تو وہ بے ہوش ہو کر کلیتًا اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا اور انکار تاثیر کے عقیدے سے تائب ہوا۔

ایک منکر سے بزور نذر وصول کی

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ فرہاد بیگ کو ایک مشکل پیش آئی۔ اس نے نذر مانی کہ بار خدایا اگر میری مشکل حل ہو جائے تو اتنی رقم حضرت والد (شاہ عبدالرحیم) کی خدمت میں ہدیہ

پیش کروں گا۔ وہ مشکل حل ہوگئی تو نذر کا خیال دل سے جاتا رہا۔ کچھ دنوں بعد اس کا گھوڑا بیمار ہوکر ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے اس بات کی روحانی طور پر اطلاع ہوئی تو ایک نوکر کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے کے سبب ہے۔ اگر گھوڑا بچانا چاہتے ہو تو جو نذر فلاں موقع پر تم نے مانی تھی وہ بھیج دو۔ یہ سن کر وہ نادم ہوا اور نذر بھجوا دی۔ اسی لمحے اس کا گھوڑا تندرست ہوگیا۔

ولی اور عامل میں فرق

فرمایا ایک مستجاب الدعاء شخص ایران کے راستے روم سے ہندوستان پہنچا۔ اسے عبداللہ چلپی کہتے تھے۔ اس سے بہت سے عجائبات مشاہدے میں آئے۔ ان میں ایک تو یہ دیکھا گیا کہ وہ اپنے حجرے میں چالیس دن تک بغیر روٹی اور پانی کے اعتکاف میں رہا۔ حجرے کا دروازہ بند کردیا تھا۔ اپنے پورے وجود کے ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے وہ باہر نکل آتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ کمرے کے اندر اندھیرے میں قرآن مجید لکھا کرتا تھا اور بارہا یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ زمین کے اندر دھنس جاتا اور جہاں سے چاہتا باہر نکل آتا تھا۔

لوگ کہتے تھے کہ یہ صاحب کرامات اولیاء میں سے ہے۔ میں بھی اسے دیکھنے چلا گیا۔ ان دنوں وہ ایرانیوں میں سے ایک کے گھر بادشاہ سے چھپ کر رہ رہا تھا۔ پہلے پہل جاتے ہی میں رافضیوں میں گھل مل گیا۔ بارہ مسائل میں گفتگو چل پڑی۔ میں نے تمام مسائل میں الزامی جوابات دے کر انہیں خاموش کردیا، داد دیتے اور میری باتیں قبول کرتے رہے مگر آغاز گفتگو میں میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ میں سنی ہوں بلکہ یوں کہا کہ میرا مذہب خذ ما صفا دع ما کدر (اچھی چیز لے لو بری چھوڑ دو) ہے۔ اس بناء پر وہ کچھ تعصب سے پیش نہ آئے اور موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے ایک ایک مسلہ دلائل برہانی، خطابی اور الزامی جوابات کی صورت میں ان کے سامنے بیان کیا۔ وہ قبول کرتے رہے اور انکار کی گنجائش نظر نہ آئی۔ ان سے نمٹ کر میں نے عبداللہ سے ملاقات کی مگر اس کے اندر میں نے طریقہ اولیاء میں سے کوئی بہرہ نہ پایا۔ یہ دیکھ کر میں نے اس کی تعظیم سے منہ پھیرلیا۔ ایرانیوں میں سے ایک نے پوچھا کیا سبب ہے کہ انتہائی شوق سے آئے مگر دیکھنے کے بعد منہ پھیرلیا۔ میں نے کہا ولی سمجھ کر آیا تھا مگر یہ تو دعائیں پڑھنے والا نکلا۔ عبداللہ نے یہ سن کر خوب داد دی۔ اس کے بعد وہ دعائے سیفی پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ جب

ایسے مقام پر پہنچا کہ جہاں قواعد نحویہ کی رو سے دو اعراب پڑھنے کا احتمال تھا مگر ذوق و وجدان کی رو سے ایک اعراب متعین تھا۔ اس نے خلاف ذوق اعراب اختیار کیا۔ میں نے اسے کہا کہ غلط پڑھ رہے ہو۔ کہنے لگا یہ غلط نہیں بلکہ ٹھیک ہے اور اس بارے میں مناظرہ کرنے لگا اور دعائے سیفی کے وہ تمام نسخے منگوا لئے جو اساتذہ سے اسے ملے ہوئے تھے۔ تمام نسخے اسی کے اعراب کی تائید کر رہے تھے یہاں تک کہ تیرہواں نسخہ جو حضرت شیخ احمدؒ جام کے تبرکات میں سے تھا! بعض امراء کے گھر سے منگوایا اس میں اعراب میرے موافق نکل آیا۔ داد دی اور اعتراف کیا۔ پھر ایرانیوں سے کہنے لگا جانتے ہو کہ اتنی بحث میں کیوں کر رہا ہوں۔ میں جب بھی اس مقام پر پہنچتا تھا۔ نور کی بجائے ظلمت نظر آتی تھی۔ بالآخر یہ عبداللہ چلپی طریقۂ قادریہ میں مجھ سے بیعت ہوگا۔

وردل گاوَخر

فرمایا ایک دفعہ سید لطفؒ کے دولت کدہ پر جانا ہوا تو وہاں ایک ایسے فاضل سے ملاقات ہوئی جو صوفیاء کی بعض باتوں کا منکر تھا۔ اتفاقاً نماز کا وقت ہوگیا۔ اسے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا گیا۔ اس وقت چولہے پر دیگچہ رکھا ہوا تھا اور نوکر بازار گیا ہوا تھا۔ منکر صوفیاء امام کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کہیں طعام نہ جل جائے اور پوری نماز میں اسے یہ خیال ستاتا رہا۔ میں اس کی اس بات پر روحانی طور پر مطلع ہوا اور اس کی اقتداء چھوڑ کے تنہا نماز شروع کر دی۔ جب وہ نماز ختم کر چکے تو میرے ساتھ رنج سے پیش آئے کہ اکیلے نماز پڑھنے کا کیا سبب تھا؟ میں نے کہا تم تو نماز میں اپنے نوکر کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور طعام پکا رہے تھے۔ پھر میں تمہاری اقتداء کیسے کرتا! یہ سن کر اس نے داد کے طور پر اعتراف کیا اور احوال صوفیاء کے انکار سے رجوع کیا۔

تاثیر توجہ جانور پر اثر انداز مگر عابد معترض کے لئے بے سود

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور ان کے بعض احباب تفصیلاً سننے میں آیا ہے کہ سرہند کا ایک شخص طبعی طور پر منکر ولایت تھا۔ پہلے پہل ایک بزرگ سے بیعت کر کے اس سے فیضان حاصل کیا۔ اتفاقاً عید کے دن شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندی کے صاحبزادے شیخ محمد معصومؒ سے مصافحہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میاں دیر سے آئے ہو کہاں تھے؟ اور اس قسم کے دو تین جملے از راہ تلطف فرمائے تو اس کا دل ان کی طرف پھر گیا اور آنا جانا شروع کر دیا۔ پہلے بزرگ کے ہاں آنے جانے

میں کمی کر دی۔ جب اسے یہ قصہ معلوم ہوا تو وہ توجہ کے ذریعے شیخ محمد معصومؒ کے ہلاک کرنے پر کمر بستہ ہوگیا۔ انھوں نے مدافعت کی۔ یہاں تک کہ اس کا بھیجا ہوا شر اسی پر پلٹا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد وہ مرید اسی طرح ان کی خدمت میں رہتا رہا۔

کافی مدت کے بعد ادھر سے بھی اس کے دل میں شک واضطراب پیدا ہوا۔ الغرض اسی طرح وہ درویشوں کے ہاں آتا جاتا اور انکار کرتا رہا۔ اور اس سبب سے کوئی نفع حاصل نہ کر سکا۔ ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کوئی شخص بھی صاحب تصرف نہیں ہے۔ یہ سن کر میں نے اس پر توجہ ڈالی تو بے خود ہوگیا اور اسی بے خبری کے عالم میں دیکھا کہ گویا اسے سبز خلعت دی گئی ہے۔ جب اسے افاقہ ہوا تو اس کا دیکھا واقعہ بھی میں نے اسے بیان کر دیا۔ اس نے واقعہ سن کر اعتراف کیا مگر فطرتاً منکر ولایت ہونے کے سبب کوئی نفع حاصل نہ کر سکا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ واقعہ طویل ہے۔ مگر مجھے سبز خلعت پہنانے والے جملے تک ہی یاد رہ سکا واللہ اعلم۔ حضرت والد سے اجمالاً اور ان کے بعض دوستوں سے تفصیلاً یہ بھی سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حالت غلبہ میں بکری پر توجہ ڈالی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری ہوگئی تھی۔ کئی دن اسے گھاس اور پانی کا شعور تک نہ رہا اور بالآخر مرگئی۔

رافضیت سے توبہ

فرمایا ایک دفعہ میں دوستوں کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت مجھے کشفی طور پر ایک آدمی کی صورت دکھائی گئی اور میرے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ شخص تیرے ہاتھ پر رافضیت سے توبہ کرے گا۔ یہ ولقعہ میں نے یاران مجلس کو سنایا اور اس آدمی کا پورا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ اس واقعہ سے تقریباً بیس سال بعد میں محمد فاضل کے گھر گیا تو وہاں ایک مہمان کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ اسے پہچانا اور انتہائی لطف وکرم سے پیش آیا۔ دوستوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا کہ ایک ایسے اجنبی کے ساتھ جو رافضیت اور غلط عقائد کی وجہ سے بدنام ہے۔ اتنی مہربانی کا آخر کیا سبب ہے۔ یہ سن کر میں نے ان سے کہا کہ تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں رہا۔ معمولی غور کے بعد انھوں نے بھی اسے پہچان لیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کر لی۔ کچھ دنوں بعد مفسد لوگوں کی صحبت نے اسے پھر شکوک میں مبتلا کر دیا، تو اسے پیٹ کے درد نے آلیا۔ وہ جان گیا کہ درد کا سبب کیا ہے، پھر توبہ

کرلی! کچھ دنوں بعد پھر شک میں گرفتار ہوگیا تو پھر وہ پیٹ کے شدید درد میں مبتلا ہوا۔ تب دوستوں نے اس کے دماغ میں ڈالا کہ جب تک توبۃ النصوح نہ کرو گے ہلاک ہوجاؤ گے اور پھر وہ خالص سنی ہوگیا اور رافضیت سے کلی طور پر بیزار ہوگیا اور دور رہا۔ اس نے مجھ سے طریقت کا سبق بھی لیا۔ شروع میں اس نے پوچھا کہ کونسا طریقہ اختیار کروں! میں نے کہا طریقہ قادریہ سب سے بہتر رہے گا۔ یہ اس لئے کہا کہ رافضی حضرت غوث اعظمؒ سے عداوت رکھتے ہیں۔

نیست برلوح دلم جز الف قامت یار

حضرت والد ماجدؒ سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً میں نے سنا ہے کہ تاشقلہ بیگ ایک ترکستانی تھا جسے حصول طریقت کا ذوق ترکستان سے بخارا لایا وہاں ایک مدت تک وہ حضرت خواجہ نقشبند کے مزار پر ٹھہرا رہا۔ اسی انتظار میں کہ اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کا اسے پتہ دیا جائے۔ آخر حضرت خواجہؒ نے اسے کشف میں فرمایا کہ تیرا پیر ہندوستان کے شہر دہلی میں ہے اور حضرت والد ماجد کی شکل وصورت اسے دکھائی گئی۔ مگر اسے خیال آیا کہ دہلی تو بہت بڑا شہر ہے اس بزرگ کا وہاں ڈھونڈنا دشوار ہو جائے گا۔ اس خیال پر مطلع ہوکر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جس دن دہلی میں داخل ہوگے۔ اسی دن وہ بزرگ تمہیں وعظ کہتے ہوئے ملیں گے۔ اس واقعہ کے بعد تاشقلہ بیگ کو شوق بیعت کشاں کشاں دہلی لے آیا۔ پہلے پہل وہ شیخ فرید کے ہوٹل میں اترا۔ اتفاقاً جمعہ کا دن تھا۔ اس نے جامع مسجد کا پتہ پوچھا تو لوگوں نے اسے مسجد فیروزی کا پتہ دیدیا۔ وہاں پہنچا تو حضرت والد ماجد کو خواجہ نقشبند کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق پایا۔ جب نماز کے بعد حضرت والد نے وعظ فرمایا۔ اسے بھی تاشقلہ بیگ نے اپنے موافق پایا۔ فراغت کے بعد آپ کے ساتھ گھر آیا اور اپنے سر سے دستار اتار کر اظہار عقیدت کیا۔ حضرت نے فرمایا یہ شرط ہے کہ کچھ دن ہماری صحبت میں رہو تاکہ ہمیں سمجھ سکو۔ اس نے یہاں تک پہنچنے کا سارا قصہ بیان کردیا۔ حضرت والد نے اسے اپنی بیعت میں لے کر اشغال واعمال کی تلقین فرمائی کہ اس کے بعد وہ دکن چلا گیا۔ تو پھر واپس نہ آیا۔

حضرت والد ماجدؒ سے اجمالاً اور یاران طریقت سے تفصیلاً سنا کہ مرزا علی خوافی قصبہ خواف کا صحیح العقیدہ اور پاکیزہ خیال سنی تھا۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ

فرمارہے ہیں تیرا پیر دہلی میں ہے اور ساتھ ہی حضرت والد ماجد کی صورت بھی دکھلا دی کافی عرصے بعد وہ کسی تقریب سے دہلی آیا مگر پھر بھی مدتوں ملاقات نہ ہوسکی۔ بعد میں محمد افضل پھلواروی سے حضرت والد کا نام نامی اور کچھ اوصاف سنے تو فوراً ان کی خدمت میں پہنچا اور بیعت وتلقین سے مشرف ہوا۔ بعض اوقات اس پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی تو چہرہ سرخ ہو جاتا اور کہتا کہ تم مجھے اس کے بارے میں ملامت کرتے ہو۔

ایک مرتبہ حضرت والد ماجد قصبہ پھلت میں تھے کہ مرزا علی خوافی گرمی شوق سے بغیر زاد راہ اور سواری کے راستہ نہ جاننے کے باوجود ادھر دوڑ پڑا اور وہاں پہنچ کر عشق شور انگیز اور شوق بلاخیز کی تپش بجھائی۔

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور یاران طریقت سے تفصیلاً سنا کہ صوفی نامی سہارنپوں کا ایک آدمی تھا جو جوانی میں ایک صاحب کشف درویش سے فیض حاصل کرتا رہا اور وہ اسے کہتے تھے کہ تیری بیعت ایک ایسے شخص سے متعلق ہے جو اس شکل وصورت اور وضع وقطع کے ہیں اور اس نام سے مشہور واعظ ہیں۔ وہ صوفی اس بزرگ کے انتظار میں بوڑھا ہوگا اور مختلف قسم کے صوفیانہ اشغال اور ریاضتیں بھی کرتا رہا۔ آخر عمر میں محمد اسمٰعیل میرٹھی کے بتلانے پر حضرت والد کی خدمت میں پہنچا اور بیعت وتلقین سے مشرف ہوا۔ آغاز میں اپنے اشغال اور ریاضات خوب بیان کرتا تھا۔ حضرت والد نے فرمایا۔ آغاز اچھا ہے۔ انشاء اللہ دروازے کھل جائیں گے بالآخر وہ حضرت والد کی تربیت سے کامل ہو کر نکلا۔

باران کرم منتظر دست دعا ہے

فرمایا ایک مرتبہ علاقے میں بارش نہ ہوئی۔ لوگوں نے میری طرف رجوع کیا اور دعا چاہی۔ میں نے دعا مانگی اور بوندا باندی شروع ہوگئی۔ میں نے کہا کہ موسلا دھار بارش کا نہ ہونا ہماری دیواروں کی کمزور لیپا پوتی کی وجہ سے ہے۔ گویا تدبیر خداوندی ہماری دیواروں کے گرانے سے احتراز کررہی ہے۔ لوگ جلدی سے گارا بنا کرلائے اور ہماری دیواروں کی لپائی شروع کردی۔ فوراً ہی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔

قوت تاثیر کا کرشمہ

فرمایا کہ اکبرآباد میں میرزا ابوالعلی کے پیروکاروں میں علی قلی نامی ایک شخص تھا جو اپنی توجہ وتاثیر کی قوتوں کے سبب مشہور اوران پر نازاں تھا۔ ایک دن شیخ عبداللہ محدث کو میں نے دیکھا کہ اس کے دروازے پر کھڑے ہیں مگر بار نہیں پارہے۔ میں نے چاہا کہ اسے اس غلط فہمی پر متنبہ کردوں تو میں نے اپنے اور علی قلی کے درمیان ایک بھاری پتھر رکھوا کر کہا کہ قوت تاثیر یہ ہے کہ اس پتھر کو اپنی طرف کھینچا جائے۔ جب پیمائش کی گئی تو وہ پتھر علی قلی کے مقابلے میں چند انگل زیادہ میرے قریب نکلا۔

روشن ضمیری

فرمایا شیخ ایوب مرادآبادیؒ ہمیں دیکھنے کے لئے آئے۔ ان کی آمد کا اصل مقصد ہمارا امتحان تھا۔ اپنے ساتھیوں، سواریوں اور سامان کو دور چھوڑ آئے اور خود اکیلے اجنبی وضع میں آئے۔ میں اسی وقت تیراندازی کر رہا تھا۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی تیر کمان رکھ دیئے اور کہا خوب تشریف لائے۔ آیئے آیئے خیر وعافیت ہے؟ وہ متعجب ہو کر کہنے لگے میں اس سے پہلے آپ کی خدمت میں کبھی حاضر نہیں ہوا۔ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا کیا تمہارا نام ایوب ہے۔ اس نے کہا حضرت والا نے کیسے معلوم کرلیا کہ میرا نام ایوب ہے۔ میں نے کہا کہ تمہاری صورت دیکھتے ہی میرے دل نے گواہی دی۔ تب شیخ ایوب نے کہا میں جان گیا ہوں بلاشبہ یہ آپ کی کرامت ہے لیکن یہ بتایئے کہ جس کام کے لئے میں لشکر کے ساتھ جا رہا ہوں اس میں کامیاب ہوں گا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ اس کے بعد لشکر میں چلے گئے اور جتنی بھی کوشش کی کچھ فائدہ نہ ہوا۔

......صید نہ چھوڑا زمانے میں

فرمایا کہ محمد فاضلؒ کے گھر کشتی کے لئے اکھاڑہ بنا ہوا تھا اور وہاں ایک پہلوان اس کے بیٹوں کو کشتی لڑنا سکھاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک بلند قامت اور انتہائی طاقت ور پہلوان آیا اور خواہش ظاہر کی کہ تربیت دینے والے پہلوان سے کشتی کے دو ہاتھ کرے۔ یہ بات محمد فاضل کے لئے بھی عزت وذلت کا مسئلہ تھی۔ بظاہر دونوں کا مقابلہ ناممکن تھا۔ اس لئے اس پر غالب آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے یہ حالت دیکھ کر کہا ہے کہ جب تک میں اجازت نہ دوں کشتی شروع

نہیں کرنا۔ عین اس وقت کہا اکھاڑہ گرم ہوتا ہم نے چپ سادھ لی اور پھر ایک دم اجازت دیدی۔ اس طاقت ور پہلوان نے اسے جب دونوں ہاتھوں پر اٹھالیا۔ تو کمزور پہلوان نے اپنے دونوں پنجے زمین میں مضبوطی سے گاڑ دیئے اور اپنے پاؤں طاقتور پہلوان کی گردن میں جکڑ لئے اور اپنے پاؤں کی طاقت سے اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ یہ دیکھ کر تماشائیوں میں ایک شور بلند ہوا۔

سفر و حضر میں شیخ کی نگاہ الفت

فرمایا محمد فاضل نے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اجمیر بھیج دے اور راستے کی بدامنی کے پیش نظر خود بھی اس کے ساتھ جانا چاہا۔ جب مجھ سے رخصت ہونے آیا تو میں نے کہا کہ تمہارے جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بحفاظت واپس آ جائے گا ہاں البتہ واپسی پر اجمیر سے دو منزل ادھر ڈاکو قافلے پر حملہ کریں گے مگر اس کی حفاظت ہمارے ذمہ رہی۔ ہاں البتہ اسے سمجھا دیجئے کہ اس وقت اپنی بہلی الگ ایک طرف کھڑی کر دے۔ جب وہ وقت آیا تو حضرت والا ادھر متوجہ ہوئے اور توجہ کے دوران آپ کے بدن پر ملال ظاہر ہوا۔ حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ کچھ دنوں کے سخت سفر نے تھکا دیا ہے۔ جب وہ لڑکا واپس آیا تو بیان کیا کہ وہاں ڈاکو آئے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی بہلی کو ایک طرف کر دیا۔ وہاں حضرت والا مثالی صورت میں موجود تھے۔ ڈاکوؤں نے پورے قافلے کو لوٹا مگر میری بہلی محفوظ رہی۔

ہر کہ با دردکشاں در افتاد برافتاد

فرمایا کہ بااقتدار امیر نے محمد فاضل کی ہمسائیگی میں حویلی کے لئے قطعہ لیا، قطعہ کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ حویلی میں ٹیڑھ آتی تھی۔ اس نے محمد فاضل سے دگنی تگنی قیمت پر قدرے زمین مانگی مگر وہ نہ مانا۔ بالآخر ان کے درمیان رنجش اور جھگڑا ہو گیا۔ اس امیر نے کہا میں صبح جا کر بادشاہ سے کہوں گا کہ یہ زمین محمد فاضل کی ملکیت نہیں بلکہ سرکاری ہے۔ زمین کا یہ ٹکڑا چھوڑوں گا کسی بھی صورت نہیں بلکہ لے لوں گا چاہے ہزاروں روپے خرچ ہو جائیں۔ محمد فاضل رات کو میرے پاس آ کر حد سے زیادہ گڑگڑایا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ بادشاہ سے ہرگز نہیں مل سکے گا اور کسی بھی صورت یہ جھگڑا پیدا نہیں ہوگا۔ چنانچہ صبح سویرے جب وہ امیر گھر سے نکل کر دربار شاہی میں جانے لگا تو راستے میں اسے شاہی سواروں نے آلیا اور کہا کہ بادشاہ نے تمہارے لئے حکم دیا ہے کہ

ابھی ابھی فلاں مہم کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ امیر نے کہا میری خواہش ہے کہ بادشاہ سے روبرو مل کر کچھ ضروری باتیں عرض کروں۔ کارندوں نے اس کی یہ بات نہ مانی اور فوراً ہی کوچ کرنے پر مجبور کر کے اسے زبردستی اسی وقت شہر سے باہر نکال دیا اور وہ امیر اسی مہم میں مرگیا چنانچہ اسے محمد فاضل سے جھگڑا کرنے کی فرصت ہی نہ ملی۔

از نہیب او بلرزد ماہ و مہر

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ بات بھی عجیب اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت والدؒ کچھ عرصہ کے لئے سیر کو نکل گئے۔ اس فرصت میں آپ کی طویل صحبتوں اور کرامات کے مشاہدے کے باوجود محمد فاضل فاسقوں کی صحبت میں آ کر شراب کا رسیا ہو گیا۔ جب حضرت والا سیر و سیاحت سے واپس آئے اور یہ قصہ سنا تو سخت برافروختہ ہوئے۔ جلال ولایت کی تاثیر سے مجلس شراب سونی پڑ گئی۔ جام و مینا توڑ دیئے گئے۔ صراحیاں اوندھی کر دی گئیں اور محمد فاضل پر کپکپی طاری ہو گئی اور دوبارہ دختر رز سے رشتہ توڑ کر پکی توبہ کر لی اور یوں **اولئک قوم لایشقیٰ جلیسھم** کا مفہوم و معنی دلوں پر نقش ہو گیا۔

جس نے دیکھے نین متوارے ترے

فرمایا کہ شروع شروع میں جس پر بھی محبت کی نگاہ ڈالتا وہ میرا دیوانہ ہو جاتا۔ اس وجہ سے میں کسی پر بھی نگاہ التفات نہیں ڈالتا تھا اور اکیلا محمد فاضل کے بالا خانے پر رہتا تھا۔ ادھر ادھر جاتے وقت اپنے چہرے پر چادر ڈال لیا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن ہدایت اللہ بیگ رشتہ داری کی تقریب سے محمد فاضل کے گھر آیا۔ جب اس سے میرا سامنا ہوا تو وہ میرا دیوانہ ہو گیا اور مجھ سے بیعت کی خواہش کی۔ میں نے سن رکھا تھا کہ اسے ایک بزرگ متوکل نقشبندی سے ربط و تعلق ہے میں نے اس سے کہا کہ بات ایک ہی ہے۔ فقراء ایک تن کی مثال ہیں۔ اس بزرگ کا حق مقدم ہے۔ اس لئے انہی سے بیعت کیجئے۔ اس نے دوبارہ اصرار کیا اور اس کی محبت حد سے بڑھ گئی۔ بالآخر میں نے اسے بیعت میں قبول کیا اور کہا کہ ان بزرگ سے بھی تعلق نہ توڑیئے گا! کچھ دنوں بعد اس بزرگ کو خبر پہنچی تو غصہ ہوئے اور ہدایت اللہ بیگ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ابھی جوان ہو تمہیں حصول طریقت کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ بیعت و ارشاد۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اس کا

انحصار بڑی عمر پر نہیں ہوتا۔ پھر کہلا بھیجا کہ میں تم سے اس زیادتی کا بدلہ لوں گا۔ میں کہا لا یحیق المکر السیئ الا باھلہ (یعنی چاہ کن را چاہ درپیش) جو کچھ چاہو کر کے دیکھ لو۔ اس کی افتاد تم پر ہی پڑے گی۔ اس نے مجھے تکلیف پہنچانے کے لئے اپنا عمل شروع کر دیا میں نے اپنی مدافعت کی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس بزرگ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے سینے میں خنجر چبھو دیا گیا ہے اور موت سر پر آ پہنچی ہے۔ آدھی رات کے وقت ہدایت اللہ بیگ کو بلوایا۔ اللہ تعالی سے گناہوں کی معافی مانگی اور میرے حق میں نیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میری جان نہیں بچے گی مگر انہیں چاہئے کہ میرا ایمان چھیننے کا قصد نہ کریں میں نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر تم ایذا رسانی کا آغاز نہ کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ بحمد اللہ تمہارے ایمان کو ضرر نہیں پہنچے گا۔ وہ بے چارے اسی رات عالم قرار کو سدھار گئے ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

تقدیر شکن قوت باقی ہے، ابھی اس میں

فرمایا بادشاہ اورنگ زیبؒ نے کسی بات پر ہدایت اللہ بیگ کو اپنے منصب سے ہٹا دیا۔ وہ اس بات پر بہت غمگین اور شکستہ خاطر ہو کر میرے پاس آیا مالی پریشانیوں اور کثرت عیال کا رونا روتا رہا۔ اس کے گڑگڑانے سے میرا دل اتنا پسیجا کہ پورے طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ پہلے پہل مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ اس بارے میں تقدیر مبرم ہو چکی ہے۔ میں نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی اور اس بارے میں میری توجہ اس حد تک جا پہنچی کہ اگر یہ کام میرے حسب منشا نہ ہوا تو میں صوفیانہ چولا اتار پھینکوں گا اور دوبارہ صوفیانہ وضع قطع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں گا۔ اسی عالم میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے میری دعا قبول کر لی اور مجھے بتایا گیا کہ اسے معزول کرنے کا مضبوط اور پختہ انتظام کرنے کے باوجود ہم نے اسے اپنے منصب پر بحال کر دیا ہے۔ میں نے دعا کی بار خدایا یہ عہدہ تو اسے پہلے ہی ملا ہوا تھا۔ میری آہ وزاری کا ثمرہ آخر کیا ہے؟ میرے خیال میں ڈالا گیا کہ اچھا یہ کچھ ہم نے اسے ترقی بھی دیدی ہے۔ صبح سویرے اسے میں نے خوشخبری سنائی۔ بادشاہ نے بغیر کسی ظاہری سبب کے اسے یاد کیا اور کہا کہ ہم نے تمہاری خطا معاف کر کے عہدہ بحال کر دیا ہے اور اس قدر اضافہ وترقی بھی دے دی ہے یہ سن کر اس کے دشمنوں نے جتنی بھی کوشش کی کامیاب نہ ہو سکے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اولیاء اللہ کے اس قسم کے واقعات بیشمار روایت کیے گئے ہیں اور ان کیلئے تاویلات موجود ہیں اور اس پر ہم نے فیوض الحرمین میں تفصیل سے لکھا ہے۔

حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

فرمایا ہدایت اللہ بیگ نے تجارت کے لئے کچھ اونٹ خریدے۔ میں نے اسے کہا کہ ان میں سے ایک ضرور مر جائے گا۔ لیکن مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ میں اپنی مرضی کے مطابق کسی ایک اونٹ کو موت کے لئے منتخب کرلوں۔ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک کمزور اور لاغر اونٹ کو متعین کر دیا اور یہ شرط لگادی کہ اسے آخر تک محفوظ رکھا جائے۔ اس نے سارے اونٹ بیچ دیئے اور سب سے آخر میں اس اونٹ کو بھی فروخت کر دیا۔ لیکن خریدار نے واپس لوٹا دیا۔ اور پھر اسی کے ہاتھ مر گیا۔

حضرت والد ماجد بارہہ کے علاقے میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ لوگ بیماروں کے قارورے لائے۔ آپ نے سب کے لئے فوراً نسخے تجویز کر دیئے۔ اس مجلس میں ایک ہندو طبیب بھی موجود تھا۔ ایک بیمار کے قارورے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے عرض کیا۔ حضرت اس کی بیماری بھی معلوم کی ہے یا نہیں؟ آپ نے ہنس کر فرمایا۔ یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا نام یہ ہے۔ ہاتھ ایسے ہیں۔ کردار یہ ہے اور اس کا بیماری کا سبب یہ ہے۔ آپ نے سبب ایسا بتلایا جسے بیان کرنے میں اس عورت کو شرم مانع تھی۔ گویا آپ کو اس عورت کا پورا کچا چٹھا معلوم تھا۔ اس ہندو نے یہ سب کچھ سن کر عرض کی کہ حضرت! طب میں یہ مسئلہ کہاں ہے؟ فرمایا یہ طب کی بات نہیں۔ یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی سچی فراست ہے۔

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست

فرمایا کہ مجھے کشف میں دکھایا گیا کہ قصبہ پھلت کو آگ نے گھیر لیا ہے۔ میں نے اس وقت باطنی اندازے کے مطابق اپنے مخلصین کے گھروں کے اردگرد ایک لکیر کھینچ دی اور ان کو بشارت دی کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک سارے گھر آگ سے محفوظ رہیں گے۔ کچھ عرصے کے بعد قصبے کو آگ لگ گئی۔ بعض لوگوں کے گھر جل گئے۔ اہل اللہ کے بارے میں نفاق رکھنے والوں نے اس بات کو موضوع بحث بنالیا۔ میں نے کہا ذرا ذہن پر زور دے کر سوچئے کہ جلنے والے گھر میرے

حصار میں داخل تھے یا اس سے باہر۔ جب انھوں نے سوچ بچار کی تو وہ گھر میری بتائی ہوئی حد سے باہر نکلے اور جھک مارنے والوں کے منہ بند ہو گئے۔

تصرف ولی

فرمایا قصبۂ پھلت کے معتقدین کے دشمنوں نے وہاں کے رئیسوں کو برانگیختہ کیا کہ اس جماعت (فقراء شاہ عبدالرحیمؒ) کے قبضے میں فرمان شاہی سے کچھ زیادہ زمین آئی ہوئی ہے۔ چنانچہ رئیسوں نے کچھ لوگوں کو پیمائش کے لئے مقرر کر دیا۔ اس بات سے پھلت والوں کو سخت پریشانی ہوئی اور مجھ سے التجا کی کہ جب ناپ کرنے والا بھی دشمن ہو تو ہماری تدبیر کیسے چل سکے گی؟ میں نے انہیں تسلی دی اور پیمائش کے دن خود پہنچا۔ کچھ توجہ ڈالی اور ان سے کہا کہ اب پیمائش کرو۔ جس کھیت کی پیمائش کرتے وہ اصل حساب سے بھی کم بیٹھتا۔ پھلت والے پھر رونے لگے کہ اگر سبھی کھیت اصل پیمائش سے کم نکلے تو دشمن پٹواری پر شک کریں گے اور جھگڑے کی بنیاد ختم نہ ہوگی۔ چاہئے کہ کچھ کھیت کم نکلیں، کچھ برابر اور کچھ زائد تا کہ سب کھیت مل کر اجتماعی شکل میں برابر ہو جائیں۔ میں نے دوبارہ توجہ ڈالی۔ اگرچہ پٹواری نے مختلف حیلوں، بہانوں سے کام لینا چاہا۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی اور پھلت والوں کے حسب منشاء کام ہو گیا۔

مبیں حقیر گدایان عشق الخ

فرمایا کہ رستم اور اسد اللہ ظالم قسم کے رئیس تھے جو قصبہ پھلت کے گرد و نواح کے لوگوں کو ہمیشہ تنگ کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ پھلت والوں پر ایک لشکر چڑھا لائے۔ قصبے والے یہ دیکھ کر پریشان ہوئے اور مجھے اپنی بپتا سنائی۔ میں نے کہا تمہیں فتح اور ان کے ٹولے کو شکست فاش ہوگی اور کچھ ہی دنوں میں پابہ زنجیر ہو کر اسی طرح مر جائیں گے۔ جب مقابلے کا دن آیا تو آیۃ کریمہ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله کا نقشہ سامنے آ گیا۔ اس واقعہ سے چند دن بعد یہ لوگ ڈاکہ زنی، شرانگیزی اور دوسرے جرائم میں ملوث ہوئے اور ان کے کچھ قریب ترین دوستوں نے بادشاہ اورنگ زیب کی خدمت میں ان کا کچا چٹھا پہنچا دیا۔ بادشاہ نے ان کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیئے۔ حاکم نے انہیں ہوشیاری سے قید کر کے لشکر کے ساتھ بھیج دیا اور قید ہی میں مر گئے۔

دل راہ بہ دلِ رہ

فرمایا میں پھلت میں تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ صبح سویرے دہلی روانہ ہو جاؤں۔ اس وقت مجھے بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ میری بیعت کے لئے ایک بزرگ دور سے آ رہا ہے۔ نماز عشاء کے بعد میں مسجد میں ٹھہر گیا۔ اور میری یہ نشست طویل ہوگئی۔ لوگ تنگ ہونے لگے اور طعام ٹھنڈا ہوگیا۔ معارف آگاہ شیخ محمد نے کہا کہ اب آرام کرنا چاہئے۔ اگر وہ بزرگ آئے تو دوبارہ گھر سے باہر آ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں نے کہا جب تک وہ نہیں آئے گا میں تو یہیں بیٹھا رہوں گا۔ جب آدھی رات گزری تو گھوڑے کے ٹاپ کی آواز آئی۔ میں نے کہا۔ اب وہ شخص پہنچ گیا ہے اس نے آتے ہی بیعت کر لی اور کہا کہ دن کے پچھلے پہر آنے کا ارادہ تھا مگر انتظام نہ ہو سکا۔ جب رات ہونے لگی تو یہ آرزو لے کر جلدی سے چل پڑا کہ اے کاش حضرت والا کو مسجد میں بیٹھا پاؤں۔

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً سنا ہے کہ سید غلام محی الدینؒ اور ان کے والد بیجاپور کی مہم میں بیمار ہو گئے اور وہ اس سخت مرض میں کافی عرصہ مبتلا رہے۔ اسی اثناء میں ایک رات حضرت غوث اعظمؒ کو خواب میں دیکھا کہ انھوں نے فرمایا اپنے شیخ سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟ جب بیدار ہوئے تو حضرت والد کے لئے کچھ نیاز مانی اور دل سے التجا کی۔ تین دن کے بعد خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد تشریف لائے ہیں اور ان کے قریب بیٹھ کر تندرستی کی بشارت دے رہے ہیں اور فرمایا کہ آج سے ساتویں دن قلعہ بیجاپور مورچہ غازی الدین خاں کی سمت سے فتح ہو جائے گا۔ اگر لشکر خاں جس کے ساتھ تم شریک ہو غازی الدین خاں کے ساتھ رفاقت کرے تو اس فتح کا سہرا اسی کے سر رہے گا۔ اور اس کی پلٹن کے لئے سرمایۂ افتخار ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے غلام محی الدین کو سفید چادر پہنائی اور چلے گئے۔ صبح سویرے اس کے والد وفات پا گئے اور وہ تندرست ہوگیا۔ لشکر خاں کو صورت حال سے مطلع کر دیا گیا۔ چنانچہ وہ غازی الدین خاں کے ساتھ شامل ہوگیا اور اسی دن فتح ہوگئی جس سے اسے کافی مالی فائدہ پہنچا۔

حضرت والد نے بیماری، تندرستی، وفات، فتح اور غازی الدین خاں کے لشکر کی رفاقت یہ سب کچھ دوستوں کے سامنے یہاں بیان کر دیا تھا، کچھ عرصے بعد ان کا خط پہنچا۔ اس سے معلوم ہوا

کہ آپ کی باتیں پوری ہو کے رہیں۔

امداد اولیاء

فرمایا کہ اسد علی کا اپنے بعض ساتھیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ ان سب نے مل کر اسے ہلاک کرنے کی ٹھان لی۔ یہ میرے پاس آکر بہت گڑگڑایا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ جاؤ مضبوط رہو اور کسی سے مت ڈرو! چنانچہ اس کے دشمن کئی ہزار مددگاروں کے ساتھ اس پر چڑھ دوڑے حالانکہ اس کے ساتھ صرف بیس ساتھی تھے۔ بالآخر لڑائی کے دوران میری شکل دیکھی کہ ثابت قدمی کا حکم کر رہا ہوں، چنانچہ اس نے بندوق داغ دی جو دشمن کے گھوڑے کو جا لگی۔ وہیں ڈھیر ہو گا اور دشمن مرعوب ہو کر بھاگ گئے۔

کیا ہے جو ان پہ عیاں نہیں

فرمایا محمد قلی اورنگ زیب کے لشکر کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ اس کے جانے پر کافی مدت گزر گئی اور اس کی طرف سے خیریت کی کوئی خبر نہ پہنچی۔ اس کا بھائی محمد سلطان بہت غمگین ہوا اور مجھ سے التجا کی۔ میں نے پوری قوت سے توجہ کی۔ جنگی لشکر کا خیمہ خیمہ چھان مارا مگر کہیں نہ پایا مردوں میں ڈھونڈا تو بھی نہ دیکھا۔ شاہی لشکر کے آس پاس نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بیماری سے صحت یاب ہو کر غسل کیا ہے اور گیروے رنگ کے کپڑے پہن کر کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور آنے کی تیاریوں میں ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اس کے بھائی کو بتا دیا۔ چنانچہ دو تین ماہ بعد وہ آیا اور میری تمام باتوں کی تصدیق کر دی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ خواجہ محمد سلطانؒ نے ایک گھوڑا لے رکھا تھا جو اس نے حضرت والدؒ کو دکھایا۔ آپ نے اسے تنہائی میں بلایا۔ اس وقت یہ فقیر بھی وہاں موجود تھا اور فرمایا کہ گھوڑا خوب ہے مگر اس کی عمر تھوڑی ہے۔ اس کی ایک بدزبان اور بدعادت بیوی تھی جس سے وہ تنگ آچکا تھا۔ عرض کی کیا ہی اچھا ہو مگر اس عورت کی زندگی گھوڑے کو مل جائے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا ایسا ہی ہو جائے گا۔ تین مہینے نہ گزرے تھے کہ اس کی بیوی مر گئی اور گھوڑے کو بیچ کر خوب نفع کمایا۔

مال زکوٰۃ

فرمایا کہ ایک بار ایک شخص میرے سامنے کچھ روپے لایا کہ یہ آپ کی نذر ہیں وہ روپے دیکھ کر میں نے کہا کہ مجھے اس میں ایک خاص قسم کی ظلمت نظر آتی ہے۔ شاید یہ مال زکوٰۃ ہے بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا ہی تھا۔

چاہ کن را چاہ در پیش

فرمایا اکبر آباد میں میرے والد ماجد ایک حویلی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کم وبیش ایک ہفتہ برسات ہوتی رہی مریض ہونے کی وجہ سے آپ میں چلنے پھرنے کی سکت نہیں تھی۔ اسی لمحے مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ حویلی گرے گی اور اس میں رہنے والوں کا کافی نقصان ہوگا۔ اسی وقت باہر نکل کر میں نے بہت جستجو کی مگر کہیں بھی کرائے کا مکان نہ مل سکا۔ چونکہ بادشاہ کا لشکر اترا ہوا تھا۔ ہر جگہ حویلیاں بھر چکی تھیں۔ کافی تلاش کے بعد ایک غیر آباد خالی قطعہ مل گیا۔ شہر والوں سے اس کے مالک کا پتہ اور اس کی ویرانی کا سبب پوچھا تو کہنے لگے۔ یہ ایک ہندو کی ملکیت ہے اور یہاں ایک جادوگر جوگی رہتا ہے۔ جو بھی یہاں ٹھہرتا ہے یہ جادوگر اسے نقصان پہنچاتا ہے۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں اور تھوڑے سے کرائے پر وہ لے لیا۔ گھاس پھونس لا کر اسی حالت میں ایک چھپر کھڑا کر دیا اور اپنا بوریا و بستر وہاں لے آیا۔ اسی دن ہماری متروکہ حویلی میں کوئی دوسرا شخص آ بیٹھا۔ اصطبل کی چھت گری اور سارے گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ بعد میں وہ جوگی ظاہر ہوا اور اس نے مجھے کہا کہ یہاں زندہ جوگی دفن ہیں۔ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں بلکہ جوگیوں کے دفن ہونے کی جگہ پوچھی تو اس نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا۔ ہم یہاں بیت الخلاء بنائیں گے یہ سن کر وہ چلا گیا اور مجھ پر جادو کرنے لگا جس کا سارا نقصان اسی پر پلٹا۔ چنانچہ ایک دن والد ماجد کی خدمت میں آ کر کہنے لگا کہ تمہارا بیٹا مجھے تکلیف پہنچا رہا ہے۔ آپ نے مجھے سمجھایا۔ میں نے کہا پہلے آپ اس سے یہ تو پوچھئے کہ میں نے اسے کس قسم کی تکلیف دی ہے۔ گالیاں دی ہیں یا مارا ہے؟ پھر اپنے ہاتھ سے مارا یا کسی کو کہہ کر مروایا۔ والد ماجد نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ ایسی کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچائی بلکہ ہمارے بیر (یعنی جن) سے ہمیں مروا رہا ہے۔

تسخیر جنات

فرمایا نواح دولت آباد کے ایک سید اپنے معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک دن رفع حاجت کے لئے ایک پرانی عمارت میں گئے۔ وہاں پریوں کو مثالی شکل میں دیکھا۔ ان میں سے ایک پری ان پر لٹو ہوکر انہیں چمٹ گئی۔ تھوڑے وقفے کے بعد وہ مثالی شکل میں ان کے سامنے آتی اور وہ حد سے زیادہ تکلیف محسوس کرتے۔ اس کو ہٹانے کے لئے جتنی کوشش کی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میری طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں بھی وہ پری روزانہ ان کے پاس آتی رہی۔ جب وہ فرید آباد پہنچے تو پری نے حاضر ہوکر ان سے رخصت چاہی کہ اب میرے لئے تم سے ملنے کا امکان نہیں رہا۔ جب میرے پاس پہنچے دن بدن تندرست ہوتے چلے گئے اور انہیں بغیر کسی علاج اور تعویذ کے وہ عارضہ بالکل چھوڑ گیا۔

فرمایا ایک شخص کو جن تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے گھر والوں نے مجھ سے رجوع کیا۔ میں نے کہا اسے میرا پیغام پہنچا دو کہ فلاں کہہ رہا ہے۔ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا انھوں نے پیغام پہنچایا مگر وہ پھر بھی نہ ٹلا۔ میں نے کہا۔ تم لوگوں نے میرا نام اس انداز اور تفصیل سے اسے نہیں بتایا ہوگا جس سے وہ دوسرے ناموں سے ممتاز ہوسکے۔ دوبارہ جاؤ اور اس انداز سے میرا نام لے کر اسے پیغام دو، چنانچہ وہ گئے اور اسی طریق سے میرا نام لیا، پھر اس جن نے اسے کبھی تکلیف نہ پہنچائی۔ فرمایا محلے والوں نے ایک مرتبہ مجھ پر جادو کردیا۔ میں رات کے وقت بیت الخلاء گیا تو مجھے ایک جوگی کی شکل نظر آئی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے جوتا دے مارا تو وہ دھواں بن کر اڑ گیا۔

آتشیں آدمی اور برکت قرآن

فرمایا لوگوں نے مجھ پر دوبارہ جادو کیا تو میں نے عالم مثال میں دیکھا کہ ایک شخص آگ کی مثالی صورت لئے ہوئے آگ کے گھوڑے پر سوار آتشیں نیزہ ہاتھ میں لئے مجھ پر حملہ کررہا ہے۔ میں نے بید اٹھایا اور اس پر قرآن مجید کی چند سورتیں دم کرکے اسے مارا۔ وہ آتشیں آدمی اس کا نیزہ اور گھوڑا میری پھونک کے اثر سے مردہ ہوکر گر پڑے اور گرتے وقت وہ کہنے لگا کہ میں تمہارے عمل کے اثر سے نہیں گرا۔ صبح سویرے میں یہ واقعہ مخدومی شیخ ابوالرضاء کی خدمت میں عرض کررہا تھا کہ

اس وقت میرے سامنے ایک بلی کا بچہ آیا۔ میں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اپنی جگہ سے کودا۔ اس کے منھ سے خون نکلا اور وہ مر گیا۔

فرمایا ان لوگوں نے پھر ایک مرتبہ جادو کیا۔ میں بیمار ہو گیا۔ جس قدر علاج کیا کچھ افاقہ نہ ہوا۔ بزرگوں میں سے ایک کو خواب میں دیکھا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے گمان میں یہ خواجہ قطب الدینؒ تھے کہ فرما رہے ہیں تجھ پر جادو کیا گیا ہے۔ فلاں فلاں آیات پڑھو۔

ولی کے خلاف جھوٹی شہادت کا انجام

فرمایا ایک مرتبہ ان لوگوں نے مجھے کسی جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر قاضی کی عدالت میں پیش کرا دیا۔ جب میں عدالت میں حاضر ہوا تو گواہوں کے منھ کالے اور زبانیں سرخ ہو گئیں۔ جسے سب نے دیکھا۔ قاضی نے چاہا کہ اس بات کی تشہیر کرے مگر میں نے کہہ دیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اسی پر اکتفا کرو۔

مشائخ کی روحانی امداد

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد ماجد سے اجمالا اور یاران طریقت سے تفصیل کے ساتھ سنا ہے کہ جن دنوں اورنگزیب (عالمگیر) حسن ابدال کی طرف روانہ ہوا اور پٹھانوں نے بغاوت کر دی تو پوری کوشش کے باوجود کامیابی کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ بعض مخلصوں نے حضرت والد ماجد سے اس بارے میں دعا طلب کی، جب متوجہ ہوئے تو فرمایا ایک معمر بزرگ کی شکل سامنے آ کر دعا سے منع کر رہی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شیخ بزرگوار حضرت آدم بنوری کے خلفاء میں سے حاجی یار محمد نے پٹھانوں کی مدد پر کمر باندھ رکھی تھی۔

جب اورنگ زیب کی وفات ہوئی اور اس کی اولاد آپس میں لڑنے لگی تو بعض احباب نے پوچھا کہ کون کامیاب ہوگا تو فرمایا اعظم کی طرف تو سات بندوقیں اٹھی ہوئی دیکھ رہا ہوں کیسے بچ جائے گا؟ تھوڑے دنوں کے بعد ایسا ہی ہوا۔

جام جہاں نما است ضمیر منیر دوست

جب معز الدین تخت پر متمکن ہوا اور فرخ سیر نے پورب کی طرف سے اس پر چڑھائی کر دی تو وہ بہت پریشان ہوا اور درویشوں کی خدمت میں جا جا کر دعائے فتح مندی کی درخواست کرنے

لگا۔ کسی نے حضرت والا سے عرض کیا کہ وہ آپ کی خدمت میں بھی آنا چاہتا ہے فرمایا اس کا یہاں آنا مناسب نہیں رہے گا۔ اس لئے وہ سچی بات سے ناخوش ہوگا اور اگر جھوٹ بولوں تو مکر و جھوٹ فقراء کا کام نہیں۔

جب فرخ سیر اور عبداللہ خاں باہم لڑنے لگے تو حضرت والد کی خدمت میں ان کی لڑائی کا کچھ حال بیان کیا گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے عالم مثال میں دیکھا ہے کہ گویا فرخ سیر کے تخت کو لوگ الٹ دینا چاہتے ہیں اور میں لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ اسے میری وجہ سے معاف کردو۔ کیونکہ ابھی ابھی پچھلے دنوں تو خونریزی ہو چکی ہے بہرحال حضرت والد کی وفات سے پچاس دن بعد فرخ سیر قید ہوگیا۔

ناز ولایت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب فرزند عزیز صلاح الدین بیمار ہوا اور ہم نے اس کی زندگی سے ہاتھ دھو لئے تو میں نے کفن خریدنے اور قبر کھودنے کے لئے کہہ دیا۔ اچانک میرے دل میں جوش آیا اور ایک کونے میں جا بیٹھا۔ حد سے زیادہ گڑگڑا کر دعا مانگی۔ فرشتے نے آ کر اس کی زندگی اور صحت کی بشارت دی، اسی دم وہ چھینکا اور اس کی زندگی لوٹ آئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی پیدائش کا قصہ

حضرت والد ماجد جب ساٹھ سال کے ہوئے تو ان پر منکشف ہوا کہ تقدیر کے فیصلے کے مطابق آپ کے ہاں ایک اور فرزند پیدا ہوگا۔ بعض خاص یاران طریقت سے یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ نومولود علمی اور روحانی بلند مقامات کو پہنچے گا۔ چنانچہ آپ کے دل میں شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب مخدومی شیخ محمد نے یہ ماجرا سنا تو وہ اس کوشش میں رہنے لگے کہ یہ بچہ ان کی لخت جگر سے ہو۔ اس فقیر نے بعض ثقہ لوگوں سے سن رکھا ہے کہ جب اس شادی کی بات پکی ہوگئی تو بعض مخالفین اور منافقین نے کہا کہ اس عمر میں شادی مناسب نہیں رہے گی۔ حضرت والد نے ان کی باتیں سنی اور فرمایا کہ میری عمر کا ابھی کافی حصہ باقی ہے اور لڑکے بھی پیدا ہوں گے۔ چنانچہ آپ اس شادی کے سترہ سال بعد زندہ رہے اور دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ فقیر (ولی اللہ) ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک رات حضرت والد ماجد نماز تہجد پڑھ رہے تھے اور میری والدہ بھی ان کے قریب تہجد میں مشغول تھیں۔ نوافل کے بعد حضرت والدؒ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور والدہ آمین کہتی رہیں۔ اسی اثناء میں دو اور ہاتھ ظاہر ہوئے۔ حضرت والد نے فرمایا۔ یہ دو ہاتھ ہمارے بیٹے کے ہیں جو پیدا ہوگا۔ وہ ہمارے ساتھ دعا مانگ رہا ہے۔ اس کے بعد یہ فقیر پیدا ہوا اور سات سال کی عمر میں نماز تہجد میں والدین کا ساتھی بنا اور اسی خواب والی وضع میں ان دونوں کے درمیان ہاتھ اٹھائے۔ وهذا تاويل رويائي من قبل قد جعلها ربي حقا

قبل از پیدائش شاہ اہل اللہ کی بشارت

نیز یہ فقیر ابھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ اس وقت حضرت والد نے ایک بھکارن کو آدھی روٹی خیرات دی۔ وہ جانے لگی تو پھر اسے واپس بلا کر باقی آدھی بھی دے دی اور فرمایا کہ بچہ جو پیٹ میں ہے کہہ رہا ہے کہ خدا کی راہ میں ساری روٹی دینی چاہئے۔ ایک دن جب کہ یہ فقیر ابھی بہت کمسن تھا۔ حضرت والا نے اہل اللہ کے نام سے کسی کو دوبار آواز دی۔ ایک آدمی نے پوچھا۔ حضرت والا کسے بلا رہے ہیں۔ میری طرف اشارہ کرکے فرمایا اہل اللہ اس کا بھائی ہے جو عنقریب پیدا ہوگا۔ اس کا نام خودبخود میری زبان پر جاری ہوگیا۔ حضرت والد مجلس اور تنہائی میں اکثر اس فقیر کی طرف

متوجہ ہو کر لطف و مہربانی فرمایا کرتے تھے مجھے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے اور فرماتے کہ میرے دل میں بارہا یہ خیال آتا ہے کہ ایک ہی دفعہ تمام علوم و معارف تیرے سینے میں ڈال دوں۔ جوش میں آ کر آپ بار بار یہ بات فرماتے۔ بالآخر آپ کی ان باتوں کا اثر ظاہر ہوا ورنہ اس فقیر نے حصول علم میں کچھ اتنی زیادہ محنت نہیں کی۔

انسانی فعل و عمل کی اہمیت

یہ فقیر (شاہ ولی اللہ) بچپن میں ہم عمر رشتے دار بچوں کے ساتھ باغ میں سیر و تفریح کیلئے چلا گیا۔ جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اے فلاں آج کے دن تم نے کونسی ایسی چیز حاصل کی ہے۔ جو تیرے لئے سرمایہ اور توشہ بنے۔ ابھی ابھی ہم نے اس مختصر وقت میں اتنی مرتبہ درود پاک پڑھ لیا ہے۔ محض یہ بات سنتے ہی فقیر کے دل سے باغات کی سیر کا شوق جاتا رہا اور پھر ایسا خیال کبھی نہ آیا۔

مرد مومن کی موت

حضرت والد ماجدؒ کو شوال میں ایک ایسے مرض سے سابقہ پڑا کہ زندگی سے آس توڑ بیٹھے۔ انہی دنوں میں اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو خلوت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنے دل کو ہمہ وقت حضرت والا کی طرف متوجہ رکھوں اور یہ بھی فرمایا کہ یہ قید تین مہینے کے لئے ہے۔ اس وقت مجھے تین مہینوں کی تخصیص کا نکتہ سمجھ میں نہ آیا۔ جب شفایاب ہوئے اور غسل صحت فرمایا اور تین ماہ بعد مرض پھر لوٹ آیا۔ اور بارہ صفر کو وفات پائی تو اس وقت یہ نکتہ سمجھ میں آیا۔

حضرت والا اخر میں جب صاحب فراش ہوئے تو اس فقیر کو فرمایا کہ قلم دوات لاؤ میں چاہتا ہوں کہ اپنے خاص نکات معرفت تحریر کر دوں، میں نے دو چار مرتبہ قلم دوات پیش کی مگر آپ نے لکھنے اور املا کرانے کی طاقت نہ رہی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد میرے دل میں حضرت والا کے حالات لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ تحریر کے دوران اکثر حالات میرے دل میں ایسے پختہ ہو جاتے گویا یہ تمام واقعات میرے سامنے ہوئے ہیں اور انہی دنوں چند مرتبہ خواب میں دیکھا گویا میں اپنی تحریریں حضرت والد کو سنا رہا ہوں اور وہ پورے ذوق کے ساتھ سن رہے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ سارے مسودات مکمل طور پر محفوظ ہو گئے۔ میرا غالب گمان ہے کہ آپ جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے اس

میں سے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جو حیطۂ تحریر میں نہ آ گئی ہو۔

جن کی نظر چڑھا تار خسار آتشیں

اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک دن صلاح آ تار محمد عاشقؒ اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کی دوستی ومحبت میرے لئے مسرت وشادمانی کا سبب ہے۔ اس بات کی حقیقت بعد میں کھلی جب محمد عاشق فقیر کے ساتھ ربط بیعت پیدا کر کے نفع مند ہوا اور امید ہے کہ ہماری یہ دوستی بہت سے فوائد کا باعث بنے گی۔ جو شخص بھی حضرت والا کی صحبت میں خلوص نیت سے آتا تھا اس میں عجیب اثرات نمودار ہوتے تھے۔

محمد قلی سپاہیانہ روایتی، بے توجہی کے باوجود حضرت کی باتیں بیان کرتے وقت اس قدر مغلوب ہو جاتا کہ بیہوش ہو کر گر پڑتا تھا اور جب کبھی زیادہ مغلوب الحال ہو جاتا تو اس کا اثر سواری کے جانور گھوڑے پر بھی پڑتا۔ چنانچہ گھوڑا گر پڑتا اور اس کی زین ادھر ادھر بکھر جاتی۔

ز ملک تا ملکوتش حجاب بردارند

محمد فاضل کی دختر شریفہ خاتون کم سنی کے باوجود حضرت والا کی نورانیت کا عکس قبول کر چکی تھی۔ بہت سے امور اس پر بھی منکشف ہو جاتے تھے۔ ایک رات حضرت والد محمد فاضل کے گھر جارہے تھے کہ راستے میں آپ کے ہاتھ سے تسبیح گر پڑی شریفہ نے کہا میں دیکھ رہی ہوں کہ تسبیح فلاں جگہ گری ہے۔ شمع لے جا کر دیکھا تو تسبیح وہیں پڑی تھی۔

اپنے گھر میں ایک دن شریفہ کہنے لگی کہ حضرت والا ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں اور فلاں طعام کی خواہش رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ طعام تیار کیا گیا اور حضرت والا سے دریافت کیا گیا تو آپ نے شریفہ کی باتوں کی تصدیق فرمائی۔

ایک دفعہ شریفہ اپنے گھر میں تھی۔ حضرت والا بھی وہیں تھے کہنے لگے فتح محمد ہمارے گھر کا ارادہ کر رہا ہے۔ پھر کہا اب راستہ میں کھڑا کسی سے بات کر رہا ہے۔ وہ خود دھوپ میں اور دوسرا آدمی سائے میں کھڑا ہے۔ پھر کہنے لگی۔ اب اس نے تین نارنگیاں خریدی ہیں دو اپنے دونوں بیٹوں کے لئے اور ایک حضرت والا کے لئے، پھر کہا اب اس کی نیت بدل چکی ہے۔ دو حضرت والا کے لئے اور ایک دونوں بیٹوں کے لئے نامزد کر دی ہیں۔ پھر کہنے لگی اب وہ دروازے پر کھڑا

ہے۔ فتح محمد کے پہنچنے پر شریفہ کی ساری باتوں کی تصدیق ہوگئی۔

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شریفہ سے عجیب وغریب قصے سن رکھے ہیں۔ کہنے لگی ایک دفعہ میں نے حضرت والا سے گزارش کی کہ میں آپ کا دل دیکھنا چاہتی ہوں۔ فرمایا میرے سامنے بیٹھ کر میری طرف توجہ کرو۔ جب میں متوجہ ہوئی تو میں اپنے آپ سے بے خبر ہوگئی۔ اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ گویا حضرت والا کے حلق میں چلی گئی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت والا کا دل ایک آئینے کی مثل ہے۔ جو طول میں ایک ہاتھ اور عرض میں ایک بالشت ہے۔ اس آئینے میں اسم ذات ایسے رنگ میں ظاہر ہوا۔ جو چراغ کے شعلوں کا عکس آئینے پر پڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ روحانی امور سے شغف کی وجہ سے میں اس شعلے کو منہ میں لے کر نکل گئی۔ اسی وقت حضرت والا بیقرار ہوگئے۔ غش پڑ گیا اور بیہوش ہوگئے۔ جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب تو نے میرے لطیفۂ دل کو اپنے حلق کے اندر لیا تو میں کمزور ہوگا۔

مقام صبر

شیخ فقیر اللہ نے بتایا کہ حضرت والا کی والدہ جب فوت ہوئیں تو آپ نے بے حد غمگینی کے باوجود اظہار غم اور رونے دھونے سے اپنے آپ کو باز رکھا۔ اسی دوران ایک رات سوئے ہوئے تھے اور میں ان کے پاؤں داب رہا تھا۔ اس وقت میں نے ظاہری آنکھوں سے ایک ایسا نور دیکھا جسے محسوس کیا جاسکتا تھا جو ظاہر ہوا اور حضرت کے جسم کا احاطہ کرلیا۔ خاص طور پر ان کے سینے، چہرے اور منہ کو گھیر لیا۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو میں نے یہ واقعہ عرض کیا فرمایا یہ میرے صبر کا پھل تھا۔

خلیفہ فتح محمد حضرت والا کے قدیمی دوستوں میں سے تھا۔ جب آپ کسی کتاب سے کوئی مسئلہ نکالنا چاہتے اور مقام وصفحہ معلوم نہیں ہوتا تھا تو وہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھما دیتے۔ معمولی غور کے بعد وہ کتاب کھولتے تو مطلوبہ جگہ ایک صفحہ آگے یا پیچھے نکل آتی تھی۔

مردان راہ خدا کا جمال باطنی

محمد غوث پھلتیؒ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت والا حجرے میں اکیلے سو رہے تھے کہ میں ان کی زیارت کے لئے آیا۔ بعض عقیدت مندوں نے مجھے روکا کہ آپ آرام میں ہیں۔ حجرے

میں مت جاؤ۔ میں دروازے پر ٹھہر گیا۔ اسی اثنا میں حجرے سے رونے کی آواز میرے کان میں پہنچی۔ میں گھبرا کر بغیر اجازت حجرے میں چلا گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی بعض مغیبات مجھ پر منکشف ہوئیں مثلاً یہ کہ فرہاد خاں حسین پوری حضرت والا کی زیارت کو آ رہا ہے۔ جب حضرت والا کے قریب پہنچا تو آپ نے اپنے پاؤں میری طرف بڑھا دیئے اور میں پاؤں دابنے میں مشغول ہوگیا۔ اسی حالت میں میرے دل میں خیال آیا کہ کہا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کی ایک باطنی شکل وصورت ہوتی ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رہتی ہے۔ وہ باطنی جمال کیسا ہوگا؟ جب آنکھ اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت والا کے مبارک چہرہ سے ایک حجاب آہستہ آہستہ اٹھ رہا ہے۔ گویا بادل کا ٹکڑا چاند سے جدا ہو رہا ہے جب تھوڑی تک پردہ اٹھ گیا تو ایسی شعاعیں چمکیں کہ میں قریب قریب بیہوش ہوگیا۔ تب حضرت والا اٹھے اور وضو فرمایا۔ میں بھی آگے جا بیٹھا تاکہ یہ قصہ عرض کروں، اشارے سے فرمایا کہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، کچھ دیر بعد فرہاد خاں نے بھی آ کر شرف قدم بوسی حاصل کی۔

تاثیر شراب وحدت

حضرت والا ماجد جب جب بھی چاہتے تھے اور جس میں بھی چاہتے ایسی تاثیر پیدا کر دیتے کہ اسے اپنی شدھ بدھ نہیں رہتی تھی اور ایسے قصے اعداد وشمار سے زیادہ ہیں۔ بعض اوقات تو آپ کی توجہ سے جماعتوں کی جماعتیں بیہوش ہوگئیں اور بعض اوقات آپ کی توجہ سے لوگوں پر اس قدر بیہوشی طاری ہوجاتی تھی کہ ان کے انتقال کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا۔

آخر عمر میں آپ نے اس قسم کی توجہ سے ہاتھ روک لیا تھا اور اسے ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دن قصبہ پرتاب پور میں مستورات نے جمع ہوکر اس قسم کی تاثیر چاہی۔ آپ نے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کی والدہ کو ان مستورات پر توجہ کا حکم دیا اور یہ حکم دیتے وقت ایسی تاثیر پیدا کر دی کہ اسی دن والدہ نے جس کو بھی چاہا عالم بے خودی میں بھی پہنچا دیا، کم وبیش بیس عورتوں پر والدہ نے توجہ ڈالی۔ واللہ اعلم۔

دلوں کے بھید بتانے اور نادیدہ امور منکشف کرنے کے سلسلے میں، حضرت والد ماجد کے اس قسم کے واقعات بیشمار ہیں۔ ان کے معتقدین اور مخلصین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اسی قبیل کی پانچ

چھ کرامات اپنے مشاہدے کی روشنی میں بیان نہ کرتا ہو۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) کی غرض حضرت والا کے سلسلے میں صرف اپنی سنی ہوئی روایات محفوظ کرنا ہے۔

ع سفینہ چاہے اس بحر بیکراں کے واسطے

حضرت والد ماجدؒ کے ملفوظات

صوفیاء اور رویت باری

فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار مشاہیر میں سے ایک بزرگ کی زیارت کو گیا تو وہ کہنے لگے۔ عرصے سے دو باتوں کی الجھن میرے دل میں پائی جاتی ہے اور اطمینان حاصل نہیں ہو رہا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جو علماء کہتے ہیں کہ اس دنیا میں حق سبحانہ وتعالیٰ کا ظاہری آنکھوں سے دیکھنا محال ہے۔ حالانکہ ہم اللہ تعالیٰ کو بچشم ظاہر دیکھتے ہیں۔ علماء کے قول کے مطابق کھلی حقیقت کا انکار نہیں کرنا چاہئے اور متقدمین صوفیاء بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں۔

دیدہ را فائدہ آنست کہ دلبر بیند
ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را

(آنکھوں سے تو یہی فائدہ ہے کہ محبوب کو دیکھیں اور اگر نہ دیکھ سکیں تو پھر بینائی سے کیا حاصل؟)

میں نے کہا اس شعر کے کہنے والے نے نہ جانے جمال حقیقی مراد لیا ہے یا مجازی، پہلی صورت میں تاویل کا دروازہ کھلا ہے۔ البتہ یہ جو بچشم ظاہر آپ نے اپنے دیکھنے کا ذکر کیا ہے تو یہ بصیرت اور بصر کے اشتباہ کی وجہ سے ہے۔ آپ اپنی آنکھیں میچ لیں۔ انھوں نے آنکھیں بند کر لیں تو میں نے کہا۔ کیا اب بھی بند کرنے کی کیفیت کا ادراک باقی ہے۔ کہنے لگے ہاں باقی ہے۔ میں نے کہا۔ یہی تو اشتباہ کی علامت ہے۔

اس بزرگ نے کہا۔ دوسری الجھن یہ ہے کہ یہ جو نقشبندی کہتے ہیں کہ ہم جب سالک پر توجہ ڈالتے ہیں تو پہلی ہی صحبت میں بے خودی اور اپنے آپ سے کھو جانے کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ یہ بات سچ ہے یا نہیں اور آپ نے ایسی کیفیت اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ حقیقت ہے اور ایسی بہت سی باتیں میں نے دیکھی ہیں بلکہ ایسی تاثیرات تو مجھ سے بھی کثرت سے وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ کہنے لگے تم نے سچ کہا ہے مگر میری تسلی نہیں ہوتی۔ میں نے

اسی وقت ان کے عزیزوں میں سے ایک پر جو میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا نگاہ اٹھا کر توجہ ڈالی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ پریشان ہوئے کہ اس پر مرگی یا غشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ میں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ میری تاثیر کے سبب بیخود ہوا ہے۔ جب وہ آدمی ہوش میں آیا تو اس سے سوال کیا گیا کہ کس وجہ سے بیہوش تھے؟ کہنے لگا میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ محض ان حضرت کی توجہ سے ان میں سے ایک نور نکل کر مجھ میں جذب ہو گیا اور میرا ہوش جاتا رہا۔ یہ سن کر وہ بزرگ کہنے لگے کہ عین الیقین تو حاصل ہوا ہے۔ مگر ابھی حق الیقین نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ چونکہ آپ صاحب ارشاد بزرگ ہیں۔ آپ کو بخوبی علم ہے کہ ہر سلسلہ طریقت میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کی یہ تاثیر بغیر ارتباط آپ کو سمجھانا قرین مصلحت نہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ مکہ معظمہ میں مسجد الحرام کے اندر میں شیخ آدم بنوری قدس سرہ کے ایک بزرگ خلیفہ کی روحانی مجلس سے محظوظ ہوا۔ جو اس دنیا میں ظاہری آنکھوں سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی رویت کے قائل تھے۔ میں نے ایک موقع پر رویت باری سے متعلق انہیں اپنے نظریے سے آگاہ کیا تو انھوں نے اعتراض کیا کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ جہت اور مکان کی قید سے منزہ اور ماوراء ہے تو پھر دیکھنے والے کی آنکھ کی پلکیں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اور دیکھنے والے کی آنکھ کے ڈھیلے کے درمیان ہرگز روک اور حجاب نہیں بن سکتیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ آنکھیں جھپکنے کے باوجود بقائے مشاہدہ ہر لحظہ قائم رہتا ہے اور بصر وبصیرت میں کوئی فرق وامتیاز ثابت نہیں کیا جا سکتا میں نے کہا۔ حقیقت رویت (کھلی آنکھوں سے دیکھنا) عامی مفہوم یا عرف عام میں ایک کامل واشگاف اور کھلی حقیقت کے دیکھنے کو کہتے ہیں جو آنکھ مچولی اور چکاچوند میں نہیں بلکہ ہمیشہ آنکھیں کھولنے کے بعد کے نظارے کو کہا جاتا ہے۔ ملا جلال نے رویت معادیہ کی بحث میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ انکشاف جو آنکھیں بند کرنے کے دوران اور کھولنے کے بعد یکساں محسوس ہو، اسے رویت نہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم

حصول رزق میں نیت کے ثمرات

فرمایا کہ میرے ایک ہم سبق نے مجھ سے سوال کیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو بھی اپنے بندوں کے وسیلے سے روزی پہنچاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ ہی کی طرح کسی حیلے بہانے

سے دیتا ہے۔ ہم سب کا اس بات پر ایمان ہے کہ رزاق حقیقی خداوند تعالیٰ ہے۔ لیکن آپ کے اور عام لوگوں کے درمیان کیا فرق رہا۔ میں نے کہا کہ تم حصول رزق کے لئے مخلوق کی طرف توجہ رکھتے ہو، لالچ میں ان کے آگے بچھے جاتے ہو۔ مگر ہم رازق حقیقی کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ اسی سے طلب کرتے اور جو کچھ آتا ہے اسی کی عطا سمجھتے ہیں۔ کہنے لگا۔ ابھی فرق واضح نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تصرف سے کام لیا۔ یا بغیر کسی تصرف کے خداوند تعالیٰ نے یہ لطیفہ ظاہر فرمایا کہ اس کے دل میں یہ بات آئی کہ کچھ رقم مجھے نذرانہ پیش کرے۔ اس کی خواہش لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ بے اختیار ہو گیا۔ ادھر میں نے نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

وہ کافی دیر دھوپ میں کھڑا ہو کر گڑگڑاتا اور عاجزی کرتا رہا اور کہنے لگا کہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ نذرانہ قبول کرنے میں میری بھلائی اور ٹھکرا دینے میں میری بدبختی ہے۔ میں نے نذرانے کی قبولیت کے لئے کچھ مشکل شرائط پیش کیں تو وہ بھی اس نے ہنسی خوشی پوری کیں۔ اس کے بعد میں نے اسے کہا کہ یہ نذرانہ میرے چوکھٹ پر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے ایک بھکارن گزر رہی تھی۔ میں نے اشارہ کیا کہ یہ اٹھا لو۔ پھر میں نے اسے کہا کہ اب کچھ معلوم ہوا کہ امیروں سے تیرے حاصل کرنے اور میرے لینے میں کیا فرق ہے؟ کہنے لگا ہاں! اب یہ مسئلہ پوری طرح واضح ہو چکا ہے۔

راز درون پردہ ز رندان مست پرس

فرمایا شہر [illegible] و مشائخ کے اجتماع میں ایک آدمی نے کہا کہ یہ جو خواجہ حافظؒ نے فرمایا ہے

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است　　　در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

(اے محبوب ازل! تیرا جلوۂ حسن تو آج بھی ہم پر بے نقاب ہے۔ میں حیران ہوں کہ پھر یہ وعدۂ فردا آخر کس لئے ہے؟)

اور عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس دنیا میں حق سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار ممتنع ہے۔ ان دونوں باتوں میں کیسے مطابقت پیدا کی جائے گی؟ اس مسئلے نے مناظرے کی صورت اختیار کر لی اور بات کافی بڑھ گئی۔ آخر سب نے تھک ہار کر مجھ سے رجوع کیا فریقین کو خاموش کراکے میں نے کہا کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ محتجب ہے اور محجوب نہیں یعنی خود ساختہ حجاب کی آڑ میں

ہے۔ کسی کے ڈالے ہوئے حجاب میں مستور نہیں۔ خواجہ حافظؒ نے تقاضائے شوق کے تحت فرمایا کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ قید حجاب میں نہیں اور ہماری نہ دیکھ سکنے والی کمزوری کے علاوہ اور کوئی چیز مانع بھی نہیں اور ان موانعات کا اٹھانا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر اس دنیا میں جمال جہاں آراء سے کیوں محروم رکھا جارہا ہے۔ میری اس تشریح کے دونوں نے بغیر کسی تردد کے قبول کرلیا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ مناظرہ اس بات پر تھا کہ صوفیاء کے نزدیک حق سبحانہ وتعالیٰ کے بے پردہ ہونے سے مراد ایسا انکشاف ہے جس سے اوپر کوئی انکشاف نہیں اور اولیاء اللہ کو اس دنیا میں انہی معنوں میں رویت باری حاصل ہوتی ہے۔ البتہ عوام کے لئے ایسا دیدار آخرت پر موقوف ہے۔ علماء اسی معنی سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رویت کے لئے کھلی آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے۔

تاج شاہی فقر کے قدموں پر

حضرت والد ماجدؒ کا ایک مخلص، بادشاہ اورنگ زیب کے مقربین میں سے تھا۔ ایک دن بادشاہ نے مراقبہ کیا اور وہ پنکھا جھلنے لگا۔ اس پر بھی شغل غالب آیا اور وہ بیخود ہوگیا۔ پنکھا اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ قریب تھا کہ بادشاہ کو تکلیف پہنچتی، پنکھا گرنے کی آواز سے بادشاہ مراقبے سے چونکا اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے بادشاہ کو اپنے بیخود ہونے اور حضرت والا سے اپنی نسبت کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ بادشاہ کے دل میں حضرت والا سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ حضرت والا کو میرے پاس لاؤ۔ اس نے کہا۔ وہ بادشاہوں اور دولت مندوں کے ہاں جانا مناسب نہیں سمجھتے۔ بادشاہ نے حضرت والا کے ایک مخلص شیخ پیر کو بلوایا اور اس کے ہاتھ شوق زیارت اور خواہش ملاقات کے بارے میں کہلا بھیجا۔ آپ نے یہ بات قبول نہ کی۔ شیخ پیر کا اصرار بھی بےسود نکلا۔ جب وہ مایوس ہوئے تو کہا کہ کم از کم ایک خط ہی لکھ دیجئے تاکہ آپ کا نہ جانا میری کوتاہی پر محمول نہ کیا جائے۔ وہاں پر کاغذ کے ایک پھٹے پرانے ٹکڑے میں جوتے لپٹے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ کاغذ لے لیا اور اس پر لکھا کہ اس بات پر اہل اللہ کا اجماع ہے کہ بئس الفقیر علی باب الامیر (امراء کے دروازوں پر فقراء کا جانا بدتر ہے) اور حق سبحانہ وتعالیٰ فرمایا ہے۔ وما متاع الحیوۃ الدنیا الا قلیل (دنیا کی زندگی ناپائیدار کا سارا ساز و سامان کچھ بھی تو

نہیں) اس قلیل میں سے بہت ہی تھوڑا سا حصہ آپ کو ملا ہے۔ اگر بفرض محال آپ مجھے کچھ دینا بھی چاہیں تو وہ **جزء لا یتجزی** ہی ہو سکتا ہے۔ (ایسا ذرہ جسے آگے تقسیم نہ کیا جا سکے) اس معمولی مقدار کے لئے میں اپنا نام خدائے برتر کے دفتر سے آخر کیوں کر کٹا دوں۔ مشائخ چشت کے ملفوظات سے ثابت ہے کہ جو شخص بادشاہ کے دفتر میں اپنا نام لکھا دے۔ حق تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس خط کی روایت معناً ہے۔ الفاظ محفوظ نہیں رہے۔ بہر حال یہ کچھ لکھ کر آپ نے بھجوا دیا۔ اس روایت کے ناقل نے بیان کیا کہ بادشاہ نے اس رقعہ کو اپنی جیب میں محفوظ رکھا۔ جب نیا لباس زیب تن کرتا تو اس کو جیب میں رکھ لیتا۔ یہاں تک کہ سات دفعہ نئے لباس تبدیل کرنے تک یہ خط محفوظ رہا۔ فرصت کے اوقات میں اسے مطالعہ کر کے روتا تھا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس قسم کے ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ آخری دنوں میں بہادر شاہ کے بیٹے عظیم الشان نے طلب دعا اور عجز وانکساری سے بھرپور عریضہ لکھ کر زیارت کی خواہش کی اور کہا کہ اگر آپ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زیارت کے قصد سے تشریف لائیں اور اس بہانے سے ہماری ملاقات بھی ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ **ان اللہ لا ینظر الی صورکم واعمالکم وانما ینظر الی قلوبکم ونیاتکم** میں آپ کی چکنی چپڑی باتوں کے فریب میں نہیں آ سکتا۔

مقبولان بارگاہ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں

شیخ احمد سرہندیؒ کی اولاد میں سے شیخ نقشبند نامی ایک بزرگ نے ایک دن مجمع میں کہا کہ اس طبقے کے درویش پرانے گھسے پٹے نکات کے سوا معارف جدیدہ کے تازہ بتازہ نکات عرفان سے نابلد ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا ایسا نہیں بلکہ اس طبقے کے بعض لوگ تو خاص طور پر ایسے جدید معارف کا سرمایہ رکھتے ہیں کہ اس میں وہ کسی کے مقلد نظر نہیں آتے وہ کہنے لگے اگر ایسا ہے تو پھر ان میں سے کچھ ہمیں بھی سنا دیجئے تاکہ آپ کی اس بات کی حقیقت ہم پر بھی واضح ہو جائے۔ آپ نے فرمایا **کلموا الناس علی قدر عقولھم**۔ حد مقرر ہو چکی ہے اس لئے عام مجلس میں ایسے رموز ظاہر نہیں کرنے چاہئیں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اس مجلس میں اکثریت اہل سلوک کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ معرفت کے بعض باریک نکتوں کے سلسلے میں بہت سے اہل اللہ بھی عوام کا سا حکم

رکھتے ہیں۔ اس پر بھی جب وہ نہ مانے تو حضرت والا نے فرمایا۔ شیخ بسطامیؒ کا قول ہے کہ نہایة الصدیقین بدایة الانبیاء (کمال صدیقیت آغاز نبوت ہوتا ہے) اور اکثر اہل استقامت اسی راہ پر گامزن ہیں مگر عرفان کچھ اور تقاضا کرتا ہے۔ جب حضرت والا نے بات یہاں تک پہنچائی تو شیخ نقشبندؒ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور ان کے چہرے پر ناگواری کے اثرات محسوس ہونے لگے۔ حضرت والا نے اس خیال سے کہ شاید شیخ نقشبند اس دوسرے قول کو پسند کرتے ہیں کہ الولایة افضل من النبوة (ولایت نبوت پر فوقیت رکھتی ہے) فرمانے لگے کہ میرے نزدیک نہایة الصدیقین ولایة الانبیاء والا مقام ایک برزخی حیثیت رکھتا ہے جسے نبی کے سوا کوئی طے نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد جو کچھ وہ بیان کر چکے تھے۔ اسے اس اسلوب سے دوبارہ بیان فرمایا کہ باقی اہل مجلس نے بھی سمجھ کر قبول کیا اور شیخ نقشبندؒ بھی انتہائی مسرور اور محظوظ ہو کر کہنے لگے کہ بایزید بسطامیؒ والی بات تو روشنائی سے لکھی گئی ہے مگر آپ کا یہ نکتہ معرفت آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

فاتحہ خلف الامام میں شاہ عبدالرحیمؒ کا مسلک

واضح ہو کہ حضرت والد ماجدؒ اکثر مسائل میں حنفی مذہب کے مطابق عمل کرتے تھے مگر جہاں حنفی مسلک کے مقابلے میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا وجدان کے تحت دوسرے مسالک قابل ترجیح نظر آتے تو انہیں قبول کر لیتے جیسا کہ آپ امام کے پیچھے اور جنازے (۱) میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ ایک دن اس بارے میں شیخ عبدالاحدؒ نے بحث کی اور اپنے بعض اسلاف سے نقل کیا کہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر کوئی جماعت بادشاہ کی بارگاہ میں اپنی ضرورت بیان کرنے کے لئے کھڑی ہو تو تقاضائے ادب یہ ہے کہ سب مل کر اپنا کوئی ایک نمائندہ آگے کریں نہ یہ کہ ہر شخص

---

(۱) مختلف احادیث سے قرأت اور ترک قرأت کے طرز عمل ثابت ہوتے ہیں۔ دونوں حضرات نے احادیث کو مدار استدلال بنایا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک ایک حدیث اس لئے مدار استدلال ہے کہ وہ صحت کے اعتبار سے قوی تر ہے۔ دوسروں کے نزدیک وہ اس لئے استدلال کے قابل نہیں کہ اس کے معانی متعین کرنے قرآن کے ساتھ تطبیق دی جا سکتی ہو۔ اس لئے وہ ترک قرأت کو ترجیح دیتے ہیں کہ بقول شاہ ولی اللہ امام مالک کا مسلک دونوں کے درمیان تطبیق ہے۔ بعض حضرات کم فہمی کی بناء پر اسلامی عبادات کی اس وسعت اور اجازت کو خواہ مخواہ اختلاف کا نام دے کر مذموم پروپیگنڈہ کرتے ہیں حالانکہ اسلامی نظام کے ایک پہلو کی وسعت اور ہمہ گیری کی زندہ مثال ہے۔

بولنے لگ جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ نماز سے حقیقی غرض تو دعا اور خضوع اور خشوع کے ذریعے اصلاح نفس اور خدائے قدوس سے شرف ہم کلامی حاصل کرنا ہے جیسا کہ لاصلوۃ لمن لم یقرء بام الکتاب، والی حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے اور اللہ تعالی تو ایسا سمیع ہے کہ اگر تمام جہان ایک میدان میں کھڑا ہو جائے اور ہر شخص اپنی اپنی بولی میں کچھ کہے تو کسی ایک کی مناجات اللہ تعالیٰ کو دوسرے کی مناجات سننے میں خلل انداز نہیں ہو سکتی۔ بحث کے دوران ہم اس بات پر آ گئے کہ بعض اوقات مقتدیوں کی قرأت امام کی قرأت میں خلل پیدا کر سکتی ہے لیکن اس زمانے کا حال تو یہ ہے کہ امام کی زبان پر لفظ الحمد ہوتا ہے اور حقیقت میں صلوٰۃ کے معنی کی طرف اسے کچھ توجہ نہیں ہوتی۔ اس لئے امام کی تشویش سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) اس ضمن میں عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (۱) (جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر خدا کی رحمت ہو) محض جہری نمازوں پر دلالت کرتا ہے اور اس کی تاویلات تفسیروں میں موجود ہیں۔

دائمی حضوری

ایک دن اولیاء اللہ کی دائمی حضوری پر بات چل نکلی۔ شیخ عبدالاحد نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک دائمی حضوری یعنی تعلق مع اللہ کی تعریف یہ ہے کہ ولی جس آن بھی حضوری حق کے لئے اپنے آپ میں توجہ کرے تو بغیر کسی کوشش کے دل میں حضور حق کی یادداشتیں آنا شروع ہو جائیں۔ حضرت والا نے فرمایا۔ یہ تو معمولی کوشش سے میسر آ سکتی ہے۔ میرے نزدیک دوام حضور کی تعریف یہ ہے کہ وہ ولی سے ان معنوں میں کبھی منقطع نہ ہو، جیسے بصیر (دیکھنے والا) سے بصارت (نظر) کسی لمحے جدا نہیں ہو سکتی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ دائمی حضور ایسے آدمی کے لئے جو ابھی مقام فنا سے نہیں گزرا ایک قسم کا تکلف ہے۔ اور اس شخص کو جو فانی فی اللہ ہو، اپنے زندۂ جاوید نقطۂ وجودیہ کی طرف جو کہ حقیقت عالم وجود ہے۔ ذرا سا التفات کرنے سے بھی حضور حق حاصل ہو جاتا ہے اور

---

(۱) الاعراف ت ۲۰۴۔

فانی کو مطلق حضورِ حق جو کہ ایک لحاظ سے نقطۂ وجود یہ بھی ہے یا التفات اجمالی ہمیشہ حاصل رہتا ہے۔ جیسا کہ بصر میں بصارت موجود رہتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قوت بصریہ کا یکجا مجتمع و متحد ہونا اور پتلیوں کی گردش سے اس کا منتشر ہونا۔ آنکھ ان دونوں امور کی جامع اور نقطۂ اتحاد ہے گویا بصارت آناً فاناً آتی بھی رہتی ہے اور جاتی بھی رہتی ہے۔ اس تحقیق سے دونوں مسئلوں کی حقیقت واضح ہوگئی ہے۔

فیوض باطنی کے باوجود ظاہری توسل سنت مشائخ ہے

شیخ عبدالاحدؒ (۱) ایک دن اپنے کچھ بزرگوں کے تصرفات بیان کر رہے تھے۔ جس سے حاضرین نے سمجھا کہ اس قسم کے تصرفات صرف انہی کے بزرگوں کا خاصہ تھے، حضرت والا نے قریب بیٹھے ہوئے دوستوں کو اشارہ کیا کہ فلاں فلاں قصہ بیان کرو۔ انھوں نے حضرت والا کے جو تصرفات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے، بیان کئے اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ کا سماں باندھ دیا۔ اس سے لوگوں کا شک مٹ گیا اور کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

شیخ فقیر اللہ جن کا لقب زین العابدینؒ تھا۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے پوتوں اور خواجہ کلاں بن خواجہ محمد باقی باللہؒ کے نواسوں میں سے تھے۔ اپنے خاندان کے بزرگوں سے کافی فیوض و برکات حاصل کرنے کے بعد دہلی میں آگئے تو وہاں ایک مدت تک حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ کے مزار فائض الانوار پر بیٹھ کر فیض حاصل کرتے رہے۔ ایک دن ان کے دل میں آیا کہ یہ نسبت اویسیہؒ جو حضرت خواجہ کی روح مبارک سے حاصل ہو رہی ہے جب تک ظاہری استفادے کی شکل اختیار نہیں کرے گی مضبوط نہیں ہوگی۔ اس خیال کے آتے ہی حضرت خواجہ کی طرف متوجہ ہو کر انھوں نے استخارہ کیا کہ وہ ظاہری طور پر کس بزرگ سے اپنا ربط پیدا کریں؟ حضرت خواجہؒ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ اگر ہماری نسبت خاص کے طالب ہو! تو حضرت والا (شاہ عبدالرحیمؒ) کی صحبت میں جاؤ اور ان سے استفادہ کرو۔ شیخ زادے فوراً حضرت والا کی خدمت میں پہنچے اور آپ کی خدمت ہی میں ان پر حضرت خواجہ کا لطف و کرم ظہور پذیر ہوا اور عجیب و غریب فیوض جلوہ گر ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے ان حالات و کیفیات کا اظہار اپنے ایک خط میں کیا ہے جو یہ ہے۔

---

(۱) شیخ عبدالاحدؒ المعروف شاہ گل متخلص وحدت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پوتے اور صاحب علم بزرگ تھے۔

مکتوب شیخ فقیر اللہؒ

’’حقیر ترین خلق زین العابدین، فیاض زمان، قبلۂ مہربان کی خدمت میں سلام وتحیہ عرض کرتا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کی صحبت سرمایۂ سعادت کا اشتیاق اس قدر ہے کہ قلم سرخ زبان اسے بیان نہیں کر سکتی۔ دیوانگی اور بے تابی سے اکثر دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کچھ بھی ہو وہاں جا کر آستاں بوسی کا شرف حاصل کروں مگر کیا کیجئے کہ جسمانی کمزوریاں اور زادراہ میسر نہ ہونے ایسی بشری کمزوریاں، منزل مقصود کیلئے سدراہ ہیں۔ آپ کے جمال مظہر کمال کی خاطر شب وروز دیوانگی میں خداوند قدوس سے سوال کرتا ہوں کہ جلد اور خیر وخوبی سے میسر آئے، **انه قريب مجيب**، خدا کا شکر واحسان ہے کہ باوجود اس ظاہری دوری کے یہ ناکارہ آں موصوف کے فیوض وبرکات سے لبریز ہے اور اپنے شب وروز دلی اطمینان کے ساتھ گزار رہا ہے۔ مصیبتیں اور سختیاں، جتنی شدت کے ساتھ حملہ آور ہوتی ہیں اسی قدر ترقی کی راہیں، کثرت کے ساتھ کھلتی ہیں۔ محبوب کی ایذا رسانی جو اپنے اندر کچھ مصلحتیں اور مقاصد رکھتی ہے۔ اہل محبت کی نظر میں خوب اور پسندیدہ ہے بلکہ انہیں تو نعمتوں سے بھی زیادہ لذت اسی میں ملتی ہے۔

ہجرے کہ بود مرادِ محبوب
از وصل ہزار بار خوشتر

(عاشق کی دوری جسے محبوب زیادہ تر پسند کرتے ہیں، حقیقت میں عشاق کے لئے وصل یار سے بھی ہزاروں مرتبہ اچھی ہے)

پہلے بھی یہ حقیقت فقیر پر روشن تھی، مگر آپ کی صحبت کثیر البرکت کی تاثیر سے یہ دولت بتمام وکمال حاصل ہوئی ہے اور اسی طرح دنیا اور اہل دنیا کی بے اعتباری، گھٹیا پن اور ان دونوں سے بے رغبتی بھی ان دنوں زیادہ ہو چکی ہے۔ دنیوی ترقی کی باتوں سے بھی دل کی خوشی نہیں ملتی۔ فقیرانہ وضع، دنیا اور اہل دنیا سے بے تعلقی

اور فقر کی بدولت پیدا ہونے والی بے سروسامانی خوب پسندیدہ و مستحسن نظر آتی ہے۔ جب کہ زوال دولت، اہل دولت کے لئے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ احقر کو بھی دنیوی وضع قطع کے زوال کا احساس قیام دہلی کے دنوں قدرے باقی تھا مگر آپ کی صحبت بابرکت سے فیوض و برکات کا جو اکتساب کرتا رہا وہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ ان دنوں آپ سے نسبت ربط نے بے اختیار مغلوب کیا ہوا ہے۔ اکثر و بیشتر آپ کی شکل مبارک سامنے رہتی ہے۔ جسے دیکھ کر یہ ادنیٰ خادم بے خود اور بیقرار ہو جاتا ہے۔ آستاں بوسی کا شوق دیوانگی اس حد تک جا پہنچا ہے کہ نہ نیند میں چین اور نہ بیداری میں آرام ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تک کیسے پہنچوں، سخت گرمی اور بارش کے سبب گھر سے نکلنے کی جرأت نہیں پڑتی۔ ایسے موسم میں احقر کا اس طرف آنا باعث ہلاکت ہوسکتا ہے اور دوسری ظاہری رکاوٹیں بھی مانع ہیں۔ برسات گزرنے کے بعد اگر کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو امید ہے کہ آستاں بوسی کر کے اپنی استعداد کے مطابق فیضیاب ہوں گا۔ اگر آپ کی باطنی عنایات جو فوری طور پر پہنچ کر تسلی کرادیتی ہیں۔ میسر نہ ہوتیں تو قریب تھا کہ درد عشق کی شدت بے جان ڈھانچہ بنا کر رکھ دیتی ہے مگر چونکہ آپ کا فرمان تھا کہ ہم غائبانہ بھی تمہارے دل پر متوجہ رہیں گے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ غائبانہ توجہ سے تمہیں فیوض و برکات حاصل ہوں گی۔ اس فرمان سے ذرا دلی سکون حاصل ہے مگر ساتھ ساتھ شرف صحبت کا ذوق وشوق بھی ہے۔ امید رکھتا ہوں کہ توجہ غائبانہ کی کرامت سے حصول پابوسی کا شرف بھی عنایت فرمائیں گے۔ ہفتہ میں آپ نے توجہ کے لئے جو جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا۔ اس پر پیر کا دن بھی بڑھا دیجئے تاکہ آپ احقر کے حال پر ہفتے میں دو دن توجہ فرما سکیں کیونکہ اس توجہ کے باعث پہلی ریاضات ومجاہدات کے مقابلے میں زیادہ کشائش اور روحانی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ امید ہے کہ یہ التجا قبول فرمائیں گے۔ جمعرات کے دن نماز عصر کے بعد فرمان عالی کے مطابق آنجناب کی طرف متوجہ رہتا ہوں۔ ان لمحات میں بعض اوقات تو عجیب وغریب کیفیات نمودار ہوتی

ہیں۔ بالخصوص پندرہ صفر کو حسب دستور آپ کی روحانیت کی طرف متوجہ تھا۔

کہ جذبۂ روحانی کی نسبت شعاعوں کی شکل میں جلوہ گر ہوئی، قریب تھا کہ نسبت باطنی کے غلبے کی وجہ سے مدہوش اور بے خود ہو کر زمین پر گرتا کہ اسی درمیان میں نماز مغرب کی اذان ہوئی اور شغل نماز کی وجہ سے یہ کیفیت قدرے ہلکی ہو گئی۔ اسی طرح اکثر اوقات توجہ باطنی کے دوران مغلوب النسبت ہو جاتا ہوں۔ پہلے کبھی کبھار یہ کیفیت ہوتی تھی۔ اب مستقل اور متواتر ہو گئی ہے۔ طبیعت گوشہ نشینی کو پسند کرتی ہے۔ علمی مشاغل اور تلاش روزگار کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو۔ طبیعت ان سے متنفر ہو چکی ہے۔ دو سطریں پڑھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ رخصت کرتے وقت آپ کی زبان گوہر افشاں سے نکلا تھا کہ تمہیں اصل نسبت حاصل ہو چکی ہے۔ مداومت اور پابندی کرنے سے یہ روز بروز زیادہ ہوگی اور اس کے اثرات ظہور پذیر ہوں گے سچ تو یہ ہے کہ آپ کا فرمان پورا ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ دن بدن نسبت مضبوط ہو رہی ہے اور اس کے آثار خاصیت جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کے لطف و کرم کا ثمرہ جانتا ہوں

من آں خاکم کہ ابر نو بہاری　　کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم　　چوں سوسن لطف شکر کے توانم

(میں وہ ناچیز مٹی ہوں کہ ابر نو بہار اپنے لطف و کرم سے مجھ پر رحمت کا مینہ برسا رہا ہے۔ اس لئے میرے بدن سے اگر سو زبانیں بھی پھوٹیں تو گل سوسن کی طرح اس کے لطف و کرم کا شکر ادا نہیں کر سکتیں)۔

میرے ساتھ نشست و برخاست رکھنے والے بعض احباب میری اس نسبت کی خبر اور کیفیت بتلا دیا کرتے ہیں اور بعض تو خود مغلوب الحال ہو کر اپنے اندر ایک عظیم کیفیت مشاہدہ کرتے ہیں۔ برخوردار درویش احمد تو ان دنوں اس نسبت سے بھرپور ہے مگر تمنا یہ ہے کہ اس بے خودی اور مغلوب الحالی کی کیفیت تمام یاران طریقت میں ظہور پذیر ہو۔ جو ابھی تک دیکھنے میں نہیں آ رہی، البتہ آپ کی عنایات

سے امید رکھتا ہوں کہ فقیر کے حسب منشا یہ بھی ہو جائے گا۔ علم باطنی کی ترقی کے سلسلے میں احقر امید رکھتا ہے کہ توجہ مبذول فرمائیں گے کیونکہ بعض ضروری امور اسی کے حصول پر موقوف ہیں۔ احقر اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جمیع امور باطنی کی عقدہ کشائی آپ ہی کی توجہ پر منحصر ہے۔

سالہا در طلب روئے نکو در بدرم   روئے بنماو خلاصم کن ازیں در بدری

(مدتوں سے رخ انور کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں ذرا سی جھلک دکھا کر مجھے اس کوچہ گردی سے نجات دلا)

ان پر اللہ کی سلامتی ہو جو سیدھی راہ چلتے ہیں۔

ایک اور خط میں حضرت والد ماجد کو لکھا کہ:-

"قبلہ گاہا! فیوض و برکات آپ کی زیر نگرانی مکمل کئے ہوئے چلے میں حاصل ہوئیں۔ ان کی تفصیل کسی بیان میں نہیں سما سکتی۔ مختصراً یہ کہ بہت سی ایسی فتوحات باطنی میں جن کا اہل نہیں تھا۔ آپ کی توجہ عالی کی برکت سے حاصل ہوئیں اور نفس کے پلید وسوسوں سے نجات پا کر نسبت روحانی کے مختلف مقامات پر فائز ہوا۔

گر برتن من زبان شود ہر مو   یک شکر تو از ہزار نتوانم گفت

(میرے وجود کا ہر بال اگر زبان بن جائے تو تیرے ہزاروں احسانات میں سے ایک کا بھی شکر ادا نہ کرسکوں)

دوسرے یہ کہ اب تک احقر آپ کے فرمان بموجب آغاز قلب کے جوف سے نکلنے والے نور کے مطالعہ و مشاہدہ میں مستغرق ہے۔ اس مشاہدہ و مطالعہ میں عجیب و غریب امور ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں جیسے بیخودی، حضوری، ربودگی اور بعض امور کونی کا کشف اور اس مطالعہ و مشاہدہ کی مشق کے لئے جن مریدین کو اجازت دی تھی۔ ان کے بقول انوار و تجلیات بھی اس مشاہدہ میں میسر آتے رہتے ہیں۔ اگر حکم ہو تو یہ مطالعہ ہمیشہ جاری رکھا جائے یا پھر کوئی اور چیز مناسب حال ارشاد فرمائی جائے تاکہ اسے معمول بنالیا جائے۔ قبلہ گاہا! عجیب معاملہ ہے جب آپ کا اشتیاق

غالب ہوتا ہے تو گویا آپ کی طرف سے ایک کھڑکی کھل جاتی ہے اور آں موصوف کے فیوض باطنی اور برکات روحانی اس ادنیٰ خادم درگاہ پر موسلا دھار مینہ کی طرح برستی رہتی ہیں۔ جس قدر شوق تیز ہوتا ہے اسی قدر یہ برسات شدت اختیار کرتی ہے۔ احقر کو یقین کامل ہے کہ میری تمام باطنی فتوحات آپ کی توجہ کی محتاج ہیں، جناب والا کی ایک توجہ سو سالہ عبادت اور چلوں سے بہتر ہے۔

اگر از جانب معشوق نباشد کششے
کوشش عاشق بے چارہ بہ جائے نہ رسد

(اگر حصول وصل میں محبوب کی کشش اور عنایت شامل حال نہ ہو، تو عاشق مسکین کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچ پائے گا)

نسبت آگاہی کے متعلق شاہ عبدالرحیمؒ کی تشریح

حضرت والد ماجد کے جوابی مکتوب میں مندرج تھا: کہ ذات الٰہی میں گم ہونے اور عرفان و آگہی میں پوری توجہ صرف کرنے سے قوت مشاہدہ اور حضوری حق میں دوامی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ اس کیفیت سے متاثر ہوتے ہیں اور کچھ متاثر نہیں ہوتے۔ میرے مشفق! جب یہ نسبت دوامی کیفیت حاصل کر لے تو کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے لحظہ بہ لحظہ ترقی کرتی رہتی ہے اور تمام ہستی موہوم پس پردہ چلی جاتی ہے۔ طالب کو وجود حقیقی عطا ہوتا ہے اور عالم شہود میں وجود امکانی کے آثار کلی طور پر مٹ جاتے ہیں اور وجود حقانی کے انوار و آثار ظہور پذیر ہوتے ہیں اور سالک قرب نوافل کے مقام سے گزر کر قرب فرائض کے مقام میں جا پہنچتا ہے نوع انسانی تو کیا جانور بھی اس نسبت سے متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ محمد قلی نامی فقیر کا ایک مخلص جس وقت بھی جذبۂ آگاہی کی نسبت سے متاثر ہوتا تھا تو اس کا گھوڑا چلنے سے رک جاتا تھا، جب وہ اس نسبت سے مغلوب ہو جاتا تھا تو گھوڑا زمین پر گر جاتا تھا، جب اس سے بھی زیادہ مغلوب الحال ہوتا تو گھوڑے پر بھی بیخودی طاری ہو جاتی، بعض اوقات کچھ حیوانات نے اس فقیر کی نسبت سے بھی

متاثر ہوکر دانے پانی سے تین تین دن تک منھ پھیر لیا ہے، بلکہ بعض تو اس روحانی نشے کی تاب نہ لاکر مر بھی گئے۔ بزرگان طریقت کے ایسے قصے اور حیوانات کے متاثر ہونے کی باتیں حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اور ایسے مشاہدات کثرت سے واقع ہوئے ہیں مگر بعض اکابر سے آثار تصرف کا ظہور اس وقت ہوتا جب وہ معمور ہوتے تھے۔ بعض فقرا مغلوب النسبت ہوکر ایسے آثار دکھاتے تھے اور بعض کاملین ایسے بھی ہوگزرے ہیں جو جب چاہتے یہ تصرفات دکھا سکتے تھے، یہ عجیب بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ جوانی کے دنوں میں بعض احباب توجہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کا جسم ہوا میں اڑا اور پھر زمین پر لوٹا۔ متوقع ہوں کہ کچھ عرصہ اس نسبت کو دوام بخشنے کے سلسلے میں مجاہدات اور کوشش کریں گے تاکہ آپ کو اس میں دوام اور پختگی حاصل ہو اور آپ کے تمام احباب طریقت پر بھی اس کا اثر ظاہر ہو۔

جوابی مکتوب میں یہ بھی لکھا تھا کہ:-

سوموار کے دن بھی میری طرف متوجہ ہوا کرو۔ میرے مخدوم و مشفق! یہ خط لکھ کر جمعرات کے دن بعد نماز عصر آں عزیز کی طرف توجہ ڈالی جائے گی انشاء اللہ آپ پر اس کے نیک اثرات کا ظہور ہوگا۔ نیز امید کرتا ہوں کہ آپ درس و تدریس اور کتابوں کے مطالعے کو سردست موقوف رکھیں گے اور بہترین لمحات توجہ کامل کے ساتھ ہمیشہ نسبت مذکورہ حاصل کرنے میں صرف کریں گے۔

حرف کو کاغذی سیاہ کند   دل کہ تیرہ است کے چو ماہ کند

(جو حروف اچھے بھلے کاغذوں کو سیاہ کر دیتے ہیں وہ تاریک دل کو کیوں کر روشن چاند کا ہمسر بنا سکیں گے)

حروف اور ان کے لچھوں کو دل میں مت لاؤ بلکہ جاگتے سوتے حصول نسبت پر دھیان رکھو حق تو یہ ہے کہ نیند میں بیداری سے بھی زیادہ نسبت حاصل ہوتی ہے، مطالعہ نسبت کے مقابلہ میں ذکر جہری کا وہی مقام ہے جو ذکر قلبی سے دور رکھنے میں وسوسے کو حاصل ہے۔ اس لئے اس نسبت کے حصول میں حضوری پیدا کرنے کے

لئے ذکر ظاہری سے باز رہنا طریقت کے واجبات اور فرائض میں سے ہے، کیونکہ یہ نسبت یعنی نسبت آگاہی حقیقت ذکر کی حیثیت رکھتی ہے اور جہاں حقیقت حاصل ہو وہاں الفاظ واقوال کے تخیل کا کیا دخل؟

میرے مشفق! یہ فقیر جب بھی پیشوائے عارفاں حضرت خواجہ خورد قدس سرہ کی خدمت میں جاتا تھا۔ یہی نصیحت فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو درس وتدریس، غیر ضروری کہانیوں اور کتابوں کے مطالعے سے دور رکھو اور اپنی تمام تر توجہ اس نسبت پر مبذول رکھو جو تمام برگزیدہ بندوں کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم درس وتدریس اور کتابوں کے اسیر رہے، اس نسبت کے عجیب وغریب آثار ہم پر ظاہر نہ ہو سکے مگر جونہی ان چیزوں سے ہاتھ اٹھایا جو چاہا وہی پایا اگر اپنے پیش رو بزرگوں کی توجہات اور تصرفات کے قصے لکھوں تو ان کے لئے دفتر چاہئیں۔

میرے مشفق! اس طریقے کے اکثر اکابر نسبت آگاہی اور مشاہدے کو اس لحاظ سے کہ مشاہدہ کرنے والے یا حق آگاہ کا وجود درمیان سے اٹھ جاتا ہے تجلی ذاتی گمان کرتے ہیں، اے کاش: اے کاش: کہ تجلی ذاتی ہم سے ابھی کوسوں دور ہے کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

کیف الوصول الی سعاد ودونها
قلل الجبال ودونهن حتوف

؎

منزل عشقت مکانِ دیگر است
مرد ایں رہرو نشان دیگر است

(تیرے عشق کی منزل کا مکان ہی اور ہے راہ عشق کے رہرووں کی علامات ہی دوسری ہیں)

ہاں ہاں نسبت آگاہی تجلی ذات کا آئینہ ہے اور یہ نسبت سطوت محبت اور غلبۂ

شوق کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے اور اس نسبت کا تعین صرف وہی علم کر سکتا ہے جو سالک کو باریک اور نازک تر مقامات تک پہنچا سکے۔

معشوق چوں نقاب ز رخ بر نمی کشد
ہر کسے حکایتے بتصور چرا کند

(محبوب جب اپنے رخ سے پردہ نہیں ہٹا رہا تو پھر ہر شخص اپنے دل میں خیالی تصویریں کیوں سجا رہا ہے)

بلند ہمت ارباب سلوک نے اپنی تمام روحانی قوت اور توجہ اس بات پر مبذول رکھی ہے کہ لطیفۂ مدرکہ کو بجز ایک حقیقت کے جسے حق کہتے ہیں اور کچھ معلوم نہ ہو سکے آپ کی دانش وبینش کا تقاضا ہے کہ اپنے لطیفۂ مدرکہ کو بھی بجز علم حقیقت حق باقی تمام آلائشوں سے پاکیزہ، خالی بیگانہ اور صاف وشفاف رکھنے کے لئے انتہائی اہتمام کریں تاکہ تمہیں استغراق کامل اور حضوریٔ دائمی حاصل ہو۔ جو تمام مقامات سلوک کی انتہا ہے۔ یہ آیۃ کریمہ وانّ الٰی رب المنتھٰی (۱) (اے سالک مسالک حقیقت! تیری انتہا وصال ربی ہے) اسی مقام کی طرف اشارہ کر رہی ہے تاکہ اس حالت عظیم اور سعادت دائمی کے وسیلے سے سالک تجلی ذاتی کے اس بلند مرتبے پر فائز ہو سکے جہاں ظاہر و باطن اور قلب و روح میں بجز حقیقت حق سبحانہ اور کچھ نظر نہیں آتا، نیز کل شیء ھالک الا وجھہ (۲) کے رموز واسرار بھی سالک پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں بحمد اللہ کہ طریقۂ خواجگان قدس اللہ اسرارھم میں بعض برگزیدہ اور مقبول درویشوں کو یہ دولت آغاز سلوک ہی میں بغیر کسی ظاہری وسیلے کے صدق اعتقاد اور خلوص نیت کی بدولت مکمل طور پر حاصل ہو جاتی ہے، بے شک جس نے پانا چاہا پا لیا اور گرفتار شک بے نصیب رہا۔ والسلام

ذرّہ ذرّہ جلوہ گاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت والد ماجدؒ فرماتے تھے کہ ایک بزرگ نے توفیق الٰہی سے دنیوی مشاغل سے کنارہ

---

(۱) پ: ۲۷، س: والنجم، ت: ۴۱۔ (۲) پ: ۲۰، س: عنکبوت، ت: ۸۷۔

کشی کرلی، اور اپنی تمام توجہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہونے اور درود پڑھنے میں صرف کردی، کچھ دنوں میں اس پر نسبت اویسی ظاہر ہوئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پانے لگا اور اپنے آپ کو کمونی کے لقب سے مشہور کردیا۔ اس تعلق سے کہ کمون کے معنی پردے کے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طریق اویسی کے ذریعے اسرار خفی سے سارے پردے اٹھا دیئے تھے، فرمایا مجھے بھی اس بزرگ سے ملاقات اور دوستی کا شرف تھا، ایک دن اس سے سنا کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاؤں میں، دھرتی پر، بیٹھنے اٹھنے، بولنے چالنے اور کھانے پینے الغرض ہر حالت میں دیکھتا ہوں، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حالت مبارک بھی مجھ سے چھپی نہیں رہتی، اور مجھ ناچیز پر حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ کرم خاص ہے۔ میں نے کہا آپ کی انتہائی محبت کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کریمہ آپ کی قوت متخیّلہ میں رچ بس چکی ہے ورنہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حقیقہ نصیب نہیں، یہ سن کر وہ کہنے لگے اس پر دلیل لائیے تاکہ مجھے تصدیق حاصل ہو۔ میں نے کہا کہ فلاں آیہ کا معنی یا بدر و اُحد کا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیجئے۔ اگر ایسا جواب ملے جو علماء کے نزدیک یقینی اور تحقیقی ہے تو ماننا پڑے گا کہ آپ کو رویت حقیقہ حاصل ہے اور اگر کچھ معلوم نہ ہو یا خلاف حقیقت ظاہر تو پھر سمجھ لیجئے کہ آپ کے دماغ میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت خیالیہ بس رہی ہے اس پر اس بزرگ نے کچھ آیات واحادیث پڑھیں اور بزعم خویش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار پوچھا مگر کچھ جواب نہ ملا میں نے کہا حقیقت واضح ہوگئی کہ فرط محبت کی وجہ سے آپ کے ذہن وخیال میں صورت خیالیہ کی کیفیت طاری رہتی ہے نہ کہ رویت حقیقہ۔ حضرت والا کے ہم نشینوں میں سے ایک اور بزرگ پر یہی حالت طاری ہوئی تو آپ نے اسے بھی یہی کچھ فرمایا۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) اس مقام پر ایک تحقیق پیش کرتا ہے اور وہ یہ کہ کبھی کبھی ایسے حضوری لوگوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح انور سے کامل مناسبت پیدا ہوجاتی ہے تو ایسے عالم میں حالت خواب اور بیداری کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ان حضرات کو بغیر دقت نظر کے کائنات کے ذرے ذرے میں صورت محمدی جلوہ گر نظر آتی ہے اور اگر یہ کیفیت زندگی بھر طاری رہے تو بھی اسے رویت حقیقہ کہا جائے گا اور عالم خواب میں انبیاء وصالحین کے مبشرات اور صوفیا کے اس حال میں

کوئی فرق نہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ میں شخص مذکور کا آیات واحادیث کے معانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کرسکنا کچھ وجوہات رکھتا ہے مثلاً یہ کہ اس بزرگ کی نسبت اس پایہ کی نہیں تھی کہ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علوم واسرار کی گرہ کشائی کر سکے یا صاحب نسبت ابھی خام تھا، یا اس لئے کہ صاحب نسبت نے چند خاص امور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسبت پیدا کی نہ کہ یہ نسبت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخفی علوم کے حصول کی نیت سے پیدا کی گئی۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) کا گمان یہ ہے کہ مذکورہ بالا صاحب نسبت بزرگ کے ادعائے مناسبت کو حضرت والد ماجد نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حقیقہ کے ناممکن الوقوع ہونے کے سبب نہیں بلکہ کچھ اور وجوہات کی بنا پر مسترد فرمایا تھا۔ ضمناً یہ بات بھی ان وجوہات میں شامل ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

پختگی نسبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟

حضرت والد ماجدؒ اپنے ایک ہم عصر بزرگ کی ملاقات کو گئے جو نسبت اویسیہ میں مشہور اور حد درجہ خوش طبع تھے۔ طویل گفتگو کے بعد حضرت والا نے انہیں فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شریف سے فیضان حاصل کرنا نسبت کے بغیر ناممکن ہے اور نسبت کا تقاضا یہ ہے کہ صاحب نسبت اور مرکز نسبت کے درمیان تمام احوال واعمال میں موافقت میں، بجا یہ کہ آپ کو ایک قسم کی نسبت حاصل ہے لیکن اگر آپ فضول اور بے ہودہ کلام سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کو سیرت نبوی کا نمونہ بنائیں تو یقیناً آپ کی نسبت مضبوط تر ہو جائے گی اور درِ فیض بھی کھل جائے گا کس قدر بری بات ہے کہ چند گھٹیا قسم کی رکاوٹیں آپ کو پاکیزہ مقاصد تک پہنچنے سے روکے ہوئے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ حضرت والا کے یہ کلمات ان کے دل میں پیوستہ ہوگئے اور فضول گوئی سے قدرے رک گئے۔

نقشبندی مشائخ کے ایک قول پر اعتراض اور شاہ عبدالرحیمؒ کا جواب

فرمایا کہ شیخ میرٹھی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ جو نقشبندی حضرات کہتے ہیں کہ ہمارا آغاز منتہیوں کا انجام ہے حالانکہ میں خواجہ نقشبند کی باتوں سے بیزار ہوں، ہاں ہاں اسی بہاء الدینؒ کی باتوں سے جس کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بایزید کا انتہائی قدم بھی ان کے اولین قدم کو

نہیں چھوسکتا، اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ جو شخص پچاس یا ساٹھ سال تک مجاہدے کرتا رہا ہو، وہ مبتدی امروز کے برابر کیسے ہو جائے گا؟ میں نے کہا تم لوگ یعنی سلسلہ شطاریہ کے پیرو کار منازل سلوک کیسے طے کرتے ہو، کہنے لگا پہلے اسم ذات دوضربی، پھر چارضربی اور پھر اسی طریق سے شغل نفی واثبات کرتے ہیں۔ میں نے کہا اس کے بعد کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا شغل امہات اور اسمائے ملتفہ کا ورد کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا پھر؟ کہنے لگے شغلِ ہُو بُو۔ پوچھا اس کے بعد کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا شغل بے مثال۔ میں نے پوچھا پھر کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا اس کے بعد بائے ہویت میں غرق ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا نقشبندی سب سے پہلے بائے ہویت میں غرق ہوتے ہیں اور شیخ نقشبندؒ کے کلام کا یہی تو مطلب ہے نہ یہ کہ صوفیاء کے تمام احوال وآثار آغاز سلوک ہی میں ان پر طاری ہو جاتے ہیں۔

حضرت والد ماجد کے خاص معتقدین میں سے شیخ امان اللہؒ نے ایک دن سوال کیا کہ جب کوئی سالک کسی طریقۂ صوفیاء کے اشغال واوراد پورے کر کے جمعیت خاطر حاصل کرلے تو کسی دوسرے طریقے میں داخل ہو کر اس کے اعمال واشغال میں منہمک ہونا اس کے لئے مفید ہے یا نہیں؟ اگر یہ بات اس کے لئے بہتر ہے تو اسے اس سے کیا فائدہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ایک طریقے میں کمال حاصل کرنے کے بعد دوسرے طریقے سے کسب فیض کرنا مستحسن ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ اسے اس طریقے کی نسبت حاصل ہوگی، اور ہر طریقے کی نسبت اور اس کے آثار مختلف ہوتے ہیں۔

مختلف سلاسل کی نسبتوں کے خصائص

واضح ہو کہ آپ کی زبان مبارک سے بارہا خلوت میں سنا گیا کہ مجھے جو نسبت حضرت غوث الاعظمؒ سے ملی ہے وہ بہت ہی صاف اور حد درجہ نازک ہے اور جو نسبت مجھے خواجہ نقشبندؒ سے ملی ہے وہ غالب تر اور حد درجہ موثر ہے۔ جمعیت قلب اور قبول عام اس میں بدرجہ اتم موجود ہے اور جو نسبت خواجہ معین الدینؒ سے پائی ہے وہ عشق کے قریب! تاثیر اسماء اور صفائے دل کی مظہر ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کو آپ کے الفاظ تو یاد نہیں رہے مگر مطلب تقریباً یہی تھا، واللہ اعلم

نیز آپ کی باتوں اور عمل سے اکثر وبیشتر مترشح ہوتا تھا کہ کسی ایک طریقے کے بزرگ کو

دوسرے طریقے کے بزرگ پر فضیلت یا ترجیح دینے کو خاص طور پر اس انداز سے کہ کسی ایک کی تنقیص مقصود ہو آپ ناپسند فرماتے تھے۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے صلوٰۃ موسم کے متعلق صوفیاء اور محدثین کے اختلاف پر سوال کیا تو فرمایا کلام صوفیاء سے قطع نظر یہ مطلق نوافل میں داخل ہے پھر کیوں نہ اسے نفل ہی کی نیت سے ادا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت والا راتوں کو عبادت سے زندہ رکھا کرتے تھے اور نوافل میں تعداد رکعات کی بجائے نشاط روح اور حضور قلب کا زیادہ خیال فرماتے تھے۔

بعض طالبان سلوک کی تربیت کے پیش نظر فرمایا کہ عدم اور غیبت کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں ہمارے زمانے کے ارباب سلوک نے جن باتوں کو قابل اعتماد سمجھا ہے وہ حقیقت کے خلاف ہیں بلکہ ان کے مزعومہ غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ جب ان نام نہاد سالکین کے دماغوں پر تبخیر معدہ کے اثرات چڑھتے ہیں تو نیند کی سی ایک کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ میں کھو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کا آغاز حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے سے ہی کیوں نہ ہو، باقی رہا ان کا عدم تو بسیار خوری کی وجہ سے جب ان پر نسیان اور بے خودی کا دورہ پڑتا ہے تو اس کے سبب انہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ساری قوت یادداشت ختم ہو چکی ہے اور انہیں اپنے وجود کی کوئی شدھ بدھ نہیں رہی۔

مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی کہ ان دنوں میرے دل میں ذکر جاری ہو چکا ہے آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اگر واقعی ذکر جاری ہے، تو مبارک ہو! بعد میں اس فقیر سے فرمایا کہ لوگوں پر خفقان کا دورہ پڑتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ لطیفۂ قلب جاری ہو گیا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ہر انسان کے دل بلکہ تمام اعضا میں ایک متحرک نبض موجود ہوتی ہے اور اس کے حرکت میں آنے یا نہ آنے سے کمال انسانی میں کچھ فرق نہیں پڑتا، ہاں البتہ اگر اس حرکت کو کوئی شخص اسم ذات خیال کرے اور یہ تخیل اس پر غالب آ جائے تو یہ فائدہ ہوگا کہ اسم ذات اس کے دل پر نقش ہو کر رہ جائے گا ایسی حالت میں لائق اعتبار تخیلی ہے نہ کہ حرکت! واللہ اعلم

ترقی مدارج کی حقیقت

فرمایا کہ موت کے بعد ترقی درجات ایک ناقابل انکار حقیقت ہے مگر اس سلسلے میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ جب اس عالم میں ایک عام آدمی بھی دس گنا یا سو گنا ترقی حاصل کرتے کرتے ہزاروں علماء ومشائخ کے مقامات طے کر کے انبیاء واولیاء کا ہمسر بن سکے گا، تو کچھ مدت بعد ان اولوالعزم ہستیوں اور اس عامی میں کیا فرق باقی رہ جائے گا؟ یہ خیال آتے ہی کشفی طور پر جواب ملا کہ وہاں ہر شخص کی ترقی اپنے اپنے مقررہ مقام کے اندر ہوگی، کیونکہ اس عالم کا ہر مقام اپنے اندر اتنے پہلو، شاخیں، مراتب اور درجات رکھتا ہے کہ جس کی کوئی حد ونہایت نہیں، اسی مقام کے مختلف زینے، مراتب اور درجات طے کرنے کو یہ سمجھنا خلاف حقیقت ہے کہ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر ترقی کر رہا ہے بلکہ اس کا یہ روحانی سفر اپنے ہی مقام کے آخری حدود تک جاری رہ سکے گا۔

اس سلسلے میں کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک موت کے بعد ترقی مدارج اس لئے نصیب ہوتی ہے کہ مادی وجود کے تمام اجزاء گھل کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ملکوتی قوتیں پوری طرح ظہور پذیر ہو جاتی ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو ایک خاص استعداد دے کر پیدا کیا ہے جیسے فرمایا: **ومامنا الا له مقام معلوم** (۱)(ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے لئے ایک مقام معلوم مقرر نہ کیا گیا ہو) لہٰذا مرنے کے بعد جب انسان کے اندر چھپی ہوئی بہیمی قوتیں اور مادی وجود کے فانی اجزاء منتشر ہو جانے سے صفائے روح اور رونق نوری پیدا ہوتی ہے تو انسان اپنے اس مقام کو پالیتا ہے جسے مقام معلوم کہا گیا ہے۔

سلطان العارفین کے قول کی تشریح

فرمایا جب زرق برق لباس پہنتا اور پان چباتا تو اپنے آپ میں ایک ترقی محسوس کرتا، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس قسم کے واقعات سے آپ کی طہارت و پاکیزگی اور نفاست طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت والد ماجد، سلطان العارفین کے اس قول کا معنی بیان کرتے ہوئے **توبة الناس عن ذنوبهم وتوبتي عن قول لا اله الا الله** فرماتے تھے کہ لا الٰہ الا اللہ میں نفی واثبات کا

---

(۱) الصفٰت:ت:۱۶۴

جھگڑا ہے جب کل شئ ھالک الا وجھه کا پہلو نظر آیا، تو پھر نفی کس کی کریں؟ باوجود اس کے کہ خواص نفی کو حقیقت غیر ثابتہ سمجھتے ہیں مگر کبھی کبھی جب غیر اللہ کی جانب سے اطمینان والتفات اور خوف وخطر کی کیفیات دل میں کھٹکتی ہیں، تو انہیں مٹانے کے لئے نفی واثبات کا شغل اختیار کرنا پڑتا ہے۔

لہو ولعب سے اجتناب صفائی قلب کا ذریعہ ہے

فرمایا کہ طالب علمی کے زمانے میں میرے ہم سبق (۱) لڑکے شطرنج کا سامان اور ایک کتاب لائے، مگر مطالعہ کے باوجود وہ کچھ نہ سمجھ سکے، مجھے دی تو میں نے کہا کہ میں تو مہروں کے نام اور ان کی چالوں سے بھی بے خبر ہوں مجھے انہوں نے اس بارے میں کچھ باتیں بتلائیں، پھر میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا، اس میں کھیل سے متعلق لمبی چوڑی باتیں درج تھیں مگر عبارت میں کچھ غلطیاں اور تبدیلیاں تھیں میں نے ان کی اصلاح کر دی اور پھر ہر روز اس کتاب کا ایک آدھ سبق اپنے ہم درسوں کو سمجھاتا جس سے وہ بہت خوش ہوتے اور اسی انداز سے شطرنج کھیلتے، انہی دنوں میں بیمار ہو گیا، دلی سکون جاتا رہا اور سخت پریشان ہوا جب چھپر کے کانوں پر نظر پڑتی تو مجھے شطرنج کے مہرے اور دوستوں کا کھیل یاد آجاتا حضرت حافظ سے بہت التجا کی کہ اس مصیبت سے نجات پاؤں تو فرمایا کہ تم ہر حال میں حضرت خاتمیت علیه من الصلوٰة اتمها و من التسلیمات ایمنها سے تربیت لینے کے عادی رہے ہو؟ اس لئے کثرت سے درود پاک پڑھو اور اسی بارگاہ میں التجا کرو میں نے کثرت سے درود پڑھا اور بارگاہ نبوت سے التجا کی تو کافی تکلیف کے بعد اس مصیبت سے جان چھوٹی اور شطرنج کے مہروں کے نام اور کھیل کے طریقے میرے دل سے محو ہو گئے، اس پر اللہ کا شکر کیا۔

والدین کے ساتھ نیکی واحسان کا عجیب نکتہ

فرمایا لوگ سمجھتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا بہت ہی مشکل ہے کیونکہ حقیقت میں ان کے ساتھ جتنی بھی نیکی کی جائے وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں لیکن میرے نزدیک یہ بہت ہی آسان ہے کیونکہ والدین تو معمولی سی دلجوئی سے بھی انتہائی مسرور ہو جاتے ہیں اور اولاد

---

(۱) اصل نسخے میں عبارت اس طرح ہے ''درابتدائے حال ہم درشان ما کتابے درحیل شطرنج آوردند'' جس کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا ہم نے ''ہمدرسان ما'' کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ س۔م۔ف۔ق۔

کے معمولی احسان کو بھی انتہائی پدرانہ شفقت کے سبب بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں۔

کیفیت وحالت کی حفاظت کا طریقہ

فرمایا جب حق سبحانہ وتعالیٰ کسی کو حالت اور کیفیت عنایت فرمائے تو اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب کیفیت وحالت اپنے آپ کو کسی دوسری چیز میں مشغول نہ کرے اور اسے جس جگہ پر کیفیت حاصل ہوئی ہے وہیں ٹکا رہے اور اگر ممکن ہو تو جس ہیئت میں بیٹھا ہے اس میں بھی تبدیلی پیدا نہ کرے اور جس سخن سے یہ کیفیت طاری ہوئی ہے بجز اس کے اور کوئی بات زبان پر نہ لائے جیسا کہ حافظ شیرازیؒ نے فرمایا ہے۔

ایں جافنون شیخ نیرزد بہ نیم جو
دل را بدست آر ہمیں مشرب است بس

(اس دنیا میں مشائخ کے ہنر کچھ وقعت نہیں رکھتے، کسی دل کو راضی کر دو بس یہی مشرب صوفیا ہے)

خود ساختہ مشائخ کی عیاریاں

فرمایا بعض خود ساختہ مشائخ کی زبانوں سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں، جن پر فراست کشفی وعقلی کا احتمال ہو سکتا ہے اور کچھ چیزوں سے بے رغبتی دکھلا کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ چیزیں انھوں نے حق سبحانہ، وتعالیٰ کی خاطر چھوڑ رکھی ہے حالانکہ وہ چیزیں ان کی ضروریات زندگی سے زائد ہوتی ہیں۔

اور کبھی آپ یوں فرماتے تھے کہ اس شعر میں شیخ سے مراد شیخ حقیقی ہے جسے مقام ارشاد عطا ہوا ہے اور دل سے مراد وہ قلب سلیم ہے جو طلب غیر سے خالی اور محفوظ ہو اور فنون شیخ سے مراد تصرف اور کشف ہے۔

تمباکو نوشی اور بارگاہ نبویؐ

جب کبھی تمباکو نوشی کی بات چل پڑتی تو اس کی قباحتوں پر سوائے قطعی حرمت کے آپ بہت سے دلائل اور شواہد پیش فرماتے تھے، چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لاہور میں دو عزیز رہتے تھے ان میں سے ایک فاضل درویش اور جامع کمالات ہونے کے باوجود تمباکو نوشی کا عادی تھا اور دوسرا عام قسم کا درویش تھا مگر تمباکو سے پرہیز کرتا تھا، دونوں نے عالم مثال میں ایک ہی رات اور ایک

ہی وضع میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی گویا یہ عامی درویش آپ کی مجلس میں بیٹھا ہے مگر اس فاضل کو بیٹھنے کی اجازت نہیں مل رہی۔ عامی فقیر نے اہل مجلس سے فاضل عزیز کو بیٹھنے کی اجازت نہ ملنے کا سبب پوچھا تو جواب ملا کہ یہ شخص تمباکو نوشی کرتا ہے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے ناپسند فرماتے ہیں، صبح اٹھتے ہی بہ تقاضائے نصیحت ارادہ کیا کہ یہ بات اس فاضل تک پہنچائے، جب اس کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ سخت رنج وغم میں مبتلا ہے اور رو رہا ہے سبب پوچھا تو اس نے وہی بارگاہ نبویؐ میں حاضری کی اجازت نہ ملنے کا قصہ کہہ سنایا۔ اس عامی درویش نے کہا تمہیں مبارک ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب میں نے اہل مجلس سے پوچھ لیا تھا جو تمباکو نوشی ہے اس فاضل نے اسی وقت حقہ اور نے (۱) کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور تمباکو نوشی سے پکی توبہ کر لی۔ دوسری رات دونوں نے ایک ہی وقت اور ایک ہی منظر میں خواب میں دیکھا کہ گویا اس فاضل کو تمام اہل مجلس سے زیادہ قرب حاصل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سب زیادہ عنایات والتفات فرما رہے ہیں۔

فرمایا کہ ہمارے ایک بزرگ دوست خود تمباکو نوشی نہیں کرتے تھے مگر مہمانوں کے لئے گھر میں حقے کا انتظام کر رکھا تھا عالم مثال میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جھونپڑے میں تشریف لائے ہیں اور اندر آنے کے بعد ناپسندیدگی سے واپس لوٹے یہ شخص آپ کے پیچھے پیچھے دوڑا اور ناپسندیدگی کا سبب پوچھا، آپ نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں حقہ، چلم اور نے موجود ہے جنہیں میں پسند نہیں کرتا۔

تمباکو نوشی پر عالم مثال میں تنبیہ

فرمایا ہمارے محلے میں ایک درزی رہتا تھا، ایک دن اسے میں نے بلوا بھیجا۔ بلانے والے نے دیکھا کہ وہ مردہ پڑا ہے اور اس کے ورثاء اس پر رو رہے ہیں، کفن دفن کا انتظام کیا جا رہا ہے کچھ دیر بعد میں جامع مسجد کو جا رہا تھا کہ اسے بازار میں کھڑا دیکھ کر متعجب ہوا اور اس سے اس کا حال پوچھا اس نے کہا میرا قصہ بھی عجیب ہے میں اس محلے کی گلیوں میں جا رہا تھا کہ ایسے میں دو ہیبت ناک مرد غضبناک شکل میں میرے سامنے آئے، ان میں سے ایک نے مجھے تھپڑ مارا تو میں

---

(۱) نے: حقہ کی وہ نلی جس میں سے دھواں آتا ہے۔ (قاسمی)

بے ہوش ہوکر گر پڑا اور بظاہر مر گیا، مجھے اٹھا کر گھر لائے، کفن کا انتظام کیا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دونوں آدمی مجھے لے کر ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سے لوگ جمع تھے، جن کی شکلیں انسانوں سے مختلف تھیں، مجھے اپنے سردار کے سامنے لے گئے، اس نے کہا جسے ہم نے بلوایا تھا وہ یہ تو نہیں! اسے جہاں سے لائے ہو وہیں پہنچا آؤ۔ جب وہ مجھے لے کر واپس ہونے لگے تو پیچھے سے آواز آئی کہ اسے ذرا ادھر لانا یہ تمباکو نوشی کرتا ہے، یہ کہہ کر انھوں نے لوہے کا ٹکڑا گرم کر کے میری ران کو داغ دیا میری ران جل گئی اور میں اسی حالت میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ عزیز و اقارب مجھے نہلا کر کفن پہنانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

شاہ عبدالرحیمؒ کا علمی مقام

ایک دن حضرت والد ماجد باتوں باتوں میں مجھ سے فرمانے لگے کہ شیخ آدم بنوریؒ کے اکابر خلفاء میں سے سید علیم اللہؒ نے تمباکو نوشی کی حرمت میں ایک رسالہ لکھا، اور آیہ کریمہ تاتی السماء بدخان مبین (۱) اور ایسی آیات و امثال اس میں بطور دلیل پیش کیں اور یہ رسالہ افغان مولویوں کے ہاتھ میں دے کر علمائے دہلی کے پاس بھیجا، یہ دونوں پٹھان مولوی سب سے پہلے میرے پاس آئے، میں نے کہا کہ ان بیہودہ دلیلوں سے کچھ کام نہیں چلے گا، اور یہ اس آیت کی تفسیر میں علمائے حق نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے میں نے وہ بیان کیا اور اس سے متعلق احادیث اور روایات فقہی کا حقیقی مفہوم ان پر واضح کیا، اس سے وہ قدرے ناخوش ہوئے اس کے بعد وہ دونوں شہر کے نامور فاضل ملا یعقوبؒ کے درس میں چلے گئے دیکھا کہ وہ مجلس درس میں تمباکو نوشی کر رہا ہے۔ یہ دونوں معترض ہوئے تو ملا یعقوب نے کہا کہ میں مجلس میں اس لئے تمباکو نوشی کر رہا ہوں کہ لوگوں پر اس کا مباح ہونا واضح ہو۔ اگر کسی کو اس مسئلے میں کوئی شک ہے تو وہ میرے سامنے پیش کرے افغان مولویوں نے اس رسالے میں سے بعض فقہی روایات اور احادیث بیان کیں، تو ملا یعقوب بھڑک اٹھا اور معمولی توجہ سے ان کے دلائل رد کر دیئے۔ دونوں شکستہ دل اور غمگین ہو کر واپس لوٹ آئے اور صورت حال مجھے بتلائی۔ میں نے کہا تم نے تمباکو کی حرمت کا دعوی کیا اور دلیلیں یہ پیش کیں تو کام کیسے چلتا۔ اب جاؤ اور اس سے آیہ کریمہ یا ایھا النبی لم تحرم ما

---

(۱) پ۲۵، س دخان، ت۹

احل اللہ لک (۱) کا شان نزول پوچھو، بس یہی تو کہے گا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد تناول فرماتے تھے جس سے باقی ازواج مطہرات کو رشک آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے مغافیر نہیں، بلکہ شہد کھایا ہے تو سب کہنے لگیں کہ ہوسکتا ہے شہد کی مکھیوں ہی نے مغافیر (۲) کھایا ہو! چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہد کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تو یہ آیت نازل ہوئی جب اتنا کہہ چکے تو پھر اس سے پوچھو کہ اس ناپسندیدگی کا سبب کیا تھا تو غالباً یہی کہے گا کہ ناخوشگوار بو، پھر اس سے پوچھنا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ان سبزیوں (پیاز ولہسن) میں سے کھائے وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے اس میں منع کرنے کی اصل وجہ کیا ہے؟ تو وہ کہے گا ان کی خراب بو! پھر اس سے پوچھنا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند اور ناخوشگوار بو سے نفرت فرماتے تھے۔ یہ صحیح ہے یا غلط تو وہ ضرور کہے گا کہ صحیح ہے تب اس سے کہنا کہ تمباکو میں بدبو ہے کہ نہیں؟ اگر کہے کہ نہیں تو اس سے کہنا کہ جنھوں نے کبھی تمباکو نوشی نہیں کی ان سے پوچھو کہ اس کی بو ان کے دماغوں کو کس قدر ناخوش لگتی ہے جب یہ ثابت ہوگیا کہ اس میں بدبو ہے تو اہل احتیاط اور صاحبان ورع وتقویٰ کے لئے مناسب ہے کہ اسے ترک کردیں۔ یہ دونوں پٹھان مولوی گئے اور اسی انداز سے سوالات کئے ملا یعقوب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور مجلس درس سے چلم ہٹادی۔

علم مصالح اور شرائع

کاتب الحروف کہتا ہے کہ حضرت شارع علیہ السلام نے ہمیں دو قسم کا علم عطا فرمایا ہے۔ علم مصالح اور علم شرائع۔ مصالح سے ہماری مراد یہ ہے کہ چار خصلتیں یعنی طہارت، خشوع، سخاوت اور عدالت اور وہ تمام امور جو ان سے تعلق رکھتے ہیں نیز کلمہ حق کو بلند کرنے کے لئے ملأ اعلیٰ کا ارادہ واشارہ اور وہ تمام مقامات جو اس راہ سے تعلق رکھتے ہیں رضائے الٰہی کا موجب بنیں اور ان خصائل اربعہ یا ان سے متعلق دیگر امور کے مدمقابل خصائل وعادات غضب الٰہی کا سبب بنیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے اخلاق تامہ فاضلہ مثلاً شجاعت وغیرہ کی دعوت دی اور یہ

---

(۱) پ ۲۸، س تحریم، ت ۱ (۲) مغافیر: جمع مغفار، کھانے کا گوند ایک درخت کا گوند۔ (قاسمی)

تمام امور دراصل عقلیات کے تحت آتے ہیں اور ہم ان کو مصالح کے نام سے یاد کرتے ہیں، شرائع سے ہماری مراد احوال و اعمال کے شرعی پیمانے، نظام الاوقات اور وہ امور ہیں جو ان سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ سب کے سب بندگی محض کے ضمن میں آتے ہیں، یعنی عقل اگرچہ ان پیمانوں اور اصولوں کی خوبیوں اور خاصیتوں کو اوران کے نازل ہونے کی وجوہات اور مصالح کو جان سکتی ہے، مگر ان کے قائم کرنے اور ان پر کاربند ہونے کے سلسلے میں انجام اور نتیجے کو کوئی دخل نہیں ہوتا کہ ملأ اعلیٰ میں ان اعمال واحوال میں سے کون سی چیز رضائے الٰہی کا موجب اور کون سی بات ناراضی خدا کا سبب بنے گی اور مصالح شرعی کی یہ بات بھی ہمارے عقل میں نہیں سما سکتی، کہ ملا اعلیٰ کی توجہ عبادت گزاروں کو نفع وفائدہ اور گنہ گاروں کو گزند کیوں کر پہنچا سکتی ہے، مثلاً ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا یاد کرنا ذریعہ نجات ہے مگر یہ کہ خدا کو کسی صفت خاص سے اوقات خاص میں یاد کرنے سے فرض تو ادا ہو جائے گا، مگر ملا اعلیٰ میں اس کے ردوقبول کی جو حیثیت ومقام مقرر ہے اس کا ادراک واحاطہ ہماری عقل نہیں کر سکتی، میرا مذہب یہ ہے کہ شرائع حکم شریعت کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی اور مصالح کو ہماری عقل حضرت پیغمبر کی بعثت سے قبل بھی اور اس کے بعد بھی سمجھتی رہی ہے۔ اس لئے قیاس جلی اور نص سے ثابت شدہ حکم کے مقابلے میں ایسے غیر قیاسی احکام کو جن کے متعلق کوئی نص بھی نہ ہو۔ حکم شرعی نہیں کہا جائے گا۔ مصالح شرعی کے ضمن میں رغبت رضائے الٰہی اور خوف غضب حق، اصل چیز ہوتی ہے، ہم جانتے ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس سے منع کرنے کا سبب ان میں موجود کراہت انسان کی خود غرضی، خود پسندی اور اسراف ہے۔ اس حکم میں قابل توجہ اور اصل چیز دونوں میں موجود ذاتی قباحت ہے خواہ کوئی شخص فضول خرچی اور خود پسندی سے بچنے کی غرض سے اجتناب کرے یا یہ چیزیں پیش نظر نہ ہوں، دونوں حالتوں میں اس کی نہی قائم رہے گی، باقی رہا یاقوت وزمرد اور قیمتی شالوں کا استعمال تو ان میں اگرچہ حریر وطلا سے زیادہ خود پسندی اور عجب کا اظہار کیوں نہ ہو مگر چونکہ ان کے لئے ذاتی قباحت کی طرف شارع علیہ السلام نے کوئی اشارہ نہیں کیا اس لئے اگر کوئی شخص ذاتی مفاد اور خود پسندی کی نیت سے انہیں استعمال کرے تو قباحت اور ضرر پایا جائے گا بصورت دیگر ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اس علم وعقیدہ کو قبول کرنا چاہئے۔

قال را بگذار و مرد حال شو

فرمایا خواجہ خوردؒ نے مجھے وصیت کی تھی کہ درس و تدریس اور غیر ضروری کتابوں اور کہانیوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا سچ تو یہ ہے کہ جب تک ان چیزوں میں محو رہا اس نسبت روحانی کے عجیب وغریب آثار مجھ پر ظاہر نہ ہوئے۔

کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت والا سے سوال کیا کہ حضرت شیخ ابوالفتحؒ اور مخدومی شیخ محمد قدس اللہ اسرارہما کی نسبتوں میں کیا فرق ہے؟ فرمایا شیخ ابوالفتحؒ کو نسبت عشق حاصل تھی اور حضرت مخدوم نسبت شہود رکھتے تھے۔

حقیقت کیمیا

فرمایا شیخ ملک یار پران اہل بیت نبوی کی نسبت سے مناسبت کامل رکھتے تھے، فرمایا کہ ایک شخص نے مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا قدس سرہ کی خدمت میں خط لکھا جس میں سلوک راہ اور حقیقت کیمیا کے وجود یا عدم کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب کے لئے خط مجھے دیا، میں نے اسے لکھا:

اذا تزوجت الاجساد وتجسدت الارواح حصل المقصود.

(جب اجزائے مادی یکجان ہو جائیں اور ارواح وجود کی شکل اختیار کرلیں تو مقصود حاصل ہو جائے گا)

زندگی گزارنے کا گر

حضرت والد ماجد کے مخلصین میں سے ایک نے سوال کیا کہ لوگوں میں زندگی کیسے گزارنی چاہئے تو آپ نے فرمایا: کن فی الناس کاحد من الناس (لوگوں میں ان جیسا ہو کر رہ) پھر پوچھا حق سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ فرمایا رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله (۱) (خدا کو پانے والے وہ مردان راہ خدا ہیں، جنھیں کاروبار اور مفادات خدا سے نہیں روکتے)

عدل وانصاف

ایک دفعہ حضرت والد ماجد سفر میں تھے۔ آپ کے ساتھی بہلی پر باری باری سوار ہوتے تھے

---

(۱) پ ۱۸، س نور، ت ۳۷

دوران سفر بعض دوست اپنی باری سے زیادہ سوار ہوئے تو حضرت والا نے فرمایا بہلی کے سواروں سے پوچھو کہ آیہ کریمہ اعدلوا ھو اقرب للتقوی (۱) کون سے پارے میں ہے؟ یاران جماعت میں سے شیخ بدر الحق نے اشارہ سمجھ لیا اور بہلی سے نیچے اتر کر کہنے لگے حضرت! یہ آیۃ پارہ یعتذرون میں ہے۔

باید کہ ہر جا روی طالب مردے شوی

شیخ امان اللہؒ نے کابل جانے کا قصد کیا اور حضرت والا سے دعا کی خواہش کی آپ نے فرمایا جہاں بھی جاؤ اہل اللہ کی تلاش کرتے رہو، جس سالک یا مجذوب میں بھی معنی حقیقت کی خوشبو پاؤ بلا تاخیر اس کی صحبت اختیار کرو گے یہ گئے اور آپ کے فرمان پر عمل کرتے رہے جب واپس لوٹے تو حضرت والا کے سامنے کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

شیخ اکبرؒ اور شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت والد ماجد شیخ محی الدین بن عربی کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو فصوص کو برسر منبر بیان کر کے اس کے تمام مسائل کے اثبات کے لئے آیات واحادیث سے دلائل پیش کروں اور اس انداز سے بیان کروں کہ کسی کا شک باقی نہ رہے مگر اس کے باوجود آپ وحدۃ الوجود کے کھلم کھلا بیان سے احتراز فرماتے تھے، کیونکہ اس دور کے اکثر لوگ اس کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، اور ناسمجھی کی بنا پر الحاد اور زندقے کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔ اس احتیاط کے باوجود بھی آپ کی کئی تقریروں میں وحدۃ الوجود کا رنگ جھلکتا تھا۔ اور اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو رسائی وحدۃ الوجود کے مطالعہ کی اکثر رغبت دلایا کرتے تھے، نیز اس فقیر نے لوائح (۲)، شرح رباعیات (۳)، اور مقدمہ لمعات (۴) پورے غور وخوض کے ساتھ حضرت والا سے پڑھی ہیں اور بعض یاران حلقہ نے ''النصوص'' بھی حضرت والا سے پڑھی۔ ان کے ساتھ کبھی کبھار فقیر بھی شامل ہو جاتا تھا۔ آپ ان مسائل کا حل بخوبی فرماتے تھے۔ ربط حادث با قدیم کی تحقیق کرتے

---

(۱) پ ۶، س مائدہ، ت ۸ (۲) مصنفہ جامیؒ۔ (۳) مصنفہ باباطاہرؒ (۴) مصنفہ عراقیؒ۔

ہوئے بارہا حضرت والا سے یہ تمثیل سنی، فرماتے تھے کہ جن معلوم شکلوں کو ہم دیکھتے ہیں خارج میں ان کا ثبوت و وجود کوئی بھی نہیں، محض ہماری قوت علمیہ کے سہارے موجود ہیں اور یہ سب کچھ ہمارا ہی علم ہے جو مختلف رنگوں اور شکلوں میں نمودار ہوتا ہے، بلا شبہ ان صورتوں کو ہم عین علم بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ جب علم تھا تو یہ صورتیں نہیں تھیں اور انہیں علم سے جدا بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ان تغیر پذیر صورتوں اور ہیولوں کو خارج میں وجود و شکل دینے والا اور انہیں ایک حقیقت بنانے والا علم ہے علم اگرچہ بے رنگ ہے مگر مختلف رنگ اس کی بے رنگی میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتے۔

آیہ کریمہ **وھو معکم** (۱) کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ معیت محض علم کے سہارے نہیں بلکہ خارج اور حقیقت میں بھی موجود اور ثابت ہے اور اس سے کوئی خلجان پیدا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ معیت، معیت کے ان معنوں میں نہیں جو جوہر کو جوہر کے ساتھ عرض کو عرض کے ساتھ یا جوہر کو عرض کے ساتھ حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ معیت حادث با قدیم ایک لطیف ترین معنی ہے جسے ان معیتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

وھو معکم کی عالمانہ تشریح

فرمایا ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق معیت کے مسئلے سے لطف اٹھایا ہے۔ ایک گروہ نے یہ سمجھ لیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے علم قدرت سمع اور بصر کے ساتھ ہمیں محیط ہے جیسا کہ فرمایا **مایکون من نجویٰ ثلثة** (۲) اور ایک گروہ نے بچشم عیاں دیکھ کر کہا کہ ہر فعل اور انفعال اور ہر حرکت اور صفت جو عالم میں ظاہر ہوتی ہے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے ہے جیسا کہ فرمایا **قل کل من عنداللہ** (۳) اور **وما بکم من نعمة فمن اللہ** (۴) ایک جماعت نے مشاہدہ کیا کہ جو کچھ ہی ہے وہی ہے غیر تو ہے ہی نہیں جیسا کہ فرمایا **کل شیء ھالکٌ الا وجھه** (۵) اور **ھو الاول والآخر والظاھر والباطن** (۶) اور کچھ حضرات نے تو حق کو حق میں دیکھا اور اس مقام کی گہرائیاں بیان کرنے سے زبان قلم قاصر ہے۔

---

(۱) پ۲۷، س حدید، ت۴، (۲) پ۲۸، س مجادلہ، ت۷، (۳) پ۵، س نسا، ت۷۸،
(۴) پ۱۴، س نحل، ت۵۳، (۵) پ۲۰، س قصص، ت۸۸، (۶) پ۲۷، س حدید، ت۲۔

تجدد امثال

تجدد امثال کی بات چل نکلی تو آپ نے عجیب تقریر بیان فرمائی مگر چونکہ میں اس وقت بہت کمسن تھا اس لئے اسی اسلوب سے وہ تقریر محفوظ نہیں رہی لیکن حاصل کلام یہ تھا کہ موجد اور موجَد میں وہی تعلق ہے جو دائم اور اس کے دوام میں ہے کہ جب کوئی چیز عدم سے متعلق ہوتی ہے تو اس کا نام ایجاد رکھتے ہیں اور جب اسے حالت وجود پر قیاس کیا جاتا ہے تو اسے ابقا کا نام دیا جاتا ہے مگر یا متحد الحقیقت ہونیکے باوجود اسماء کا اختلاف، اختلافِ لحاظ کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے سورج سے نکلنے والی روشنی جو ہمیشہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے سورج کے ساتھ تعلق کی محتاج ہوتی ہے، جب ہم ضیائے شمس کی پہلی حالت پر نگاہ کریں تو اسے اشراق اور رفع ظلمت کا نام دیا جائے گا اور دوسری حالت یعنی جب وہ پوری آب وتاب کو پہنچے تو اسے ابقا نور کا نام دیا جاتا ہے اور اسی کو تجدد کہتے ہیں، تجدد امثال کی حقیقت اسی مثال سے سمجھی جاسکتی ہے۔

صفات باری

فرمایا کہ صفات ان معنوں میں عین ذات ہوتی ہیں کہ ذات محض صفات زاہدہ قائمہ بالذات سے آثار کے ظاہر ہونے میں کفایت کرتی ہے۔

حسن ذاتی اور قبح نسبتی

فرمایا جو کچھ اس عالم میں ہے حسن ذاتی اور قبح نسبتی رکھتا ہے اس سلسلے میں بہت سی مثالیں پیش فرمایا کرتے تھے، مثلاً تلوار کی تیزی فی نفسہ ایک خوبی ہے جو فولاد کے کمال کا اثر ہے مگر ایک مظلوم شخص کو موت کے گھاٹ اتارنے کی وجہ سے تلوار کی یہ خوبی قبیح نظر آتی ہے اسی طرح اور مثالیں بھی دیا کرتے تھے۔

مسمّٰی حقیقت

فرمایا مخلوق کی مسمّٰی حقیقت میں کوئی دخل نہیں اور کسی شخص کا فہم وعقل اور ادراک واندیشہ وہاں بار نہیں پاسکتا ہاں البتہ مسمّٰی اللہ کی حقیقت میں محض اس قدر دخل ہے کہ وہ اپنے تمام اسماء وصفات کے ساتھ موصوف ہے۔

شاہ عبدالرحیمؒ کا ہندی دوہا

ایک دن اس فقیر نے ہندی کا یہ دوہا۔

جب جیو نہ تھا تب پیو نہ تھا اب پیو ہے جیو ناتھ
رحیم پیاسوں یوں ملے جوں بوند سمندر ناتھ

حضرت والا کے مجموعہ خاص میں ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا آپ چونکہ ایسی باتیں بہت کم بیان کرتے تھے لہٰذا مجھے تعجب ہوا اور حضرت والا سے پوچھا کہ یہ دوہا حضرت نے نظم فرمایا ہے یا کسی اور نے؟ تو فرمایا کہ یہ شعر میرا ہے اور میرے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

لطائف ستہ اور ان کے مقامات

ایک دن یہ ذکر چل نکلا کہ لطائف ستہ (۱) کیا ہیں؟ اور دور آخر کے صوفیا نے ان کے لئے کون کون سی جگہیں معین کی ہیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ۔ جب یہ لایا تو آپ نے ایک دائرہ بنا کر فرمایا یہ قلب ہے پھر اس دائرے کے بیچ میں ایک اور دائرہ بنا کر فرمایا یہ روح ہے اس طرح دائرہ کے اندر دائرہ بناتے رہے یہاں تک کہ مقام انا تک پہنچے تو فرمایا کہ لطائف کی صورت میں ہمیں سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ باقی سب مختلف رخ اور اعتبارات میں اور پھر خواجہ نقشبندؒ کے اس قول کو کہ ع

آئینہ ما راشش جہت است
(ہمارے شیشے کے چھ رخ ہیں)

اس مسئلے کے ساتھ خوب مطابقت دی۔

شاہ عبدالرحیمؒ یا ابوالفیضؒ؟

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے بعض دوستوں سے سنا ہے کہ حضرت والا کا نام نامی عالم ملکوت میں ابوالفیض ہے۔ اس بارے میں میں نے آپ سے خلوت میں پوچھا تو ہنس کر فرمایا کہ ہاں ایسے ہی ہے اور تمہارا نام عالم ملکوت میں ابوالفیاض ہے۔

---

(۱) اصل متن میں ”لطائف ستہ مرقوم ہے۔ میرے پاس تین مختلف نسخے موجود ہیں سب میں اسی طرح ہے میں نے ”لطائف ستہ“ سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ (م)

مباش در پے آزار الخ

ایک دن حضرت والا نماز ظہر کے بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہ رباعی پڑھی

گر تو راہ حق بخواہی اے پسر   خاطر کس را مرنجاں الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است   ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

پھر فرمایا کہ قلم دوات لاؤ اور لکھ لو کیونکہ حضرت سبحانہ وتعالیٰ نے یہ شعر اچانک میرے دل پر القا فرمایا ہے تاکہ تجھے ان کے ذریعے وصیت کروں، پھر اشارے سے فرمایا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر لازم ہے یہ رباعی بھی حضرت کے پاکیزہ خیال کا مرقع ہے ۔

اے کہ نعمت ہائے تو از حد فزوں   شکر نعمتہائے تو از حد بروں
عجز از شکر تو باشد شکر ما   گر بود فضل تو مارا رہنوں

شاہ عبدالرحیمؒ کے جواہر پارے

اس فقیر کو اپنی مجلس اور صحبت میں معاملات دنیوی کے طریقے اور حکمت عملی خوب سکھلاتے تھے ان میں سے جو کچھ حافظے میں باقی رہ گیا ہے اس میں سے چند جواہر پارے یہ ہیں۔

- فرماتے تھے مجلس میں کسی بھی قوم کی تنقیص مت بیان کرو، یہ نہ کہو کہ پورب والے ایسے ہیں اور پنجابی ایسے، افغان ایسے ہیں اور مغل ایسے ہوسکتا ہے کہ اس مجلس میں اس قوم کا کوئی مرد میدان بیٹھا ہو یا اس علاقے کا کوئی باحمیت آدمی اور وہ اسے برا سمجھے اور اہل مجلس کا مزہ کرکرا ہو کر رہ جائے۔
- عوام کے خلاف ہرگز کوئی بات زبان پر نہیں لانی چاہئے، چاہے کتنی ہی سچی اور صحیح کیوں نہ ہو، ہوسکتا ہے کہ سب پھر جائیں اور مجلس بدمزہ ہو جائے۔
- اگر کسی آدمی سے کوئی کام ہو تو حاجت پیش کرنے سے پہلے بہت ہی خوب صورت تمہید باندھو اور پھر تدریجاً اپنی حاجت پیش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی ضرورت کی بات کو اس شخص کے سامنے پتھر کی طرح دے مارو۔
- مجلس عام میں کسی شخص کو بھی کھلم کھلا تردید ہرگز نہ کرو۔
- آدمی کو ایسا لباس اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے اس کی صفت کمال کا اظہار رہوتا ہو مثلاً

دانشمند کو دانشمندوں کا سا لباس پہننا اور ان جیسی زندگی گزارنی چاہیے اور فقیر کو فقیرانہ لباس پہننا اور طریق فقر اختیار کرنا چاہیے۔

- بزرگوں سے بات کرتے وقت پیچیدہ اور گنجلک الفاظ استعمال کرنا اور بہت ہی آہستگی سے بات کرنا مناسب نہیں۔
- اگر تم سے شجاعت، سخاوت یا جوانمردی کی کوئی خوبی ظہور پذیر ہو تو ایسا اہتمام کرنا چاہیے کہ لوگ تمہارے اس کمال سے باخبر ہو سکیں۔
- بیمار پرسی کا سب سے بڑا مقصد بیمار کی خوشنودی ہے نہ کہ صرف اس کے مزاج کی کیفیت سے اطلاع پانا اسی طرح تعزیت سفارش اور اس قسم کی دوسری باتیں پس جو شخص یہ سب چیزیں بجالاتا ہے اور صاحب معاملہ کو اپنی محنت سے مطلع نہیں کرتا تو سمجھ لیجیے اس کی ساری محنت ضائع گئی۔
- اور ہر وہ کام جس کے کرنے میں کوئی مصلحت یا لوگوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا کرنا یا صلح جوئی ہو اسی قبیل میں شمار ہوگا۔
- دوسروں کو رخصت کرتے وقت یا انہیں وصیت کرتے وقت آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے: ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
بادوستاں تلطف با دشمناں مدارا

- اگر تم سے کمتر درجے کے لوگ تمہیں سلام کرنے میں پہل کریں تو اس بات کو انعامات الٰہی میں سے ایک نعمت سمجھو اور شکر بجالاؤ ایسے لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ اور ان کی خیر وعافیت پوچھو اس بات کا قوی امکان ہے کہ تمہاری معمولی توجہ انہیں بہت بڑی خوبی نظر آئے اور اس پر وہ ایسے مر مٹیں کہ دوبارہ اگر ایسی توجہ نہ پائیں تو دل شکستہ ہو جائیں ۔ ؎

صد ملک دل بہ نیم نگاہ مے تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر مے کنند

- بعض لوگوں کی یہ حماقت ہے کہ لباس یا کسی خاص عادت کو اپنے لئے ایک علامت بنا لیتے

ہیں، یا کوئی تکیہ کلام مقرر کر لیتے ہیں یا کسی ایک طعام سے مصنوعی نفرت اختیار کر لیتے ہیں اور پھر لوگ ان عادات کی بنا پر انہیں اپنی مزاح وظرافت کا نشانہ بناتے ہیں۔

- بعض دوست تجھ سے ذاتی محبت رکھتے ہیں یعنی اگر تیری محبت آہستہ آہستہ ان کے دل میں بس جائے تو پھر کسی حالت میں بھی ان کے دل سے نہیں نکل سکتی، نہ خوشی ومسرت کے عالم میں اور نہ رنج وغم کے حالات میں ایسے دوست کو غنیمت جان کر اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھنا چاہئے۔ بعض دوستوں کی محبت کا سبب ان پر تیری فضیلت اور تجھ سے ان کی ضروریات کی وابستگی میں پنہاں ہوتا ہے اس لئے ہر دوست کی حیثیت پہچاننی چاہئے اور سب کو ایک مقام نہیں دینا چاہئے اور کسی دوست پر اس کی حیثیت سے زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔
- اہل عقل اور ارباب حکمت کے نزدیک انسان کو ضروریات زندگی کے استعمال میں صرف لذت اندوزی مقصود نہ ہو بلکہ زندگی کی سب نعمتیں دفع حاجت، حصول فضیلت اور ادائے سنت کے ارادے سے حاصل کرنی چاہئیں۔
- بول چال، سیر وسفر اور نشست وبرخاست میں ضعف ونقاہت کے باوجود مردان اولوالعزم کی سی طرز وعادت کو اختیار کرنا چاہئے، اور اگر سوء اتفاق سے کوئی عیب یا مکروہ فعل یا بخل تجھ سے صادر ہو تو اسے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اور اس سے شرمندگی محسوس کرنی چاہئے اور اس عیب کی مد مقابل صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہ عیب یا عادت بد طبیعت میں راسخ نہ ہو جائے۔

جب آداب سفر پر گفتگو ہوتی تو آپ چوروں اور ٹھگوں سے بچنے کی بہت تاکید فرماتے اور اس قسم کے جو واقعات سفر اکبر آباد میں پیش آئے وہ بھی سنایا کرتے تھے۔

سراپائے شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت والا شجاعت، فراست، قناعت اور غیرت ایسے اخلاق حسنہ سے پورے طور پر بہرہ ور تھے اور امور آخرت کی سمجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ اس دنیا کے معاشی اور اقتصادی امور پر بھی دسترس رکھتے تھے اور ہر کام میں میانہ روی کو پسند فرماتے تھے، نہ اس قدر امور دنیا سے غافل اور زہد

میں مستغرق تھے کہ عبادات کو رہبانیت سے ملا دیں اور نہ اس قدر آداب عبادت اور قیود مذہب سے بیگانہ کہ سستی میں شمار ہو۔ آپ کے لباس اور وضع قطع سے ہمیشہ بے تکلفی ٹپکتی تھی، موٹا جھوٹا اور نرم و گداز جیسا بھی میسر آتا پہن لیتے تھے یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے بغیر طلب کئے ہوئے انہیں ہمیشہ اعلیٰ لباس عنایت فرمایا۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب سے دنیا پہ لات ماری ہے اب تک اپنے لئے بازار سے کبھی لباس نہیں خریدا، نہ دستار، نہ جامہ اور نہ جوتے، حق سبحانہ وتعالیٰ یہ چیزیں بوقت ضرورت کثرت سے دیتا رہا ہے ایک دن آپ نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک خشک صوفی نے اس بارے میں بحث شروع کردی آپ فرمانے لگے میرے لباس کی ہر تار جو شال درشال ہے محبت الٰہی کی کمند یعنی جال ہے کیونکہ یہ میرے سعی و ارادے کے بغیر اس کارساز حقیقی نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تیرے لباس کی ہر تار اگرچہ موٹے کھدر کے دھاگوں پر مشتمل ہے مگر وہ تیرے لئے اژدھا ہے کیونکہ تو نے اسے اپنی سعی و کوشش سے حاصل کیا ہے۔

حضرت والد ماجد امراء کے گھر نہیں جاتے تھے اور یہ دروازہ اپنے لئے بالکل بند کر رکھا تھا اگر یہ لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے تو آپ بہت ہی اخلاق سے پیش آتے اور سرداران قوم کو خاص اکرام اور اعزاز سے نوازتے تھے، اگر یہ لوگ نصیحت کی درخواست کرتے تو انتہائی مہربانی اور نرمی سے آپ یہ فرض انجام دیتے تھے، امراء آپ کے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایسے مسائل کو جو قیاس ظنی سے ثابت ہیں انتہائی سعادت مندی سے قبول کر لیتے تھے۔ علم اور علماء کی تعظیم اور جہلاء اور جہالت سے نفرت ہمیشہ آپ کا دستور رہا۔ ہر حال میں آثار نبویہ کی پیروی آپ کی زندگی کا مشن تھا، آپ کی مستقل مزاجی کا عالم یہ تھا کہ سوائے عذر شرعی کے اپنی پوری زندگی میں نماز باجماعت کبھی ترک نہیں کی، بزرگوں کا قول ہے الاستقامة فوق الکرامة (سنت نبویؐ پر استقامت کرامت سے بہتر ہے) آپ نے اپنے بچپن اور شباب میں بلکہ زندگی کے کسی مرحلے میں بھی غیر شرعی امور کی طرف رغبت نہیں کی، گویا طریق محمدیؐ کی پیروی آپ کی فطرت میں داخل تھی۔

امور ضروری کے سلسلے میں آپ خرید و فروخت بھی خود کیا کرتے تھے، عمامہ وغیرہ میں نہ تو

برخود غلط فقہا کا نمونہ اختیار کرتے اور نہ رسوم وقیود سے آزاد فقیروں کی طرز، بلکہ مشائخ صوفیا کی طرح لباس استعمال کرتے تھے۔

مجموعی طور پر بے تکلفانہ زندگی بسر کرتے تھے، بجز اشد ضرورت کے قرض لینا ناپسند فرماتے تھے اور ایسے لوگوں سے اظہار ناراضی فرماتے جو مختلف طعاموں اور میوہ جات کھانے کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہتے، آپ انہیں سرزنش فرمایا کرتے تھے۔

معمولات شاہ عبدالرحیمؒ

آپ کو ہر علم میں بہرۂ وافر حاصل تھا، کسی فن کو بھی چھوڑنے پر آپ کی طبع رسا راضی نہیں ہوتی تھی، فن طب میں تو آپ کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کا وظیفہ تھا کہ نوافل تہجد بلا قید رکعات نشاط ورغبت کے ساتھ جتنی پڑھ پاتے، پڑھتے تھے۔ اشراق اور چاشت کے علاوہ نماز مغرب کے بعد والدین اور بڑے بھائی کی ارواح کو ایصال ثواب کی نیت سے بھی دو رکعت پڑھتے تھے اگر کوئی معذوری نہ ہوتی تو ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ آپ قرآن مجید قواعد تجوید کی رعایت اور خوش آہنگی سے پڑھتے تھے۔ روزانہ تلاوت کے علاوہ اکثر وبیشتر دوستوں میں ہر دن ترجمہ وتفسیر کے ساتھ بھی دو تین رکوع پڑھتے تھے۔ ایک ہزار مرتبہ درود پاک اور ایک ہزار مرتبہ ذکر نفی واثبات کبھی نماز فجر سے پہلے جہراً اور کبھی ذکر خفی اور بارہ ہزار مرتبہ اسم ذات ہمیشہ بلا ناغہ پڑھتے تھے۔ باوجود ضعیفی اور بڑھاپے کے یہ وظائف ہمیشہ جاری رہتے تھے بجز ان اوقات کے جن میں آپ پر روحانی بے خودی طاری ہوجاتی اور یہ بیخودی کبھی کبھی بہت طویل ہوجاتی تھی۔

سیدنا مخدومنا شیخ ابوالرضا محمد کی وفات کے بعد بعض احباب کی درخواست پر آپ نے پہلے انداز پر وعظوں کا سلسلہ پھر شروع کردیا، اکثر مشکوٰۃ شریف، تنبیہ الغافلین اور غنیۃ الطالبین کا درس دیتے تھے اور آخر میں تفسیر قرآن بھی شروع کردی تھی، جب ان کتابوں کے درس سے فارغ ہوئے تو ضعف غالب آچکا تھا اور یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اس فقیر نے آپ کی زبان سے بارہا سنا کہ ہم نے جو کچھ پایا ہے درود شریف اور مجرد توجہ کی بدولت پایا ہے آپ غنائے ظاہری کے لئے روزانہ گیارہ مرتبہ سورہ مزمل اور گیارہ سو مرتبہ یا مغنی پڑھتے تھے، جس کی بدولت ہر حالت میں بغیر کسی ظاہر سبب کے حق سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو دلی طور پر

ان کی خدمت میں مصروف رکھتا تھا۔ آپ کی آخری عمر میں جب رمضان المبارک کا چاند نظر آیا تو پرانے دستور کے مطابق صیام وقیام میں مشغول ہو گئے حالانکہ پیر فانی ہونے کی وجہ سے روزے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور شرعی طور پر بھی آپ رخصت افطار کے مستحق تھے۔ یہ فقیر اور سارے گھر والے جب آپ سے پوچھتے کہ رخصت شرعی کے باوجود اتنی تکلیفیں کیوں برداشت کر رہے ہیں تو فرماتے کہ ضعیفی کے سبب زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ بیہوش ہو جاؤں گا اور بے ہوش ہونے کی عادت میں نے پہلے سے اپنے اندر پیدا کر رکھی ہے، یعنی حالت غیبت!

صحبت یار آخر شد

جو شوال کا چاند نظر آیا تو اشتہا بالکل ختم ہوگئی اور کمزوری بڑھنے لگی جس سے ہیضہ ہو گیا، چنانچہ زندگی کی امید منقطع ہو چکی تھی اور مردوں کی طرح گر پڑے تھے گرتے وقت یہ فقیر بھی حاضر تھا، زبان پر استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم جاری ہوا بعد میں آپ روبصحت ہونے لگے اور مرض کی شدت گھٹتی گئی یہاں تک کہ پھر ماہ صفر کے ابتدائی ایام میں مرض نے دوبارہ حملہ کیا اور صبح صادق سے پہلے موت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ آپ کا عزم یہ تھا کہ نماز فجر قضا نہ ہو، چند بار حالت ضعف میں پوچھا کہ صبح ہوئی ہے یا نہیں؟ حاضرین نے کہا نہیں، جب موت قریب ہوئی تو جواب دینے والوں کو جھڑک کر کہا کہ، تمہاری نماز کا وقت نہیں ہوا مگر ہماری نماز کا وقت ہو چکا ہے پھر فرمایا مجھے رو بہ قبلہ کرو، اور یوں اشاروں میں نماز ادا کی، حالانکہ وقت نماز میں شک تھا! نماز پڑھ کر زیر لب ذکر اسم ذات کرتے ہوئے زندگی مستعار کی امانت خالق حقیقی کے سپرد کر دی! یہ المناک واقعہ بادشاہ فرخ سیر کے آخر عہد میں بدھ کے روز ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کو رونما ہوا بادشاہ فرخ سیر حضرت والا کے تقریباً ایک ماہ بیس دن بعد قید ہو گیا، اور سخت واقعات رونما ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ستہتر سال تھی۔ فتح چتوڑ کا واقعہ اور جامع مسجد شاہجہان آباد کی عمارت انہیں یاد تھی۔

ہم اپنے سردار اور مخدوم شیخ عبدالرحیم قدس سرہ کے مناقب میں سے جو کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے یہ اس کا حرف آخر ہے اب اس سے متصل ہم سیدنا و مخدومنا الشیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے مناقب کا ذکر کریں گے۔

حصہ دوم

در حالات جناب معارف مآب امام طریقت و حقیقت کاشف حقائق مخدومنا

شیخ ابوالرضا محمد رضی اللہ عنہ

اگر چہ اصولی طور پر اس حصے کو پہلے پیش کرنا چاہئے تھا، مگر سند اور صحت کے لحاظ سے اس حصے کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ حصۂ اول کی اکثر روایات ایسی ہیں جو فقیر (شاہ ولی اللہ) نے بغیر کسی واسطے کے سنی اور دیکھی ہیں اور اس دوسرے حصے کی اکثر باتیں فقیر کو ایک یا دو واسطوں سے ملی ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

حمد کامل اس اللہ کی جس نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو منتخب کر کے مقام ولایت پر فائز کیا، اور انہیں انوار و برکات کے لباس حقیقی میں ڈھانپ لیا اور ان پر اپنی نعمتوں کی راہیں کشادہ کر دیں، اور ان کی زبان پر علم و حکمت کے چشمے جاری کر دیئے اور ان کے منتہائے مقصود اقامت دین اور وصول الی الحق بنا دیا، جس کے نتیجے میں وہ ہادی و مہدی اور ارباب تقویٰ کے پیشوا بن گئے، انہی بندگان خاص کو اس نے زمین و آسمان میں تمکّن عطا فرمایا، پاک ہے اس کی ذات اقدس جس کے جود و عطا کا یہ عالم ہے اور جس نے اپنی بیکراں نعمتوں اور برکتوں سے ان بندوں کو نوازا ہے، بے شک وہ تنہا معبود برحق ہے۔ جس کا کوئی ہمسر نہیں اور جس کے حکم اور فیصلے سے کوئی منھ نہیں پھیر سکتا۔ اور بلا شک و شبہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور عبد ہیں جن کی چمک دمک اور ضیاء و نور تمام انبیاء سے زیادہ کامل اور روشنی بخش ہے اس پر اور اس کے آل و اصحاب پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں گردش لیل و نہار تک ہوتی رہیں۔

اس تمہید کے بعد فقیر کثیر التقصیر ولی اللہ بن عبدالرحیم (اللہ ان پر لطف عظیم کے ساتھ پیش آئے) کہتا ہے کہ عم بزرگوار بلند قدر اہل ذوق و وجود کے پیشوا صاحبان معرفت و شہود کے امام، سلسلۂ اہل عرفان کے لئے رابطہ اور اہل کمال کی آنکھ کا تارا، خدا نے بے شمار کے ساتھ لو لگانے والے سیدنا و مولانا شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ الامجد کے علم و عرفان سے اخذ کئے ہوئے یہ چند کلمات

ہیں جن کے مجموعے کا نام شوارق المعرفۃ تجویز کیا گیا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل.

حضرت شیخؒ کے ابتدائی حالات

حضرت شیخ نے بچپن میں علوم ظاہری حافظ بصیر سے حاصل کئے تھے جو زمانہ شاہجہاں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے، ان کے علاوہ خواجہ محمد باقیؒ کے صاحبزادے خواجہ خوردؒ سے بھی تحصیل علم کرتے رہے، حقیقت میں آپ کو تمام علوم وہبی طور پر حاصل تھے۔ ظاہری تحصیل علم سے محض سنت الٰہی کی محافظت مقصود تھی۔ کیونکہ یہ دنیا اسباب وعلل کی دنیا ہے۔ تحصیل علم کے بعد اپنے والد ماجد کے مشورے سے اپنے زمانے کے امراء میں سے ایک کے دربار میں ظاہری نفع اندوزی کے لئے آنا جانا شروع کر دیا۔ آپ کی حقیقی استعداد اچانک پردۂ ظہور پر نمودار ہونے لگی اور آپ نے طریق گوشہ نشینی، کامل تنہائی، مکمل توکل، اتباع سنت اور دیگر احوال صوفیاء کو اس انداز سے اختیار فرما لیا کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کا تصور ہی نہیں کر سکتا، صحیح روایات سے معلوم ہوا ہے کہ جب آپ نے تمام تعلقات سے ہاتھ کھینچ لیا تو اپنی رفیقۂ حیات سے فرمایا کہ ہم نے یہ راستہ تکالیف اور مصائب کی کثرت کے باوجود خود پسند کیا ہے، اور کسی طرح بھی اس راہ سے واپس نہیں پھر سکتے، اگر ان تمام مشکلات کو میری طرح پسند کر کے لباس وطعام کے لطف سے اور خویش واقارب کے میل جول کی لذتوں سے قطع نظر کر سکو، تو میری زندگی کی ساتھی ہو، ورنہ تمہیں جدا ہونے کا پورا اختیار ہے، آپ کی رفیقۂ حیات نے ہمت سے کام لے کر معمولی نیلے کپڑے زیب تن کئے، زیورات اور بیش قیمت لباس اتار پھینکے۔ انہی دنوں حضرت شیخ والدین کا گھر چھوڑ کر مسجد فیروز آباد کے قریب ایک حجرہ بنا کر رہائش پذیر ہو گئے۔ ان ایام میں اکثر وبیشتر دو دو تین تین روز متواتر فاقے سے گزر جاتے اور اگر کچھ غذا میسر آتی، تو وہ جو کی روٹی کے چند ٹکڑوں اور دہی پر مشتمل ہوتی جو محمد جان طباخی اور ان جیسے دوسرے نیازمند لاتے اور یہ طعام تمام فقراء پر برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا اور آپ دوسرے روز کے مقررہ وقت تک تھوڑی غذا پر اکتفا فرما لیتے تھے، آپ کے گھر میں نہ کوئی دیگچی تھی نہ چولہا، نہ چکی اور نہ دوسرا سامان یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خوب برکت دی اور اپنے بندوں کے دلوں کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا، اور وسیع حویلی اور بہت بڑا لنگر خانہ عطا فرمایا۔ اپنے ابتدائی حالات کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ تجرید کے انتہائی مقام اور بے اسبابی کی

آخری منزل پر فائز ایک درویش جو حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے خلیفہ خاص شیخ تاج سنبھلیؒ (۱) کا صحبت یافتہ تھا۔ خواجہ خوردؒ کے پاس آیا، اس پر نسبت غیبت بہ تمام و کمال غالب تھی، حضرت خواجہؒ اس سے جو کچھ پوچھتے وہ بہت ہی تکلف اور دیر سے جواب دیتے تھے۔ اس موقع پر خواجہ خوردؒ نے فرمایا کہ جو بھی معرفت خدا کا طالب ہو، وہ اس مردِ درویش سے مردانہ وار تعلق قائم کرے، جب میں نے یہ بات سنی تو میرے دل میں اس کی بیعت کی خواہش اور اس سے حصول طریقت کا خیال پیدا ہوا میں نے استخارہ کیا اور حضرت غوث الاعظمؒ کی روح پرفتوح کی طرف متوجہ ہوا تو خواب میں دیکھا کہ گویا آپ کشتی پر سوار ہیں اور دریا کی سیر کر رہے ہیں اور میں دریا کے کنارے ان کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہوا ہوں، میری طرف متوجہ ہوئے اور ان کے ہر بال بال سے اپنی چمک دمک کے ساتھ سورج ابھرتا ہوا معلوم ہوتا تھا، آپ نے مجھے میرے نام سے بلایا اور اس تمثیلی مشاہدے میں مجھ پر ایسے رموز ظاہر ہوئے کہ اس درویش کی محبت سے دل ٹھنڈا پڑ گیا اور حضرت غوث اعظم کی بارگاہ سے استفادہ کرنے کا دروازہ کھل گیا۔

فرمایا ایک مرتبہ میں نے حضرت غوث الاعظمؒ کو بیداری میں دیکھا۔ اس موقع پر آپ نے مجھے عظیم اسرار و رموز تعلیم فرمائے۔

علی المرتضیٰؓ وسیلہ بیعت ہیں

فرمایا میں نے بچشم حقیقت دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولیائے کرام کی صفوں کے درمیان تشریف لائے جو مربع شکل میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہر صف میں ایک ہزار ولی تھے، یہ سب سیر روحانی کر رہے تھے۔ اور ہر ایک کے ہاتھ میں مورچھل تھا۔ میں اس جماعت سے باہر ایک کونے میں کھڑا تھا، میرے دل میں خیال گزرا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطلع ہوئے اور ان صفوں میں سے ایک صف میں مجھے بھی داخل فرمایا اور اپنے دست اقدس کا مورچھل بھی مجھے

---

(۱) شیخ تاج الدین سنبھلی حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفۂ اول تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد بلاد عرب چلے گئے اور وہاں طریقہ نقشبندیہ پھیلایا۔ انھوں نے عربی زبان میں کئی کتابیں لکھ کر اہل عرب کو سلسلۂ نقشبندیہ سے متعارف کرایا آپ کی ایک جامع تصنیف "الرسالہ فی سلوک خلافۃ السادات نقشبندیہ" ہے جس کی علامہ عبدالغنی نابلسی نے مفتاح المعیت فی طریقہ النقشبندیہ کے نام سے مکمل شرح لکھی ہے آپ نے جامع الفوائد کے علاوہ نفحات الانس جامی اور رشحات واعظ کاشفی کا عربی ترجمہ بھی کیا آپ کی وفات ۱۶۴۰ء میں ہوئی۔

عنایت فرمایا۔ اس کے بعد مجھے ساتھ لے کر آپ ہوا میں اڑنے لگے۔ باقی لوگ اسی مکان میں ٹھہرے رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے آسمان کی مسجد عالی میں نماز عصر ادا فرمائی۔

فرمایا دوسری بار ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچشم حقیقت دیکھا اور عرض کی یا سیدی! میری خواہش ہے کہ آپ کے طریقۂ عالیہ کے فیض یافتہ کسی مرد حق سے بیعت کروں تا کہ اس سے ان حقائق کی تفصیل پوچھ سکوں جو آپ سے حاصل ہوئی ہیں۔ مجھے کسی ایسے مرد راہ کا پتہ دیجئے جو اس کا اہل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری بیعت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہوگی۔ کچھ دنوں بعد دیکھا کہ گویا راستے میں جا رہا ہوں۔ آس پاس کوئی شخص نظر نہیں آ رہا، مگر راستے سے گزرنے والوں کے نقش قدم پائے جاتے ہیں۔ تھوڑی دور بیچ راہ کے ایک مرد کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے راستہ پوچھا تو اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ادھر آؤ اس سے مجھے انشراح قلب حاصل ہوا۔ اس نے فرمایا اے سست رفتار! میں علی ہوں، اور مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تا کہ میں تجھے ان کی بارگاہ میں لے چلوں، میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا یہاں تک بارگاہ رسالت میں پہنچے اور حضرت امیر علیہ السلام نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے رکھا، اور اپنا ہاتھ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے کر کہا یا رسول اللہ ھذا ید ابی الرضا محمد (یہ ابوالرضا محمد کا ہاتھ ہے) یہ سن کر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام کی بیعت لی۔ اس موقعہ پر میرے دل میں ایک بات کھٹکی جس پر حضرت امیر علیہ السلام مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میں اسی طرح اولیاء اللہ کے حق میں وسیلۂ بیعت رہتا ہوں، ورنہ اصل میں تمام سلاسل کی بیعتوں کا مرکز اور مرجع تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست حق پرست ہوتا ہے۔ اس کے بعد مجھے اشغال واذکار کی تلقین فرمائی اور علوم واسرار سے نوازا اور مجھ پر ان سب کا حصول آسان ہوگیا۔ اس واقعہ سے پہلے میں ذکر قلبی وہبی میں مشغول تھا۔

برکات قرب نبوی

فرمایا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا جیسے مجھے اپنی ذات مبارک کے ساتھ اس انداز سے قرب واتصال بخشا کہ جیسے ہم متحد الوجود ہو گئے ہیں اور اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عین پایا۔ کسی نے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال

کیا، تو آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا، میں نے اسے وضاحت سے جواب دیا۔ بعد میں آپ مجھ سے جدا ہو گئے۔ اس واقعہ سے پہلے مجھے نیند میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بہت شوق رہتا تھا۔ جب اتحاد و اتصال کی یہ دولت نصیب ہوئی تو وہ شوق پورا ہو گیا اور وہ بھرپور لذت و کیفیت حاصل ہوئی کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہی۔

آپ کی پاکیزہ زندگی، تصرفات اور مخفی امور پر مطلع ہونے کا بیان

معمولات شیخ ابوالرضا

آپ کے معتقدین کا ایک گروہ راوی ہے کہ بادشاہ عالمگیر نے حضرت شیخ کی زیارت کے لئے کئی بار خواہش ظاہر کی مگر آپ نے انکار کیا۔ ارباب اقتدار اور سرمایہ داروں کو آپ ہمیشہ ہیچ سمجھتے تھے۔ ان کی پیش کشوں اور ان کی ذات کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوئے۔ کبھی کبھار کوئی امیر حد سے زیادہ اصرار کرتا تو نذرانہ قبول کر لیتے تھے۔ ہاں البتہ اگر کوئی غریب اور مفلس کفش دوز، طباخی، کنجڑا وغیرہ چار پانچ پیسے بھی نذرانہ پیش کرتا، تو کشادہ دلی کے ساتھ قبول فرما کر اپنے ہاتھ سے لے لیتے تھے۔ مستند روایات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ جید عالم، فصیح اللسان، حد درجہ متقی، ماہر علوم، معرفت براق، نورانی چہرے، دراز قامت، گورے چٹے، چھدری داڑھی والے اور خوش گفتار تھے، نماز جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ کہتے تھے۔ اپنے وعظ میں تین حدیثیں صحت لہجہ اور ترتیل کے ساتھ زبانی پڑھتے تھے۔ اور پڑھتے وقت مجلس وعظ کے تمام گوشوں پر پوری توجہ سے نظر ڈالتے تھے پھر ان احادیث کا فارسی میں ترجمہ کرتے تھے، وہ بھی پوری وضاحت ترتیل اور آہستگی کے ساتھ بیان کرتے تھے، پھر ہندی (اردو کی ابتدائی شکل) میں احادیث اور موضوع کی مناسبت سے تقریر فرمایا کرتے تھے جس میں مبالغہ نام کو نہیں ہوتا تھا۔ شروع شروع میں تو آپ مختلف علوم کا درس دیا کرتے تھے اور لوگ بڑے ذوق وشوق سے آپ کی تقریر سننے کو جمع ہوتے تھے۔ آخر میں آپ کا درس دو اسباق پر مشتمل ہوتا تھا۔ ایک تفسیر بیضاوی اور دوسرے مشکوٰۃ شریف باقی وقت توجہ الی اللہ یا خواص معتقدین سے معرفت کی باتوں سے گزرتا تھا۔ آپ وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس موضوع پر ایک محقق کی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنی مجالس میں آپ نے کلام صوفیہ کے بہت سے مشکل مقامات حل فرمائے۔ شیخ معظم پھلتی کہتے ہیں کہ عہد اورنگ زیب کے اوائل میں مملکت کے

ایک حصے پر ستنامی ہندوؤں نے قبضہ کرلیا، بادشاہ نے مقابلے کے لئے مسلمان فوجیں بھیجیں مقابلہ اس قدر طویل ہوگیا کہ ان میں سے کوئی فریق مغلوب نہ ہوا۔ اس وجہ سے بادشاہ اور ارکان سلطنت کے دل پریشان ہونے لگے۔ بعض معتقدین نے اس بارے میں حضرت شیخ سے دعا چاہی جونہی آپ نے دعا کی تو قبول ہوگئی۔ کچھ وقت بعد آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو فتح ہوگئی ہے اور ہندو پسپا اور ذلیل ہوئے ہیں معتقدین نے اٹھ کر پورے شہر میں یہ خبر پھیلا دی۔ رفتہ رفتہ یہ خبر اورنگ زیب تک پہنچی حیران ہوا کہ ہرکارے ابھی تک خبر نہیں لائے اور یہ افواہ کس نے پھیلائی ہے۔ تحقیق کرنے پر جب صحیح علم ہوا تو اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں آدمی بھیجا۔ آپ نے فتح کی پوری تفصیل اور واقعات بتلا دیئے کچھ دنوں بعد اسی تفصیل سے لشکریوں نے بادشاہ کو آ کر فتح کا واقعہ بیان کیا۔

مبین حقیر گدایاں عشق

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ ایسا موٹا کپڑا پہننا چاہئے جو ایک دو سال تک چل سکے کیونکہ یہ تقوی اور وساوس کو دور کرنے میں بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک کشمیری کو آپ نے ایسا کپڑا لانے کو کہا، وہ انتہائی سخت اور موٹا پشمینہ لایا، آپ نے اسے آٹھ پہر پہنا دوسرے دن نماز چاشت پڑھ کر بیٹھے تھے اور مجلس پر سکوت طاری تھا کہ آپ ہنس پڑے۔ راوی نے تبسم کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے الہاماً پیغام بھیجا ہے کہ کیا ہمارے خزانے میں کمی ہوگئی تھی جو یہ کپڑے پہنے ہیں۔ تمہارے سارے مصارف ہمارے ذمے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں ناز ونعمت سے رکھیں۔ یہ پشمینہ اتار دو۔ ہم ابھی ابھی ایک لباس بھیج رہے ہیں، جو تمہارے لائق ہوگا۔ آپ نے وہ پشمینہ اتار دیا اور وعدۂ الہامی کے مطابق انتظار میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑھیا دروازے پر آئی اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ راوی کو باہر بھیج کر کہا کہ اگر دوہری بنائی کا اس رنگ کا اور ایسے پھولوں والا کپڑا ہو تو لے لینا اور کہنا کہ قبول ہوگیا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو لوٹا دینا۔ وہ کپڑا آپ کے فرمان کے مطابق نکلا اسی وقت اسے پہنا اور شکر بجالائے۔ اس واقعے کے بعد آپ بغیر قصد وارادہ کے ہمیشہ اعلیٰ لباس پہنتے رہے۔ شروع شروع میں دو تین روز فاقہ بھی رہا، کھانے کو کچھ میسر نہ ہوا۔ اس وقت ایک مخلص آیا اور عرض کی کہ میرے

گھر میں طعام تیار ہے۔ قدم رنجہ فرمائیے آپ اٹھ کر چل دیئے جب اس مخلص کے گھر پہنچے تو وہ اندر جا کر مستورات کو ایک طرف کرنے لگا، اس آدمی نے دروازے کے ساتھ چار پائی کھڑی کر رکھی تھی جس کے گرنے سے حضرت شیخؒ کو سخت چوٹ لگی اور بیہوش ہو گئے، افاقہ ہونے کے بعد جلدی اپنے گھر واپس لوٹے اور فرمایا یہ اللہ کی طرف سے مجھے تنبیہ ہے کہ آئندہ حصول رزق کے لئے سعی وتلاش نہیں کرنی چاہئے۔ کفیل حقیقی پر بھروسہ کر کے اس کی نعمتوں کا منتظر رہنا چاہئے۔ اس واقعے کے بعد انتہائی ضرورت کے علاوہ آپ کسی کے گھر بھی دعوت میں نہیں جاتے تھے۔

جسے اللہ رکھے

حضرت شیخؒ ابتدائی ایام میں ایک دن مراقبہ صبح کے بعد اٹھے اور بھنگ نوشوں کے تکیے میں جا کر گم سم بیٹھ گئے اور چاہا کہ ظہور عصمت حق کی کیفیت کا تماشا دیکھیں، جب بھنگ فروش نے بھرا ہوا پیالہ آپ کی طرف بڑھایا تو اہل مجلس میں سے ایک شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ انہیں مت دو! دو چار مرتبہ یہ صورت حال پیدا ہوئی کہ نماز کا وقت آ گیا تو آپ کے دل میں اضطراب اٹھا، مگر ضبط کر کے بیٹھے رہے اس نواح کی مسجد کا امام بھی وہاں موجود تھا جو خیر سے خود بھی بھنگ نوش تھا فوراً اٹھا اور آپ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ آپ نے بہت چھڑانا چاہا مگر اس نے نہ چھوڑا اور کشاں کشاں مسجد میں لے گیا اور وضو کرا کے آپ کو امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔ اس واقعہ سے آپ کا دل مطمئن ہوا کہ یہ عفت وتقویٰ ایسا امر معلوم ہے کہ کوئی چاہے یا نہ چاہے بغیر اختیار کے اسے کاتب تقدیر اس حالت پر قائم رکھے گا۔

بادشاہ حقیقی کا انصاف

سننے میں آیا ہے کہ رستم اور اسد اللہ نے جب پھلت والوں کو تکلیفیں پہنچانی شروع کیں تو انھوں نے ان کی تباہ کاریوں کی کچھ باتیں حضرت شیخؒ کی خدمت میں عرض کیں اور چاہا کہ آپ عاقل خاں کو ان کی مدد کے لئے رقعہ لکھ دیں، ایک دن نماز اشراق کے بعد آپ کی حالت بدل گئی اور جوش میں آ کر کہنے لگے۔ کہ تم چاہتے ہو کہ تمہاری تکالیف عاقل خاں تک پہنچاؤں۔ تمہاری حالت بادشاہ حقیقی کی بارگاہ میں کیوں نہ عرض رکھوں! یہ کہہ کر آپ نے توجہ فرمائی اور ان دونوں شخصوں کی ہلاکت کا مژدہ سنایا، راوی دکن میں بادشاہ سے ملا تو ان دونوں کو قید کر کے بادشاہ نے

لشکر کے حوالے کیا ہوا تھا کچھ دنوں بعد وہ دونوں ایک شدید مرض میں مبتلا ہوئے پہلے رستم بیمار ہو کر مرا اور پھر اسد اللہ مبتلائے مرض ہوا۔ لشکر خاں نامی ایک مرد مشہور نے راوی سے کہا کہ فلاں کے حق میں دعا کرو۔ راوی نے کہا مجھے تو دونوں کو دفن کرنے کا حکم ملا ہوا ہے۔ کچھ دنوں بعد دوسرا بھی کیفر کردار کو پہنچا۔

عاشقم برقہر و برلطفش بجد

فقیر (شاہ ولی اللہؒ) نے شیخ مظفر رہتکیؒ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھ پر غم واندوہ کی کیفیت طاری ہوئی۔ میں روتا اور آہیں بھرتا تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بابا طالبان خدا دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک طرح کے طالبین کو وہ فرحت وشادمانی کی راہ سے اپنی طرف بلاتا ہے اور ایک گروہ کو غم واندوہ کی منزلوں سے گزار کر قرب بخشتا ہے۔ گویا غم واندوہ ازلی دین ہے۔ حضرت شیخ پر غم واندوہ اور رونے دھونے کی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی۔ ہمیشہ خوش دل اور باغ و بہار رہتے تھے۔

ان سے یہ بھی سنا کر حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ کسی سالک کے باطن پر اپنی صفات زجر وتوبیخ کی تجلیات کا ظہور فرمائے اور وہ راہ طریقت کے سالک سے معمولی اور بڑے امور میں مواخذہ شروع کردے اور صبر وبرداشت کی قوت اس میں باقی نہ رہے تو اسے چاہئے کہ دنیوی امور اور تلاش معاش میں مشغول ہو جائے۔ اسی طرح اس کے عتاب کی کیفیت ختم ہو جائے گی۔

مدار شریعت ظاہر پر ہے

شیخ مظفر رہتکی نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ میں شروع شروع میں جب رہتک سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو تحفۃ نبات (۱) بھی آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے جسے آپ قبول نہیں فرماتے تھے، کہتے تھے کہ دیہاتوں اور قصبات کی خرید وفروخت اور ناپ تول شرعی قانون کے مطابق نہیں ہوتی چنانچہ میں نے یہ تحفہ لانا چھوڑ دیا البتہ آپ کے بچوں کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ تھما دیتا تھا اور تھوڑی سی نبات بھی رسم ہدیہ پوری کرنے کی خاطر ان بچوں کو دیا کرتا تھا۔ آخر میں

---

(۱) نبات: سبزی، ترترکاری، (قاسمی)

ایک مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبات کے دو مرتبان حضرت والا کے بچوں کو دیئے۔ وہ آپ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اس میں سے کچھ نکال کر تناول فرمائی۔ اس واقعے کے بعد ایک دن مجھے فرمانے لگے۔ ہم نے تمہاری نباتیں کھائی ہیں۔ ہاتھ اٹھائے اور حسب حکم شرع وسوسہ مٹانے کے لئے اس پر ہلکا سا تھوکا (۱)۔ اس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہم اس تورع اور تقوی سے گزر چکے ہیں جو انسانی امکان سے بھی زائد تھا۔ اب ہمیں ظاہر شریعت جو کچھ حکم دے گی اس کے لینے میں عار محسوس نہیں کریں گے۔

دست پیراز غائبان کوتاہ نیست

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ درگ داس کے واقعے سے جب رہتک کا گرد ونواح ویران ہوگیا تو میں کئی خاندانوں کے لے کر دہلی کی طرف چل پڑا۔ ان دنوں تمام دیہاتی لوگ درندے بن چکے تھے۔ میرے قافلے کے بہت سارے خاندانوں، عورتوں اور مال ومتاع کے ساتھ بجز میرے اور کوئی مضبوط آدمی نہیں تھا۔ خلاف توقع ہمارا سارا سفر امن سے گزرا۔ ہاں البتہ ایک مقام پر دیہاتی لٹیروں نے جمع ہوکر ہم پر حملہ کرنا چاہا تو میں نے کمان کا چلہ چڑھا کر ان پر حملہ کردیا، وہ شکست کھا کر اپنے خیموں یا چھپروں کی آڑ میں چھپ گئے۔ جب میں حضرت والا کی خدمت میں پہنچا تو خندہ پیشانی سے ملے اور فرمایا کہ ہم بھی اس سفر میں تمہارے ساتھ تھے تمہاری حفاظت اور مدد کرتے رہے۔ دیکھا نہیں تھا کہ جب دیہاتیوں نے حملہ کرنا چاہا اس وقت تم اکیلے تھے اور ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے فلاں آفت کو ان کے منہ میں دیا جس سے وہ ہیبت زدہ ہوکر اپنے چھپروں کی آڑ میں چھپ گئے تھے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

یہ رہتکی معتقد یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اکثر اوقات لوگ آپ سے واضح مسائل کے بارے میں بھی پوچھا کرتے تھے۔ ایسے میں حضرت والا اپنی آنکھیں بند کرکے سوچنے لگ جاتے اور کچھ دیر کے بعد جواب بیان فرماتے کسی ہم مجلس نے اس کا راز پوچھا تو فرمایا کہ جب یہ لوگ سوال کرتے ہیں تو بے حد وحساب جوابات میرے سامنے پیش ہوجاتے ہیں۔ اس وقت میں اسی سوچ

---

(۱) اصل نسخے میں عبارت یوں ہے "دبراوقف زدند" میں نے اسے براوتف زدند سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ سید فاروق

بچار میں لگ جاتا ہوں کہ کونسا جواب سائل کی سمجھ کے مطابق ہوسکتا ہے۔

اتباع سنت میں آپ کا مقام

یہی راوی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ جب مسجد میں داخل ہونا چاہتے تھے تو مسجد کے نزدیک کھڑے ہوکر اپنا بایاں قدم مبارک جوتے سے نکال کر اس کے اوپر رکھ دیتے۔ پھر دایاں قدم نکال کر مسجد میں رکھتے۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس صورت حال سے مقصود یہ تھا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الیمنی اولهما تنعل و آخرهما تنزع (۱) دوسری حدیث یہ ہے کہ كان النبی صلى الله عليه وسلم يحب التيامن فی شانه كله (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں دائیں طرف سے آغاز کرنے کو پسند فرماتے تھے) حضرت شیخ کا یہ عمل سنت نبوی کی رعایت اور احتیاط کا ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے۔

برکات نسبت

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ جب میں آپ کے سلسلۂ عالیہ میں منسلک ہو گیا اور مجھ پر توجہ فرمانے لگے تو مجھ پر اسرار توحید کھلنے لگے انہی ایام میں کم وبیش تین روز میرا علم انا مظہر مقید سے علیحدہ ہوکر بظاہر ہستی مطلق کے ساتھ پیوست ہو گیا۔ حضرت شیخ نے شیخ عبدالحفیظ سے فرمایا کہ مجھے حجرے میں بند رکھ کر میری حالت کی نگرانی کرے، میں ان ایام میں کہا کرتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو بارش برسادوں، چاہوں تو ماردوں، چاہوں تو زندہ کردوں، حضرت شیخ اس عالم میں انتہائی ادب وانکساری کا مظاہرہ فرماتے تھے اور کہتے کہ جن لوگوں پر یہ عالم طاری ہو ان کا یونہی ادب کرنا چاہئے۔ جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو حضرت والا نے مثال کے طور پر یہ ہندی دوہا پڑھا۔

کنتھارن موں تیہ کر کھاندا باہ نستگھ!
بامچ چرہی ژندا پانانچ چڑھی کلنلہ

یہی شیخ مظہر رہتکی کہتے ہیں کہ اہل رہتک کا ایک گروہ کسی تقریب سے دہلی آیا تو ایک دن ارادہ کیا کہ جماعت کی صورت میں حضرت شیخ کی زیارت کو جائیں۔ راستے میں ایک شخص نے

---

(۱) بخاری کتاب اللباس ص: ۲۳ ج ۴ مطبوعہ مصر

حضرت کی کرامتوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ دوسرے نے کہا کہ ایسی کرامتیں تو بہت سے لوگ سنایا کرتے ہیں، لیکن جب تک آنکھ سے نہ دیکھیں تصدیق نہیں کر سکتے، اور مثال میں یہ ہندی دوہا پڑھا

جب لک نہ دیکھوں اپنی پنا
تب لک نہ پتجوں کرکے بنیا

اور کہا کہ میں تو جب مانوں کہ آج مجھے نان وحلوہ دیں، جب یہ لوگ پہنچے اور آپ سے ملاقات کی تو آپ حسب عادت ہر ایک سے لطف ومہربانی کے ساتھ پیش آئے اور پھر گھر سے حلوہ روٹی منگوائی اور اس شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ خاص اسی کا حصہ ہے اور وہی دوہا زبان پر لائے کہ جب لک الخ

بارگاہ اولیاء میں حاضری کے آداب

فقیر ولی اللہ نے سید عمر حصاریؒ سے سنا ہے کہ ایک دن آپ خوبصورت سی ملیح رنگ چادر اوڑھے ہوئے ہرن کی خوشنما کھال پر تشریف فرما تھے۔ وہ چادر اور کھال میرے دل میں کھب گئیں ویسی چادر اور کھال کی تلاش وتجسس کا شوق میرے دل میں اٹھا۔ اس خیال کو جس قدر جھٹکتا دور نہ ہوتا۔ حضرت والا جب مجلس سے اٹھے تو مجھے فرمایا کہ بیٹھو تم سے ایک کام ہے۔ اس کھال پر شیرینی کے دھبے لگے ہوئے تھے انہیں اپنے ہاتھ سے دھویا، چادر اور ہرن کی کھال کو تہ کر کے اپنے ہاتھ سے مجھے عنایت فرمائیں اور فرمایا اولیاء کی مجالس میں ایسے خیالات دل میں نہیں لانے چاہئیں۔

یہی راوی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ، شیخ عبدالاحدؒ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر شیخ عبدالاحدؒ نے پوچھا کہ فلاں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمانے لگے کہ میں نے اس آدمی کے بارے میں فرشتوں کو جھگڑتے دیکھا ہے۔ ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ فلاں صاف اور پاکیزہ دل رکھتا ہے اور دوسرے نے کہا کہ وہ شریعت پر کاربند نہیں، ایسا دل کس کام کا، کاتب الحروف کہتا ہے کہ یہ شخص ایک بزرگ تھا۔ جو اپنے زمانے کے بہت سے بزرگوں کا معتقد تھا، مگر اس کی باتوں میں پھکڑ پن زیادہ ہوتا تھا۔

شاعر گلشن (۱) دہلوی کا واقعہ

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اپنے زمانے کے شاعر گلشن سے سنا ہے کہ شورش عشق اور طلب سلوک کے ابتدائی ایام میں ایک دن میں اپنا منھ کالا کر کے کوچہ و بازار میں پھرنے لگا۔ جب محلّہ فیروز آباد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف فرما ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور جوتیوں میں جا بیٹھا۔ آپ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس طرح رسوائی کے خطرات مول لیتے ہیں اور لوگوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ خدا کے لئے کر رہے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ اولیاء کی مجلس میں آتے ہوئے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اس گروہ روشن ضمیر پر ان کے سارے بھید آشکارا ہیں، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا سر دست چلے جاؤ۔ یہ سن کر میں بہت شرمندہ ہوا اور اپنے دلی خیالات کی قباحت بھی محسوس کی۔

تصرف شیخ

سننے میں آیا ہے کہ حضرت شیخ کو زمانہ طفولیت میں جب جھولے میں سلاتے تھے تو بغیر کسی ہلانے والے کے آپ کا جھولا چلتا رہتا تھا، لوگ یہ دیکھ کر تعجب کرتے تھے، یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ عبداللہ نامی ایک جن آپ سے علوم و معارف کی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بھی میرے سامنے آتا ہے۔ اس کے تمام احوال و افعال مجھ پر روشن کر دیئے جاتے ہیں، ایک مرتبہ ایک منکر میرے پاس آیا اور مشائخ کا انکار کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ اے کتے! تو انہیں کیا جانے؟ اس نے غصے میں اپنی تلوار نکالی اور مجھ پر حملہ کرنا چاہا میں نے اس پر اپنے قہر وغضب کا تصرف ڈالا تو اسے آگ نظر آئی قریب تھا کہ وہ جل کر راکھ ہو جاتا کہ اس نے توبہ وزاری کی اور میں نے اسے ہلاکت سے بچا لیا۔ یہ بھی سنا ہے کہ مسجد میں نماز کیلئے ایک عورت کا جنازہ لایا

---

(۱) آپ کا پورا نام شیخ سعد اللہ گلشن دہلویؒ ہے۔ برہان پور کے رہنے والے تھے مگر بعد میں دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی، خود شاعر اور استاذ الشعراء تھے، آپ شیخ عبدالاحد سرہندی المعروف بہ شاہ گل وحدت کے خلیفہ تھے۔ اپنے مرشد کے عرف شاہ گل کی مناسبت سے اپنا تخلص گلشن رکھا۔ تارک الدنیا بزرگ تھے، آپ کی وفات ۱۷۲۷-۱۷۲۶ء میں ہوئی مزار دہلی میں ہے نمونہ کلام یہ ہے۔

بدرش رفتہ سجدہ ہا کردم   منت پائے ماست بر سر ما
سخت جاناں نیستند از چارہ سازاں کامیاب   مومیائی نفع کے بخشد شکست سنگ را

گیا، تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کی روح ابھی بدن سے جدا نہیں ہوئی، ایسی صورت میں اس پر نماز جائز نہیں۔ ورثا نے اصرار کیا کہ یہ مر چکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں مری، آخر الامر اس کا منہ کھول کر دیکھا گیا تو زندگی کے آثار باقی تھے۔ اسے واپس لے گئے اور وہ دوسرے دن فوت ہوئی۔

وسعت علوم اولیاء

سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ایک خادم کسی بری عادت میں مبتلا تھا آپ نے اسے کئی بار اشاروں کنایوں میں تنبیہ فرمائی مگر وہ پھر بھی نہ چونکا اور نہ ہی اس عادت بد سے باز آیا۔ بالآخر حضرت شیخ نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا تجھے بارہا اشاروں، کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پرواہ نہ کی شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ قسم بخدا اگر زمین کے نچلے طبق میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں بھی سو خیالات آئیں، تو ان میں سے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق سبحانہ وتعالیٰ اس کے سو کے سو خیالات سے باخبر ہے۔ یہ سن کر خادم نے اپنی برائی سے توبہ کی۔

هو يطعمني

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میں روزے سے تھا کہ بھوک اور پیاس نے مجھے سخت تنگ کیا۔ اسی حالت میں ذکر کرتے ہوئے مجھ پر غیبت اور استغراق کا عالم طاری ہوا۔ میں نے عالم مثال میں دیکھا کہ ایک آدمی نے مجھے دودھ کا پیالہ دیا، اور میں نے وہ پی لیا جب ہوش آیا تو اپنے منہ سے دودھ کے قطرات ٹپکتے ہوئے محسوس کیے۔ یہ دیکھ کر روزہ ٹوٹنے کا خوف پیدا ہوا تو دل میں الہام ہوا کہ یہ غذا تیرے اختیار کے بغیر محض ارادۂ الٰہی سے ملی تھی، اور یہ عالم شہادت کی نہیں بلکہ عالم مثال سے تعلق رکھتی ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

غرور علم سے سرشار عالم بارگاہ فقیر میں

حافظ عنایت اللہ نے بیان کیا کہ ایک فارغ التحصیل عالم بحث وتکرار اور مذاکرہ سے انتہائی دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میں اس شہر کے تمام فاضل علماء کو مغلوب کر چکا ہوں، میں نے کہا کہ کبھی حضرت شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں حاضر ہو کر ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا ہے؟ کہنے لگا سنا ہے کہ وہ عوام کو تفسیر حسینی پڑھ کر سناتے اور اسی سے وعظ کہتے ہیں۔ وہ کوئی

صاحب فضیلت نہیں ہیں۔ میں نے کہا نہیں ایسا مت کہو بلکہ ان کی زیارت کرو تا کہ ان کا کمال علم اور سیرت تم پر واضح ہو سکے۔ اگلے جمعہ وہ مجلس وعظ میں آیا اور اس کے دل میں یہ خیال گزرا کہ مناظرہ کرے۔ حضرت شیخ نے اس کے خیالات سے مطلع ہو کر تاثیر کے ذریعے اس کا علم سلب کر لیا۔ یہاں تک کہ اور علوم بجائے خود صرف ونحو کا کوئی قاعدہ بھی اس کے حافظے میں نہ رہا۔ اور آپ کا کلام سمجھنے سے عاجز ہو گیا۔ سمجھ گیا یہ حالت حضرت شیخ کے تصرف سے واقع ہوئی ہے۔ نادم ہوا، توبہ کی اور خلوص دل کے ساتھ حضرت کی خدمت میں گریہ وزاری کی۔ حضرت نے اسے سارا علم واپس کر دیا اور پہلی حالت بحال کر دی۔ اس نے اظہار نیازمندی کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں عالم نہیں صرف تفسیر حسینی سے عوام کو نصیحت کرتا ہوں۔ یہ سن کر وہ اور زیادہ نیازمندی کرنے لگا اور کہا کہ اپنی بات اور عقیدے سے توبہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ سے بیعت کر لوں حضرت والا نے اسے بیعت میں قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ لکھی ہوئی تختیاں کسی کام نہیں آسکتیں۔

کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک

رحمت اللہ کفش دوز نے بیان کیا کہ ایک موقع پر حضرت شیخ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اور میں ان کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص نے کہا، کہ حضرت بایزید بسطامیؒ بعض اوقات کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے تو قوت جذب اور شیخ کی گرمی نگاہ سے اس کی روح پرواز کر جاتی تھی۔ آج کل ہم مشائخ کا شور سنتے ہیں مگر کسی کی قوت باطنی میں یہ تاثیر نہیں دیکھی۔ یہ سن کر حضرت شیخ نے جوش میں فرمایا کہ بایزید روحیں نکال تو لیتے تھے مگر جسم میں واپس نہیں لوٹا سکتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دل کو اپنے قلب اطہر کے زیر سایہ ایسی تربیت اور وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہوں کسی کی روح کھینچ لوں اور جب چاہوں اسے واپس لوٹا دوں! عین اسی وقت شیخ نے مجھ پر نظر کر کے میری روح کھینچ لی اور میں زمین پر گر کر مر گیا اور مجھے اس عالم کا کوئی شعور نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ میں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے دریا میں غرق پایا۔ آپ نے سائل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اسے دیکھو مردہ ہے یا زندہ؟ اس نے سوچ کر کہا کہ مردہ ہے۔ فرمایا اگر تو چاہے تو اسے مردہ چھوڑ دوں اور اگر پسند کرے تو اسے زندہ کر دوں! کہنے لگا اگر زندہ ہو جائے تو یہ انتہائی رحمت ہو گی، آپ نے مجھ پر

دوبارہ توجہ ڈالی تو میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام حاضرین مجلس حضرت شیخ کی قوت حال سے متعجب ہوئے۔

خطرات قلب پر اطلاع

حضرت شیخ کے معتقدین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ آپ کی مجالس اور صحبت میں ہم لوگ تصوف وعرفان کے بارے میں کثرت سے زبان پر سوالات نہیں لاتے تھے! بلکہ اپنے اپنے سوالات دلوں میں لے کر بیٹھ جاتے تھے جب بھی کسی کے دل میں کوئی شبہ، سوال، یا خیال وارد ہوتا تو آپ اس سے مطلع ہو کر فوراً جواب دیتے پھر بھی اگر شک باقی رہتا تو دوبارہ جواب دیتے یہاں تک کہ سائل مطمئن ہو جاتا۔

علم ظاہر اور علم باطن کا فرق

سننے میں آیا ہے کہ محمد عاشق نے ملا یعقوب اور حضرت شیخ دونوں سے استفادہ کیا تھا اور مسئلۂ توحید کے بارے میں وہ مطمئن نہیں تھا۔ اس بارے میں ملا یعقوب کی باتیں آپ تک پہنچاتا اور آپ کی باتیں ملا یعقوب تک، جب اس معاملہ نے طول پکڑا تو ایک دن ملا یعقوب نے کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور بالمشافہ گفتگو کر کے مسئلۂ توحید کے بارے میں آپ کے نظریات کو باطل ثابت کرتا ہوں۔ جب وہ حضرت شیخ کی مجلس میں پہنچا تو ایسا چپ ہوا کہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ جب مجلس سے اٹھ کر جانے لگا تو لوگوں نے خاموشی کا سبب پوچھا۔ ملا نے کہا کہ جب میں آپ کی مجلس میں پہنچا تو میرے تمام علوم سلب ہو گئے۔ یہاں تک کہ میں ابجد بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔

حضرت شیخ ابوالرضاؒ کے حقیقت و معرفت سے معمور ملفوظات

رویت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا کہ میں ایک مرتبہ مجلس ذکر میں بیٹھا ہوا تھا وہاں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پہلو میں تشریف فرما ہیں جب میں نے آنکھ کھولی تو کچھ محسوس نہ ہوا۔ آنکھ کھلنے پر کچھ محسوس نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ مجھے یہ مشاہدہ عالم مثال میں کرایا گیا اور ظاہری آنکھوں سے دیکھنا عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیفیت مختلف حالات میں دیکھنے والوں کے مختلف احوال کے سبب مختلف ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک آئینے کی حیثیت رکھتے ہیں ہر شخص کو اس میں اپنی شکل نظر آتی ہے لہٰذا بدعتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مریض کی شکل میں دیکھتا ہے گویا بدعتیوں کو دیکھ کر آپ تکلیف محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی لمحے ایک خالص سنی آپ کو جواں صورت اور انتہائی خوش وخرم شکل میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی طرح حق سبحانہ وتعالی کا مشاہدہ جو اپنی ذات میں ترقی وتنزلی بلکہ ہر قسم کی قید سے پاک ہے یعنی جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ جب بھی کوئی شخص حقیقت یا خواب میں حق سبحانہ وتعالی کو کسی صورت اور ہیئت میں دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ شیشہ شکل وصورت کی قید میں آ گیا ہے، نہیں نہیں شیشہ تو اپنی اصلی حالت میں ہے یہ سب اشکال اور صور کی قیود دیکھنے والے کی خود پیدا کردہ ہیں۔

نکتہ شیخ اکبر

فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین محمد بن عربی قدس سرہ کو ان چار راتوں میں متواتر خواب میں دیکھتا رہا ہوں اور ان کے عجیب مقامات اور پسندیدہ نکات معارف سے مطلع ہوتا رہا۔ ان صحبتوں سے یعنی ان سے سنا کہ حق سبحانہ وتعالی کا اس کی ذات کے رعب داب کے اعتبار سے یعنی اس کے

تصرفات کی وجہ سے ایک اسم ہے اور وہ ہے کہار آپ نے فرمایا میں نے اس واقعے سے پہلے یہ اسم کہیں بھی نہیں سنا تھا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک کہر اپنے عربی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور ایک قرأت میں **اما الیتیم فلا تکھر** بھی پڑھا جاتا ہے اور حدیث میں آتا ہے **فو اللہ ما کھرنی ولا ضربنی** اور لفظ قہر کا مرجع اور حقیقی منشا اپنی تمام مدد و اعانت سے ہاتھ کھینچ لینا اور تباہی کی عمیق غاروں میں کسی کو گرا دینا ہے۔ لہٰذا اس تحقیق کی بنا پر کہر ذات (بکاف عجمی ہی مناسب رہے گا جو ذات حق کے رعب و تصرف کا لازمی خاصہ ہے اور کاف عجمی کے ساتھ اسم کہار کا اطلاق ذات باری پر صحیح ہوگا اور صیغۂ کہارۃ کا استعمال محض اس جہت سے کیا جائے گا کہ اسے لفظ صرافت یعنی تصرف حق پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

بعض دعاؤں کے عجیب اثرات

فرمایا ایک دفعہ میں دعا میں مشغول تھا، کہ اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ میری طرف پیٹھ کر کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے میں یہ دیکھ کر حیران ہوا تو میرے ضمیر میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ فرشتہ ہے جو تیری اس دعا پڑھنے کے نتیجے میں تیری حفاظت کرتا ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ فرشتے نے آپ کی طرف پیٹھ اس لئے کی ہوئی تھی کہ عالم ملکوت کا دروازہ دوسری طرف ہے اور عالم ناسوت کا دوسری جانب۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء

فرمایا میں نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا کہ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسنات الابرار سیأت المقربین.** (طبقۂ ابرار کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتی ہیں) کاتب الحروف شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ علمائے محدثین نے اس حدیث کو قول سلف قرار دیا ہے مگر حقیقت میں یہ حدیث صحیح ہے۔

منازل ایمان

فرمایا ایمان کی بھی ایک حد مقرر ہے یعنی مومن جب اس حد تک پہنچتا ہے تو اس کا ایمان ہرگز سلب نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اعمال کی بھی ایک حد مقرر ہے۔ جب اعمال اس حد تک پہنچتے ہیں تو

وہ مردود قرار نہیں دیئے جاسکتے اور ایمان کی کم سے کم حد یہ ہے کہ مومن اپنے سینے میں نور ایمان کو ظاہراً محسوس کرے۔ پھر فرمایا کہ ایک رات میں نے اپنے سینے میں نور دیکھا جو چراغ کی طرح چمک رہا تھا۔ اسی نور کی روشنی میں میں نے اپنے گھر کا ساز وسامان اور کونے کھدروں کو بخوبی ملاحظہ کیا۔ اسی اثنا میں خداوند تعالیٰ نے الہام کیا، کہ ایمان کا وہ ادنیٰ درجہ جو میرے نزدیک مقبول ہے یہی ہے اسے میں سلب نہیں کرتا اس لئے کہ کفر ونفاق کے بعض دبیز پردے اس نور ایمان سے اٹھ چکے ہوتے ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک نور ایمان طہارت کاملہ اور اطاعت حق کے نور سے عبارت ہے جیسا کہ ہم نے اپنے موقع ومحل پر اسے بیان کیا ہے۔

مقامات بایزیدؒ اور سید الطائفہؒ

فرمایا ایک دفعہ میں نے چشم حقیقت سے دیکھا کہ میرا دایاں پاؤں شیخ بایزید بسطامی کے پاؤں سے اور میرا بایاں پاؤں سید الطائفہ جنید بغدادی کے پاؤں سے باندھ دیا گیا ہے اسی عالم میں میں نے شیخ بسطامیؒ کی طرف نگاہ کی تو انہیں غیبت کاملہ کے مقام پر فائز پایا۔ اور شیخ جنیدؒ کی طرف دیکھا تو انہیں بے خودی ومدہوشی سے بے نیاز زمان ومکان پر حکمراں (ابوالوقت) پایا۔ اور میں نے اپنی حالت ان دونوں کے درمیان (غیبت وحضور سے معمور) پائی۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک یہ واقعہ ہردو بزرگوں کے جذب وسلوک کے منازل پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حضرت شیخ بسطامی اہل سکر سے تھے اور شیخ جنید اہل صحو سے سکر کو جذب کے ساتھ اور صحو کو سلوک کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔

مقام فنافی اللہ

فرمایا ایک مرتبہ میں اپنے اسماء وصفات کی طرف متوجہ ہوا تو ننانوے ناموں سے بھی زیادہ پائے کچھ اور توجہ کی تو چار ہزار سے زیادہ پائے پھر اور تجسس کیا تو اپنے اسماء وصفات کی کوئی حد وشمار نہ پائی جب اس مقام پر پہنچا تو اس حالت میں اپنی ذات کو دیکھا کہ میں کائنات کو پیدا بھی کر رہا ہوں اور مار بھی رہا ہوں ارباب ولایت کبریٰ پر ایسی حالتیں اکثر گزرتی رہتی ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کا وجود تمام

استعدادوں اور قابلیتوں کا جامع ہے۔ جس انسان کے اندر نقطۂ وجود زندہ و بیدار اور تدبیر کلی جو تمام امور کونی پر غور و فکر کرنے والی طبیعت کا مقتضی اور خاصہ ہے موجود ہو اور وہ انسان صاحب دل ہونے کی وجہ سے روئے روح بھی رکھتا ہو تو اس کی زبان سے اس نقطۂ وجود کے معارف اور تدبیر کلی کے انکشافات عیاں ہوتے رہیں گے اور وہ اس حاسۂ خاص سے تمام کائنات کے مخفی گوشوں کو دیکھتا رہے گا۔

خواب اولیاء

فرمایا میں بیس سال سے نہیں سویا، لیٹ جاتا ہوں، چادر اوپر تان لیتا ہوں، لوگ سمجھتے ہیں سو رہا ہوں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس بات کی تاویل یہ ہے کہ عرف عام میں خواب غفلت اور ذہنی تعطل کو کہتے ہیں اور آپ سے یہ دونوں چیزیں دور کر دی گئی تھیں۔

اتباع سنت ہی ذریعہ نجات ہے

فرمایا کہ آدمی کی نجات عقائد میں کمی بیشی کے بغیر انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں ہے جیسا کہ متقدمین اہل سنت کا مذہب ہے بجز اس آدمی کے جسے کوئی صاحب کشف بعض عقائد و اعمال کی تفصیل و تحقیق سے متنبہ کر دے۔

علوم صوفیاء

فرمایا صاحب تحقیق متکلمین (فلاسفہ) حقیقت ممکن اور حقیقت واجب کے درمیان تباین سے ایک ایسا معنی مراد لیتے ہیں جسے قبول کر لینے سے صوفیاء کی تحقیقات پر کوئی زد نہیں پڑتی اور اگر اس پر خوب غور کیا جائے تو صوفیائے کرام اور فلاسفہ کے درمیان بہت ہی معمولی اختلاف ہے۔ فلاسفۂ قدیم کے کلام کو حقائق صوفیاء پر محمول کرنا ممکن العمل ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک صوفیا کے علوم جمع و فرق کی باریکیوں پر مشتمل ہیں اور متکلمین فلاسفہ کے علوم کا موضوع محض فرق پر اکتفا کرنا ہے اور اس باریک فرق کو ہم اختلاف کا نام نہیں دے سکتے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ نے صرف چند چیزوں پر اکتفا کر لیا ہے اور بعض سے صرف نظر کیا۔

اعتقاد توحید

فرمایا کہ توحید کے اعتقاد سے جو یقینی وجدان اور قطعی برہان سے ثابت ہے اسیران وہم وگمان کے اختلاف اور شکی الطبع لوگوں کی ناسمجھی و بے غوری کے سبب پھرنا نہیں چاہئے۔

ولایت حقیقیہ

فرمایا عادات بد سے کنارہ کشی اور تہذیب اخلاق اختیار کرنے سے اگرچہ آدمی فرشتہ بن جاتا ہے مگر کمال ولایت کی بہ نسبت یہ کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذکر میں فرماتا ہے **وما منا الا له مقام معلوم** (ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک درجہ مقرر ہے) مذکورہ صفات والا آدمی عنایات الٰہی کا مستحق اور خوارق عادات کا مظہر بن سکتا ہے کیونکہ ایسی کرامات عادات بد سے بچنے اور اطاعت الٰہی کے اختیار کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں مگر ایسا صاحب کرامت ابھی ولایت حقیقیہ سے بہت دور ہے کیونکہ یہ ابھی اپنے آپ میں مشغول ہے اور ایسا آدمی جو خود بین ہو، سالکان طریقت میں کیسے شمار ہو سکے گا؟

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک آیۂ کریمہ **وما منا الا له مقام معلوم** کی رو سے ملائکہ کے مقامات و مدارج محدود اور مقرر ہیں اور صاحب ولایت خاصہ کا مقام جو تجلی ذات کے شرف سے مشرف ہو کر کوئی حد و نہایت نہیں رکھتا۔

بہترین مجاہدہ توجہ الی الحق

فرمایا بہترین مجاہدہ و ریاضت کھانے پینے میں حد اعتدال قائم رکھنے کے ساتھ علی الدوام توجہ الی الحق میں پوشیدہ ہے یہاں تک کہ اس عمل کو عادت بنالیں۔

العلم حجاب الاکبر

فرمایا کہ جب حضور قلب حاصل ہو تو لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے یہ نعمت زائل نہیں ہوتی ہاں البتہ تعلیم و تعلم اور باریک علوم میں مشغول ہو جائے تو حضور قلبی میں کچھ خفیف سا حجاب واقع ہو جاتا ہے۔

فرمایا جسے حضور قلب کا ملکہ بایں طور حاصل ہو جیسے آنکھ میں بصارت تو اسے علوم وفنون کے شغف سے بھی کوئی حجاب واقع نہیں ہوگا۔

شیخ یاقوت عرشی کی وجہ تسمیہ

فرمایا شیخ یاقوت حبشی کے عرشی کہلانے کی وجہ تسمیہ شاید یہ ہے کہ انھوں نے ارض و سموات اور حدوث و امکان سے گزر کر عرش وحدت (مقام وحدت) سے دائمی وابستگی حاصل کر لی تھی، ورنہ دل کا مستقل طور ہی سہی عرش کی طرف متعلق اور متوجہ ہونا کوئی کمال نہیں کیونکہ اہل تصوف کا پہلا قدم ماسوائے حق اور جملہ عرش و مافیہ کے خیالات سے گزر جانا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ یاقوت کی نسبت عرش کے ساتھ اس سبب سے نہ ہو کہ ان کے علم کا حدود اربعہ ان کی بلند ہمتی کے سبب عرش حق ہے کیونکہ یہ بات بھی ان کے کمال کی نفی کرتی ہے بلکہ یہ نسبت ان معنوں میں ہو کہ تجلی ذات حق کے بعد وہ اور عرش ایک ہو کر رہ گئے۔ اس مناسبت سے کہ عرش حق کی طرح ان کا وجود بھی انوار و تجلیات حق کا مظہر اتم بن گیا۔

آپ اس مشہور شعر کے معنی میں فرمایا کرتے تھے۔

اگر تو پاس داری پاس انفاس
بسلطانی رسانندت ازیں پاس

(اے سالک اگر تو پاس انفاس کی حفاظت کرے تو اس مجاہدہ کی بدولت تجھے سلطنت حقیقی پر فائز کیا جائے گا) یعنی سالک کو چاہئے کہ ہر سانس میں اپنی توجہ جناب احدیت اور بارگاہ وحدیت سے دوسری طرف نہ پھیرے اور یہ مقام اس طرح حاصل ہوگا کہ سالک میدان توحید میں خوب غور و فکر کرے یہاں تک کہ عالم امکان کے حجابات اتار کر حق سبحانہ کی ذات کا وہ قرب حاصل کرے کہ مقام بقا پر فائز ہو کر بادشاہ کہلائے۔ نفی سے مقصود غیریت متوہمہ (ماسوائے حق کی وہ شکلیں جو وہم کی بدولت صورت پذیر ہوتی ہیں) کو دور کرنا ہے اور یہ نعمت سالک کو بحر وحدت میں مستغرق ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مشاہدۂ حق

فرمایا کرتے تھے کہ بعض مشائخ کے نزدیک منزل سلوک میں تمام امور سے اہم یہ امر ہے کہ سالک ہر لمحہ اور ہر حالت میں حق سبحانہ کا مشاہدہ مظاہر کائنات میں کرے یعنی وہ یہ تصور کرے

کہ وجود باری کی حقیقت مختلف اور کثیر صورتوں کے ذریعے قید و اطلاق کی صفات میں مشتمل ہو کر جو دکھائی جا رہی ہے اس کا وجود حقیقی نہیں بلکہ اعتباری ہے کیونکہ قابل اعتنا اور لائق توجہ امر یہ ہے کہ تمام حجابات ختم کر کے سالک احدیت کے سورج کو تعینات کے پہاڑوں میں طلوع ہوتا دیکھ سکے۔ اسی مقام سے سالک پر حقیقت مخفی کے تمام رموز منکشف ہونے لگ جاتے ہیں۔ ہاں اگر اس منزل میں سالک پر مایوسی اور رنج و غم کے آثار ہویدا ہوں تو کوئی بات نہیں البتہ مظاہر میں معیت حق کا مطالعہ اس انداز سے کرتا رہے کہ ایک بسیط نور نظر آ رہا ہے جو ہر چیز سے اول ہے اور مثالی صورتوں اور خیالی ہیولوں سے تجاوز کر کے وہ نور بسیط ایک حقیقت ثابتہ کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک انا کی اوٹ میں شمس احدیت کا نظارہ دراصل مقامات جذب کی روح اور جان ہے اور مظاہرہ کائنات میں معیت حق کا مشاہدہ مقامات سلوک کی نسبتوں میں سے ایک نسبت۔

بشری خصوصیات کی خصوصیات

فرمایا لڑائی، جھگڑا، صلح پسندی، غصہ اور اس قسم کی تمام بشری خصوصیات مختلف قویٰ کے باہمی امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں اور سلوک اور مراتب ولایت بھی انہی قوتوں کے ٹکراؤ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور انسانی مزاج کی انہی مختلف النوع قوتوں سے کام لینے کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیج کر انسانوں کو تکالیف شرعی کا پابند بنایا گیا۔ اس کے ثبوت میں کہا جا سکتا ہے کہ عارف بعض اوقات تلخ اور بدبودار چیزوں کو بھی انتہائی لذت اور خوشی سے استعمال کر لیتا ہے اس وجہ سے کہ اس وقت وہ اپنے بعض بشری قویٰ سے دستبردار ہو چکا ہوتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک قویٰ سے مراد مختلف النوع مخلوق اور افراد انسانی کی استعداد اور کارکردگی کی قوتیں ہیں، مثلاً انسان کی صورت نوعی نطق، راست قامتی اور قابل توجہ چہرہ کی مقتضی ہے اور گھوڑوں کی صورت نوعی، ہنہنانے، خمیدہ قامتی اور بال دار چہرے مہرے کی مقتضی تھی۔

الصوفی ھو اللہ

فرمایا کہ عالم امکان کے حجابات اور قوت وہمیہ کی انانیت سے چھٹکارا پانا منزل عرفان کا

پہلا قدم ہے اور کہنے والے نے اپنے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصوفی ھو اللہ جب ممکن اپنے وجود سے اپنے امکان سے گرد و غبار جھاڑ دے گا تو ذات واجب الوجود کے سوا اس میں باقی کچھ نہیں رہے گا۔

فرمایا وجود حق ہر چیز میں اس کی استعداد کے مطابق جلوہ گر ہوتا ہے اور جو کچھ بھی سمع و بصر اور تمام صفات سے ظاہر ہوتا ہے وہ ان تمام (قویٰ وصفات) کی صلاحیت کی مقدار سے مطابقت رکھتا ہے۔ ایسے مقام پر جب کوئی مبتدی خود کو علیحدہ سمجھتے ہوئے نگاہ ڈالتا ہے تو وحدت میں متردد ہو جاتا ہے اور جوں ہی اسماء وصفات کے سایوں سے خود کو نکال لیتا ہے تو تمام تر اعتراضات وخیالات رفع ہو جاتے ہیں۔ جو خود محجوب نہیں وہ بغیر اعتبار قویٰ کے حقیقت وجود کو پا سکتا ہے۔

بصارت اور بصیرت

فرمایا کہ بصارت (ظاہری بینائی) دراصل بصیرت روح (حقیقی بینائی) ہی کا اثر ہے مگر مخصوص فاصلے اور جہات میں مقید ہے کہ یہ فاصلہ و جہت نہ تو غایت درجہ دور ہے اور نہ قریب یہ اس طرح ہے کہ کسی شخص نے سبز رنگ کا چشمہ لگا رکھا ہو اور اسے تمام ماحول سبز دکھائی دے۔ جب بصیرت کو قوت وادراک حاصل ہو جائے تو یہی بصارت اس کے تابع فرمان ہو کر جہت و مسافت کی تمام قیود سے بری ہو جاتی ہے۔

علمائے ظاہر کا نزاع لفظی

فرمایا کہ معتزلہ اور شیعہ رویت باری کا انکار کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ رویت جہت کا تقاضا کرتی ہے جبکہ مکمل انکشاف حجابات کے اٹھنے پر ہی حاصل ہو سکتا ہے، (گویا ظاہری بینائی محدود ومقید ہے اور حدود و قیود کے اٹھنے پر ہی دیدار حق ہو سکتا ہے) اور اہل سنت بغیر کیف و جہت رویت کے قائل ہیں اور اسی کو عین انکشاف گردانتے ہیں، نتیجتاً دونوں گروہوں کے ہاں لفظی نزاع کے علاوہ کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اولیاء اور دیدارِ باری

فرمایا کہ اہل اللہ کو دنیا میں وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو کہ دوسروں کو قیامت میں عطا ہوگا وہ ذات باری کو واشگاف اور اشکال سے منزہ بالکل روز قیامت میں دیدار حق کی طرح (دنیا ہی میں)

اچکتی ہوئی بجلی کی صورت میں دیکھتے ہیں اوران میں سے بعض اس سے بھی زیادہ اور کچھ تو متواتر دیدار عام کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ فرمایا کرتے تھے کہ لم اعبد ربا لمراره (میں جس خدا کی پرستش کرتا ہوں اسے دیکھتا ہوں)

حقیقت بیعت

فرمایا اولیاء اللہ کے سلسلے میں داخل ہونے سے مراد عمل اور تسلیم کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جب تک کوئی ان کی ریاضتوں اور اطوار کو نہ اپنائے، چاہے کوئی کتنا بھی ظاہری ارتباط پیدا کر لے اسے داخل سلسلہ نہیں کہا جا سکتا۔

تجلی ذات کی دولت

فرمایا کہ ہمارے زمانے کے عرفاء کا یہ حال ہے کہ انہیں تجلی ذاتی کی دولت حاصل نہیں، ورنہ وہ کبھی اپنی اور آل اولاد کی اغراض کی خاطر سلاطین وامراء کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) یہ سمجھتا ہے کہ تجلی ذاتی کا اطلاق بعض جگہوں پر اس کے متعلقات وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس جگہ تجلی ذات سے مراد کمال تدبیر کا انکشاف ذات باری کے قہر اور ارضی وسماوی اسباب کی تدبیر کا جان لینا مراد ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ جب چاہے اور جس چیز کو جہاں چاہے ظاہر فرما سکتا ہے۔ اس (عارف) کو توکل علی اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

تعصب راہِ خدا میں بڑی رکاوٹ ہے

فرمایا کہ راہ وصول کی سب سے بڑی رکاوٹ تعصب ہے۔ حضرت شیخ صوفیاء کے اس قول کو جب تک توجہ کا مرکز ایک نہ ہو، افادہ واستفادہ کا ظہور نہیں ہو سکتا کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ توجہ کی یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جانب سے اخذ کیا جائے اور بغیر اس کے دوسری طرف التفات نہ کرے، چاہے وہ غوث وقطب ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی قیاس آرائی سے اس کی (مرشد) افضلیت سب پر مقدم جانے۔

فرمایا کہ یہ بات عارف کے شایان شان نہیں کہ دوسرے عارف کے مرید کو اپنی طرف

پھیر لے اور اس کی توجہ اس کے اپنے شیخ سے ہٹا دے اور اگر اس موقع پر مرید التجا وزاری کرے تو بھی اسے اس کے شیخ کے حوالے کر دے اگر اس کا شیخ کسی دوسرے شہر چلا جائے یا واصل بحق ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

فرمایا کہ صحابہ کرام کا انکار یا ان کو برا بھلا کہنا ائمہ اہل بیت سے ثابت نہیں بلکہ یہ ان پر افتراء ہے۔ ابن عبدالبر کے اس قول کی توجیہ میں کہ بعض تابعین کی صحابہ رسول پر فضیلت جائز ہے، فرماتے تھے کہ روحانی صحبت کی فرمانبرداری جسمانی صحبت کی فرمانبرداری سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ابن عمامہؓ بھی صحابہ میں سے ہیں۔ اور ان کی صحبت روحانی ہے جو کہ موثر تر ہے۔

لفظوں کے پجاری علماء

فرمایا کہ میں نے عرفا وعلماء کی ایک بہت بڑی محفل میں مسئلہ وحدت الوجود ثابت کر دکھایا، عقائد متکلمین پر مبنی عبارات کے حوالے پیش کیے اور عقل ونقلی دلائل دیئے مگر اس تمام بحث کے دوران ”وحدۃ الوجود“ کی اصطلاح کو لفظاً ذکر نہ کیا۔ انھوں نے یہ تمام دلائل قبول کر لئے، گویا خلاصہ یہ نکلا کہ لفظوں کے پجاری علماء کا اکثر تعصب لفظوں سے ہوتا ہے۔

مسئلہ توحید خالی کتابوں سے حل نہیں ہوتا

فرمایا کہ توحید کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ ریاضت وانجذاب کے بغیر فائدہ نہیں پہنچاتا کیونکہ کتابوں کا مطالعہ عملی مشق کے بغیر تیر کے سوا تیر چلانے کے مترادف ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان رسائل سے مطلوب کی تائید بھی ہو جاتی ہے۔

اولیاء ابوالوقت ہوتے ہیں۔

فرمایا کہ تمام زمانے میرے نزدیک بحیثیت آن واحد کے ہیں۔

فرمایا کہ ایک روز میں نے وضو کرنا چاہا کہ اسی دوران کچھ غنودگی سی طاری ہوئی، بعد میں میرے دل میں یہ القا ہوا کہ یہ مدت غنودگی نوسو ہزار برس کے برابر تھی۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ طویل تر زمانوں کو ایک پل کی صورت میں پانا دراصل فنا کے حقیقت میں مل جانے سے پیدا ہوا۔ کیونکہ زمانہ فنا ہے اور حقیقت اس سے ماوراء اور ایک ساعت کو طویل تر زمانوں کی حیثیت میں

پانے سے ان کی مراد یہ ہے کہ زمانہ مقدار حرکت کو کہتے ہیں اور عالم مثال میں کوئی ایک ایسی حرکت موجود ہے جو اس (زمانہ) کی حرکت سے تیز تر ہے۔ اگرچہ یہ حرکت ظاہر نہیں ہوتی مگر بعض اوقات ظاہر بھی ہو جاتی ہے اور حرکات مالوفہ سے تیز تر مقدار طویل زمانوں کے گزرنے سے منکشف ہوتی ہے۔

فرمایا کہ اگر کسی برے کام کے مرتکب کو دیکھو تو جان لو کہ وہ قصداً ارتکاب نہیں کر رہا لہٰذا اسے نصیحت کرو کیونکہ فان الذکری تنفع المومنین (نصیحت مومنین کے لئے نفع بخش ثابت ہوتی ہے) اور مومنین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں ایمان کا بلند تر مقام حاصل ہوتا ہے۔ شاید کہ نصیحت ان سو میں سے کسی ایک کو نفع پہنچائے جو امر ارادی کے موافق ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی بچی گم ہو جائے اور وہ اس کی تلاش میں ہر کوچہ و بازار میں پکارتا پھرے حالانکہ اس کی بچی کسی خاص مقام میں موجود ہو اور اس کی خبر رکھنے والا ہزاروں میں سے کوئی ایک ہو۔ (جب وہ آواز لگائے گا تو ہزاروں میں سے کوئی ایک جو جانتا ہوگا سامنے آ جائے گا، اسی طرح لوگوں کو نصیحت اور بھلائی کی بات بتانی چاہئے ممکن ہے کوئی ایک اس سے فائدہ اٹھا لے)

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ دنیا ساری تقدیر کی رسیوں میں جکڑی ہوئی ہے اگر کوئی فاسق ہے تو اس کا فسق اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ اگر صالح ہے تو اس کی نیکی اس کی تقدیر تھی، اور واجب بالغیر کے لئے علت تامہ کی ضرورت ہے جبکہ ہدایت مرشد جو کہ علت تامہ کی جزو ہے۔ اکثر نفوس کی اصلاح کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا تدبیر کلی بعثت رسل اور کتب آسمانی کے نزول کا تقاضا کرتی ہے۔ اور تمام اسباب کے وجود کی متقاضی ہوتی ہے۔

ذوق مشاہدہ

فرمایا کہ جب کسی کو ذوق مشاہدہ حاصل ہو جائے تو کوئی معصیت اسے زائل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ چاہے صالح ہو یا فاجر دونوں کے نزدیک شیرینی محبوب تر ہے اور گناہوں سے حفاظت محض ذات باری کی عنایت پر مبنی ہے۔

خدا کا دشمن کون ہے

فرمایا کہ بایزید (حضرت شیخ کے ایک ہم عصر بزرگ) نے مجھ سے کہا کہ میں خدا کو ان

آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا اے شیخ! تم کون ہوا سے دیکھنے والے؟ انھوں نے کہا تو کیا دوست کو دوست سے حذر کرنا چاہئے؟ میں نے کہا تو اس کا دشمن کون ہے؟ اس پر ان کا غصہ فرو ہوگیا کیونکہ منصفانہ طبیعت پائی تھی۔

فرمایا کہ ولی اس دنیا میں بوجہ غلبۂ عناصر روح جلایا جاتا ہے اور تلوار سے قتل کیا جاتا ہے مگر روز قیامت معاملہ اس کے برعکس ہوگا کہ آگ بزبان حال پکارے گی۔ جز یا مومن فان نورک یطفأ لهبی)(اے مومن جلدی گزر جا کہ تیرے نور کی لپٹ میرے شعلے کی بھڑک کو ٹھنڈا کررہی ہے)۔ مگر یہ مقام ان اہل کمال کا ہے جن کے سامنے سے پردہ ہائے امکان اٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔

ریاضات صوفیاء

فرمایا کہ ایک عالم نے عارف سے سوال کیا کہ صوفیا یہ تمام مجاہدات و ریاضات، کاہے کو کرتے ہیں، عارف نے کہا کہ اگر تمھیں کہا جائے کہ اس طرح اس طرح کی مشقت کرو جس کے معاوضے میں تمھیں سلطنت دی جائے گی یا بادشاہ تمہارے تابع فرمان ہوجائے گا تو وہ تمام مشکلات اور مشقتیں تمھیں گوارا ہوں گی کہ نہیں؟ اس نے کہا ہر شخص خوشی سے ایسا کرے گا، عارف نے کہا اسی طرح ریاضات ومجاہدات کے نتیجے میں ذات حق نہاں خانۂ قلب میں اپنی شان الوہیت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ یہاں (موخر الذکر عبارت میں) آمدن حق (یعنی قلب عارف میں ذات حق کی جلوہ گری) سے مراد صورت الٰہیہ کی بقا کا حصول ہے اور اس کا اصل اس نقطۂ وجود کی روشنی اور جلوہ گری ہے جو سالک کے نفس ناطقہ کے نقاط میں سے ایک ہے۔

عین القضاۃ ہمدانی کے قول کی تشریح

عین القضاۃ ہمدانی کے ظاہراً غیر شرعی قول کہ:۔

اے پسر لا الہ الا اللہ　　　خود زشرک خفی است آئینہ دار
چیست شرک جلی رسول اللہ　　　خویشتن را ازیں دو شرک برآر

کی تاویل میں فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، اور

معبود کے لئے عابد کا ہونا ضروری ہے اس میں دوئی کا تصور نمایاں ہے جو کہ اصل شرک ہے، اور شرک خفی اس میں یہ ہے کہ عابد عبادت میں مذکور نہیں اور محمد رسول اللہ کا معنی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف بھیجا ہے یہاں اس میں شک نہیں کہ مضاف جو کہ رسول ہے، وہ مضاف الیہ یعنی اللہ کا غیر ہے اور یہ شرک جلی ہے اور جب تو وحدت کی حقیقت کو پالے گا اور تعینات کی غیریت کو اعتباری جانتے ہوئے رسول خدا کو بھیجنے والے کا مظہر دیکھے گا تو ان تمام اقسام شرک سے نجات پالے گا۔

لامحدودیت واجب الوجود

فرمایا کہ وجود عالم عدم واجب کو مستلزم ہے، اس لئے کہ وجود عالم کی صورت میں اگر تو واجب وجود عالم سے خارج ہے تو وہ محدود ہو گیا اور واجب کبھی محدود نہیں ہو سکتا، اور اگر واجب وجود عالم میں داخل ہے تو حلول لازم آتا ہے اور ذات حق حلول سے پاک ہے اور اسی طرح ضروری ہے کہ ہر طرح سے عدم ممکنات کی تردید کی جائے تو ثابت ہو گیا کہ عالم تعینات اعتباری سے عبارت ہے اور حقیقت وجود کو دوسرے لفظوں میں یوں بیان کرتا ہوں کہ وہ معدوم ہے جو کہ اپنی ذات میں خود قائم ہے۔

شیخ اکبرؒ کے ایک قول کی تشریح

فتوحات مکیہ میں شیخ اکبرؒ کے اس قول کہ لا من العالم من اللہ کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ وجود عالم بمنزلہ وہم ہے اور وجود باری، وجود حقیقی ہے، ایک عارف نے کہا ہے کہ الوجود فی الکل ساری و التعینات امور اعتباریة (وجود حقیقی تمام اشیاء میں جاری و ساری ہے اور تعینات صرف اعتباری امور ہیں) لہٰذا عالم خدائے لم یزل سے دور کی چیز ہے، کیونکہ موجود حقیقی (ذات حق) اور موہوم (عالم) میں باہمی تضاد ہے اور ان کے مابین کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو انہیں جمع کر لے۔ اس کی مثال اس سراب کی سی ہے جو شعلۂ آفتاب کے پرتو سے دریا دکھائی دیتا ہے مگر فی الحقیقت دونوں (سراب و دریا) میں تباین کلی موجود ہے۔ اسی طرح خداوند بزرگ و برتر کی یکتائی کا سورج عالم پر چمک رہا ہے جس کے نتیجے میں عالم وجود میں آیا جسے بحر ذات کے ساتھ ایک مناسبت تو پیدا ہو گئی مگر حقیقت یہ ہے کہ خود اپنی ذات میں وہ معدوم محض ہے۔

شیخ اکبر کے اس قول ما فی احد من اللہ شیئا کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اکابر کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں، ؎

کجا غیر کو غیر کو نفس غیر
سوی اللہ واللہ ما فی الوجود

یہاں لفظ فی حلول پر دلالت کرتا ہے ذات حق اور اس کے شئونات کے مظاہر ظاہر ہیں پس اس کی ذات وصفات کس طرح غیر میں حلول کرتی ہے، یا غیر سے متعلق ہو جاتی ہے اور یہ تو مستلزم اثنینیت ہے، پس معلوم ہوا کہ خدا کے سوا میں خدا نہیں جیسا کہ اس کے سوا کوئی چیز اس میں موجود نہیں، چنانچہ صوفیاء کے اس قول کہ لیس فی ذاتہ سواہ و لا ذاتہ فی سواہ (اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں اور نہ وہ خود اپنے غیر میں موجود ہے) معلوم ہوا کہ یہ دونوں عبارتیں وحدت وجود کے بارے میں ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتیں۔

عظمت قرآن

فرمایا کہ عارفین میں سے کسی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میرے لئے بحر اور آیات قرآنیہ موجوں کی صورت میں ظاہر ہوئیں جب میں ایک آیت پر غور کرنے لگا تو بے انتہا پوشیدہ معانی مجھ پر آشکارا ہوئے اور میرے دل میں یہ آیا کہ یہی ہے وہ قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا، اس طرح میں نے عظمت قرآن کو جان لیا۔ جب کوئی ولی خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے حضور بعض آدمیوں کے لئے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اسے حسب مطلوب ایک دو آیات قرآنیہ الہام کی جاتی ہیں۔

فرمایا کہ جب وجود حق صور امکانیہ میں ظاہر ہوا تو صفات واجبیہ پردہ ہائے امکان میں پوشیدہ ہو گئیں جیسا کہ نشہ استعمال نہ کرنے والا کاریگر اچانک نشہ آور چیز استعمال کرنے سے اپنے اوصاف کاریگری سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ مظاہر ممکنہ میں وجود جلوہ گر ہوتا ہے تو اس وقت صافت کاملہ ظہور پذیر نہیں ہوتیں۔

مقامات سلوک

ایک صوفی کے اس قول کہ ما بعد المقام الذی وصلناه مقام (یعنی جس مقام تک ہم پہنچے ہیں اس کے بعد بھی ایک مقام ہے) اور ایک دوسرے عارف کے اس قول کہ فوق کل مقام مقام مالا یتناهی (ہر مقام کے ورے ایک اور مقام ہے اور یہ سلسلۂ لا متناہی ہے) کی تشریح میں فرمایا کہ پہلا تو اہل شہود (جو تمام مراتب طے کرنے کے بعد رویت حقیقیہ کی دولت سے شادکام ہوں) کی نسبت درست ہے۔ جیسے شیخ بسطامیؒ نے فرمایا کہ اذ لیس وراء عبادان قریة والی ربک المنتهی اور دوسرے قول کے قائل کی مراد اگر مظاہر اسماء کی سیر ہے جیسے ملائکہ، عالم مثال وارواح وغیرہ مسلّم ہیں لیکن یہ کمال نہیں کیونکہ معارف ذات حقیقی تک رسائی کے بعد ان (سیر مظاہر اسماء) سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس وقت ان پر لفظ مقام بھی تسامح کے ساتھ صادق آتا ہے۔ اگر سالک یہ سمجھتا ہے کہ وصول ذات کے بعد بھی مقامات غیر متناہیہ واقعتہً موجود ہوتے ہیں تو اس کی فاش غلطی ہے۔

تشریح شعر عطارؒ

شیخ فریدالدین عطارؒ کے اس شعر ؎

عشق را با کافری خویشی بود
کافری را مغز درویشی بود

کی تشریح میں فرمایا کہ اس میں کفر سے مراد نسبت اور دیگر اضافی چیزوں کا مخفی رکھنا ہے۔

شیخ ابوبکر واسطیؒ اور شیخ ابوسعید خرازؒ کے اس قول کہ اکثر العارفین حتّٰی ابی یزید ماتوا فی الوهم والظن (اکثر عارفین یہاں تک کہ ابویزید نے بھی وہم وگمان میں یکسانیت روا نہیں رکھی) کے بارے میں فرمایا کہ ولایت کبریٰ جہت دوئی کو مٹانے کا نام ہے شہود اور وصول بالذات بھی اسی سے عبارت ہے۔ اکثر عارفین کہ شیخ ابویزیدؒ بھی ان میں سے ایک ہیں واقعی اسی مقام پر فائز ہیں مگر اس مقام شہود کے کئی مراتب ومدارج ہیں، بعض اوقات تو یہ (شہود) تجلی صفات وجوبیہ جبکہ امکان بھی ساتھ باقی رہتا ہے اکثر عارفین پر اسی مرتبہ کا غلبہ تھا۔ اور یہ ہمیشہ موجود رہتا ہے بعض اوقات یہ (شہود) خالصتاً تجلی ذات کی صورت میں ہوتا ہے اور امکان بھی نہیں

ہوتا۔ یہ بالکل غلط ہے اور یہی تجلی برقی آتی ہے جو اس جہان میں دائم نہیں رہتی اور اس میں اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں، روح بدن سے بچھڑ جاتی ہے جو اس طرح شہود ذات کو نہیں پالیتا وہ درحقیقت اصل توحید سے دور رہتا ہے اور اس پر وحدت کا غلبہ نہیں ہونے پاتا جیسے شہود کے کچھ مراتب بایزید بسطامیؒ پر غالب آگئے تھے اور امکان میں سے کچھ بقیہ کے سبب یہ نعرہ ان کی زبان زد ہو گیا **سبحانی ما اعظم شانی** اور یہ الفاظ اس شخص کے لئے مناسب نہیں جو طریقۂ مذکورہ کے مطابق وحدت کی اصل تک پہنچا ہو۔

ایک لطیف نکتہ

واضح رہے کہ ما اعظم صیغۂ تعجب ہے اور اس مقام پر تو کوئی تعجب ہوتا ہی نہیں اور اس طرح کہ حق تعالیٰ کو اپنی عظمت و کبریائی پر کوئی تعجب نہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ ایسا نعرہ لگانے کے بعد شیخ بسطامیؒ نے زنار گلے میں ڈال کر بعد میں اسے کاٹ دیا اور کہا **اللھم ان کنت قلت یوما سبحانی ما اعظم شانی فکنت مجوسیا زندیقا و انا اقطع زناری و اقول لا الہ الا اللہ** (یا اللہ اگر میں نے کبھی سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو میں مجوسی و زندیق تھا۔ اب میں اپنی زنار اتار پھینک کر کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہوں حالانکہ قرینہ یہاں یہ ہے کہ ابھی ان کے ہاں امکان میں سے کچھ باقی تھا اور آخر میں اس کی خبر ہوئی۔ اگر بعض صوفیاء یہ کہیں کہ ان کے مندرجہ بالا قول کا مطلب ہدایت و ارشاد تھا تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ آئندہ اس کی تقلید میں کوئی ایسا نعرہ نہ لگائے۔

مقام ابن منصورؒ

جہاں تک ابن منصورؒ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ابوسعید خراز نے یہ رائے دی **کان اوحد زمانہ لم یکن فی عہدہ من الشرق الی الغرب مثلہ** (ابن منصورؒ میدان وحدت میں یگانہ روزگار تھے اور ان کے زمانے میں مشرق سے مغرب تک ان کے پائے کا کوئی آدمی نہیں تھا) اسی وجہ سے ان پر سر توحید کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ پیچھے نہ ہٹے، مگر مناسب بات تو یہ ہے کہ ابن منصورؒ نے خود توحید حقیقی کے راز کو نہیں پایا تھا، کیونکہ وہ اپنے قول **انا الحق** پر ہمیشہ قائم رہے جبکہ تجلی برقی آن واحد کی طرح ہے۔

اکثر عرفاء، جو شہود کی کسی ایک قسم سے مشرف ہوئے اپنے تئیں یہ سمجھتے رہے کہ انہیں شہود ذاتی حاصل ہو گیا ہے حتی کہ وہ اسی زعم میں چل بسے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ تجلی، متجلی لہ (جس کو تجلی سے نوازا جائے) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور جو چیز محدود کے لئے ہو وہ حدود حساب سے خالی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان نفوس کہ جن پر قوئی اطلاقیہ غالب آ جائیں اور ان نفوس میں کہ قوئی تقییدیہ ان پر غلبہ رکھتی ہوں، فرق ہے، لہٰذا نفوس تقییدیہ میں معرفت کی غایت ظہور صفات ہے نہ کہ ذات اور یہ بھی ایک طرح کا امتزاج و اختلاط ہوتا ہے جیسے کہ ہر آئینہ اپنی وسعت کے مطابق اجسام کو ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ زمین و آسمان ایک چھوٹے سے آئینے میں آ جاتے ہیں مگر جب یہی آئینہ سبز یا زرد رنگت کا ہو یا اس کی شکل لمبوتری یا مثلث ہو تو کئی اور تبدیلیاں بھی رونما ہو جاتی ہیں گویا ہر تبدیلی ایک حجاب ہے

نظارۂ جمال حقیقی

فرمایا اگر انا الحق کہنے والا امکان کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو وہ جھوٹا ہے اور دائرۂ فرعونیت میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی جہت امکان مغلوب ہو گئی ہے تو وہ معذور ہے۔ اس مقام پر فرمایا کرتے تھے کہ تجلی برقی باطل دعووں اور امکانی جہت سے بے نیاز ہوتی ہے، کیا یہ بات کسی سے مخفی ہے کہ جب ایک شخص کسی حسین و جمیل کا نظارہ کرتا ہے تو خود کو اور اپنی تمام تر صفات کو فراموش کر بیٹھتا ہے بعینہٖ یہی حال خواتین مصر کا رخ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا، یہاں سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ نظارۂ جمال حقیقی سے کیا حال واقع ہوتا ہوگا؟

ظلمت عدم سے وجود خارجی تک

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے ان الله خلق الخلق فى ظلمة ثم رش عليهم من نوره (خداوند بزرگ و برتر نے مخلوقات کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور کی ایک جھلک ڈالی) کہ اس نے خلق کو اعیان ثابتہ کی حیثیت میں اس طرح پیدا کیا کہ وہ ظلمت عدم کا لباس پہنے ہوئے تھے واضح ہو کہ ایسے میں وجود خارجی منتفی تھا اس کے بعد ذات حق نے ان پر وجود خارجی کا نور ڈالا تو وہ تمام اعیان خارجی بن گئے، اور اس موجودیت کے ساتھ انھوں نے ذات حق کو پہچانا۔

فرمایا کہ انسان کا مرتب امکانی کی طرف توجہ کرنا حد ذات میں خود کمال ہے۔ اس رو سے کہ یہ تمام شئون ذات ہیں اور یہ جو مراتب کو غفلت کا نام دیا جاتا ہے وہ اس اعتبار سے کہ بعض اوقات صفات واجبیہ کی طرف توجہ کرنے میں مانع ثابت ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ذات حق تک پہنچنے سے محروم، اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور موت کے بعد (اس کی روح) پریشان، غمزدہ اور اذیت رسیدہ ہو جاتی ہے کیونکہ یہ شخص اپنے کمال کو نہ پا سکا اور اپنے مالوف سے جدا ہو گیا:

فرمایا کہ ذات اپنے اعتبار نفس کے لحاظ سے خود تمام تر منفی و مثبت اعتبارات سے قطع نظر ذات خاص، ذات ساذج، لاتعین، احدیت صرفہ اور وجود مطلق کے ناموں سے موسوم ہے۔ یہ وجود مطلق اس معنی میں کہ نسبت تقیید واطلاق سے خالی ہوتا ہے، نہ یہ کہ اطلاق کی پابندی میں مقید ہو۔ صوفیاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ذات بحت (خاص) موجود ذہنی اور محض عقلی ہے اس کا خارجی وجود نہیں۔

اور اس گفتگو سے مراد یہ ہے کہ مقید سے مراد یہاں امر ذہنی ہے کیونکہ اعتبارات ذات کے اسماء وصفات ہیں جو کہ ذات کا لازمہ ہیں اور انھیں ذات سے خارجی طور پر جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ذات ان کمالات کے روپ میں ازلی وابدی طور پر ظاہر ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اپنے بعد آنے والی وحدت اور دیگر تمام قابلیات سے پہلے ہے یہاں پر احدیت سے مراد احدیت ذاتی ہے کہ جہاں کوئی اعتبار نہیں پایا جاتا اور یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اس وحدت کے بعد ہے اس سے مراد احدیت صفاتیہ ہے اور وہاں ذات کے علاوہ کی نفی مقصود ہے لہٰذا اختلاف باقی نہ رہا، الغرض ذات کے علاوہ جملہ اعتبارات واضافات وغیرہ کو ذات سے ساقط کر دینے کا نام احدیت ہے اور ذات کے ساتھ جملہ اشیاء کو ثابت سمجھ لینا واحدیت ہے اور یہ واحدیت کمالات وجوبیہ وامکانیہ دونوں کو شامل ہے لفظ واجب کا اطلاق تجلی وجود مطلق کے اعتبار سے صفات واجبیہ موثرہ پر اور لفظ ممکن کا اطلاق باعتبار تجلی صفات امکانیہ متاثرہ ہوتا ہے۔

احدیت و واحدیت

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ احدیت و واحدیت میں تقدم وتاخر زمانی نہیں بلکہ رتبے کے لحاظ سے ہے جب کہ کچھ غیر حقیقت پسند لوگوں کے گمان میں یہ تقدم وتاخر زمانی ہے۔ تقدم

رتبی کی مثال یوں ہے کہ ایک ہی وقت میں زید اپنے خارج میں زید بھی ہے اور انسان بھی! عالم بھی ہے اور پارچہ باف بھی! مگر جب اس کی ذات خاص پر نظر ڈالی جائے تو اسے صرف انسان کا نام دیا جاتا ہے اور اگر صفات کی نفی کریں تو صرف انسان کہلائے اور اگر ان تمام صفات کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے تو اسے باصفات انسان کہا جائے گا! پھر اگر فرداً فرداً جملہ صفات کی تفصیل بیان کی جائے تو علم کی صفت کے اعتبار سے وہ انسان عالم ہے اور پارچہ بافی کی صفت کو اس سے جوڑا جائے تو وہ پارچہ باف ہوگا اور زید ان تمام حالات میں واحد ہے کہ خارج میں اس کی جملہ صفات اس سے منفک نہیں ہیں اور بعض اعتبارات کے ناموں کا اختلاف عقلی ہے اور ایک اعتبار کا دوسرے پر تقدم رتبی ہے نہ کہ زمانی، اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ خارج میں ذات بحت موجود ہے تو اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ جسے ذات بحت فرض کرتے ہیں وہ بعینہ مظاہر میں بھی موجود ہے اور کج فہموں کے اوہام کو دور کرنے کے لئے یہ کچھ کہا گیا ہے جو ذات فاعل کو ہم سے خارج قرار دیتے ہیں اور نسبت ظاہریت ومظہریت ثابت کرتے ہیں تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔

اصلیت شطحیات

فرمایا جس نے سبحانی ما اعظم شانی یا انا الحق کہا غالباً غلبہ مثال اور اپنی نظر سے جہت امکان کی نفی کرتے ہوئے کہا ورنہ اسمائے الوہیت کا اطلاق سوائے تمام معلومات کے عالم کی کسی چیز پر روا نہیں، اور یہ علم ان سبحانی اور انا الحق کہنے والوں میں موجود نہ تھا اور در حقیقت یہ علم کسی بھی مظہر میں نہ تو پایا گیا ہے اور نہ ابد تک پایا جائے گا، کہتے ہیں اگر تجلی برقی اپنے خواص کے ساتھ دائم ہو جائے تو یہ الفاظ جمیع معلومات ہوگا مگر تجلی ذاتی کا دوام کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ روح بدن کو چھوڑ جاتی ہے اور بدن متفرق و پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

تجلی برقی

فرمایا کہ پردوں کے اٹھنے کے بعد کشف ذات کہ جس کا نام رویت ذات اور تجلی برقی ہے۔ اس جہاں میں تجلی امکانات کے پوری طرح اٹھ جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ یہ تجلی برقی نہیں ہوتی مگر موت کے بعد ایک اعتبار سے ہوتی ہے تو اس ضمن میں کہا گیا ہے کہ جب

نوعی سے چھٹکارا پالینا موت سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے او مــن کــان میتــا فاحییناه و جعلنا له نوراً.

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مــن مــات فــقــد قامت قیامته (جو مر گیا تو اس کے لئے قیامت قائم ہوگئی) لہٰذا اہل شہود کے لئے قیامت قائم ہے پس وہ ان حالات کو اسی طرح دیکھتے ہیں جو کہ لوگ قیامت موعود میں دیکھیں گے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول او من کان میتا الخ سے مراد یہ ہے کہ اومــن کان فانیا رفع عنه الحجب فاحییناه ای ابقیناه لایریٰ الا بالله فــلا یسمع الا به جعلنا له نورا یعنی التجلی البرقی الانی (جو فانی تھا ہم نے اس کے سامنے سے پردوں کو ہٹا دیا اور اسے بقا عطا کر دی اس طرح کہ جب وہ دیکھتا ہے تو اپنے رب کی آنکھوں سے اور جب سنتا ہے تو اسی کی سماعت سے اور ہم نے اس کو نور یعنی تجلی برقی آنی عطا کر دی)

لذت عشق

ایک دن حضرت شیخ نے مشاہیر میں سے کسی کا نام لے کر فرمایا کہ وہ مقام معشوقیت پر فائز ہیں اور میں اس مقام پر ہوں کہ عاشقیت و معشوقیت کو وہاں کوئی دخل نہیں۔

فرمایا کہ وہ جو یہ کہتا ہے کہ عاشقیت میں جو لذت ہے وہ دوئی کے اٹھ جانے میں نہیں غلطی پر ہے کیونکہ عاشق دوئی کے سبب آتش عشق میں جلتا رہتا ہے اور ایسے میں وہ شرک خفی کا مرتکب ہوتا ہے اگر چہ یہ مرتبہ حسنــات الابرار کا ہے مگر سیئـات المقربین میں شمار ہوتا ہے جب کہ صاحب شہود عظمت استغنا اور جلال و جمال سے لذت یاب ہوتا ہے اور اس لذت کا درجہ لذت عاشقیت سے کہیں بلند ہے۔

کشف ذات

حضرت شیخ نے فرمایا کہ جس کے سامنے سے پردے اٹھ گئے تو وہ اپنے پروردگار کو اپنی روح میں دیکھتا ہے اور اسی کو کشف ذات کہتے ہیں اور ایسے میں عارف عدم تناہی ذات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ صفات میں سے ہے۔

علوم معارف

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ عارف کا علم حضوری انا کے ساتھ حقیقت الحقائق سے متعلق ہے اور انا محدود ہے جبکہ حقیقت الحقائق لامحدود تو ان میں تنافی بایں وجہ نہیں ہے کہ انا کا نفوذ حقیقت الحقائق میں اس طرح ہے کہ ہر طرح کے اعتبارات سے بری ہے اور تناہی اور ناتناہی دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔

اقسام حدیث قدسی

فرمایا حدیث قدسی کے دو اقسام ہیں، ایک وہ جسے جبرئیل لاتے تھے اور قرآن میں داخل نہیں کیونکہ یہ کلام معجز نہیں اور اپنی غایت میں محدود و مخصوص ہے جبکہ قرآن مجید عام و خاص تمام کے لئے شفا ہے دوسرے وہ کہ خداوند کریم نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری۔

استعانة باصحاب القبور

حدیث اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور (جب تم دنیوی امور میں غلطاں و پریشاں ہو جاؤ تو اصحاب قبور سے مدد طلب کرو) کی وضاحت میں فرمایا کہ یہاں استعانت میں احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مردوں کے احوال کو یاد کر کے عبرت پکڑنا ہے جو امور دنیوی سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے اور پریشانی روزگار کو کم کر دیتا ہے۔

حقیقت دنیا

حدیث ان الدنیا اقبح من جیفة منتنة (دنیا گلی سڑی لاش سے بدتر ہے) کی تشریح میں فرمایا کہ دنیا حق کی طرف توجہ کو روکتی ہے کیونکہ دل کا تعلق اس سے ہو جاتا ہے نہ کہ گلی سڑی لاش سے۔

حقیقت کذب

فرمایا کہ اقوال میں سے جھوٹا قول وہ ہوتا ہے جو خلاف شریعت ہو، اور جھوٹے افعال وہ ہوتے ہیں جو خلاف شریعت ہوں اور جھوٹے احوال یہ ہیں کہ کوئی ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جائے جب کہ سچا حال ایک ہی ہے اور وہ شہود ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ تلون سے مراد یہاں سر توحید کا ایک بار ظاہر ہونا

اور دوسری بار پوشیدہ ہونا ہے، یا یہ کہ ایک بار جو چیز ظاہر ہوتی ہے تو دوسری بار اس کے برعکس کوئی اور چیز سامنے آتی ہے۔

مشابہت یہود سے ممانعت

فرمایا لمبی ٹوپی اور ریشمی پٹی کمر سے باندھنا جسے ہندی میں سیلی کہتے ہیں علامات یہود ونصاریٰ میں سے ہے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے والوں پر خفگی کا اظہار فرمایا بعد میں جاہل لوگوں نے اسے پسند کر کے اپنا لیا۔

پردہ ہائے امکان و وجوب

فرمایا پردہ ہائے امکان غفلت کی تاریکیوں سے عبارت ہیں جو دوئی کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں، ان کا تعلق کھانے پینے یا سونے سے نہیں جو کہ لوازم زندگی ہیں بلکہ غصہ، حسد، بغض اور تمام اوصاف ذمیمہ سے ہے جو غفلت کو بڑھاتے ہیں اور پردہ ہائے وجوب صفات واجبیہ کو کہتے ہیں سالک جب خدا کے فضل سے ان تمام حجب امکانیہ کو قطع کر لیتا ہے تو ذات حق کو حجب وجوبیہ سے وراء اس طرح دیکھتا ہے جیسے کوئی دیکھنے والا آفتاب کو ہوا، کرّہ آگ، اور آسمانوں کے باوجود جو کہ زیر آفتاب ہوتے ہیں، دیکھتا ہے اور یہ جملہ اشیاء اس کو دیکھنے سے مانع نہیں ہوتیں اسی طرح سالک کے لئے حجب وجوبیہ مشاہدۂ ذات سے مانع نہیں ہوتے اور اس کے بعد اولیاء میں سے مخصوص افراد کے لئے تو حجب وجوبیہ کو بھی ہٹا دیا جاتا ہے۔

تعریف مشاہدہ

فرمایا مشاہدہ سے مراد ایسی توجہ قلب ہے جو کہ حقیقت الحقائق کی طرف مبذول ہو، چاہے ایک ساعت کے لئے ہی کیوں نہ ہو، اور جس نے ذات حق کو نہ پہچانا اور اس کے مظاہر کو نہ جانا وہ مشاہدۂ حق سے بے خبر ہے۔

حصول شہود

فرمایا کہ مشاہدے کو عالم مثال وارواح کے طے کرنے کی حاجت نہیں، اور ایک شہود وہ ہے جو محض جذبۂ الٰہیہ سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس طرح کے شہود کی بقا کا اعتبار نہیں بخلاف اس شہود کے جو سلوک کے بعد حاصل ہوتا ہے چونکہ یہ عبور کے بعد ہوتا ہے للہٰذا اس کی بقاء کا اعتماد موجود ہوتا

ہے۔

فرمایا عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ سراپا عشق ہو جائے کیونکہ عشق معشوق کا مادۂ اشتقاق ہے اور اس جگہ یہ بھی فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں حقیقت الحقائق کو بھی عشق سے موسوم کیا جاتا ہے

اہل سلوک کے اس قول کو ”ریاضتوں سے دل پستی سے بلندی پر آجاتا ہے“ کی تشریح میں فرمایا کہ دل کا پستی سے بلندی پر آنے کا مقصد یہ ہے کہ سفلیات سے کنارہ کر کے علویات کی طرف مائل ہو جائے ورنہ دل کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے تو انسان کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ شریانیں دل کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔

العلم اوسع من الحال

شیخ اکبرؒ کے اس قول کہ **العلم اوسع من الحال** (علم حال سے وسیع تر ہے) اور ابو سعیدؒ کے اس قول **الحال اوسع من العلم** (حال علم سے وسیع تر ہے) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ وسعت علم تب ہے جب کہ وہ حال اور اس کے علاوہ کیفیات نفسانیہ کے دائرے میں داخل ہو جائے لیکن حقائق خارجیہ حال کے نزدیک کیفیت مخصوصہ ہے کہ اس کا غیر اس میں نہیں سما سکتا اور وسعت حال اس جہت سے ہے کہ حال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ علم کے برعکس اس حال کے سبب عجیب کیفیات اور انوکھے علوم حاصل ہوتے ہیں۔

فرمایا ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک جن نے کنکری پھینکی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لڑھکتی جا رہی تھی، یہ جنوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ جو چیز وہ پھینکتے ہیں سیدھی جاتی ہے۔

فرمایا شمال کی جانب ایک کونہ ایسا ہے کہ جہاں ارضی فرشتے رہتے ہیں اور ان کے ہاں توالد وتناسل بھی ہے برعکس دوسرے آسمانی وزمینی فرشتوں کے۔

فرمایا جب وجود ماہیات پر قابض ہو جائے تو ماہیات کی استعداد کے مطابق خوشبو، بدبو، لذت، تھکاوٹ، الم، راحت، ٹوٹ پھوٹ اور اجزا کی پراگندگی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں ورنہ صرف نوری بسیط تو ان کیفیات سے منزہ ہوتا ہے۔ یہاں مزید فرمایا کہ میل خود اور اس کا مزہ و بو، دونوں کھانے والے اور سونگھنے والے کی قوت ذائقہ وقوت شامہ کے مقابلے میں برا ہے اور خنزیر اور کیڑے مکوڑے کی قوت شامہ وذائقہ کے مقابلے میں اچھا ہے کیونکہ خنزیر اور کیڑے مکوڑوں کی وہ

استعداد جس کے نتیجے میں قباحت ظاہر ہوتی ہے میل کچیل کی نسبت زیادہ بری ہے اور جہاں تک الم کا تعلق ہے تو وہ مزاج سے ناموافق چیز کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور یہ مختلف قسم کا ہوتا ہے، جیسے سانپوں کا زہر سانپ کے کاٹے کے موافق ہے، لہٰذا اس کے لئے نفع بخش اور دوسروں کے لئے ضرر رساں ثابت ہوتا ہے اور اس کے باوجود حضرت وجود تو ہر ذرے میں یکساں طور پر جلوہ گر ہے۔ اگر کوئی شخص بعض ادویات صرف اپنی زبان سے چکھے تو وہ مفید و مضر میں تمیز نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر کوئی زمان و مکان کی قیود سے چھٹکارا حاصل کر لے تو کوئی چیز اس کیلئے مشکل نہیں رہتی۔

ہمہ اوست

قدماء میں سے کسی کا شعر ہے، ؎

دق الزجاج و دقت الخمر

(شیشہ و شراب دونوں شفاف اور باریک ہیں)

یعنی مظاہر جو کہ بمنزلہ شیشہ کے ہیں صاف و شفاف ہیں اور محبوب مستور جو کہ بمنزلہ شراب کے ہے وہ بھی غایت درجہ شفاف ہے پس: ؎

فتشابها وتشاکل الامر

(تو دونوں میں ایسی مشابہت پیدا ہوگئی کہ تمیز کرنا مشکل ہوگیا)

اور صفائی و باریکی کے لحاظ سے ایک، دوسرے کے رنگ میں اس طرح ظاہر ہوا کہ لوگوں کی نظروں کے لئے مشکل آن پڑی: ع

فکانّما خمر لا قدح

جیسے شراب ہے شیشہ نہیں، گویا شراب ہے جو منجمد ہے اور پیالے کا وجود نہیں: ع

و کانّما قدو لا خمر

گویا پیمانہ ہے شراب نہیں۔ اور اسی طرح کسی نے کہا ہے: ؎

ان شئت قلت حق لا خلق

و ان شئت قلت خلق لا حق

(اگر تو چاہے تو کہے کہ حق ہے خلق نہیں اور اگر چاہے تو کہے کہ خلق ہے حق نہیں)

صفت علم

فرمایا صفات الٰہیہ میں سے سب سے بڑی صفت علم ہے اور حیات صفت علم کے شئون میں سے ہے جبکہ عدم علم عین موت ہے، جو حیات کو صفت الٰہیہ میں سب سے بڑی صفت گردانتے ہیں یہ ان کا ذاتی گمان ہے جبکہ موجود پر غائب کا قیاس باطل ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ علم انا حضوری ہوتا ہے اور تحقق وتقرر کے مشابہ ہوتا ہے اگر زائل ہو جائے تو زندگی زائل ہو جاتی ہے اور زندگی علم کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے جبکہ ان امور کی نسبت جو کہ موت وحیات کے قابل ہیں اسی پر قیاس کیا جائے۔

ایک قول کی تاویل

کسی نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں بعض متصوفین کا یہ قول نقل کیا کہ اقرب الطرق الی اللہ رویة الامارد.

آپ نے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ شاید ان کی مراد یہ ہو کہ کائنات کی تمام محسوس اشیاء میں امارد کی شکل وشباہت بہت متناسب ہوتی ہے اور ان کی جانب نفس کا میلان بھی زیادہ ہوتا ہے اس اعتبار سے امارد میں رویت حق کا مشاہدہ زیادہ آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے، اور جن مشائخ نے اسے برا جانا ہے ان کے پیش نظر یہ خطرہ موجود تھا کہ امارد کو دیکھنے سے سالک عالم شہادت ہی میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور کئی دیگر آفات کے خدشے کی بنا پر جمال حقیقی سے مشرف نہیں ہو پاتا، یہاں حضرت شیخ کچھ مسکرائے اور فرمایا کہ امارد میں خون ہی تو ہوتا ہے جو حسن کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اگر ان کا خون خارج کر دیا جائے تو کوئی ان کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے، اہل شہود کی مثال کتاب دیکھنے والے اس شخص کی سی ہے جو عینک لگا کر اسے پڑھتا ہے اس کی توجہ عینک کی طرف بالکل نہیں ہوتی مگر ساری کتاب کو اس کے وسیلے سے ہی دیکھتا ہے مگر ایسی صورت میں کہ عینک کے آگے کوئی حجاب آ جائے یا کوئی شخص ہاتھ رکھ دے تو اس کی توجہ عینک کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔

مقام عارف

اہل شہود خوب صورت عورتوں، حوروں اور امارد کی طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ان کی

نظر ان تمام سے وراء مقصود حقیقی جل جلالہ پر لگی ہوتی ہے مگر حقیقت ناشناس حسین عورتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بدصورت سے پہلو تہی کرتا ہے جب کہ عارف کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔

سماع سرود

اسی طرح اہل شہود سماع سرود سے بھی لذت حاصل نہیں کرتے کیونکہ گانے والے کے منہ اور سننے والے کے کان کی درمیانی مسافت زیادہ سے زیادہ ایک یا دو تیروں کی مسافت کے انتہائی فاصلے سے زیادہ نہیں ہوتی، چاہے گانے والے کی آواز تیز بھی کیوں نہ ہو جبکہ اہل شہود ان تمام سے بہت آگے اپنے منتہائے حقیقی تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

ولایت عامہ وخاصہ

فرمایا ولایت عامہ کے مختلف مراتب ہوتے ہیں جیسے تقوی، ریاضت اور اس شخص کا وحدت شہود جسے اپنی ذات کا پتہ ہے اور نہ اپنی ذات کے احاطہ مظاہر سے باخبر ہے اور جیسے عاشقیت ومعشوقیت کے یہ ولایت عامہ کے خواص کے مقامات ہیں، ولایت خاصہ واحد بسیط تک پہنچنے کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی، شہود انبیاء علیہم السلام تو عاشقیت ومعشوقیت سے بہت بلند ہوتا ہے جیسا کہ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے مگر ان احادیث کے الفاظ سے راہ سلوک کے کچھ مبتدیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام محبّ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم محبوبیت کے درجے پر فائز تھے حالانکہ حقیقت تو وہی ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

حقیقت محمدیہ

فرمایا کبھی تو تکرار کلمہ لا الہ الا اللہ یا محض جذبے سے ہی توحید شہودی کے تصور کا معنی حاصل ہو جاتا ہے مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں، عین القضاۃ ہمدانی کی اس شطح کہ

”آں را کہ شما خدا میدانید نزدیک ما محمد است صلی اللہ علیہ وسلم وآنکہ شما محمد صلی اللہ علیہ وسلم میدانید نزدیک ما خدا است۔

(جسے تم خدا جانتے ہو میرے نزدیک وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جسے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے وہ میرے نزدیک خدا تعالی ہے)۔

کے بیان میں فرمایا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت وجود کا آئینہ اور اس کا مظہر اتم

ہیں اور حقیقت محمدیہ تعین اوّل، و جامع تعینات و مظاہر ہے اور تمام کا ظہور ان کے نور سے ہوا ہے اس اعتبار سے عین القضاۃ ہمدانیؒ نے مذکورہ بات کی، ورنہ حضرت وجود تو ہر ذرّے میں یکساں جلوہ گر ہے اور وحدت معنی کے باوجود تکرار لفظ تو محض تفنن عبارت ہے۔

فناء نفس

فرمایا فنائے نفس یہ نہیں کہ جناب مقدس سے غفلت کے باوجود اسے اپنے نفس کا شعور نہ ہو جیسے ایک قصاب گوشت کاٹنے یا نانبائی روٹیاں پکانے میں مصروف ہوتا ہے تو اسکی توجہ اپنی طرف نہیں ہوتی۔

توجہ شیخ

فرمایا کہ جو جذبہ توجہ شیخ کی قوت سے حاصل ہوتا ہے اس میں کمزور اور مضبوط دل دونوں بالکل برابر ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں مزاج کی درستگی یا محنت وریاضت کی ضرورت پیش نہیں آتی

حقیقت کشف وخواب

فرمایا انسانی روح میں ایک قوت پوشیدہ ہے، جسے لوح غیب کہتے ہیں جب نبی اس سے علوم حاصل کرتا ہے تو ایسے میں اسے فرشتہ وحی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ بعض متکلمین نے بھی اس کی یہی تصریح کی ہے۔ جب ولی اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے بھی فرشتہ الہام کی حاجت نہیں رہتی، اور کبھی تو انسانی روح بحالت نینداس مقام تک پہنچ کر کسی چیز سے باخبر ہو جاتی ہے اب اگر وہ اس معنی کے خیال کو مناسب شکل نہ دے جیسا کہ اس نے دیکھا تو اسے کشف مجرد کہتے ہیں اور اگر کوئی مناسب صورت اس خیال کو مل جائے جیسے اس کا خیال علم میں مشغول ہوا تو یہی خیال کوئی مشروب پینے کی صورت میں آیا، یا اس کی روح ماہ رمضان میں اذان فجر کے خیال میں مشغول ہوگئی تو اس کی صورت اس کے سامنے یوں نمودار ہوئی جیسے تمام لوگوں کے کھانے پینے اور خواہشات کی قوتوں پر مہر لگادی گئی ہے تو یہ کشف تعبیر وتاویل کا محتاج ہے اور اسے کشف مخیل کہتے ہیں، اور کبھی تو سونے والے کی روح اس مخفی قوت کے بغیر عالم خیال میں پہنچ جاتی ہے تو خیالی پیکر دکھائی دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اشکال برہمی طبع کی وجہ سے بھی ظاہر ہوتی ہیں، جیسے بلغمی مزاج آدمی سونے سے پہلے پانی پی لے تو اسے بخارات دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح گرم مزاج آدمی اگر بینگن کھالے تو

اسے خواب میں آگ دکھائی دیتی ہے اور یہ تمام لایعنی قسم کے خواب ہیں جن کی نہ تو کوئی تعبیر کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ دینا چاہئے، تعبیر بتانے والے کو چاہئے کہ خواب کے وقت کا لحاظ رکھے جیسے نصف شب یا سحر کے اوقات، اور خواب بیان کرنے کی ساعت اور دیکھنے والے کے حالات کہ کہیں وہ برہمی مزاج کا شکار یا خوف زدہ تو نہیں، کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ بعض اوقات شرائط کے بغیر اس قوت قدسیہ تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے جیسے کفار کے لئے احتیاط برتی جاتی ہے۔

تعبیر رؤیا

خوابوں کی تعبیر کا علم قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ اس فن میں کئی مستند کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس فن میں امام جعفر صادق علیہ السلام اور ابن سیرینؒ ایسے ائمہ کبار ہو گزرے ہیں اگر خواب قوت عاقلہ کی کمزوری اور اژدھام علوم وخیالات جو کہ قوت قدسیہ میں در آتے ہیں کے سبب بھول بھی جائے تو فن تعبیر کے ماہرین اسے بیان کر لیتے ہیں، اسی ضمن میں حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ حالت نیند میں بعض اوقات انسان کی روح غیب کی خبروں کے جاننے کے لئے کچھ عرصے کے لئے جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو اس کی واپسی کچھ مشکل ہو جاتی ہے اور خواب دیکھنے والا اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس پر جن بیٹھا ہے۔

فرمایا کہ کبھی تو مراقبے میں اس قدر مستغرق ہو جاتا ہوں کہ اپنی خبر بھی نہیں رہتی، فرمایا کہ درحقیقت ذات حق قرب ومعیت اور احاطے سے بری ہے کیونکہ یہ چیزیں دوئی کا تقاضا کرتی ہیں اور ایک طرح کی مسافت کا اثبات کرتی ہیں مگر خدا تعالیٰ نے مبتدیوں کو سمجھانے کی خاطر جو اسے دور دور تصور کئے ہوئے ہیں، جہت عرش بیان فرمائی انھوں نے یہاں یہ بھی فرمایا کہ قرب معیت اور احاطہ سے مراد وہی کچھ ہے جو برف اور پانی میں موجود ہے یعنی ان صورتوں میں اس کا ظہور ہے۔ صوفیائے کرام کے ایک گروہ کے اس قول کہ النقصان مقتضی استعدادات الماھیات (نقصان استعداد و ماہیات کا تقاضا کرتا ہے) کی تشریح میں فرمایا چونکہ ان ماہیات کا ایک مستقل وجود ہے لہٰذا ان کے لئے اقتضا کا ہونا ضروری ہے اور اگر اقتضا حقیقت حضرت وجود سے ہو تو ان ماہیات سے اقتضا کی نسبت کا کیا معنی فی الواقع کوئی نقصان نہیں ہوتا، یہ صرف لوگوں

کی نظر کا دھوکا ہے۔

علم توحید و وصول و شہود

فرمایا علوم توحید کے مقابلے میں تمام علوم بمنزلہ بھوسی کے ہیں اور علوم توحید بمنزلہ آٹے کے۔ پھر علم توحید اور وصول و شہود کی مثال ایسی ہے جیسے آٹا اور مغز۔ وصول سے قبل علم توحید ہی میں محو ہو کر رہ جانے سے سالک ہرگز لذت یاب نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ بیاہ رچانے والا بیاہ کے بعد مشاطہ کی باتوں پر کان نہیں دھرتا۔ اقوال صوفیاء کو بغیر تحقیق کے نقل کرنا یوں ہے جیسے کہ میرے محلے میں ایک قصہ گو رات کو قصے گڑتا اور صبح لوگوں سے بیان کر دیتا ہے۔

فرمایا انکار اولیاء اللہ کے سب سے بڑے اسباب یہ ہیں:

۱۔ شرکت مکان:- وہ یہ کہ ایک ولی کسی ایک محلے یا شہر میں رہتا ہے۔

۲۔ شرکت زمان:- یہ کہ اس کے زمانے میں اس کے معاصرین بھی ہوتے ہیں۔

۳۔ شرکت نسبت:- یہ کہ اس کے بھائی بند بھی ہوتے ہیں۔

اس طرح عوام زیادہ تر اس کے معتقد ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس کے پاس کئی خادم ہوتے ہیں اور عبادت زیادہ کرتا ہے چاہے یہ عبادت ریا کاری و دکھلاوا ہی کیوں نہ ہو، جبکہ اصول یہ ہے کہ شیخ کی عبادت کی اصلیت پر نظر کی جائے حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ ایک صحابی اس کی ٹوہ میں لگ گیا اور پورے تجسس کے بعد اسے معلوم ہوا کہ بشارت یافتہ شخص کوئی زیادہ نوافل ادا نہیں کرتا تھا اس نے اس سے حقیقت حال دریافت کی تو اس نے جواب دیا: ''اگر زمین سے آسمان تک جواہرات اور درہم و دینار بھر جائیں اور میں اس کا مالک ہو جاؤں پھر وہ تمام دولت تباہ ہو جائے تو اس کا مجھے ذرہ برابر دکھ نہ ہو کیونکہ اس کے ہونے سے مجھے کوئی خوشی بھی نہ تھی مقصود تو دراصل دل سے ماسوا کا نکل جانا ہے، اگر یہ گوہر ہاتھ آ جائے تو تھوڑی سی عبادت بھی انتہائی سودمند ثابت ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ طالب صادق کو شیخ کی ظاہری عبادات پر توجہ نہیں دینی چاہئے''۔

بسیار خوری اخلاق ذمیمہ پیدا کرتی ہے

حدیث قلوب بنی ادم تلین فی الشتاء (انسانوں کے دل موسم سرما میں نرم پڑ جاتے

ہیں) کے بیان میں فرمایا موسم سرما میں انسانوں کے بدن باہر سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور ان کے باطن گرم ہوتے ہیں۔ اور موسم گرما میں اس کے برعکس، اور جب اس قلب صنوبری کی چربی پگھل جاتی ہے تو قلب معنوی شفاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر فاقہ اور ذکر بالجہر کثرت سے کیا جائے تو بھی اس کی چربی پگھل جاتی ہے۔ سیر ہو کر کھانا، غصہ وشہوت جیسے اوصاف ذمیمہ پیدا کرتا ہے۔

حقیقت خوارق عادات

فرمایا کہ غالباً خوارق عادات کا ظہور فقط نشان راہ ہے کیونکہ عارف کی اصل منزل تو شہود وصول ہی ہے مگر جو اس حالت سے فرو آ جائے تو اس سے وہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔

مقصود عارف

فرمایا عارف خاتمے پر نظر نہیں رکھتا کیونکہ یہ نقصان کے مترادف ہے اگر ہزار بار بھی وہ یہ آواز سنے کہ ''ہم نے تمہیں شقی بنا دیا'' یا یہ سنے کہ ''تمہارا خاتمہ بالخیر ہوگا'' اس طرح کی تمام باتوں پر وہ توجہ نہیں دیتا اور فوری نفع جو کہ محبوب کے جمال کے دیدار کا نام ہے کہ کبھی دور کی امیدوں کے برابر نہیں سمجھتا۔

فرمایا ملائکہ وجن جس صورت میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں لیکن ان کی حقیقت نفس جوں کی توں باقی رہتی ہے مثلاً جبرئیلؑ کہ خود اپنی جگہ پر بھی قائم ہے مگر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دحیہ کلبی نامی صحابی کی صورت میں حاضر ہوتا ہے۔

تسخیر جنات

اگر عارف کسی جن کو مسخر کرنا چاہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ پورے عزم کے ساتھ اس کی شکل کی طرف متوجہ ہو تو وہ جن اس شکل سے باہر نہیں آ سکے گا، مگر صرف اسی صورت میں کہ حیلے بہانے کر کے وہ کسی طرح عارف کی توجہ منتشر کر دے مثلاً جن کتے کی صورت میں ظاہر ہو اور عارف کی توجہ اس کی اسی شکل پر مرکوز ہو تو وہ جن اس صورت سے باہر نہیں جا سکتا، مگر کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کتے کی شکل پر بکری کی صورت کا حجاب ڈال لیتا ہے، اگر عارف اس حجاب والی صورت پر توجہ ڈال کر اسے بند بھی کر دے لیکن اگر اس کی توجہ دفعتاً کتے کی طرف مبذول ہو جائے

کہ وہ کہاں گیا تو اس کی توجہ منتشر ہو جائے گی، اور جن کسی دوسرے روپ میں فرار ہو جائے گا۔

خواص فاتحہ

فرمایا عرفا سے منقول ہے کہ سورۂ فاتحہ کو اگر ایک ہفتہ تک ایک ہی سانس میں اکتالیس مرتبہ روزانہ اس طرح پڑھا جائے کہ بسم اللہ کے آخر کو الحمد کے ساتھ ضم کر لے تو مقاصد حل ہو جاتے ہیں

تفسیر فوق کل ذی علم علیم

اللہ تعالیٰ کے فرمان **فوق کل ذی علم علیم** کے بیان میں فرمایا کہ علیم صیغۂ مبالغہ ہے جس کا معنی بہت زیادہ علم رکھنے والے کے ہیں، اور وہ خدائے **لم یزل** کی ذات قدس کے علاوہ کوئی اور نہیں، لہٰذا استثنا کو یہاں مقدر کئے بغیر معنی درست ہوا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہاں ایک شبہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ شہود وحدت سے بالا کوئی مقام اور علم نہیں جبکہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر علم سے وراء ایک علم ہے اور یہ سلسلۂ لا متناہی ہے۔ اس شبے کا ازالہ یہ ہے کہ استثناء توحید ذاتی مقدر ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ علیم خدا کا نام ہے اور شہود وحدت سے آگے توحید ذاتی باری ہے اگرچہ بندے کے لئے مزید ترقی ممتنع ہے۔ واللہ اعلم

اقوال شیخ جنیدؒ کی تشریح

شیخ جنیدؒ کے قول **طارت العبادات** الخ کے ضمن میں فرمایا کہ **طارت العبادات** سے مراد اعمال ظاہری ہیں اور **غیبت الاشارات** یعنی وہ جو کہ ظاہر سے متعلق ہیں اور باطن سے خالی ہیں **وما ینفعنا نوافل العبادات** یعنی مکمل فائدہ ظاہری نوافل کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، **الا رکعات خفیفۃ صلینا ھا فی جوف اللیل**، یعنی راحت و آرام کو ترک کر کے ہم نے محنت و مشقت اپنالی اور اس طرح ہمیں حق تعالیٰ کا وصال نصیب ہوا، خلاصہ یہ کہ زبانی عبارات و ارشادات پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے اس لئے ضروری ہے کہ جناب اقدس کی طرف پورے خشوع و خضوع کے ساتھ متوجہ ہو خاص کر ایسے اوقات میں کہ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو۔ اس کے نتیجے میں حضور و مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ میں اس واقعے کو ظاہر پر محمول کرتا ہوں، اگرچہ

معیت و جذب خود اپنی جگہ بڑا کمال ہے لیکن ثواب و درجات تو طاعات کا ثمرہ ہیں۔

حدیث الروح ملک لہ سبعون الف وجہ (روح ایک فرشتہ ہے کہ جس کے ستر ہزار چہرے ہیں) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد روح الارواح ہو، کیونکہ وہ جوہر ملکی ہے جسے بعض اوقات ملک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ روح الارواح تجلی سے عبارت ہے جو حظیرۃ القدس کی اصل ہے اور ہم ارواح اس کے گرد جسم معنی پر روشنی کی طرح ہیں۔ یا میں سمجھتا ہوں کہ روح الارواح سے مراد مثال نوع انسان ہے کہ تمام روحیں اس سے پھوٹتی ہیں۔

تحقیق لطائف ستہ

لطائف ستہ کی تحقیق میں فرمایا کہ روح کے اختلاف عبارات کی حیثیت سے مختلف اسماء ہیں، لہٰذا ہر اعتبار ایک مستقل لطیفہ کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

علی المرتضیٰ وزیر رسالتمآب میں

حدیث ثعلبی جو کہ تفسیر میں وارد ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا اللھم اشرح لی صدری ویسرلی امری واجعل لی وزیرا من اھلی (اے میرے رب میرا سینہ کھول دے، میرے معاملے کو آسان فرما اور میرے خاندان میں سے میرے لئے وزیر بنا) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد ہے واجعل لی وزیراً خامساً (میرے لئے پانچواں وزیر بنا) کیونکہ شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دو فرشتے جبرئیل و میکائیل علیہما السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ہی وزراء تھے۔

مقام علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس اثر مسئل رایت ربک قال ما کنت اعبد ربا لم ارہ فقال السائل کیف رایتہ؟ فقال لم ترہ العیون بمشاھدۃ العیان ولکن راتہ القلوب بحقائق الایقان

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا میں نے کبھی مشاہدے کے بغیر خدا کی عبادت کی ہی نہیں۔ اس پر سائل نے پوچھا آپ نے اسے کس

طرح دیکھا؟ فرمایا اسے کھلے بندوں آنکھوں نے تو نہیں دیکھا لیکن اسے قلوب نے حقائق ایقان کے ساتھ دیکھا ہے)

اس کے بارے میں کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس توجیہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ یہ کلام دنیا میں رویت کے منافی اس وجہ سے نہیں کہ پہلے ہی سے مقرر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آنکھیں جہت والوں کا تقاضا کرتی ہیں، نہ یہ کہ وہ عیون مطلق ہیں۔

فرمایا کہ دنیوی آنکھیں جو کہ جہت، الوان اور اشکال کا تقاضا کرتی ہیں، نے ذات حق کو نہیں دیکھا بلکہ وہ تو حق الیقین کی صورت میں دیکھا گیا ہے۔

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین

فرمایا کہ علم الیقین یہ ہے کہ دھواں دیکھنے کے بعد آگ کے وجود پر استدلال کیا جائے اور عین الیقین یہ ہے کہ خود آگ کو دیکھا جائے، اور حق الیقین یہ ہے کہ خود آگ کا علم بھی جانے، اپنے نفس کا مشاہدہ عین الیقین میں داخل ہے جبکہ حق الیقین میں وصول اور شہود ہوتا ہے، سننے اور کتابیں پڑھنے سے اسرار کا جاننا علم الیقین نہیں، علم الیقین یہ ہے کہ کشف حجاب پر اس طرح غالب آ جائے کہ احتمال شک نہ رہے، ہاں یقین عرفی جو اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے وہ اس طرح کے امور سے حاصل ہو جاتا ہے۔

العارف لاہمۃ لہ

صوفیائے کرام کے اس قول کہ **العارف لاهمة له** (عارف وہ ہے جس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عارف اظہار خوارق کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ وہ قدرت حق عزوجل کے حکم پر نظر رکھتا ہے گویا ظہور خوارق کے لئے عارف کے سامنے سوائے منشائے خداوندی کے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔

مقام عارف کامل

لیکن عارف کامل (واصل باقی) کو یہ قدرت عطا کی گئی ہے کہ جب چاہے قہر و غضب کا مظاہرہ کر سکتا ہے چنانچہ ایک بادشاہ کسی عارف کامل کے آستانہ میں سوار داخل ہوا تو اسے کہا گیا کہ یہ آداب کے خلاف ہے اس نے بڑے غرور سے جواب دیا میں نے بڑے فقراء دیکھے ہیں کسی میں

کچھ تاثیر نہیں، یہ سن کر عارف کو جلال آیا اور اس کی طرف بہ نظر غضب دیکھا اسی وقت گھوڑے نے سرکشی کی اور پچھلے پاؤں پر کھڑا ہوگیا، بادشاہ دھڑام سے نیچے آرہا اور مرگیا۔ عارف نے کہا میں نے یہ اقدام اس لئے کیا ہے تاکہ لوگ فقراء کو حقیر نہ جانیں، مگر بعض کاملین تو اس طرح کی طاقت رکھنے کے باوجود بھی اس طرف التفات نہیں کرتے، اس ضمن میں شیخ فرید الدین عطارؒ، عین القضاۃؒ اور حسین بن منصورؒ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ تمام حضرات خدائے قدوس کی رضا پر راضی اور اس کی تقدیر پر خوش تھے اور اس میں اپنا تصرف نہیں چاہتے تھے، جیسے شیخ عطارؒ نے اپنے قاتل سے کہا: ''اے ترک زادے! تو جس روپ میں بھی آئے میں تجھے خوب پہنچانتا ہوں'' اور یہ کہہ کر اپنا سر قلم کرانے کے لئے اس کے سامنے جھکا دیا، ایسے حالات سے خوفزدہ ہونا ناقص ہونے کی دلیل ہے کیونکہ تنزل ہی کی حالت میں مظاہر قہر کا مقابلہ کرنا مشکل پڑ جاتا ہے۔

فرمایا تجلی ذاتی میں انوار موجودہ کا وجود خارجی کے ساتھ مشاہدہ کرنا ضروری ہے، نہ کہ علمی، ذہنی اور وہمی طور پر کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) یہاں یہ وضاحت کردینا چاہتا ہے کہ تجلی ذاتی سے مراد یہاں ظہور کمال ''تدلی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اتفاق ہوا اور تجلی آگ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حقیقت فنا و بقا

فرمایا یہ سمجھنا کہ فنا سے مراد غیر کی نفی ہے اور بقا اثبات عینیت کا نام ہے۔ دلیل وکلام کی رو سے فاش غلطی ہے یہ بات اس شخص کی طرح ہے جس کے پانچ بیٹے تھے اور وہ خود تنہا سفر کر رہا تھا کہ دو چور اس کے سر پر آن کھڑے ہوئے اس نے اپنے بیٹوں کو مدد کے لئے پکارا کہ بیٹو! آؤ ان چوروں کو مجھ سے دور کرو۔ یہ اس کا حضور وہمی تھا جو اس کو چوروں سے چھڑا سکتا تھا اور نہ ہی اسے خوف و ڈر سے نجات دے سکتا تھا۔

اگر کوئی شخص پانی کی حقیقت اور اس کے اوصاف یعنی پانی کی ٹھنڈک، بہاؤ، پیاس دور کرنے کی صلاحیت اور کپڑوں کو صاف کردینے کے وصف کو سمجھ بھی لے تاہم جب تک اسے پانی کا پینا میسر نہ آئے اس کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔ اور اگر سب کچھ جانتے ہوئے کسی کو مٹھائی کھانے کی طلب ہو مگر اسے کبھی دیکھا نہ ہو تو ایسے میں وہ میٹھے کی جملہ کیفیات کو چاہے بہت بہتر طور پر جانتا ہو،

تب بھی اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ بالکل اسی طرح جس نے صرف توحید رسمی پر اکتفا کیا اور شرک خفی کا اثر بدستور اس کے دل میں باقی رہا تو اس سے اسے کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا، مزید فرمایا کہ مذکور آثار تجلیات وصول رسمی سے نہیں بلکہ وصول شہودی سے حاصل ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ حسین بن منصورؒ کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے مگر وہ مسکراتے رہے اور ان کی ہر انگلی سے انا الحق کی صدا آتی رہی، انہیں دار پر کھینچا گیا تب بھی انا الحق پکارتے رہے جلا دیا گیا تو راکھ کا ہر ذرہ انا الحق کی صدا بن گیا۔ تین دن بعد راکھ کو دریا برد کیا گیا تو وہاں بھی انا الحق کا آواز سنائی دیا۔ یہ سب کچھ اس سے تھا کہ توحید رسمی پر اکتفا کی بجائے وہ توحید حالی سے سرفراز ہوئے تھے۔ یہاں فرمایا کہ توحید حالی کے آثار ہوتے ہیں پہلے یہ کہ توحید ذاتی میں انوار موجودہ کا وجود خارجی کے ساتھ ظہور ہوتا ہے، دوسرے نور ازلی کی رویت تیسرے جو کچھ حسین بن منصورؒ سے ظہور پذیر ہوا۔ چوتھے یہ کہ توحید صفاتی میں خشوع وخضوع اور سرور وانس پایا جاتا ہے، پانچویں یہ کہ توحید افعالی میں توکل اور مدح وذم کا یکساں ہونا پایا جاتا ہے۔

مجذوب واصل کشف اور خوارق سے بلند ہوتا ہے

فرمایا مجذوب واصل سے خوارق عادات اور کشف ظاہر نہیں ہوتے کیونکہ وہ وحدت ذاتیہ میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ کائنات کی طرف توجہ نہیں دے سکتا، لیکن سالک کا معاملہ اس سے مختلف ہے اور مجذوب کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی شخص کو ہودج میں ڈال کر وادیوں اور راستوں سے گزرتے ہوئے ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا جائے آخر میں اگر اس سے کسی درمیانی بستی کے بارے میں تفصیلات پوچھی جائیں تو وہ کچھ نہیں بتا سکے گا جبکہ اس کے مقابلے میں سالک اس راہ کے تمام مقامات اور ان کی تفصیلات سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے، یہاں آپ نے مزید فرمایا کہ اگر مجذوب واصل حقیقت کائنات سے آگہی (کشف) حاصل کرنا چاہے تو اسے سلوک اختیار کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص اس مقام کا دعوی کرے تو اس سے ذات وصفات کی معرفت کے بارے میں استفسار کرنا چاہئے تاکہ حقیقت حال واضح ہو ورنہ خانہ زاد مشائخ اپنی دکان چمکانے کے لئے ایسے کلمات بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کرامات تو معمولی چیز ہیں ان کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے ہاں ہاں یہ بات عرفاء وواصلین کے حق میں تو بالکل صحیح ہے، مگر ان

جاہلوں کو تو ذات و صفات کی معرفت اور توحید حالی کے شؤ نات کا ذرہ برابر بھی علم نہیں، اس لئے ان کی اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے۔

تحقیق مسلک محبّ اللہ الٰہ آبادی

شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی (۱) صاحب تسویہ کے مشرب کی تحقیق میں فرمایا کہ انھوں نے ذات سے مبداء قائم بذاتہ ومقدم بشوناتہ مراد نہیں لیا بلکہ ان کی مراد ماہیت ہے جو کہ معقولات ثانیہ میں سے ہے۔ اور اسی طرح انھوں نے وجود کا معنی مصدری جو کہ کون وحصول ہے مراد لیا ہے اور ''تسویہ'' میں جو لفظ معقول استعمال ہوا ہے وہ یہاں پر محسوس کے مقابلے میں مستعمل ہوا ہے نہ کہ موجود کے مقابلے میں، چنانچہ شیخ الرئیس نے شفا میں لکھا ہے کہ معقول منافی وجود نہیں اور ملا جلال دوانی نے تہذیب کے حاشیے پر یہی بات نقل کی ہے اور یہ بات بعید نہیں کہ اگر ہم اسے موجود کا مقابل قرار دیں تو اس کا معدوم مطلق ہونا لازم آجائے اور وہ جو لفظ موجود سے متبادر ذات لہ الوجود ہے پس اگر وہ موجود کہ اس کا وجود ذات پر زائد نہیں ہے اس سے لازم نہیں آتا کہ معدوم مطلق ہو، بلکہ اس سے جو بات نتیجے کے طور پر نکلتی وہ موجود بنفسہ لنفسہ ہے اور یہ اپنی جگہ درست ہے اور موجود یہی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ خود ان کی اصطلاح میں لفظ معقول بمقابلہ موجود بنفسہ لنفسہ کے لئے موضوع ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات مکیہ کے باب سوم میں لفظ معقول استعمال کیا ہے اور انھوں نے اس سے یہی معنی مراد لیا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے، لفظ معقول اگرچہ ان (صوفیا) کی اصطلاح میں موجود بنفسہ لنفسہ کے لئے وضع کیا گیا ہے تاہم یہ موجود ''من غیر

---

(۱) شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی المتوفی ۱۰۵۸ھ۔ ۱۶۴۸ء مشہور صوفی بزرگ اور جید عالم دین ہو گزرے ہیں آپ نے شیخ ابن عربیؒ کی فصوص الحکم کی شرحیں فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں لکھیں، تذکرہ علمائے ہند کے مصنف نے آپ کے بارے میں لکھا ہے۔ ''دانش مند متبحر از مشاہیر علمائے صوفیا اور علوم ظاہر وباطن سرخیل امثال واقران خود بود''۔ ماثر الامراء میں آپ کے بارے میں لکھا ہے، ''عالم است تعلیم ظاہر وباطن''۔ دارا شکوہ آپ کا بہت معتقد تھا۔ آپ نے وحدۃ الوجود پر عالمانہ بحث کی ہے آپ کا رسالہ ''تسویہ'' ایک مشہور تصنیف ہے جس پر علمائے ظاہر نے کافی اعتراضات کئے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ عالمگیرؒ نے آپ کے ایک مرید شیخ محمدی کو جب رسالہ شیخ جلا ڈالنے کا مشورہ دیا تو انھوں نے کہا ''جس مقام سے شیخ نے گفتگو کی ہے مجھے وہاں تک رسائی نہیں، اگر رسالہ جلانا ہے تو میرے گھر سے مطبخ شاہی میں زیادہ آگ موجود ہے''۔

مدخلة الغير" ہے اور حضرت محبّ اللہ قدس سرہ نے تسویہ میں شیخ اکبر کے تتبع میں لفظ معقول استعمال کیا ہے اور یہ عبارت شاہ عنایت اللہ اکبر آبادی کی ہے جو میں نے ازالۂ شبہ کے لئے نقل کی ہے، معقول محض، ماہیہ محضہ اور وجود محض، كما ان ذات زيد هو الحيوان الناطق حيث لا وجود له الا في ضمن الافراد، (معقول محض، ماہیہ محضہ اور وجود محض جیسے کہ ذات زید حیوان ناطق ہے کہ اس کا وجود افراد کے ضمن میں موجود ہے) نیز فرماتے ہیں "افراد الانسان من زيد وعمر وبكر وخالد ينتزع منهم ما به اشتراكهم وهو الحيوان الناطق الذي هو من المعقولات الثانية فكذلك ينتزع من الشيونات وجود الحق" (جس طرح افراد انسان یعنی زید، عمرو، بکر اور خالد سے قدر مشترک یعنی حیوان ناطق کو حاصل کیا جاتا ہے جو کہ معقولات ثانیہ میں سے ہے بلکہ اسی طرح شیونات میں سے وجود حق کا اثبات کیا جاتا ہے) اور یہ کفر صریح ہے کیونکہ مظاہر کا وجود تو خود قیوم حقیقی جل شانہ سے منتزع اور اس طرح اس کا محتاج ہے جس طرح شمع سے مصنوعی اشکال وصورتیں اپنے وجود میں شمع کی محتاج ہوتی ہیں اور جو موجود و مشہود ہے وہ تو ذات حق جل شانہ ہے اور خلق کی حیثیت طلسم معقول کی سی ہے کیونکہ یہ عالم تو وجود کے فانی اشکال واطوار کا نام ہے اور حق حضرت وجود کا نام ہے اور یہ ان کے اپنے اس قول کی بنا پر کہ حق معقول محض ہے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ عقل کی رسائی اس کہ کنہ ذات تک ہے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ کنہ واجب تک کسی عقل کی رسائی ناممکن ہے اور اگر اس سے مراد معقولات ثانیہ ہیں جیسا کہ سیاق وسباق اس پر دلالت کر رہا ہے تو یہ بھی کفر صریح ہے جو کہ دہریوں کے باطل مذہب کی طرف جاتا ہے اور اگر اس سے ان کی مراد وہی ہے جو شیخ اکبرؒ نے فرمائی ہے کہ "ذات بحت، اعتبار لا یقین معقول محض ہے اس لئے کہ اس کا کمالات اور اس کے عدم یقین سے خالی ہونا عقلی مفروضے سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا، اگر چہ مظاہر فانیہ میں موجود بھی حضرت حق ہی ہے لیکن یہ جملہ مظاہر اپنے وجود میں درحقیقت اس کے محتاج ہیں، اور نسبت ذات کی حقیقت اور اس کے اعتبارات ومعانی کے بھی محتاج ہیں، یا اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ ذات حق محجوبین کے احساس سے بلند وبالا ہے، تو یہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن ان کی تصریحات سے خود اس بات کی نفی ہوتی ہے، چنانچہ ان کے خطبے کے ابتدائی جملوں سے ہی احتیاج حق کا مفہوم نکلتا ہے،

فرماتے ہیں: ''الحمدللہ لمن وجد بکل ما وجد '' (سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو کائنات کی تمام موجودات میں موجود ہیں) لیکن انھوں نے یوں نہیں کہا الحمد لمن وجد بہ کل ما وجد (تمام تعریفیں اس ذات باری کے لئے ہیں کہ تمام موجودات کا وجود اسی سے ہے)

حق اور عالم

فرمایا حق حضرت وجود کا نام ہے جو خارج میں موجود اور خود اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہے جیسے پانی برتنوں کی شکلوں اور رنگوں کے مختلف ہونے کے باوجود اپنی اصلیت پر برقرار رہتا ہے اور عالم وجود کے اطوار، شیونات اور فانی اشکال وصورتوں کا نام ہے جو ایک صورت سے دوسری صورت میں بدلتی رہتی ہیں، پس کفر وفسق اور نجاستیں وغیرہ اپنی تعریف ذات کے لحاظ سے کمالات ہیں، لیکن ان کا حضرت وجود سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اوصاف عالم میں سے ہیں، اگرچہ قیوم کل (خالق حقیقی) حضرت حق ہے، اسلئے کہ اگر وہ کفر وفسق کا قیوم (خالق) نہیں تو ان کا وجود کہاں سے آیا، اسی طرح تولد وتولید بھی اوصاف عالم سے ہیں یعنی یہ بدلنے والی اشکال وصور حضرت وجود کے اوصاف میں سے نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ اس کے تعینات واوصاف محض اعتباری امور ہیں، کیونکہ یہ سب ذات کے اعتبارات واضافات ہیں، اور ذات ان تمام میں ظہور کے باوجود منزہ ہے۔

فرمایا کہ رسمی متعرّف کا کلام قلوب پر اثر انداز نہیں ہوتا، بخلاف کلام عارف کے اور عارف ومتعرّف کے نزاع کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کرام کے کافروں کے ساتھ مباہلے میں موجود ہے، متعرف عارف کے ساتھ گفتگو کرنے اور اس کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہے۔

مبدأ مکاشفہ محبت ذاتیہ ہے

فرمایا کہ مکاشفہ حجابات کے اٹھ جانے کا نام ہے اور اس کا مبداء محبت ذاتیہ ہے عارف ایسے میں کائنات کو اس حد تک ترک کردیتا ہے کہ بادشاہان جہاں اور امرائے دنیا اسے کتے، خنزیر اور شیطان کے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔ اس مقام پر خداوند تعالیٰ دل میں محبت ذاتیہ کو جاگزیں فرمادیتا ہے اور خلق سے نفرت خلوت اور شب بیداری فنا کے مبادیات میں سے ہے چنانچہ اس

مقام پر عارف خود فانی ہو کر باقی باللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کثرت مشاہدہ وحدت سے مزاحم نہیں ہوتی اور جلوت بھی خلوت ہو جاتی ہے، نیند بیداری سے بدل جاتی ہے اور آنکھیں سرمہ عنایت ازلی سے سرگیں ہو جاتی ہیں، جس اندھیروں میں بھٹکی ہوئی عقل کی انتہائی منزل صرف یہی ہے کہ مصنوعات کا صانع کامل کے بغیر کوئی چارہ نہیں، وہ ذات وصفات اور اس کے مظاہر کو کیا جانے۔

ظہور حق در مظاہر

فرمایا جاہل متصوفین عالی مقام صوفیا کی باتوں کا مفہوم نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ مظاہر میں ظہور حق کی مثال ایسے ہے جیسے کائنات میں سورج کا ظہور، یا جیسے زید مختلف آئینوں میں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح ایک جزئی محدود جو کہ مظاہر سے جدا ہے کا تصور پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالی اس سے بلند و برتر ہے، ہاں البتہ بعض اسلاف نے راہ سلوک کے مبتدیوں کو سمجھانے کی خاطر کائنات کو عکس ذات یا ظل کی مثالیں دی ہیں، لیکن اس سے مراد مرتبہ ثانیہ میں ظہور شئ ہے، اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے جیسے دیوار پر درخت کا سایہ (جو اصل میں ایک دوسری چیز ہے) تعالی اللہ عن ذلک۔ مشہور شعر ہے

چوں تو فانی شدی ز ذکر بذکر
ذکر خفیہ کہ گفتہ اند آنست

(جب تو ذکر کے ذریعے ذکر میں فنا ہو گیا تو یہی ذکر خفی ہے) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا فانی کے لئے پردہ ہائے امکان پوشیدہ ہوتے ہیں چنانچہ وہ ذکر خفی سے کھل جاتے ہیں۔

علامت کمال

فرمایا کہ اہل شہود سانپ، بچھو، شیر اور چوروں سے نہیں ڈرتے اسی بنا پر بعض اکابر صوفیا نے خود کو آزمایا اور کسی ایسی جگہ فروکش ہو گئے جہاں بکثرت درندے پائے جاتے تھے اور آب ودانے کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا، وہاں جب انھیں کسی طرح کا خوف وخطر لاحق نہ ہوا تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ کامل ہو گئے ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ درندوں وغیرہ سے ان عرفا کا نہ ڈرنا اس وقت

ہوتا ہے جب یہ نفوس قدسیہ عالم کثرت سے بے خبر ہوکر ذات واحد کے دیدار کی تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں ورنہ بعض حالات میں یہ لوگ عام بشری خصوصیات سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔

ایک تسامح اور اس کا ازالہ

"غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کی مجلس میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام تشریف لایا کرتے تھے" کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم حقیقت روح جو کہ تمام کائنات میں جاری وساری ہے سے واصل تھے اس لئے آپ اسی مرکز ومنبع ہدایت سے گفتگو (وعظ وتبلیغ) فرمایا کرتے تھے جہاں سے دوسرے اولیائے کرام یا انبیا علیہم السلام فیضان حاصل کرتے ہیں۔ اسی بات کو تسامح کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا کہ آپ کی مجلس میں انبیائے کرام تشریف لاتے تھے۔

حقیقت تعوذ

فرمان باری واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم (اور جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو خدائے بزرگ و برتر کے حضور شیطان مردود سے پناہ مانگ) کی تفسیر میں فرمایا کہ تو شیطان سے چھٹکارا حاصل کر اور اس کے شر سے دور رہ! اور یہ اس لئے کہ قرأت قرآن کے وقت دل مالک حقیقی کے ساتھ لگا ہوا ہونا چاہئے اور دنیا وآخرت سے بالکل بے نیاز اور درحقیقت یہی تعوذ (پناہ) معتبر ہے اگرچہ بظاہر الفاظ تعوذ استعمال نہ بھی کئے جائیں۔

قصہ خالد بن سنانؒ کی تشریح

خالد بن سنانؒ کے اس قصے کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے چالیس دن بعد انہیں قبر سے باہر نکالا جائے تاکہ وہ عالم برزخ کے بارے میں بتاسکیں، کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جو مرگیا اور عالم برزخ میں پہنچ گیا اس کا دوبارہ اس بدن ناسوتی میں جو کہ قابل تجزی، تبعیض اور خرق والتیام ہے واپس آنا ممکن نہیں، البتہ اس کا بدن مثالی میں لوٹ آنا اس لئے ممکن ہے کہ بدن مثالی قابل تجزی اور خرق والتیام نہیں، اور یہ روح جسد ارواح، روح اجساد، تشخص اعمال واخلاق، ظہور معانی بصور مناسبہ اور اشباح جسمانیہ میں مشاہدہ ذوات مجردہ جیسے حضرت جبرئیل دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے تھے، آسکتی ہے۔ اسی طرح انبیا علیہم السلام اور اولیاء کی متشکل روحیں اور

مشاہدہ خضر وغیرہ یہ تمام عالم مثال کی نیرنگیاں ہیں جب اس دنیا میں نفوس کاملہ مختلف اشکال میں ظاہر ہوسکتے ہیں تو عالم برزخ میں تو یہ عمل بطریق اولیٰ ہوسکتا ہے کیونکہ عالم برزخ میں بدنی (مادی) حجابات کے اٹھ جانے کی وجہ سے ان کے اندر یہ قوت اور مضبوط ہو جاتی ہے خلاصہ کلام یہ کہ خالد بن سنان والے قصے میں ان کی مراد بدن مثالی میں واپسی ہے نہ کہ بدن عنصری میں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا میں روح کا بدن عنصری میں لوٹ آنا وہی رجعت ہے جس کے باطل ہونے پر اہل سنت کا اتفاق ہے، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہو، عارف تدلیات ارواح کو ان کی مثالی صورتوں میں لانے کے لئے اپنے مقام سے نزول کرسکتا ہے اور ان تدلیات کی مثال ان صور کی طرح ہے جو بحالت نیند متخیلہ میں آجاتی ہیں، چونکہ آنجناب (حضرت غوث الاعظمؒ) کو عالم ارواح میں مکمل تمکن حاصل تھا، اس لئے تدلیات ارواح انبیا واولیاء اپنے آپ وجود مثالی سے آپ پر نزول فرمایا کرتی تھیں۔

منتہائے عابد

فرمایا کہ بیس سال قبل مجھے یہ الہام کیا گیا کہ اگر تو میری رحمت کی امید پر نماز پڑھتا ہے تو تجھے رحمت سے نواز دیا، اور اگر تو میری رضا چاہتا ہے تو میں تجھ سے راضی ہوگیا، میں نے عرض کیا کہ بارخدایا! میرا مقصود تو بس تعمیل ارشاد ہے، لیکن اب تو معاملہ اور ہے، یہاں آپ نے فرمایا ''الصوفیہ عبدالظواهر واحرار البواطن (یہ گروہ صوفیا احکام ظاہری میں غلام اور جہان باطن کا شہنشاہ ہے)

فرمایا کہ اصحاب شہود کو عبادت کی تکلیف وریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ ان پر عبودیت قائم رکھتا ہے اور یہ نفوس قدسیہ نفس بلکہ روح سے بھی نجات حاصل کرچکے ہوتے ہیں، اس لئے زنا اور شرب خمر ایسی برائیوں کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی، اگر شاذ ونادر کوئی ایسی بات پیش آجائے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

التقید کفر

صوفیا کے اس قول ''القید کفر ولو کان باللہ'' (قید کفر ہے چاہے خدا کے ساتھ ہی

کیوں نہ ہو) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''عبودیت اثنینیت کا تقاضا کرتی ہے اور جہاں تک اہل شہود کی عبادت کا تعلق ہے تو ان کے مقام کی بلندی کے لحاظ سے ان کی عبادت کا تعلق براہ راست اقامت حق اور اس کے تصرف سے ہوتا ہے، پس عبادت عبودیت کی قید کفر صریح ہے چنانچہ اسی تاویل کی مثال صوفیا کے اس قول محبة الله راس کل خطیئة (اللہ کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے) میں بھی موجود ہے چونکہ محبت محبّ محبوب کا تقاضا کرتی ہے جو کہ دوئی (۱) ہے اور یہی تو غلطی کی بنیاد ہے پس جو ان تمام خطاؤں کی سرحد سے نکل گیا اسے محبت خداوندی عطا ہوئی اور جو اس سے بھی آگے نکل گیا تو وہ مقام شہود پر فائز ٹھہرا، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک خلاصہ کلام یہ ہے کہ عبادت تو مبتدی اور عارف دونوں کرتے ہیں، مگر ان کے مراتب اخلاص میں فرق ہے، پہلا مرتبہ حضور، ترک ریا اور ترک شہرت و فخر ہے، اس کے بعد کا مرتبہ یہ ہے کہ خوف دوزخ اور طمع جنت سے بے نیاز ہو کر عبادت خالص محبت ذاتیہ میں ہو، اس کے بعد وہ مقام ہے کہ جہاں عبادت عابد کی قدرت و قوت کے ساتھ نہیں بلکہ حق جل شانہ کی قوت اور قدرت کے ساتھ عمل میں آتی ہے ان تمام کے بعد وہ نازک ترین مرحلہ آتا ہے کہ جہاں عام سمجھ بوجھ کا گزر بھی نہیں ہوسکتا، حضرت شیخ کی مراد عبادت کے مذکورہ مراتب کی طرف اشارہ کرنا ہے ان کی بات سے امور عبادات میں تساہل کا کوئی مفہوم ہی پیدا نہیں ہوتا (معاذ اللہ) اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت شیخ شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ آخر عمر تک ان سے کوئی سنت نبوی اور مستحسن و مستحب نہ چھوٹا، اور اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی ظاہری اعمال کی ادائیگی ان کے تکلیفات شرعی کی قیود سے ممتاز ہونے کے منافی نہیں، یہ تو فریضہ حق ہے جس کے آگے اقتدا کی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ ''خیریت'' سے انھوں نے وہ معنی مراد لئے ہیں جو انبیائے کرام میں بوجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

قول پیرؒ ہرات

پیرؒ ہرات کے قول۔

---

(۱) دوئی: وحدت کی ضد، نقیض توحید، شرک، علیحدگی۔

از نفی در اثبات بردن صحرائے است
کیں طائفہ را دراں میاں سودائے است
اے دوست چوں عاشقی در آنجا برسد
نہ نفی نہ اثبات نہ مورا جائیست

(نفی واثبات سے آگے ایک صحرا ہے کہ جس میں یہ گروہ صوفیا سرگرداں ہے، اے دوست! جب عاشق کی رسائی اس مقام تک ہوتی ہے تو نفی واثبات تو کجا ایک بال کی بھی وہاں گنجائش نہیں ہوتی) کی تشریح میں فرمایا:

وصل حقیقی

اصل شہود یہ ہے کہ ثابت کا ثبوت اس طرح ہو کہ مُثبِتْ اور مُثبَتْ ایک ہوں اور اسی طرح عاشق، معشوق اور عشق بھی متحد ہو جائیں۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پر وصل کی جگہ نہیں تو ہجر کا کیا کام؟ اور اہل سلوک کے ہاں نفی دراصل توہم غیریت سے ہوتی ہے جب یہ وہم اٹھ جائے تو منفی عین ثابت ہو جاتا ہے، اور ''نہ مورا جائے است'' سے بساطت اور صرافت ذات کی طرف اشارہ ہے۔

تشریح توحید کوچۂ تنگ است

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے بعض اسلاف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ توحید کوچۂ تنگ است (توحید ایک تنگ گلی ہے) اس کی تشریح میں فرمایا جس وقت نظر عارف سے جمع کثیرہ صفاتیہ پوشیدہ ہو جاتی ہیں، اور بجز وحدت ذات کے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا، تو اس دوران کوچۂ توحید ایک تنگ گلی ہو جاتی ہے، لیکن بقا کے بعد جب وحدت میں کثرت اسماء وصفات کا مطالعہ میسر آتا ہے، تو اس مقام پر وہ عظیم وسعت کا مشاہدہ کرتا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ صرف وحدت پر اکتفا کر لینا کمال نہیں، بلکہ کمال توحید تو عین وحدت میں کثرت کا نظارہ ہے۔

تاویل حقیقة الواجب لایدرکه احد

بعض صوفیاء کے اس قول کہ حقیقة الواجب اظهر الاشیاء (حقیقت واجب تمام اشیاء میں سب سے زیادہ ظاہر ہے) اسی طرح حقیقة الواجد لایدرکه احد (حقیقت واجب کو کوئی نہیں پاسکتا) کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں حقیقت واجب کا تمام اشیاء سے

زیادہ ظاہر ہونا اس اعتبار سے ہے کہ مظاہر میں جو وجود موجود ہے وہی وجود حق ہے اور حضرت وجود تمام میں جاری وساری ہے اور دیگر تمام امور کا تعین اعتباری ہے اور اس کا عدم ادراک (لا یدرکہ احد) اس اعتبار سے ہے کہ مخلوق مرتبہ مخلوقیت میں ذات حق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی، نبی اپنی نبوت اور ولی اپنی ولایت کے ذریعے اس تک پہنچ سکتا ہے اور نہ زاہد اپنے زہد اور عالم اپنے علم کے بل بوتے پر اسے پا سکتا ہے یہاں تک کہ تمام پردہ ہائے امکان اٹھ جائیں اور ظلمات نفسیہ رفع ہو جائیں۔ ذات باری تعالیٰ کو خود اس کے اپنے نور ہی کی مدد سے پہچانا جا سکتا ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عرفت ربی (میں نے اپنے رب کو پہچان لیا) یعنی لا بنفسی (اپنی ذات کے ذریعے سے نہیں بلکہ اسی کے فضل وعطا سے) یہاں ایک دوسرا مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ معرفت سے مراد تمام شیونات کے ساتھ واجب کی معرفت ہے اور یہ اس دنیا میں محال ہے کیونکہ ہر مظہر عین واحد ہے، لہٰذا معرفت کل کی طاقت نہیں رکھتا اور تجلی برقی آنی تو ایک پل سے زیادہ ہوتی نہیں، لہٰذا اس وقت شیونات کی تفصیل کی طرف کہاں متوجہ ہو سکتا ہے؟

تشریح ان للہ سبعین الف حجاب

معیت ذاتیہ کی احدیت ان للہ سبعین الف حجاب کے ساتھ موافقت میں فرمایا کہ حضرت وجود کا مظاہر کے ساتھ قرب حقیقی ہے۔ اس کی قریبی مثال کلی کا جزئی کے ساتھ قرب پیش کی جا سکتی ہے اگرچہ حق تعالیٰ کلیۃ وجزئیت سے مبرا ومنزہ ہے اسی اعتبار سے حبل الورید (شہ رگ) سے بھی زیادہ قرب کی مثال دی گئی ہے اور اس کے بعد حجابات وہمیہ کی کثرت سے سبب جو کچھ ہے وہ اعتباری ہے یہاں فرمایا کہ حضرت وجود کو مظاہر کے ساتھ جس طرح کی نسبت ہے اس میں کسی طرح کا حجاب موجود نہیں بلکہ حجاب تو واجب اور ممکن کے درمیان ہے، پس ممکن محجوب جو کہ صفات تاثریہ قاصرہ سے موصوف ہے کا اللہ تبارک وتعالیٰ جو کہ صفات واجبیہ مؤثرہ جیسے خالقیت ورزاقیت اور بقا وقدم سے متصف ہے سے وصول بہت مشکل ہے اور یہ اشکال کثرت منازل کے سبب ہے لیکن مجذوب کے لئے خدا تعالیٰ وصول اس طرح آسان فرما دیتا ہے جیسے بے شمار کثیف اجسام اور حجابات کے حائل ہونے کے باوجود دیکھنے والے کے لئے سورج کا نظارہ آسان اور ہر وقت ممکن بنا دیا ہے اور یہاں پر تو لطیف معنوی حجابات ہیں ورنہ بصورت دیگر اللہ

تعالیٰ کا بھی پردہ ہائے جسمانی و امکانی میں محصور ہونا لازم آئے گا اور تعداد (یعنی ستر ہزار جمالات) سے مراد صرف کثرت ہے تحدید نہیں۔

معنی قول خواجہ نقشبندؒ

حضرت خواجہ نقشبندؒ کے اس قول کہ ''پی بسر حقیقت مے تواں بردا ما بسر معرفت و علم نے تواں رسید'' (عارف سرِ حقیقت تک تو رسائی حاصل کرسکتا ہے مگر سرِ معرفت و علم تک نہیں پہنچ سکتا) کے بیان میں فرمایا کہ جب احدیت کا آفتاب کو عارف سے نمودار ہوتا ہے تو آسمانِ حقیقت روشن ہو جاتا ہے، لیکن سرِ علم و معرفت! تو یہ تمام شیونات کی معرفت کے ساتھ وابستہ ہے جو محال ہے۔

فرمایا کہ لوگوں کو صوفیا کو کافر کہنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ان سے یہ سن لیتے ہیں کہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ صوفیا کی اصطلاح میں وجود سے مراد موجود ہے اور مطلق سے ان کی مراد یہ ہے کہ ذات میں ذات کی حیثیت سے کوئی اعتبار موجود نہیں، کلیتہً نہ جزئیۃً اور عموماً نہ خصوصاً بلکہ اس میں تو اعتبار اطلاق بھی نہیں ہوتا اور صوفیا کے اس قول کہ کل نبی ولی ولا عکس (ہر نبی ولی تو ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ولایت اصطلاحیہ شرط نبوت نہیں، یہ ممکن ہے کہ ایک شخص محبت یا محبوبیت کے مقام پر فائز ہو، اور خدا اسے نبوت تبلیغ سے مشرف فرمادے ہاں کامل انبیاء کو ولایت اصطلاحیہ اور نبوت تبلیغ دونوں سے نوازدیتا ہے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام اولوالعزم انبیا علیہم السلام۔

توجیه خضت بحراً الخ

قول بایزید خضت بحرا ووقف الانبیاء بساحله (میں نے ایک سمندر میں غوطہ لگایا اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے) کی وضاحت یوں فرمائی کہ انبیا کی استعداد کامل ترین ہوتی ہے کیونکہ ان کے ہاں وہبیت محضہ ہوتی ہے تکاد زیتها یضی ولو لم تمسسه نار (قریب ہے کہ اس کا روغن آگ کے بغیر روشن ہو جائے) وہ تو یقیناً حقیقی اہل شہود ہیں صرف حکمت ارشاد کے تحت خدا تعالیٰ انھیں مقام مشاہدہ پر لے آتا ہے، چنانچہ بایزید کے قول کا معنی یہ ہے ای وقفوا بعد الخوض (انبیاء غوطہ لگانے کے بعد ساحل پر کھڑے تھے) یہاں بحر سے مراد شہود وحدت اور ساحل سے مراد مشاہدہ ہے۔

توحید افعال

فرمایا توحید افعال کو حاصل کرنے کی علامت یہ ہے کہ سالک تدبیر معیشت کو ترک کردیتا ہے جس کے نتیجے میں اسے مکمل توکل حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ہر تکلیف، ایذا اور انعام کو ذات حقیقی کی طرف منسوب کرتا ہے اور توحید صفات کے حصول کی علامات یہ ہیں کہ سالک پختہ اپنی سماعت وبصارت کی قوتوں کو مالک حقیقی کے سپرد کردے باوجود اس کے کہ حضرت وجود تعین وتقید میں تعین صفات کی قید کے ساتھ موجود ہوتا ہے جیسے کہ کوئی شخص سمندر کے بہاؤ اور سریان کو نہر یا چھوٹے نالوں میں مشاہدہ کرلے تو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سمندر میں موجود لعل وجواہر اور حیوانات کا علم بھی حاصل کرلے، اسی طرح جب وہ دیکھتا ہے کہ سمیع وبصیر ان مظاہر میں ذات حق ہی ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تمام مسموعات اور مبصرات پر مطلع ہو جائے کیونکہ یہ تو واجب الوجود جل شانہ کے خواص میں سے ہے۔

حدیث ما تقرب الی عبد

حدیث ما تقرب الی عبد احب الیّ مما افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی اکون سمعه الخ (کوئی بندہ میرے حضور جو کچھ اس پر فرض کیا گیا ہے سے بڑھ کر عزیز ترین چیز پیش نہیں کرسکتا اور میرا بندہ بدستور نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کی قوت سامعہ بن جاتا ہوں) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا توحید میں قرب فرائض یہ ہے کہ استغنائے الوہیت افعال واعمال اور یہ کہ عالم میں سوائے اس کے کوئی موثر وقیوم نہیں شامل ہیں اور جس کا ان پر ایمان نہیں آخرت میں اس سے مواخذہ ہوگا! اور یہ قرب فرض ہے اور توحید میں قرب نوافل یہ ہے کہ بندہ حجابات دور کرنے کی سعی کرے اور یہ قرب نفل ہے اگر بندہ اسے حاصل نہ کرے تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا، اس لحاظ سے حدیث کی عبارت کا معنی یہ ہوگا کہ کوئی شخص بھی توحید اجمالی کے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے حضور قرب نہیں پاسکتا کیونکہ اسے ترک کرنے پر مواخذہ ہوتا ہے اور توحید تفصیلی میں بندہ برابر حجابات کو دور کرنے اور سخت ریاضتیں کرنے یا ذات اقدس کی طرف مکمل توجہ کرنے میں کوشاں رہتا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے اس کی خودی سے باہر لے آتا ہے اور دوستی کا مفہوم یہی ہے

اور بندہ جب یہ مقام حاصل کر لیتا ہے تو جس طرح اس کی ذات اپنی نفی کر کے ذات حقیقی میں فنا ہو چکی ہوتی ہے اسی طرح اس کی صفات (انسانی) بھی اٹھا لی جاتی ہیں۔ اور جو لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ اس وقت بندے کی صفات تو اخذ کر لی جاتی ہیں، لیکن اس کی ذات جوں کی توں باقی رہتی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ جس وقت تمام پردہ ہائے امکان اٹھ جاتے ہیں اس وقت کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ذات ہنوز باقی ہے، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذات نہیں صرف صفات ماخوذ ہو جاتی ہیں، ان کی ذات سے مراد وجود عنصری اور روحی ہے جو توحید کے اس مقام کے حصول کے بعد بھی تمام مراحل میں اسی طرح باقی رہتا ہے اور اسی طرح خارج میں دیگر تمام طبقات بھی جو علیٰ حالہ قائم رہتے ہیں، اور اگر کچھ خارق عادات کا ظہور ہو تو یہ بھی تو تبدل صفات کی قسم شمار ہوگی اور جن حضرات نے یہ کہا کہ ذات بھی ماخوذ (فنا) ہو جاتی ہے ان کی مراد ذات میں فنا ہونے کا وہی مفہوم ہے جو صوفیا کے ہاں مسلم ومعتبر ہے تو یہ سارا نزاع محض لفظی ٹھہرا۔

راہ سلوک میں حزن واندوہ

فرمایا جسے حضرت حق کا وصال نصیب ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ حجابات باقی رہ جاتے ہیں تو اس میں غم اور رونے دھونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں بلکہ کبھی تو وہ عام محجوبین کے مقام پر آ جاتا ہے لیکن وہ صاحب حقیقت کہ جس کی رسائی لطائف حقیقت تک ہو چکی ہوتی ہے۔ غم واندوہ اور اثنینیت کے چکر میں کبھی نہیں پھنستا، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ حجاب جو غم وبکا کا سبب بنتا ہے یہ دراصل سالک کے اندر کی وہ درشتی اور شدت بہیمیہ ہے جو خود اس کے نفس کو اس کی معرفت کے سلسلے میں حجاب بنا دیتی ہے اور وصل عرفان نصیب نہیں ہو پاتا البتہ جس کی بہیمیت لطیف اور حقیقی ہے وہ سرور اور انس میں محو ہو جاتا ہے۔

تشریح والعصر الخ

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں قسم دہر سے مراد ذات، بقا، سرمدیت اور ذات حق کا دوام ہے، کیونکہ واصلین کے سوا یہاں غیریت اور اثنینیت کے توہم کا شائبہ ہے، کسی نے حضرت شیخ سے سوال کیا کہ سالکین کی آخری منزل کون سی ہے، فرمایا رفع اثنینیت (دوئی) اور شہود وحدت ہی وہ بلند درجہ ہے جس سے بالا کوئی درجہ نہیں۔

تشریح ''توحید راہ کی درمیانی منزل'' ہے

شیخ عبداللہ کھاتی'' جو اس دور کے مشائخ میں سے تھے نے کہا کہ توحید تو ایک ایسا مقام ہے جو راہِ سلوک کے درمیان پیش آتا ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے ذرا اس سے آگے کی خبر دیجئے! انھوں نے کہا کہ ایک چیز ہے مگر بہت مخفی، آپ نے فرمایا سالک جب وحدت محضہ سے واصل ہو جاتا ہے تو اس کی نظروں سے کثرت غائب ہو جاتی ہے اور اس کے بعد تنزل کرتا ہے تو وحدت کو کثرت میں دیکھتا ہے اور یہ تنزل ہے اسے توحید سے بلند مرتبہ کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟

لیس وراء عباد ان قریة والی ربک المنتهٰی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ جن لوگوں نے توحید کو راستے کی ایک منزل قرار دیا ہے انھوں نے کثرت سے رویت جمع وذہول مراد لی ہے اور یہ سکر وغلبہ کی ایک قسم ہے اور جو شہود وحدت محضہ کو آخری منزل سمجھتے ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ لطیفۂ انا اپنی جگہ لطائف میں سب سے اعلیٰ لطیفہ ہے جب صاحب جمع الجمع (۱) وحدت وکثرت دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے تو اس وقت رویت وحدہ محضہ کا اصل منشا لطیفہ انا ہوتا ہے اور روحیت کثرت کا منشا لطائف سافلہ ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ سب سے اعلیٰ مقام لطیف ترین لطائف کا پالینا ہے۔ واللہ اعلم

رشحات میں بعض عرفا سے یہ جو منقول ہے کہ ''من در ابتدا می گفتم ممکن عین واجب است و در انتہا ظاہر شد کہ واجب عین ممکن است'' (آغاز کار میں میرا خیال تھا کہ ممکن عین واجب ہے لیکن انجام کار یہ بات مجھ پر ظاہر ہوئی کہ واجب عین ممکن ہے) کے بیان میں فرمایا کہ ہر دو عبارات میں فرق یہ ہے کہ پہلی بات صفات امکانیہ میں حصر واجب کو مستلزم ہے اور دوسری بات کا معنی یہ ہے کہ تعینات امور اعتباری اور اعدام محضہ ہیں جب کہ موجود حقیقی بجز واجب تعالیٰ کے کچھ اور نہیں، فرمایا جب خدا تعالیٰ ہر دورہ میں شیونات کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو پہلے افعال کو پیدا کرتا ہے کہ جو کہ باب انواع سے متعلق اور اس کی ذات سے عبارت ہیں اور یہ خلق کا سلسلہ ہر نوع میں

---

(۱) اس حقیقت کا انکشاف کہ خلق حق سے قائم ہے اس مقام پر حق کا جمیع موجودات میں مشاہدہ ہوتا ہے سالک یہاں حق کو خلق سے اور خلق کو حق سے دیکھتا ہے اور حق وخلق کو خلق میں دیکھتا ہے یعنی خلق کو خلق اور حق کو حق دیکھتا ہے اور انھیں ایک دوسرے کا عین پاتا ہے یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے سلوک میں اس سے بلند کوئی مقام نہیں۔

جاری ہوجاتا ہے جیسے درخت، پتھر، انسان، گھوڑے وغیرہ پس مثال نوع انسانی اس کے مظاہر میں ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد ارواح اور اجسام کو بالترتیب پیدا کیا۔ بعدازاں یہ دورہ یہاں پر ختم ہوگیا، یہاں تک کہ یہ روحیں فنائے خفی کے پردے میں چلی جاتی ہیں اس کے بعد سابقہ دورہ کی ترتیب کے مطابق پھر سے انہیں پیدا فرماتا ہے۔

حق تعالیٰ جل شانہ کے افعال وصفات میں تعطل نہیں ہے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول نحن اناس سرمدیون (ہم سرمدی لوگ ہیں) طول مدت پر محمول ہے یا اس اعتبار سے کہ خدا تعالیٰ سرمدی ہے اس لحاظ سے جس پر بھی ازل وابد کی حقیقت کھل جاتی ہے، وہ اپنے آپ کو سرمدی سمجھتا ہے، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ ظہور مثال سے پہلے حقائق کاملہ کے یقین کی صورت انسان ہے اور یہ یقین اشتقاق صورت صرف کی رو سے حقیقۃ الحقائق ہے اور یہ اس لحاظ سے کہ حیز بساطت اور تنزل مراتب میں یکساں طور پر موجود ہے اور ارادۂ قدیمہ واجبہ سے وہ اشتقاق مراتب کونیہ میں ظہور کی خاطر ہے جیسے کہ وہ ستارے کہ جن کا پانی کے تالاب میں عکس پڑ رہا ہے اگر پانی ہزار بار بھی اپنی شکلیں بدلے تو ستاروں پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا اور وہ ویسے کے ویسے رہتے ہیں، واللہ اعلم

شیخ اکبرؒ کے قول کی تشریح

شیخ اکبرؒ کے قول العبد عبد وان ترقی والرب رب وان تنزل (بندہ بہر طور بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنی ترقی کرلے اور رب بہر صورت رب ہے چاہے تنزل اختیار کرلے) کی تشریح میں فرمایا بندہ چاہے مراتب اعلیٰ پر پہنچ جائے وہ اپنی مقدار عین سے خارج نہیں ہوسکتا، لہٰذا اسی کے تمام تر کمالات اس کی استعداد عین کے دائرہ کار کے اندر ہوتے ہیں، اور حضرت حق اپنی صرافت اور اطلاق کے ساتھ جلوہ گر ہے اگرچہ اس نے مظاہر میں بھی اپنا ظہور فرمایا ہے اس گفتگو کا فقیر (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص پر اجمالاً تجلی فرماتا ہے اگرچہ وہ تجلی متجلی لہ (جس میں تجلی کا ظہور ہورہا ہے) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے تاہم اس میں سطوت، تسخیر اور قہر وجوب نمایاں ہوتے ہیں اور مقام فنا میں ایسے مقام بھی آتے ہیں کہ بندہ کبھی کبھار اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کرلیتا ہے، لیکن یہاں بھی انفعال اور تاثر امکان واضح رہے۔

حضرت شیخ ابوالرضاؒ کے چند مسودات اور مکتوبات

شیخ عبدالاحدؒ جو کہ شیخ احمد سرہندیؒ کے پوتے اور اس دور کے مشائخ میں سے تھے، نے حضرت شیخ کی خدمت میں یہ مکتوب تحریر فرمایا:

مکتوب شیخ عبدالاحدؒ

آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے اوقات مخصوصہ میں اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے، کیونکہ معاملہ دشوار، راستہ مشکل اور خوفناک ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان امامکم عقبة کؤود (تمہارے سامنے ایک پیچیدہ اور دشوار گزار گھاٹی ہے)۔

کیف الوصول الی سعاد ودونها   قلل الجبال ودونهن حیوف
الرجل حافیة ومالی مرکب   والکف صفر والطریق مخوف

(میں سعاد (محبوبہ) تک کیسے پہنچوں کہ راستے میں بلند پہاڑ اور نشیب وفراز حائل ہیں، میرے پاؤں میں جوتا ہے نہ میرے پاس کوئی سواری، راستہ خوفناک ہے اور میں تہی دست ہوں)

میرے محترم ومشفق! حقیقت الفاظ میں نہیں سما سکتی اور غیر حقیقت شایان بیان نہیں، اس لئے بات ختم کرتا ہوں، والسلام

حضرت شیخ نے اس مکتوب کا جواب یہ تحریر فرمایا:

هو الاحد

مکتوب شیخ ابوالرضاؒ

آپ کا سراپا شفقت، عنایت نامہ موصول ہوا اور اس نے خلوص ویگانگت کے رشتے کو استحکام بخشا اللہ جل شانہ آپ کو اس مہربانی اور عزت بخشی کی جزا عطا فرمائے اور اپنے مقصد تک رسائی بخشے۔

گرامی نامہ میں لکھا ہوا تھا۔

كيف الوصول الى سعاد ودونها   قلل الجبال ودونهن خيوف
الرجل حافية ومالي مركب   والكيف صفر والطريق مخوف

حقیقت یہ ہے کہ ہویت ذاتیہ مطلقہ تک اس کے حقیقی اطلاق سے سیر مستطیل کے ذریعے وصول بہت مشکل ہے بلکہ اس سے پہلے اعتبارات محضہ اور اضافات وہمیہ صرفیہ جو کہ عالم خلق وامر سے متعلق ہیں، ایسی دشوار گزار پہاڑی چوٹیاں بھی موجود ہیں کیونکہ ان سے سالک خود کو خوف زدہ پاتا ہے اور اپنے شعور وادراک کو ان کی تلاش میں سرگرداں کر دیتا ہے اور نہ حق سبحانہ تعالیٰ تو اپنی ذات میں وجود خاص کی بنا پر بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اس کا راستہ بہتر و پرامن ہے اور نہ خوفناک، اس مقام پر ننگے پاؤں کی کوئی بات ہے اور نہ ہی کسی سواری کی، اور نہ ہی اس جگہ کسی تہی دستی کا کوئی وجود ہے جبکہ وہ اپنی ذات میں قائم ہے مگر لوگوں میں اس کا ظہور نہیں، وہ پاک ذات ہے جو اپنے اشراق نور کا حجاب اوڑھے ہوئے اور اپنے ظہور کے استغراق میں مخفی ہے۔

توهمت قدماء ان ليلى تبرقعت   وان لناقى البين ما يمنع اللثماء
فلاحت فلا والله ما ثم مانع   سوى ان عيني كان من حسنها اعمى

(قدماء کا یہ وہم ہے کہ لیلیٰ نے برقعہ اوڑھ رکھا ہے مگر ہمارے لئے تو یہی جدائی ہے جو حجاب بن کر بوسے سے مانع ہے جب محبوبہ نے اپنا چہرہ ظاہر کیا تو اس وقت کوئی چیز اس کے دیدار سے مانع نہیں تھی مگر ہماری آنکھیں ہی اس کا جلوۂ حسن دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں)۔

پردہ برخاست تا بدید ستم   دوست با دوست کردہ در آغوش
آں شناسد حدیث دل مست   کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

(پردہ اٹھا تو میں نے خود کو اس حالت میں دیکھا کہ دوست نے دوست کو آغوش میں لے رکھا ہے اور دل مست کی بات صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ شراب پی رکھی ہو)۔

وغنى بى منى قلبى فغنيت كما غنى   وكنا حيث ماكانوا حيث ماكنا

ے

روز آں بتو بودم ونمی دانستم   شب با تو غنودم ونمی دانستم
ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم   من جملہ تو بودم ونمی دانستم

(ہر دن میں نے تیرے ساتھ گزارا مگر مجھے معلوم نہ ہو سکا اسی طرح راتوں کو بھی تیرے ساتھ رہا مگر بے خبر تھا۔ میرا گمان تھا کہ میں ہی میں ہوں حالانکہ میں تو تھا ہی نہیں تو ہی تو تھا لیکن مجھے پتہ نہ چل سکا)

مکتوب میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جو سخن حقیقی ہوتا ہے بیان میں نہیں آ سکتا۔

اس سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ بیان میں اس وجہ سے نہیں آ سکتا کہ سننے والوں کی سوجھ بوجھ میں کمی ہے ورنہ سخن اگر لفظی ہے تو یہ عین گفت ہے اور اگر نفسی ہے تو **فما من عیان الاوله بیان**۔

دوہرہ

کبیرا کا کہر سلہری جہاں سلسلی سبل
ولث بانو پیل کی سواد کون لادی بیل

والسلام علی اہل اللہ الکرام، جب حضرت شیخ کا مکتوب گرامی پہنچا تو جواباً شیخ عبدالاحدؒ نے انتہائی فصیح و بلیغ مکتوب لکھ بھیجا جس میں صعوبت حصول اور بعد راہ کے مضامین کو اس کے ساتھ بیان فرمایا۔ مکتوب یہ ہے۔

مکتوب شیخ عبدالاحدؒ

"**بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد**" گرامی نامہ سراپا شفقت وتلطف موصول ہوا۔ مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوا یہ مکتوب نکات کا خزینہ اور معارف وحقائق کا گنجینہ تھا۔ اس کی دلکش عبارات پاکیزہ اور لطیف اشارات روح پرور تھے۔

نکتہایش ہمہ ہمرنگ چمن کردہ بر دفتر گل مشق سخن

(اس کے تمام نکات رنگ چمن سے رنگین تھے گویا پھولوں کے کاغذ پر مشق سخن کی گئی تھی)

خدائے بزرگ و برتر آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے اور انتہائی مسرتوں سے مالا مال کرے، خط میں مرقوم تھا کہ "سعادت تک رسائی ایسے ہی مشکل ہے جیسے سیر مستطیل کے ساتھ ہویت ذاتیہ کا حصول، ورنہ حق سبحانہ بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر

ہے۔ آپ نے یہ وجود کے بارے میں کہا مگر جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو ذات سبحانہ، وتعالیٰ وراء الوراء اور وراء الوراء ہے۔ ؎

برگ بیرنگی بساز اے عندلیب بینوا   کہ ایں گل ما برنتابد از نزاکت رنگ را

(اے بلبل بے نوا کسی بے رنگ پتی سے ناطہ جوڑ کہ یہ میرا پھول انتہائی نزاکت کی
وجہ سے رنگ کو بھی برداشت نہیں کرسکتا)

دوہرہ ؎

پنت نکث سنکم اکم بگر مایہ جیوں جہانہ
چکہ اکیں مکہ ہن رہی ملنہ نہ بہر بہر مانہ

شیخ عطارؒ نے فرمایا ہے: ؎

باایں ہمہ نزدیکی جاناں چہ بسی دوری
در عین وصال تو گشت ایں ہمہ مہجوری

(اس تمام نزدیکی کے باوجود محبوب کس قدر دور ہے۔ اے محبوب ازل! تیرے عین
وصال میں بھی کتنا ہجر ہے)

آپ نے تحریر فرمایا: ''اس کی طرف کوئی پر امن بہتر اور نہ کوئی خوفناک راستہ جاتا ہے اور اس سے ننگے پاؤں چلا جاتا ہے نہ تہی دست ہوکر''۔ ہاں یہاں کوئی اچھا راستہ نہیں مگر اس سے پہلے پہاڑ دں کو چوٹیاں اور ان سے پہلے نشیب و فراز حائل ہیں، وہاں راہ حقیقت واسع اور ثابت ہے اور اس راہ کے راہی اس میں پڑے ہیں سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا میں اور انی ذاھب الی ربی میں بھی اسی راہ حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور قل ھذا سبیلی ادعوا الی اللہ بھی اسی طرف رہنمائی کررہی ہے۔ اسی طرح ففروا الی اللہ بھی اسی معنی کی طرف مشعر ہے اور وہ دو شعر جو آپ نے نور مطلوب کے ظہور اور طالب کی کم مائیگی کے بارے میں تحریر فرمائے، نے مجھے بہت محظوظ کیا، ہاں معاملہ کچھ یونہی ہے جیسے کہا گیا ہے انت الغمامۃ علی شمسک دع نفسک وتعال (تو خود اپنے آفتاب پر بادل کی طرح چھایا ہوا ہے لہٰذا خود کو چھوڑ اور چلا آ اور فارسی کے جن اشعار میں یہ کہا گیا کہ مطلوب وہم آغوش پردہ پوش محبوب تھا۔ یہ نہایت دلسوز سینہ

افروز اور عرفان و وصل بے پردہ سے معمور تھے۔ بہر طور یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ تمام گلشن تشبیہ کے پھول اور عالم سکر و مستی کے شعبدے ہیں۔ مقام تنزیہ جو کہ حضرت ذات سے قریب تر ہے وہ ان تمام کو برداشت نہیں کرسکتا۔ وہاں تو وہی کچھ ہے جو بیان سے باہر ہے وہاں مجھے تو سوائے حیرانگی، ناشناسی اور حقیقت کے ادراک کی عاجزی کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین
کایں جا ہمیشہ باز بدست ست دام را

ما للتراب ورب الارباب (چہ نسبت خاک را بعالم پاک)۔

تو از خوبی نمی گنجی بعالم
مرا ہرگز کجا آئی در آغوش

(تیرا حسن تو سارے عالم میں نہیں سماتا پھر تو میرے آغوش میں کس طرح سما سکتا ہے)

یہی وہ مقام ہے جہاں مقربان بارگاہ کو ابدی حزن وملال دامن گیر ہو جاتا ہے اور یاس وحرمان سرمدی خاصۂ خاصان درگاہ کے حصے میں آتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، کان علیہ السلام دائم الحزن متواصل الفکر (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ حزیں اور مسلسل فکرمند رہتے تھے)۔

دلہا ہمہ آب گشت وجانہا ہمہ خون
تا چیست حقیقت زپس پردہ برون

(سارے دل حقیقت پس پردہ کو جاننے کی کدوکاوش میں پگھل کر پانی ہو گئے اور ساری جانیں خون ہو گئیں)

جو دوہرہ اس راہ کی دشواری کے بارے میں تحریر کیا گیا وہ انتہائی دل نشین اور بے ساختہ تھا۔ اس راہ کی مشکلات تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں، یہاں تک کہ مخبر صادق علیہ السلام نے بھی ان دشواریوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان اماکم عقبة کؤود یہ بھی ہے مگر۔

گر موج زند عنایت او
موراں بکنند کار پیلاں

(اگر اس کی عنایت کا بحر موج مارے تو چیونٹیاں بھی ہاتھیوں کا کام کریں)

احادیث میں آتا ہے کہ ان اللہ یفعل بالضعیف ما یتحیر فیه القوی (خدا کمزور سے وہ کام کرالیتا ہے جس سے طاقتور بھی عاجز ہو جاتا ہے۔

عجائب رہِ عشق اے رفیق بسیار ست
ز پیش آہوئے ایں دشت شیر نر برمید

(اے دوست جادۂ عشق کے عجائبات بے شمار ہیں۔ اس جنگل کے آہو سے پہلے شیر نر نکلتا ہے)

دوہرہ:

نیہی گرور پیہم کو بپل جہاں رمنا
دیکھو کا برج بہہ کو چوکھیست ہنجی دہارد

اور یہ رباعی۔

روز آں بتو بودم ونمی دانستم	شب با تو غنودم ونمی دانستم
ظن بود بمن کہ من جملہ منم	من جملہ تو بودم ونمی دانستم

جو آپ نے تحریر فرمائی ہے وصال اور غلبۂ سکر کی کیفیت کی خبر بھی دیتی ہے ورنہ خدا کے ہاں تو نہ شام ہے نہ سحر۔ لم یلد ولم یولد اس کے جلال کا صحیفہ ہے اور ولم یکن له کفوا احد اس کے توقیع کمال کا دیباچہ۔

ابروے دوست کے شود دستکش خیالِ من
کس نزد است زین کمان تیر مراد بر ہدف

(دوست کے ابرو میرے ذہن سے کیسے نکل سکتے ہیں کسی نے اب تک اس کمان سے نشانے پر تیر مراد پھینکا ہی نہیں)

اور جو کہا گیا ہے کہ۔

وغنی بی متی قلبی فغنیت کما غنی
وکنا حیث ما کانوا وکانوا حیث ما کنا

یہ بھی اسی قبیل میں سے ہے ورنہ وہاں تو قیل، قال، حیث کان، انس اور جان کچھ بھی نہیں۔ کان اللہ ولم یکن معہ شیٔ والان کما کان، اور ’’بشر کو یہ طاقت نہیں کہ وحی یا پردے کی اوٹ کے بغیر خدا سے ہم کلام ہو سکے‘‘۔ یہ (آیت) جواہر سالکین کی نقاد ہے اور بلا تضربوا الامثال واللہ یعلم وانتم لا تعلمون، معیار حلیہ عارفین ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ سرخیل محبان (حضرت موسیٰ) نے لن ترانی کا زخم برداشت کیا اور دفتر محبوبان کے سرتاج (سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم) نے لیس لک من الامر کی ندا سنی گویا ایک جانب عنایت ہے تو دوسری جانب بے نیازی۔ تحریر تھا کہ ’’آپ نے لکھا ہے کہ جو سخن حق ہوتا ہے گفتگو میں نہیں آتا۔ اس سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ سننے والوں کے ادراک کی کمزوری کی بنا پر گفتگو میں نہیں آسکتا ورنہ اگر سخن لفظی ہو تو عین گفت ہے اور نفسی ہو تو ہر عیاں چیز کے لئے بیان ہوتا ہے‘‘۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد خود قصور متکلم ہے یہاں سخن حق سے حقیقت ذات کا بیان ہے اور ذات کی بداہت کرنا طاقت بشریہ سے باہر ہے اور اس سلسلے میں ظن و تخمین سے کام لینا بے ادبی ہے کیونکہ ظن بیان حقیقت کو ذرہ برابر فائدہ نہیں پہنچاتا۔ یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ درک ممکن اور احاطۂ متناہی میں آئے گا، لامحالہ وہ ممکن اور متناہی ہوگا اور واجب تعالیٰ کی ذات غیر متناہی تو اس سے بہت بالا ہے۔ خواجہ بزرگ (خدا ان کی لحد پر عطر افشانی کرے) نے فرمایا جو کچھ بھی دیکھا اور سنا جاتا ہے سب غیر حق ہوتا ہے لہٰذا اسے کلمہ کے لفظ لا کی حقیقت سے منفی کر دینا چاہیے۔

بس بیرنگ است یار دلخواہ اے دل
قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دل

(اے دل محبوب ازل تو بے رنگ ہے تو کہیں اچانک رنگ پر قانع نہ ہو جانا)

خلاصہ کلام یہ کہ جو اس کو جانتا نہیں وہ بطریق اولیٰ اس کے بارے میں کچھ بیان بھی نہیں کرسکتا اسے فکر، وہم اور نگاہیں نہیں پاسکتیں۔

چساں نشاں دہم آں نشان یکتا را
مگس چہ شرح دہد آشیانِ عنقا را

(اس بے نشان و یکتا کا کیا نشان بتاؤں کہ شہد کی مکھی آشیانہ عنقا کا کیا پتہ دے سکتی ہے)

میرے محترم! جسے اس نے خلعت کلام پہنائی اور انی اصطفیتک بکلامی وبرسلتی کی نوید سنا کر اعزاز بخشا۔ اس نے بھی یہی صدا بلند کی کہ یضیق صدری ولا ینطلق لسانی اور جسے اس نے جوامع الکلم سے نوازا اور تاج ومعراج اور اولیت وخاتمیت سے عزت بخشی۔ اس نے بھی یہ فرمایا: لا احصی ثناء علیک سبحان اللہ رب العرش عما یصفون۔

اے از تو گمان خلق بس دور
جلوائے تو از پر مگس دور

(اے کہ تجھ سے لوگوں کا گمان بہت دور واقع ہے اور تیرا جلوہ تو پر مگس سے بھی لطیف ہے)

ہر کس کہ زکنہ تو سخن گفت
خود گفت و زگفت خود برآشفت

(جس نے بھی تیری حقیقت کے بارے میں کچھ کہا تو خود ہی کہا اور اپنے کہے پر خود ہی پشیمان ہوا)۔

اے برتر ازاں ہمہ کہ گفتند
و آنہا کہ بدید ہم نہفتند

(اے کہ تو اس تمام سے بلند ہے جو تیرے بارے میں کہا گیا ہے اور جنھوں نے دیکھا چھپایا)۔

توحید تو ہر کہ راند در قیل
بر مورچہ زد عماری فیل

(جس نے تیری توحید کو لفظوں میں ڈھالا اس نے گویا چیونٹی پر ہاتھی کی ڈولی رکھ دی)

آپ کا یہ فرمان کہ فما من عیان الا ولہ بیان اور قول خداوندی الرحمن علم القرآن اپنی جگہ صحیح ہیں مگر جو عیاں سے بالا ہے وہ بیان سے خالی ہوتا ہے اور آپ علم کے ذریعے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ محققین میں سے کسی کا قول ہے کہ من عرف اللہ طال لسانہ (جس نے خدا کو پہچان لیا اس کی زبان تیز ہو گئی) اور یہ مرتبہ صفات، شیون اور اعتبارات ہے اور صوفیہ کا

یہ قول من عرف اللہ کل لسانہ (جس نے خدا کو جان لیا اس کی زبان گنگ ہوگئی) مرتبۂ ذات کی بنا پر ہے جو اضافات اور اعتبارات سے مبرا ہے اور وہ مطلقاً کیف سے منزہ ہے میں عرض کرتا ہوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ الرحمٰن علم القرآن میں قرآن صفات میں سے ایک صفت ہے اس لئے اسم ذات کی بجائے اسم صفت کے ساتھ آغاز کیا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** میں جو کچھ وحی کیا گیا اسے مبہم رکھا گیا اور بندے کی اضافت ہویۃ ذاتیہ کی طرف کی جیسے پیغمبر علیہ السلام کے اس فرمان میں پوشیدہ ہے: ''**ابھموا ما ابھم اللہ**'' (جسے خدا نے مخفی رکھا اسے ظاہر مت کرو) اس سے مراد یہ ہے کہ تم ذات کے بارے میں سرے سے بحث ہی نہ کرو کیونکہ تم رخ کبریا سے نقاب اٹھانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے ۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان
چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

(میں عشق کی جو شرح بھی بیان کرتا ہوں جب عشق اختیار کرتا ہوں تو اپنے کہے پر شرمسار ہوتا ہوں)

دوسرے یہ کہ عیاں کے لئے کیا بیاں؟

میرے محترم! چونکہ نماز اعمال میں سے مقرب ترین عمل ہے اور مورد تجلیات ومشاہدات ہے اور اس کے بارے میں یہ حدیث کہ **الصلوٰۃ معراج المومن** اور ایک دوسری معتبر حدیث کہ **اقرب ما یکون العبد من الرب تعالی فی السجدۃ** نماز کے مقرب ترین عبادت ہونے کی بین دلیلیں ہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک کے دل میں ادائے نماز کے دوران مطلوب بے حجاب اور محبوب بے نقاب کی ہم آغوشی کا خیال پیدا ہوجاتا ہے اور فرط عشق وشوق کے مارے مظہر وظاہر اور صورت وحقیقت میں تفریق نہیں کرپاتا۔ اسی وجہ سے نماز کے تمام ارکان میں اس حکیم مطلق نے تکبیرات انتقالات اور تسبیحات کا حکم دیا ہے۔ یعنی اے سالک! جب تیرے دل میں وصال کا کوئی خیال پیدا ہو تو جان لے کہ ذات باری اس سے کہیں برتر واعلیٰ ہے۔ خواجہ حافظ شیرازیؒ نے سالک کے توہم وصول کو جو تجلیات

ومشاہدات کے ورود سے پیدا ہو جاتا ہے اور در حقیقت ایسا نہیں ہوتا اس طرح بیان کیا ہے:۔

عکس روئے تو کہ در آئینہ جام افتاد
عارف از خندہ می در طمع افتاد

(آئینہ جام میں جب تیرے چہرے کا عکس پڑا تو عارف شراب میں مسکراتے عکس کو دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہو گیا)

یعنی عارف کا خون دل جو محبت کا گہوارہ ہے جو کہ نقوش ماسوا کو مٹا کر تجلی ذاتی کا مرکز بن جاتا ہے اور یہ تجلی ذاتی اس کی ذات سے وجہ کنایت ہے اور ایسے میں عارف کا باطن پہلے سے سو گنا بڑھ کر ترقی حاصل کرتا ہے اور بے پایاں شگفتگی ومسرت اسے حاصل ہو جاتی ہے تو ناچار بے پردہ وصول ذات کے لالچ میں پڑ جاتا ہے، مگر اسے معلوم نہیں ہوتا کہ تجلی اسے کہتے ہیں جو شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ تجلی کسی چیز کے مرتبہ ثانیہ یا ثالثہ میں ظاہر ہونے کا نام ہے۔

خلق را روی کے نماید او
در کدام آئینہ در آید او

(لوگوں کو وہ اپنا جمال جہاں آراء کس طرح دکھائے اور وہ کس آئینے میں سمائے)

ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ وصول ذات اصلا ناممکن ہے جبکہ مشائخ کبار سے وصول الی الذات منقول ہے اور ان میں سے کسی نے یہ بھی کہا ہے۔

ذات من نیست جز تجلی ذات
ذات بر من زدہ است راہ صفات

(میری ذات سوائے تجلی ذات کے اور کچھ نہیں، اور ذات نے مجھ پر صفات کی راہ مسدود کر دیے ہیں)

اور اسی طرح کسی اور نے کہا ہے "حق تو یہ ہے کہ میں اسم وصفت سے گزرے بغیر ذات تک پہنچا ہوں اس سلسلے میں مشائخ کے اقوال اس قدر ہیں کہ ان کا انکار نہیں

کیا جا سکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وصول الی الذات کا مطلقاً انکار تو نہیں کرتے مگر کنہ ذات تک وصول کے قائل نہیں اور اس کی کیفیت کے بطریق حصول پانے کے بھی قائل نہیں اور جو وصول بے کیف اور بلا ادراک ہو وہ ممکن اور یقینی ہے جس کے ثبوت کے لئے دلائل و براہین موجود ہیں اور اسی قبیل سے ایک بات یہ ہے کہ اس وصول کے باوصف نگرانی ابدی دامنگیر ہو جاتی ہے اور دائمی حزن واندوہ دولت وصول کے باوجود پیچھا نہیں چھوڑتے اور اس کا سبب دو امور ہیں، پہلا اس تلون وتلذذ کے فقدان کے نتیجے میں پیش آتا ہے جو اس سے پہلے تجلیات صفاتیہ میں موجود ہوتا ہے اور باطن سے پوری طرح مانوس ہو چکا ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ سالک وسعت ذات اور اپنے شوق وتشنگی کی وجہ سے اس مقام کا احاطہ نہیں کر پاتا اگرچہ وہ خود بسیط تر ہوتا ہے مگر ذات حق تو وسیع تر ہے اور یہ تمام (وصول) بلا کیف ہوتا ہے، یہاں عارف بمنزلہ مستسقی کے ہوتا ہے جو ذات حق سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور اس مقام کا کوئی کنارہ ہے نہ نہایت، نہ انجام ہے نہ آغاز۔ ع

بمیر د تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

شیخ عطارؒ فرماتے ہیں:۔

نمی بینی کہ شاہی چوں پیمبر
ندیدہ فقر کل تو رنج کم بر

یعنی اس مرتبے کے وصول کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہو اور خزانہ جبروت میں ایک جوہر ہے جس کی احتیاج ہوتی ہے وہ باقی نہ رہے قطعاً ناممکن ہے وفوق کل ذی علم علیم اگر نہ جاننے اور پہچاننے والے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس میں طلب کیسے پیدا ہوئی؟ جبکہ اس نے اس کے لئے جگر کو کباب اور آنکھوں کو نمناک کیا ہے تو اس کے جواب میں یہ عرض کرونگا کہ جاننا پہچاننا شرط طلب نہیں، بلکہ حسن محبوب کی دھوم حریف عشق کو بیقرار اور بے چین کر دیتی ہے اور جمال محبوب کی خوشبو وگفتگو دیوانگی عاشق کو جوش دلاتی ہے اس طرح کے گلہائے رنگین اس وادی میں بکثرت

کھلتے ہیں اور اس طرح کی نیرنگیاں اس راہ میں اکثر و بیشتر واقع ہوتی رہتی ہیں۔ یہ آتش عشق میں کودنے والوں کی دیوانگیاں اور جاں گدازوں کی الفتیں ہیں، جو دنیائے عشق میں اس طرح کے عجائب وغرائب پیدا کرتی رہتی ہیں، مولوی عبدالرحمٰن جامیؒ فرماتے ہیں۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

(آتش عشق صرف دیدار یار سے ہی نہیں بھڑکتی بلکہ اکثر یہ دولت حسن یار کے چرچے سے ہی مل جاتی ہے)۔

آری مقتضائے ادب ایں ست   لائق کبریائے محبوب چنیں است
اے عشق زعاشقاں عجب نیست   معشوق شناسی از ادب نیست

(ہاں تو ادب کا تقاضا یہ ہے اور محبوب کی کبریائی کے شایان یہی ہے کہ عشق کا ظہور عشاق سے کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ معشوق کو جان لینا ادب سے تعلق نہیں رکھتا)۔

تو یہ جان لینا چاہئے کہ جیسے ذات کو کسی عبارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی طرح اس کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے اسی طرح اس کا وصول بھی نہ تو کسی عبارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ ممکن ہے اس اخروی روایت کی طرح کہ جس پر ہمارا ایمان ہے مگر اس کی کیفیت سے سروکار نہیں رکھتے۔

ع   بلا بودی اگر ایں ہم نبودی

اگر یہ کہیں کہ پھر مبتدی اور منتہی میں فرق کیا ہے؟ جبکہ ہر دو سوز و گداز میں ایک ساتھ اور دونوں اسی راز و نیاز کے طالب ہیں۔ اگر تو ان دونوں میں فرق واضح ہو جائے تو یہی مقصود ہے مگر یہاں تو دونوں میں کوئی فرق موجود ہی نہیں اور اگر حزن واندوہ ہے تو وہ بھی دونوں میں یکساں موجود ہے میں اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ مبتدی کا عدم وصول حقیقی ہے جبکہ منتہی کا صوری، مبتدی جب گریہ کرتا ہے تو اس کے

لئے کہ سامنے حجابات کی دیواریں ہوتی ہیں مگر منتہی تو عظمت و کبریائی کے مشاہدے سے روپڑتا ہے وہ (مبتدی) ہنوز ستر ہزار پردوں میں ہوتا ہے اور یہ (منتہی) انوار کی چکاچوند میں پہنچا ہوتا ہے وہ بار ہستی کو کاندھوں پر اٹھائے ہوتا ہے جبکہ یہ اس کی عظمت کا بار برداشت کئے ہوتا ہے وہ ابھی تک مادی لباس میں گرفتار ہوتا ہے اور اسے خلعت وجود کے ساتھ عزت بخشی گئی ہوتی ہے وہ سایوں اور خیالوں میں ہوتا ہے کہ یہ واصل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس نے ابھی انفس و آفاق کے دام سے پاؤں نہیں چھڑائے ہوتے کہ یہ ان تمام سے نکل کر منزل بالا تک پہنچا ہوتا ہے۔ الغرض یہ کہ بکاء المرید من بکاء الشیخ کے مقام پر فائز اس جان جہان پر اپنی جان کی بازی لگائے اسم اور رسم اور نام و نشان سے بے پروا گزر کر تنزیہ مطلق اور غیب صرف کو اپنی توجہ کا قبلہ بنا دیتا ہے بے شک خدائے بزرگ و برتر بلند عزم لوگوں کو عزیز جانتا ہے کیا خوب کہا ہے۔ ع

آں لقمہ کہ در دہاں نگنجد طلبم

(وہ لقمہ طلب کرتا ہوں جو منہ میں نہ سمائے)

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول اور مطلوب قرب ہے نہ کہ ادراک:

دوھرہ:۔

نانو نجانو کا اور بارک لاکی جانو
جاتی جہاں کیسے تہاں نانو نہ کانو نہ تھانو

؎

گرفتم نیابد ایں عنقا بدام　　تیند تہائے دانش را غلام
کسی را اگرچہ برگ ایں سفر نیست　　بہ از سودائے او چیز دگر نیست

(مجھے تسلیم ہے کہ عنقا میرے دام میں نہیں آنے کا، مگر میں اس کے دام کی رسیوں کا غلام ہوں۔ اگر کسی کے پاس اس سفر کا ساز و سامان نہ ہو تو اس کے لئے سودائے محبوب سے بہتر کوئی زاد راہ نہیں)

اب ہم اس مکتوب کو حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہ، بسرہ الاسنیٰ کے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جس نے امکان کو آئینہ وجوب اور عدم کو مظہر وجود بنایا، اور وجوب و وجود اگر چہ دونوں اس کے کمال کی صفات ہیں مگر وہ تو ان دونوں سے وراء اور بلند ہے بلکہ تمام اسماء، وصفات اور شیون واعتبارات سے ماوراء ہے اور ہر ظہور بطون، بروز اور کمون سے بالا ہے، اسی طرح تجلیات، ظہورات، مشاہدات اور مکاشفات سے بھی ارفع ہے اور ہر معقول، محسوس، موہوم اور تخیل سے بھی مارواء ہے الغرض وہ ذات پاک وراء الوراء اور وراء الوراء ہے۔

چہ گویم با تو از مرغی نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامی پیش مردم ز مرغ من بود آں نام ہم گم

(میں تمہیں اس طائر قدسی کا کیا نشان بتاؤں کہ جس کا آشیانہ عنقا کے ساتھ ہے لوگوں کی نظر میں عنقا کا بھی ایک نام ہے مگر میرے طائر قدسی کا تو نام بھی مخفی ہے)

پس ذات قدس ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے بے نیاز بلکہ تمام تعریفوں کی منزل اس کی ذات اقدس کے سراپردوں سے پہلے واقع ہے وہ خود ہی وہی ذات ہے جس نے خود اپنی ثنا کی اور اپنی ذات کی خود تعریف کی لہٰذا وہ ذات پاک خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود، کوئی دوسرا اس کی حمد وثنا سے عاجز ہے انتہی کلامہ القدسی۔

ہیہات قلم بوقلمم در کف اندیشہ گداخت
رنگ آخر شد و نیرنگ تو تصویر نہ شد

(ہائے افسوس میری بوقلمونی کا قلم اندیشے کی ہتھیلی میں گل گیا، رنگ ختم ہو گیا لیکن تیری نیرنگی تصویر نہ بنی)

عرفان پناہا! ہماری باہمی بحث کسی مقابلے یا مناظرے کی بنا پر نہیں بلکہ اس کا تعلق نیم خامی اور ترک جوشی سے ہے۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے کیونکہ **الغدر عند کرام الناس مقبول** اور سلامتی ہو اس پر جو راہ ہدایت پر چلا اور

متابعت مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ والصلوٰۃ والتسلیمات لعُلیٰ پر کار بند ہو گیا"۔

حضرت شیخ ابوالرضاؒ نے حضرت شاہ عبدالاحدؒ کے مندرجہ بالا مکتوب کے مطالعہ کے بعد یہ جواب تحریر فرمایا:

جواب شیخ ابوالرضاؒ

"تمام تعریفیں اس ذات اقدس کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہر غلطی ونقصان سے نکال کر اپنی طرف مائل کیا تو ہم نے اسے اپنی شہ رگ سے بھی قریب پایا۔ ایسی حالت میں کہ کوئی حیرانگی تھی اور نہ پریشانی، اور ہر عارف وجاہل کی طرف سے درود وسلام ہوں ہمارے نبی اور آقا حضرت محمدؐ اور ان کی آل پر۔ یہاں جاہل سے مراد وہ ہے جو حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے غلطاں وپریشاں ہوتا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نامہ دلکش عبارات لئے ہوئے یہاں پہنچا۔ گویا اس مکتوب میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دعوت وصول غلبہ حال کے سبب ہوتی ہے تو ایسی حالت میں سخنِ مغلوب کا کیا اعتبار؟ اور اس کی مثالیں رموز واشارات سے اشعار کے روپ میں ظاہر کی گئیں اس کے علاوہ انوکھی تشبیہات، کنایے اور استعارے تھے میں نے ان تمام کو اچھی طرح سمجھا، آپ نے پہلی بات جو تحریر کی وہ یہ تھی کہ۔

کیف الوصول الی سعاد ودونها   قلل الجبال ودونهن خیوف
الرجل حافیة ومالی مرکب   والکف صفر والطریق مخوف

یہ اشعار راستے کی مشکلات اور امتناع وصول کے سلسلے میں واضح ہیں اور جو میں نے لکھا تھا کہ ہویت ذاتیہ تک سیر مستطیل جو کہ عالم خلق وامر کے اعتبارات کی پہاڑی چوٹیوں کے عبور پر مبنی ہے کے ذریعے وصول بہت مشکل ہے تو یہ بات مقصد کے لئے راستہ، مشکلات راہ کی وضاحت، وقوع اقدام اور حصول وصول کی دشواریوں کے ممتنع الوصول ہونے کی تاویل کے طور پر تھی اور میں نے اس راستے کی نفی بعض اشخاص کے لئے خاص وجوہات کی بنا پر کی ہے جس پر کسی کو انکار کی گنجائش ہے اور نہ کسی اعتراض کی۔ لہٰذا مطلق طور پر اس کے اثبات اور وقوع اور میری سابقہ نفی میں

کسی قسم کا کوئی تعارض موجود نہیں ہے۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ ''وگرنہ حق سبحانہ وتعالیٰ تو وجوہات خاص سے بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے''۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو وجود کے بارے میں ہے لیکن جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو وہ ذات حق سبحانہ اس سے کہیں ارفع واعلیٰ اور وراء الوراء ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کی یہ بات بالکل درست ہے لیکن عامی لوگوں کے بارے میں! لیکن جہاں تک اعتبارات کے بغیر صرف ذات کی طرف متوجہ ہونے والے حضرات کا معاملہ ہے وہ اس سے مختلف ہے پس جس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ وجود میں شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اسی طرح وجدان اور سریانیت میں بھی! ؎

تجدني في سواد الليل عبدي
قريباً منك فاطلبني تجدني

(اے میرے بندے تو رات کی تاریکیوں میں جس وقت بھی مجھے آواز دے گا اپنے نزدیک پائے گا) ؎

مرا اندر شب تاریک یابی زجانِ خویش ہم نزدیک یابی
مرا نزدیک خود پیوستہ میداں نمی دانی اگر دانی بیابی

(تو مجھے رات کے اندھیروں میں ہی پا سکتا ہے اور دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی جان سے بھی نزدیک پا سکتا ہے مجھے اپنے ساتھ پیوستہ جان تو ایسا نہیں سمجھتا اگر سمجھے تو مجھے پالے)۔

آپ نے اپنے خط میں یہ دوہرہ بھی لکھا تھا۔ دوہرہ ؎

تیپٹ نکٹ سنگم اکم مگر مانہ جیون جہانہ
جگہ اکیں مکھ میں رہیں طنہ نہ بہر بہریانہ

اس کے پڑھتے ہی دل ناتواں میں یہ آیا۔ دوہرہ ؎

ساجن میرے آیا کل لاکھ بہربانہ
بل مارت نچیرت تس دن کہوں نجانہ

میں نے لکھا تھا:۔

پردہ برخاست تا بدیدستم
دست با دوست کردہ در آغوش

اس پر آپ نے فرمایا کہ "یہ تمام گلشن تشبیہ کے پھول ہیں"۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کے ہیں ہم آغوشی کی آرزو کا مفہوم نکلتا تھا جبکہ میری عبارت میں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔

عبار اتنا شتی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

(ہمارے انداز بیان مختلف ہیں ورنہ تیرا حسن تو ایک ہی ہے درحقیقت ہمارے بیان کے ہر انداز کا اشارہ تیرے ہی جمال حقیقی کی طرف ہے) والا نامہ میں مرقوم تھا:۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

میں سمجھتا ہوں کہ اس سے ادراک اور احاطہ کی بے مائیگی مراد ہے۔

اے کمان وتیرہا بر ساختہ
صید نزدیک و تو دور انداختہ

(اے تیر و کمان اٹھانے والے! شکار تو قریب ہے تو نے تیر دور پھینکا)

آپ نے تحریر فرمایا ما للتراب ورب الارباب میں کہتا ہوں قصہ معراج میں مذکور ہے کہ یہ از راہ ادب کہا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے یا محمد انک اخترت العبودیۃ تادبا انا اخترتک لجمیع الکرامات الانسیۃ تفضلا۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تادب کے طور پر بندگی کو اپنا لیا اور میں نے تمہیں تمام انسانی فضائل اور خوبیوں کی وجہ سے تفضلا پسند کر لیا ہے) لہٰذا پتہ چلا کہ تادب اور چیز ہے اور تفضل دوسری۔

خاک را چوں کار باپاک اوفتاد
پیش آدم عرش برخاک اوفتاد

(خاک کو جب ذات اقدس سے تعلق پیدا ہوگیا تو پھر عرش بھی انسان کے سامنے جھک گیا)

مکتوب گرامی میں لکھا ہوا تھا کہ "ابدی حزن واندوہ مقربان بارگاہ کو دامن گیر ہوتا ہے"۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ ابدی غم واندوہ تو ہمیشہ کا ایک ایسا عذاب ہے جو دوستوں کے لئے نہیں بلکہ دشمنوں کے لئے ہوتا ہے دوستوں پر تو ہر وقت ناز ونعمت کی بارش اور مقربین کے لئے راحت ہی راحت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم (اگر تو وہ بندہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے خوشی، راحت اور جنت کی نعمتیں ہیں)۔

آسود بکام خویش از وصل حبیب
نے بیم فراق است نہ تشویش رقیب

خط میں مرقوم تھا۔

دلہا ہمہ آب گشت وجانہا ہمہ خون
تاچیست حقیقت ز پس پردہ برون

اس کے بارے میں میرا کہنا یہ ہے کہ ابھی تک پردے کے پیچھے جان ودل باقی ہے اور مشتاق کی حالت بھی یہی ہوتی ہے مگر جب کوئی جان ودل سے ہی گزر جائے تو وہ پردے کے اندر چلا جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے۔

راز درون پردہ ز رندان مست پرس
کیں حال نیست زاہد عالی مقام را

(پس پردہ رموز مست رندوں سے ہی پوچھے کیونکہ بلند مرتبہ زاہد کا تو یہ مقام ہی نہیں)

لکھا تھا۔ دوہرہ۔

سینی کر وریم پل جہاں زیبائی
دیکھو کا رج بنہ کو چوکچٹ ٹمی دہائی

اس دوہرے کے حسن تقابل کے متعلق کیا لکھوں تاہم میرے ناتواں دل میں یہ آیا۔

سات سمندر پم کنی پنت اکم اپار
کچست تہئی یہ کئی بہر لاکی اردار

آپ نے تحریر فرمایا۔ ولا تضربوا للہ الامثال الخ میں عرض کرتا ہوں واللہ المثل الاعلیٰ اور یہ جو شعر ہے کہ۔

وغنی بی منی قلبی فغنیت کما غنی
و کنا حیث ما کانوا و کانوا حیث ما کنا

اس سے وفاق مراد ہے فراق نہیں!

حضرت شیخ احمدؒ جو کہ مکتوب الیہ کے دادا اور بزرگ ہیں کے مضمون عالی میں کوئی تشبیہ اور مثال نہیں دی گئی جیسا کہ ان کے اقتباس سے ظاہر ہے۔

چہ گوئیم با تو از مرغی نشانہ　　　که با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامی پیش مردم　　　ز مرغی من بود آں نام ہم گم

ان اشعار میں مرغ اور اس کی عنقا کے ساتھ ہم آشیانی سے مراد ذات اقدس کا علو شان ہے فکلامکم منطق الطیران لم یفھم غیر فلا خیر.

تحریر تھا کہ پیشوائے محبان نے زخم لن ترانی کو برداشت کیا، میرے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں دیدار باری تعالیٰ نہیں کر سکتے لیکن اس گروہ کے لئے ایک دوسری زندگی بھی تو ہے، آپ نے لکھا کہ ''دنیائے محبوبیت کے سرتاج نے بھی لیس لک من الامر شیئ کی صدا سنی'' میرے خیال میں اس کا شان نزول ایصال ہے نہ کہ وصال، کیونکہ اس کے بلند مرتبے کی شان تو یہ ہے کہ دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

مکتوب گرامی میں آپ نے لکھا کہ ''جسے خلعتِ کلام (موسیٰ علیہ السلام) سے نوازا گیا اس نے یہ صدا بلند کی یضیق صدری و لا ینطلق لسانی'' میرا خیال ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں

معانی کے حقائق اور مکشوفات کے اسرار بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارۂ فرعون کی وجہ سے جل کر توتلی ہوگئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی۔ اسی وجہ سے میں تنگ دل ہو جاتا ہوں۔ اسی مفہوم کی دلیل یہ ہے واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی اور اسی طرح یہ آیت واخی ھارون ھو افصح منی فارسل معی رداء کیونکہ دعوت تبلیغ وارشاد کا فریضہ فصیح وبلیغ آدمی ہی بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے۔

مکتوب میں مرقوم تھا کہ ''جسے جوامع الکلم کی دولت عنایت کی گئی اس نے بھی لا احصی ثناء علیک کا نعرہ لگایا۔ میرے نزدیک احصا سے مراد یہاں پر پوری طرح شمار ہے اور معنی یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیاں میں داخل نہیں اور ثناء و بیان عیاں کے بعد ہوتے ہیں جیسا کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے جس کا آخری ٹکڑا آپ نے چھوڑ دیا تھا۔

''انت کما اثنیت علیٰ نفسک'' میں نے بیان کیا تھا کہ ما من عیان الا ولہ البیان، اس پر دلیل قرآن مجید کی آیہ کریمہ ہے ''الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان، اس کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے قرآن سکھایا جو تمام ذاتی، صفاتی، اور افعالی معارف کا مجموعہ ہے اور اس نے انسان کو پیدا کر کے اسے باقی تمام حیوانات سے اس بیان کی خصوصیت کی وجہ سے ممتاز بنایا، جس پر پورا قرآن مجید مشتمل ہے۔ والا نامہ میں مرقوم تھا جو عیان سے بالا ہوگا وہ بیان سے خالی ہوگا۔ میں عرض کرتا ہوں یہ درست ہے لیکن یہ اس قول کے منافی نہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو عیان کے ذیل میں آتا ہے وہ بیان میں داخل ہوتا ہے، آپ نے تحریر فرمایا ''کہ دیگر عیاں را چہ بیاں'' اس کے بارے میں عرض ہے کہ صاحب عیان کے لئے بیان کی حاجت نہیں اور جو صاحب عیان نہیں وہ بیان کا محتاج ہے یہ اور ہے وہ اور! اور آپ کا اس قول کہ ''ہم کنہ ذات اور اس کے ادراک کی کیفیت کے حصول کے قائل نہیں ہیں'' کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ عطف اور ارجاء کی وجہ سے اثبات کیفیت لازم ہو جاتا ہے چاہے وصول کے لئے ہو یا ذات کے لئے! اور آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ ''کسی ایسے مرتبے تک پہنچ جانا کہ اس سے بالا کوئی مرتبہ تصور میں ہی نہ آ سکے محال ہے'' بالکل صحیح ہے مگر صفات کی سیر میں، لیکن ذات بلا اعتبارات کے وصول کے بعد تو کوئی مرتبہ متصور ہی نہیں (اور یہاں عرفا پہنچتے ہیں) لیس وراء العباد ان قریۃ

مکتوب میں لکھا تھا کہ عشق بازوں کی دیوانگیاں ہیں‘‘ میں کہتا ہوں کہ مجھے عشق سے کیا سروکار جبکہ عشق حجاب ہے اور عاشق ومعشوق رخ حقیقت کا نقاب! اور اس کے علاوہ یہ کہ عشق قلوب میں ایک ایسی آتش ہے جو محبوب کے علاوہ سب کچھ بھسم کرڈالتی ہے۔ بس کیا ہی اچھا جنوں ہے اور کیا ہی خوب مجنون! کلام قدسی میں ہےانت عشقی وانا عشیقک یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

دردِ عشق آمد دوائے ہر دِلے　　حل نشد بے عشق ہرگز مشکلے
گر عشق ہمیں مونس وہم خانۂ ماست　　غمہا ہمہ یک جرعہ پیمانہ ماست

(ہر درد کی دوا دردِ عشق ہے۔ عشق کے بغیر کوئی مشکل آسان ہی نہیں ہوتی، اگر یہی عشق میرا مونس وہم خانہ ہے تو سارے غم میرے پیمانے کا ایک گھونٹ ہیں)

از عقل فرد گزر کہ در عالم عشق　　او نیز غلام دلِ دیوانہ ماست

(عشق میں عقل سے بے پرواہو کر چل کیونکہ یہ بھی میرے دل دیوانہ کا غلام ہے۔

آپ کا یہ قول کہ یہ (گذشتہ بحث) رویت اخروی کی طرح ہے کہ جس پر ہم ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی کیفیت سے سروکار نہیں اور کیفیت رویت کے بارے میں صریح ہے اور وصول کے لئے مثدث کو مستلزم ہے اور یہ دونوں کیف ہیں۔

مکتوب گرامی میں تحریر تھا کہ ’’اسم ورسم سے گزر کر غیب اور تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ عزائم کی بلندیوں کو پسند فرماتا ہے‘‘ آپ کی اس تحریر سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ توحید میں بند ہو کر رہ گئے ہیں جو اس راہ کا وسط ہے اور ایسے میں ہی مغلوب الحال ہو گئے ہیں، گویا آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس سے آگے کچھ نہیں، مزید ترقی کی کوشش کیجئے اور جان لیجئے کہ میرا اور میرے بلند ہمت احباب کا یہی مشرب ہے، اسم ورسم سے بے نیاز گزر کر تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانے کے بارے میں آپ نے جو فرمایا ہے اس کے متعلق میں مزید عرض کرتا ہوں کہ اسم ورسم کے بغیر تو توجہ کا حاصل ہونا ہی محال ہے کیونکہ توجہ کے لئے متوجہ اور متوجہ الیہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ متوجہ کی ذات بالاتفاق رسم اور خود لفظ متوجہ اسم ہے تو یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اسم ورسم کے بغیر توجہ کو مقام تنزیہ پر مرکوز کردینا چاہئے اور اسی طرح تنزیہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے، مگر درحقیقت تو نہ کوئی مقام ہے اور مقیم، ان اللہ یحب معالی المھم،

آپ کا یہ کہنا کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول، میرے خیال میں صوفیا کے قول "صعب الحصول" کی طرف اشارہ ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ تو وصول کی خبر ہے اور جہاں تک شیخ کبیر قدس سرہ (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے کلام کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ معارف دقیقہ اور حقائق غریبہ پر مشتمل ہے لیکن آپ نے ان کے کلام کے آخر میں جو یہ جملہ لکھا ہے کہ انتھی کلامہ القدسی (ان کا قدسی کلام یہاں ختم ہوا) یہ الفاظ (کلام قدسی) صرف اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے مخصوص ہیں اس کا اطلاق تو اس کے انبیاء واصفیاء پر بھی نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ ایک ولی کے کلام کے بارے میں ان کا استعمال کیا جائے۔

میرے دوست! آپ سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مقربین کے لئے قیود، ابدی حزن و یاس اور حرمان سرمدی کی عبارات کا استعمال جبکہ نصوص بھی اس کے حق میں نہیں، طالبین کے جذبۂ طلب کو کمزور کرتا ہے ہمیں تو بندوں کو یہ سمجھانے کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کا رب ان سے قریب ہے وہ اس کی طرف میلان کیوں نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اذا سالک عبادی عنی فانی قریب اور اسی طرح کلام قدسی میں ہے قربونی الی عبادی ولا تبعدونی (مجھے میرے بندوں سے قریب لاؤ میرے اور ان کے درمیان فاصلے نہ بڑھاؤ)۔

گفتم ملکا! ترا کجا جویم من در خلعت وصف تو چہا گویم من
گفتا کہ مرا مجو بر عرش و بہشت نزد دل خود جو کہ بر تویم من

(میں نے عرض کیا اے بادشاہ! تجھے کہاں تلاش کروں اور تیری خلعت وصف کے متعلق کیا بیان کروں؟ تو جواب ملا کہ مجھے عرش پر تلاش کر اور نہ بہشت میں اپنے دل کے قریب ڈھونڈو کہ میں تمہارے اندر ہوں)

میرے دوست! آپ نے جو کچھ مجھے لکھا وہ محض جذبۂ خیر خواہی کا اظہار تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی کے ساتھ باقی رکھے اور اسی طرح جو کچھ میں نے آپ کی خدمت میں تحریر کیا وہ بھی محض جذبۂ محبت، خلوص اور یک جہتی کی بنا پر"۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ان کے قول کہ "اس دوہرے ع مینہی کر دالخ کے حسن تقابل کے بارے میں کیا لکھوں" کی وضاحت یہ ہے کہ یہ دوہرہ آپ کے دعویٰ کے

مخالف ہے البتہ ایک خاص صورت میں صرف عشاق کے لئے فائدہ مند ہے ان (حضرت شیخ) کا یہ قول کہ دل ناتواں میں یہ آیا ع سات سمندر الخ یہ دوہرہ پہلے دوہرے کے برعکس فنا و بقا دونوں کی حقیقت کو بیان کرتا ہے، اسی طرح ان کا یہ قول کہ "**علی تقادیر العطف والارجاء یلزم الخ** بھی تشریح طلب ہے اور وہ یہ کہ کیفیت میں ضمیر مجرو تاویل شی کے ذریعے یا وصول کی طرف راجع ہے یا ذات کی طرف یا عطف یا تو وصول پر ہے یا کنہ ذات پر، پس اس جگہ نحوی اعتبار سے چار تقدیریں ہیں، پہلی یہ کیفیت وصول کے ادراک کو مانع ہے، یہ کیفیت ذات کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ تیسری کیفیت ادراک وصول کے وصول کی نفی کرتی ہے اور پہلی تقدیر کی طرح ہے۔ چوتھی تقدیر کیفیت ذات کے ادراک سے وصول کو روکتی ہے اور دوسری بھی اسی طرح ہے۔

جب یہ مکتوب شیخ عبدالاحدؒ کے پاس پہنچا تو انھوں نے پھر اس کا جواب لکھا جو یہ ہے۔

مکتوب شیخ عبدالاحدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جو اپنے باطن میں ظاہر ہوئی اور اپنے ظاہر میں بھی باطن بن کر رہی اور جس نے عدم کے گھٹاٹوپ اندھیروں کو اپنے نور وجود اور وجود نور کے ساتھ منور کیا، اور درود و سلام اس ذات گرامی پر جس کا نور تمام موجودات سے پہلے اور جو تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہیں، اور اسی طرح ان کی آل، اصحاب اور تابعین پر بھی درود و سلام ہوں، جب تک تخلیق آدم اور رکوع و سجود جاری ہیں بلکہ ابد الآباد تک۔

حقائق عرفا اور دقائق علماء پر مشتمل آپ کا مکتوب گرامی وصول ہوا، جس میں قیمتی نکات معرفت، بلند اسرار معرفت کے ساتھ ساتھ کئی طرح کی عنایات اور اعزازات کا اظہار بھی تھا چونکہ آپ کے والا نامہ میں ہمارے خط کے کئی مضامین پر تبصرہ تھا اس لئے ہم اپنی کوتاہیوں اور قصور فہم کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے خط کے لہ و ما علیہ کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں۔ بزرگوں کے ہاں عذر معتبر اور اصلاح و ہدایت ان کا طریقہ ہے۔ سلام و دعا کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول کہ "**اما فی الوجد ان فھو سبحانہ وراء الوراء ثم وراء الوراء**" بالکل بے غبار ہے اور ایک نکتہ جو کہ اکابرین میں سے بعض بزرگوں سے صادر ہوا خراز نے بیان کیا، جس کے بارے میں سید الطائفہ نے فرمایا کہ "وہ ایک ایسی انتہا ہے جس سے آگے کچھ نہیں"۔ اور سید الطائفہ وہ بزرگ ہیں

جن کے متعلق شیخ اکبرؒ نے فرمایا کہ وہ حق کی زبان ہیں اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں شیخ الشیوخ نے کہا کہ ”شیخ اکبرؒ تو ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کنارہ نہیں“ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ ”الوجد عند وجود الحق مفقود“۔ باقی آپ کا یہ فرمانا هذا بالنسبة الى الاكثرين الخ اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ بالنسبة الى الاكثرين نہیں بلکہ بالنسبة الى الكل ہے۔ کیونکہ یہاں پر وجدان سے مراد کُنہ کا ادراک، احاطہ اور اس کا ذہنی حصول ہے جبکہ وہ وجدان کہ جو اس قید میں مقید نہیں، اس کا بالنسبة الى الاكثرين ہونا جائز اور درست ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ ”آپ کی عبارت میں معانقے کی آرزو کا اظہار ہے جبکہ میرے ہاں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے“۔ تو اس سلسلے میں میں عرض کرتا ہوں کہ جس کی تمنا اور آرزو کی جارہی ہو، اس کا مرتبہ اس سے بلند ہے جو حاصل ہو چکا ہے، اور جب یہ مامول ہی (جس کی آرزو کی جارہی ہے) اس محصول کی طرح آسان ہو گیا تو ہم نے وصول کے لئے محصول پر اکتفا ہی نہیں کیا آپ نے لکھا ہے۔

عبارا تنا شتّٰی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے جیسا کہ علائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ندانم آں گل رعنا چہ رنگ و بو دارد
مرغ ہر چمنی گفتگوئ او وارد

(مجھے معلوم نہیں کہ وہ پھول کیسی رنگت و بو کا ہے کہ ہر چمن کے پرندے کی زبان پر جس کا ذکر ہے)۔

لا کہہ سہیلی ایک پیوجھو دس پی پی ہوئ
نا جانو کس را نوسی کن سہاگن ہوئ

ہمارے اس قول کہ ما للتراب ورب الارباب کے بارے میں آپ کو یہ کہنا کہ ”یہ تادباً تھا اور تفضّل دوسری چیز ہے“ کے متعلق عرض ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہترنمونہ ہیں، ولكم فى رسول الله اسوة حسنة۔ ہمارا یہ کہنا کہ ابدی

حزن واندوہ مقربان بارگاہ کا دامن گیر اور وصال مطلق سے یاس وحرمان سرمدی خاصہ خاصان درگاہ ہے"۔ اس پر آپ نے یہ فرمایا حزن ابدی چاہے وہ کسی بنا پر بھی کیوں نہ ہو مستقل الم اور عذاب ہے اور یہ تو عام مومنین کے لائق شان بھی نہیں چہ جائیکہ مقربین کی بات کی جائے اور اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ نظریہ نصوص قطعی کے بھی خلاف ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں کئی مباحث ہیں خیال ہے کہ ان میں سے ضروری باتیں بیان کردی جائیں تاکہ یہ عقدہ پوری طرح کھل جائے۔ آپ سے یہ امر مخفی نہیں کہ ابد وسرمد کا اطلاق جس طرح خلود پر ہوتا ہے بالکل اسی طرح مدت زندگی پر بھی ان کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ لغت وعرف اس پر شاہد ہیں، چنانچہ فرمان خداوندی ہے: "ولا تقبل لهم شهادة ابدا"۔

تو خلاصہ کلام یہ کہ محبت کے لئے حزن وغم کا ہونا اور وصال مطلق سے ناامیدی جو کہ عظمت محبوب کے مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے مقربین کا خاصہ ہے اور جب تک وہ اس زندگی کی قید میں رہیں ان کی یہ حالت قائم رہتی ہے چاہے وہ تجلیات اور مشاہدات کے اعزاز سے بھی مشرف ہو جائیں اس کے برعکس جس کا وعدہ کیا گیا ہے (حیات اخروی میں) وہ اس موجودہ زندگی سے کہیں بہتر ہے، ارشاد خداوندی والآخرة خير لك من الاولىٰ ۔ اور اسی طرح فرمان ربی من كان يرجوا لقاء الله فان اجل الله لآت میں اسی طرح اشارہ ہے، پھر یہ حزن ویاس جو کہ مراتب ظلال سے نکل کر اصول تک پہنچنے کے بعد اور مدارج صفات سے ترقی پاکر حضرت ذات تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے ایک ایسا خاصہ ہے جو ان مراتب پر فائز اصحاب کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔

فرعون را نہ دادیم اے دوست! دردسر
زیر کہ او نداشت سر درد ہائے ما

(اے دوست! میں نے فرعون کو اس لئے دردسر نہیں دیا کیونکہ اس کے سر میں میری محبت کا سودا ہی نہیں تھا)

اے عارف باللہ! درحقیقت یہ تو مدح ہے مگر اس میں ذم کا پہلو ہے اور ایسا کمال ہے جو نقص سے مشابہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کا یہ فرمان اسی قبیل سے ہے **انہ کان ظلوما جھولا** ۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ آپ نے محض نام کی شراکت کی بنا پر اسے دشمنوں کا حصہ قرار دے دیا، اور دوستوں سے اسے بعید بتایا، پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآنی آیات بھی پیش کیں اور ان میں سے ایک یہ ہے **لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون** اس کے متعلق عرض ہے کہ یہاں آپ کے لئے لفظ الیوم (۱) سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا اور اس کے بارے میں پیچھے ہم اشارہ کر آئے ہیں، اسی طرح دوسری آیت یہ ہے **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** یہ بھی تفاسیر کے مطابق آخرت سے متعلق ہے اہل حقائق نے بھی اسے منجملہ آخرت کی بشارتوں میں سے قرار دیا ہے یہاں تک کہ ان میں بعض نے تو ولایت سے متعلق ولی کے علم کے جواز کو بھی ممنوع قرار دیا ہے کہ یہ عبودیت سے لازم خوف کو زائل کر دیتا ہے، جیسا کہ تعرف میں موجود ہے اور انہی آیات میں سے ایک یہ ہے **فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم** (۲) لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اس سے تو کسی قسم کا استدلال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ راحت اور ریحان کا تو عالم اخروی میں ہی مقربین کے لئے ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا اور آپ کی پیش کردہ آیات میں سے ایک یہ ہے **انہ لاییأس من روح اللہ الا القوم الکافرون** اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس سے کس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ اگر روح سے بحیثیت مجموعی اس کے تمام اقسام مراد ہیں تو اس صورت میں اس کے بعض اقسام سے ناامیدی میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس سے مراد سلب کلی کے طور پر ہر ہر فرد ہے تو یہ بالاجماع غلط اور باطل ہے اس لئے کہ روح (رحمت) کی اقسام میں سے تو رسالت، نزول وحی، اور ایسی دوسری

---

(۱) یعنی 'الیوم' سے مراد یوم قیامت اور اخروی زندگی ہے۔

(۲) س: واقعہ ت: ۸۸

باتیں بھی ہیں کہ جن سے یاس وناامیدی فرض ہے اور ایمان کا حصہ ہے اور اگر اس سے مراد (روح کی) بعض اقسام ہیں، تو یہ دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو یہ معین ہیں اور ایسی صورت میں ان کے بیان کی ضرورت نہیں یا پھر غیر معین ہیں تو مطلق قرار پائیں گی اور یہ دونوں صورتیں آپ کے لئے سود مند نہیں۔

اے عارف باللہ! جس طرح امید کے بغیر محض یاس اس آیت میں کفر ثابت ہوئی ہے اسی طرح امن مطلق بھی کفر ہے ارشاد باری ہے لا یامن مکر الله الا القوم الخسرون اور دوسری جگہ ارشاد ہے وخافون ان کنتم مومنین اور اسی لئے کہا گیا ہے الایمان بین الخوف والرجاء اور اس سے پہلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ ان الله یحب کل قلب حزین اور دوسری جگہ فرمایا من اراد الله به خیرا جعل فی قلبه نائحة اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث میں آتا ہے انه کان دائم الحزن ومتواصل الفکر، اور آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ نماز میں گریاں رہتے اور اس طرح غمگین واندوہ گیں ہوتے لیکن ترش روئی قریب نہ پھٹکتی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ رو رہے تھے کہ جبریل امین نے نازل ہو کر عرض کیا ’’رب تعالیٰ نے آپ کو سلام بھجوائے ہیں اور اس گریہ وزاری کا سبب پوچھا ہے (حالانکہ وہ عالم کل ہے) آپ نے فرمایا دوزخ کے خوف سے رو رہا ہوں، تھوڑی دیر بعد جبرئیل امین پھر حاضر ہوئے اور کہا اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے انه لم نجعلها لاولیائ (ہم نے دوزخ اپنے دوستوں کے لئے نہیں بنائی) اس بات سے حضرت داؤد علیہ السلام مطمئن ہو گئے، کچھ وقت گزرا تو وہ پھر گریہ وزاری کرنے لگے۔ حضرت جبرئیل نے حاضر ہو کر رونے کا سبب پوچھا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ شوق جنت میں رو رہا ہوں۔ اس پر جبرئیل امین نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا انی جعلتها لاحبائی (جنت میں نے اپنے پیاروں کے لئے بنائی ہے) یہ بات سن کر حضرت داؤد کو پھر سکون آ گیا، کچھ دیر بعد انھوں

نے پھر رونا شروع کر دیا، جبریل امینؑ نے آکر حسب سابق پھر رونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں ذات باری کے شوق وصال کی تمنا میں رو رہا ہوں، جبرئیل نے کہا اللہ تعالی فرماتا ہے شوق وصال کی تمنا میں جس وقت تک چاہو گریہ وزاری کرو۔ اس پر کوئی پابندی نہیں۔ زندگی کا جنگل تو طے ہو گیا، لیکن عشق کے دشوار گزار راستے ہیں کہ جن کا کوئی انجام نہیں، نمونے کے طور پر ہم نے مشائخ عظام کے جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک قول خواجہ عبدالخالق غجدوانی (اللہ ان کے مزار کو معطر رکھے) کا ہے جو یہ ہے ''وصیت می کنم ترا ای پسر من بکذا وکذا الی ان قال باید کہ دل تو ہمیشہ اندوہ گین باشد وچشم تو گریاں وعمل تو خالص ودعاء تو بتضرع ولنعم ما قیل۔

اے خدا درد مرا درماں مکن
درد منداں راز بے درداں مکن

(اے بیٹے میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تیرا دل ہمیشہ اندوہگیں اور آنکھ ہمیشہ تر رہنی چاہیے، تیرا عمل خالص اور تیری دعا میں عاجزی ہونی چاہیے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے اے اللہ میرے درد کا چارہ نہ کر اور دردمندوں کو درد سے محروم نہ کر)

حضرت سری سقطی (۱) (اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے) نے فرمایا ہے ''میرے لئے دن اور رات دونوں میں کوئی خوشی نہیں اس لئے میں دن کی پروا کرتا ہوں اور نہ رات کی کیونکہ جیسے یہ خوشی شریعت میں کجروی کا باعث بنتی ہے ویسے ہی یہ طریقت میں تنزل کا سبب بنتی ہے۔ یہ بعض ایسے حقائق پر پردہ ڈالنے سے کنایہ ہے جو کہ اور حقائق کا پتہ دیتے ہیں'' آپ نے لکھا ہے۔

---

(۱) سری نام، ابوالحسن کنیت، آپ حضرت معروف کرخیؒ کے نامور مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے عہد کے مقتدائے زماں، شیخ وقت، صاحب لم اور امام طریقت تھے۔ خوردہ فروشی کی دکان تھی اس لئے سقطی مشہور ہو گئے۔ سید الطائفہ نے فرمایا کہ عبادت میں سری سقطی سے زیادہ کامل میں نے کسی کو نہیں پایا۔ عراق وعجم کے اکثر مشائخ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے ہر روز ایک ہزار نوافل ادا کرتے تھے۔ آپ کا درجہ پیر پیراں اور شیخ الشیوخ کا ہے۔ آپ نے رمضان ۲۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ مزار قبرستان شونیز بغداد میں مرجع خلائق ہے تاریخ وصال قطب الحق ہے (۲۵۰ھ)

سات سمندر پیم کے نپت اگم پار
کج پت تہی تہی کی بہرلا کی اردار

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے ذات باری کے استغنا اور اس کی کبریائی کی بات ہے، اس پر میرے ذہن میں وہ شعر موزوں ہو گئے ان میں سے ایک تو اسی مضمون کا ہے اور دوسرا اس کے جواب میں ہے، عجیب بات یہ ہے کہ اس سے قبل ہندی زبان میں کبھی میں نے کوئی شعر نہیں کہا، دوہرہ۔

سات سمندر پار پیو ہوں اکیانی نار
نہیں نہیں بنا کہوتی کسمس اتروں پار

پیم سمندر رے سکھی تہاہ نہیں جس دھار
پار لگی لے لاکھوں لوگ بیکس اروار

ہم نے کہا تھا **لاتضربوا لله الامثال** ، آپ نے فرمایا **ولله المثل الاعلىٰ** میں عرض کرتا ہوں کہ یہ آیت اپنی جگہ مکمل اور سابقہ آیت کریمہ کے لئے دلیل ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ **لن ترانی** سے مراد ان آنکھوں سے اس دنیا میں دیدار کی ممانعت ہے لیکن اس گروہ کے لئے ایک اور جہان بھی تو ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست ہے کہ اس گروہ کا ایک دوسرا عالم بھی ہے جیسے کہ ہمارے والد گرامی نے قول خداوندی **بل هم في لبس من خلق جديد** کی تاویل اس طرح کی ہے یعنی وہ حقائق اور اسرار کے ادراک سے محجوب ہیں اور اس کی وجہ ان کی وہ امیدیں ہیں جو انھیں نئی زندگی، ولادت ثانیہ اور فنا کے بعد وجود ثانی چاہے وہ رذائل سے بھرا ہوا بھی کیوں نہ ہو، کے بارے میں ہیں، لیکن پھر بھی استغنا کی منزل دور ہے۔

تعرف میں کہا گیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس دنیا میں نہ تو ان ظاہری آنکھوں سے ذات باری کا دیدار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے قلوب کی حقیقی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ تجلی ذات متجلی لہ کی

صورت ہی میں ظاہر ہوتی ہے پس متجلیٰ لہ نے حق کے آئینے میں جو کچھ دیکھا وہ اس کی اپنی صورت کے علاوہ کچھ نہ تھا، اس نے حق کو دیکھا اور نہ ہی اس کا دیکھنا ممکن ہے ویحذرکم اللہ نفسہ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی زندگی میں اس نشاۃ کے ثبوت کا اقرار کیا، ہمارے قول ”سر دفتر محبوبان ندا لیس لک من الامر بشنید“ کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ اس کا شان نزول ایصال ہے وصول نہیں، تو اس بارے میں عرض ہے کہ اصل امر کلمۃ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما کنت تدری ما الکتاب وللایمان ولکن جعلناہ نوراً نھدی بہ من نشاء من عبادنا الخ ہمارا یہ قول کہ ”جسے اس نے خلعت کلام سے نوازا وہ بھی پکار اٹھا کہ میرا دم گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں کھلتی“ کے متعلق آپ نے یہ تشریح فرمائی کہ میں حقائق معانی اور دقائق معرفت بیان تو کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارۂ فرعون کی وجہ سے جل گئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی، اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ ساری باتیں تفسیر سے متعلق ہیں اور کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرتا، مگر جو ہم نے بیان کیا ہے یہ بات تو راسخین کی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لکل حرف ظھر وبطن فمنھم من اکتفی بالظھر فاھتدیٰ ومنھم من نفدت بصیرتہ الی البطن فکان اھدیٰ لکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات (ہر حرف کے دو پہلو ہوتے ہیں ظاہر اور باطن جس شخص نے ظاہر پر اکتفا کیا اس نے ہدایت حاصل کر لی اور جس کی بصیرت باطن پر مرکوز ہو گئی تو اس نے ہر سمت میں ہدایت کاملہ پالی، پس اچھائیوں کی طرف بڑھو) ہمارے اس قول کہ جسے اس نے جوامع الکلم عنایت کئے اس نے بھی ندائے لا احصی ثناء علیک بلند کی، کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے تمام کمالات عیاں کے ذیل میں داخل نہیں ہو سکتے، جبکہ ثنائے کامل عیان کے بعد ہی ہو سکتی ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارا مقصود بھی بالکل یہی معنی ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ نفی بھی قید کی طرف لوٹتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انت کما اثنیت علی

نفسک ہم کہتے ہیں کہ یہ بات علی الاطلاق نہیں ہے جیسے کہ انھوں نے قول خداوندی **ولاتاکلوا الربا اضعافا مضاعفة** میں ذکر کیا اس صورت میں نفی کو قید کی طرف لوٹانا مسلم بات ثابت نہ ہوئی بلکہ یہ خود ایک مختلف فیہ مسئلہ بن گئی جیسا کہ حواشی شرح مطالع وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور اگر بالفرض اسے مان بھی لیا جائے تو بھی یہ ہمارے مقصود کے خلاف نہیں بلکہ الٹا اس کی موئید ہے ہمارا یہ کہنا کہ عیان راچہ بیاں اور اس پر آپ کا یہ تبصرہ کہ صاحب عیان کو بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور جو صاحب عیاں نہ ہو اس کو بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ”یہ اور ہے اور وہ اور“ اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول آیۃ کریمہ **ذالک الکتاب لاریب فیه** کے قبیل سے ہے ہمارا یہ کہنا کہ کسی ایسے مرتبے تک پہنچنا کہ جس سے اوپر کسی مرتبے کا تصور بھی نہ کیا جاسکے، محال ہے، یہ بات آیت کریمہ **قل رب زدنی علما** اور حدیث **انکم لن تستطیعوا ان تغلبوا ھذا الدین** سے ماخوذ ہے، پھر اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ تو سیر صفات کی بات ہے لیکن حضرت ذات سے وصول کے بعد تو فوق کا تصور یقیناً محال ہے میں عرض کرتا ہوں کہ سیر صفات سے انقطاع کے بعد اجمالی طور پر وصول الیٰ حضرات الذات تو ممکن بلکہ واقع ہے، البتہ اس سے آگے بڑھنا عقلاً اور نقلاً محال ہے، آخر حق تک رسائی کے بعد آگے بڑھنا گمراہی نہیں تو کون سی خوبی ہے، اسی طرح اس کی کنہ کا احاطہ بھی محال ہے کیونکہ اگر طالب بسیط تر ہے تو اس کی ذات وسیع تر اور غیر متناہی ہے چنانچہ سیر واقع جسے محققین سیر فی اللہ کا نام دیتے ہیں، بھی ذات باری کی طرح غیر متناہی ہے اور اس کا طے کر لینا ناممکن ہے:۔

شربت الحب کاسا بعد کاس
فما نفدت الشراب وما رویت

(میں شراب معرفت کے جام پر جام لنڈھاتا رہا مگر نہ شراب ختم ہونے میں آئی اور نہ میں سیر ہوا) ع

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

صاحب تعرف نے کہا ہے القول بالاصلح اس کی قدرت کے لئے نہایت کو ثابت کرتا ہے اور اس سے اس کے خزانوں کے ختم ہونے اور اس کے عجز کی راہ نکلتی ہے تعالی اللہ عن ذالک اس لئے کہ جب وہ ان میں صلاح (خیر) کی آخری اور انتہائی عافیت پیدا کر دے تو اس کے بعد مزید صلاح کے لئے کوئی چیز نہیں ہوگی، اب اگر وہ اصلاح کا ارادہ کرے تو کہاں سے ہوگی، اور اس نے جو کچھ ان کو عطا کر دیا ہے اس کے بعد انہیں مزید عطا کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا جس کے ذریعے وہ ان میں مزید اضافہ کرے حالانکہ خدا تعالیٰ ایسی باتوں سے بہت بلند و بالا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک مقام میں رہتے ہوئے ترقی کرنا اور چیز ہے جب کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرنا بالکل دوسری چیز ہے اور ہم جس بات میں الجھے ہوئے ہیں وہ یہی وہ صورتیں ہیں، جن میں سے ایک ممنوع اور دوسری واقع ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو واصلین ذات میں باہمی کوئی تفاوت نہ ہو اور قرب ذات میں وہ تمام مساوی ہوں اور سب کے سب ایک ہی مقام میں بند ہوں، حالانکہ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان میں اس درجہ سے تفاوت ہے بلکہ یہ تفاوت درجات کسی اور بنا پر ہے تو اس کے متعلق ہم عرض کریں گے کہ مرتبہ فوق مراتب کے ممنوع کے بارے میں آپ کے لئے بھی پھر ہمارا یہی جواب ہے۔

اے عارف باللہ! یہاں ترقی وتفوق برآمدے سے مکان اور مکان سے چھت کی طرف ترقی وتفوق کی طرح نہیں، اور اسی طرح سیر و سلوک سے مراد بھی جسمانی حرکت نہیں بلکہ یہ ایک ایسا غیر بیانی اور وجدانی معاملہ ہے کہ جو اس کوچے سے نہیں گزرا وہ اس کی لطافتوں سے باخبر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس کی تعریف میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک حرکت کیفی ہے اور ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف علمی انتقال ہے لیکن یہ مرتبہ صفات کے اعتبار سے ہے مگر مرتبہ ذات کے لحاظ سے تو یہ معرفت اور انکشاف کے ازدیاد اور بطن البطون تک نظر کی رسائی سے عبارت ہے

جیسا کہ اس پر کشف گواہ ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ ہمارا یہ کہنا کہ ...... یہ بات رویت اخروی کی طرح ہے کہ جس پر ایمان لانے کے تو ہم پابند ہیں لیکن اس کی کیفیت سے ہمارا کوئی سروکار نہیں! اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تو کیفیت رویت کے بارے میں صریح ہے اور وصول کے لئے مثلیت کو مستلزم ہے جبکہ یہ دونوں بے کیف ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ تو عدم کیفیت کی تصریح ہے کیونکہ کیفیت سے سروکار نہ رکھنے کی ممانعت سے اصل مقصود کیفیت کا انتفا ہے عبارات میں اس قسم کے تسامحات اکثر وبیشتر واقع ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ سیاق وسباق خود اس پر دلالت کررہا ہے! مشائخ کبار میں سے کسی نے کہا کہ ذات باری مجہول الکیفیت ہے یعنی اس کی کوئی کیفیت نہیں، پھر علم بیان کے قاعدے کے مطابق بعض امور میں مشابہت کی وجہ سے مثلیت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد عرض ہے کہ وہ بے کیف امور کا آپس میں مماثل ہونا کیفیت کو مستلزم نہیں، جیسا کہ اس کی تمام صفات میں ہے۔

ہم نے کہا تھا کہ ''اسم ورسم سے گزر کر تنزیہ مطلق اور غیب صرف کو قبلہ توجہ بنالینا چاہئے'' اس پر آپ نے فرمایا کہ توجہ متوجہ اور متوجہ الیہ کے درمیان ایک نسبت ہے پس لفظ متوجہ اسم ہے اور ذات متوجہ رسم تو توجہ مطلق ممکن ہی نہیں! تو اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اے عارف راہ! جب معرفت وولایت کے دروازے بند ہوجاتے ہیں تو وہ فنائے کلی اور ذات حقیقی کے ماسوا کو مٹادینے کے بغیر ہرگز نہیں کھلتے اور اگر یہ چیز نہ ہو تو معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی حقیقت کاملہ تک رسائی! جیسا کہ صوفیا نے کہا ہے۔ ؎

ہیچ کس را تا نکردہ او فنا
نیست رہ در بارگاہِ کبریا

کہیں صاحب نزہۃ کا یہ قول دھوکے میں نہ ڈال دے۔

گویند عنان خود چہ تابی   گم شو کہ چو گم شوی بیابی
این نکتہ نمود نا صوابم   چوں گم شوم آنگہی چہ یابم
بابندہ اگر کسی دگرخاست   از گم شدنم پس اوچہ میخواست

یہ تمام فلسفیوں کی موشگافیاں ہیں جن میں معارف کا شائبہ تک نہیں، اس لئے سالک کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ان پرخار وادیوں میں بھٹکتا پھرے۔

چاہے آپ یہ سمجھتے ہوں کہ اسے (بحث گزشتہ) محققین نے کس مفہوم میں لیا اور اس پر وارد شبہات پر کیسے اعتراضات کئے، اور پھر کس طرح مکمل اور مسکت جوابات دیئے، اگر چہ ان کی گفتگو اتنے سارے تکلفات کے باوجود محتاج تاویل ہے تاہم ہم اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے البتہ یہاں پر عارف کامل حضرت خواجہ احرار (اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے) کی تحریر کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے جو اس بحث میں نہایت ہی مفید اور کارآمد ثابت ہوگا، آپ نے فرمایا۔

سالک کی ذات وصفات کی فنا کے تحقق کے بعد خدا تعالی اسے ترقی دے کر بقا تک پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت وہ اسے نور عطا کرتا ہے جس کے ذریعے وہ ذات حق کا مشاہدہ کرتا ہے، پس اس وقت ذات کے علاوہ اس کا کوئی مشاہدہ نہیں ہوتا تو اس سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ متوجہ ذات کے لئے تمام اضافات اور اعتبارات کا حذف کرنا لازمی ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اور آپ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اسم ورسم اور اس کے اعتبارات نفس کیونکر حذف نہیں ہوں گے۔

آپ نے فرمایا تھا کہ ”تنزیہہ اگر چہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ایک ہے، تاہم وہ مقام تو ہے جبکہ حقیقت میں کوئی مقام ہے اور نہ مقیم“ اسی کے بارے میں عرض ہے کہ شاید یہاں حقیقت سے مراد مرتبہ ذات بحت ہے ورنہ بصورت دیگر اس سے (مقام ومقیم کی) نفی کرنا بے معنی ہے، پس وہ ہمارے لئے لطف وعنایت اور توجہ ومہربانی ہے، اور آخرت سے متعلق ہمارے قول کی طرف رجوع والتفات ہے بلکہ محققین کے قول کی طرف راجع ہے جو یہ ہے کہ کنہ ذات ادراک سے بری

ہے اور اضافات و اعتبارات سے معرا ہے، پس نہ تو اس کی جانب کوئی اشارہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

در افگندہ دف ایں آوازہ از دوست
کز و بردست دف گویاں بود پوست

(دف نے محبوب کی آواز اپنے اندر ڈال رکھی ہے اور اس پر ہاتھ کے پڑنے سے اس کی کھال بول اٹھتی ہے)

نبی صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لا یخالطہ الظنون ولا یصفہ الواصفون (نہ گمان اس تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ واصف اس کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں) ذوالنون مصریؒ نے کہا ہے: التفکر فی ذات اللہ جھل والاشارۃ الیہ شرک وحقیقۃ المعرفۃ حیرۃ (خدا کی ذات کے بارے میں سوچ بچار جہالت اس کی طرف اشارہ کرنا شرک اور اس کی معرفت کی حقیقت حیرت ہے)۔

آفاق روشن و مہ تاباں پدید نیست   پر شور عالمی و نمکداں پدید نیست
از مہر تا بذرہ واز قطرہ تا محیط   چوں گوئی درتردد و چوگاں پدید نیست

(آفاق روشن ہیں، مگر مہ تاباں کا کہیں نشان نہیں اک عالم زخم ہائے نمک پاشیدہ سے مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے مگر نمکدان کا وجود نہیں ذرے سے لے کر آفتاب تک اور قطرے سے محیط تک گیند لڑھکتا پھرتا ہے لیکن اس کو چلانے والے کا کہیں نشان نہیں)

حسین بن منصورؒ نے کہا ہے کہ قبل اس پر سبقت لے جانے بعد اسے طے کرنے ”من“ اسے ظاہر کرنے ”عن“ اس کی موافقت کرنے ”الی“ اس سے قریب ہونے ”فی“ اس میں رچ جانے ”اِن“ اس میں مشورہ کرنے ”فوق“ اسے پناہ میں لینے تحت اسے گھٹانے ”ہذا“ اس کا مقابل بننے ”عند“ اس کی مزاحمت کرنے ”خلف“ اسے پانے ”امام“ اسے محدود کرنے ”قبل“ اسے ظاہر کرنے ”بعد“

اس کی نفی کرنے ”کل“ اسے جمع کرنے ”کان“ اسے موجود کرنے اور ”لیس“ اسے مفقود کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے قدیم ہونے کو حادث ہونے پر اور عدم کو اس کے وجود پر تقدم حاصل ہے۔ اس کی ذات کسی کیفیت کو قبول کرتی ہے اور نہ کسی تکلف کو، اکابرین میں سے کلا باذی نے کہا مخلوقات میں سے خدا کی بہت زیادہ معرفت رکھنے والا اس کے بارے میں سب سے زیادہ حیران ہوتا ہے۔ ابن العربیؒ نے قول خداوندی **وان من شيء الا ليسبح بحمده** کے بارے میں فرمایا کہ بحمدہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع شی ہے کیونکہ کسی کی تسبیح جناب قدس کے شایان نہیں ہوسکتی۔ قونوی (۱) قدس سرہ نے فرمایا ”ذات حق کے بارے میں یہ درست نہیں کہ اس پر کسی قسم کا کوئی حکم لگایا جائے یا اسے کسی وصف سے جانا جائے یا اس کی طرف کسی چیز کی اضافت کی جائے۔ مولوی نے فرمایا ہے۔

حق منزہ است از ہر اسم ونام تو چہ می چفشی بہر اسم اے غلام
ہرچہ گویم عشق را شرح وبیاں چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

صاحب گلشن راز نے کہا:۔

بود اندیشہ اندر ذات باطل
محال محض وآں تحصیل حاصل

حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ بسرہ نے فرمایا میں حیطہ شہود میں آنے والے یا خیال ووہم میں سما جانے والے خدا کو ہرگز نہیں پوجتا میں تو اس لقے کی طلب میں ہوں جو منہ میں نہ سما سکے۔ جس نے اس حقیقت کو پالیا وہی سمجھدار ہے۔ بعض اہل تحقیق نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہ جب فرعون نے ان سے ماہیت حق کے متعلق سوال کیا کہ **وما رب العلمين**؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا رب **السموٰت والارض وما بينهما** کہا کہ یہ حکیم کا اسلوب ہے جبکہ اس سے حق

---

(۱) صدر الدین نام اور کنیت ابو المعالی ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ فقہ و حدیث میں تو یکتائے زمانہ تھے۔ شیخ صدر الدین حمو اور مولانا روم سے خاص روابط تھے۔ ٦٣٠ ھ میں وفات پائی۔

کی ماہیت کے متعلق دریافت کیا گیا جو کہ ناممکن البیان تھی تو انھوں نے ان نشانیوں کا حوالہ دیا جو اس کی ذات پر گواہ ہیں۔

جانہا ہمہ آب گشت و دلہا ہمہ خون
تا چیست حقیقت ز پس پردہ روں

کیا ہی خوب ہے کہ چیست کہا کیست نہ کہا۔

ہمارے اس قول کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول، کے بارے میں آپ نے کہا ہے کہ ''شاید یہ میرے قول صعب الحصول سے مراد لیا گیا ہے۔ ہم اس بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ کے قول سے نہیں بلکہ قول سبحانہ تعالیٰ **ولا یحیطون به علما** سے مراد لیا گیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ نبی کے کلام کو بھی کلام قدسی نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ ولی کے کلام کو ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر تو اس بارے میں کوئی حدیث معتبر موجود ہے تو سر آنکھوں پر ورنہ بصورت دیگر کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اشیاء کی اصل ان کا جائز ہونا ہے احادیث میں حدیث غیر قدسی کو قدسی کہنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں تو قدسی و غیر قدسی دو قسمیں بنا دی گئی ہیں۔ پس غیر قدسی کو قدسی کہنا اس لئے ناجائز ہے کہ دونوں اقسام میں مشابہت واقع ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے مگر جہاں اشتباہ کا خطرہ ہی نہ ہو وہاں کوئی حرج نہیں ہے مزید یہ کہ جب زمین کو ارض مقدسہ اور شہر کو بلدہ قدسیہ کہا جا سکتا ہے تو نبی و ولی کے کلام کو تو بطریق اولیٰ کلام قدسی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ قدس تو اسمائے خداوندی میں سے ہے تو کیا اس کا اطلاق اس کے علاوہ پر کرنا جائز ہے ہمارا جواب یہ ہے کہ قدس تو سرے سے خدا کے مخصوص ناموں میں سے ہے ہی نہیں، اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ اسرائیلیات میں شامل ہو جائے گا، الغرض یہاں پر کوئی وجہ عدم جواز کی موجود نہیں ہے۔

اے عارف باللہ! بلا وجہ بحث و تکرار اور کثرت قیل قال سے وحشت پیدا ہوتی ہے جو نفرت کو دعوت دیتی ہے طویل سے قلیل بہتر ہوتا ہے اور کلام میں اختصار، ایجاز

سے قریب تر ہے ۔

خموشی فیض دیگر میدہد دیوانۂ مارا
چراغ کشتہ روشن می کند ویرانۂ مارا

(مجھ دیوانے کو خموشی ایک اور طرح کا فیض پہنچاتی ہے اور میرا ویرانہ تو بجھے ہوئے چراغ سے روشن ہوتا ہے)

میں آں جناب سے اوقات مخصوصہ میں نیک دعاؤں کا طلبگار رہوں جبکہ میرے حال کی تصویر یہ ہے ۔

ما خود بگرد دامن مردی نمی رسیم
شاید کہ گرد دامن مردی بما رسد

(میں خود تو کسی مرد کامل کے دامن کی گرد کو نہیں پا سکا شاید اس کے دامن کی گرد خود بخود مجھ تک پہنچ جائے)

میں چاہتا تھا کہ اپنے بعض اشعار آپ کے مطالعے کی نذر کرتا مگر یہ ارادہ اس لئے ترک کر دیا کہ کہیں آپ اکتا نہ جائیں لہٰذا ان چار شعروں پر ہی اکتفا کرتا ہوں: ۔

کجا ہر ذرہ دارد تاب حسن بے بیجابش را — کہ باشد چشمۂ خورشید شبنم آفتابش را
نگنجد نشاء حیرت دریں خم خانۂ کثرت — ازیں نہ شیشہ بیروں یافتم موج شرابش را
در خانۂ ما جلوہ گراں رشک چمن شد — ہر خاروخس وگل خن ما برگ وسمن شد
عمریست کہ در حلقۂ زلف تو اسیریم — مجنونِ تراخانہ زنجیر وطن شد

سبحان ربک رب العزت عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین.

محاکمۂ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

جب بات یہاں تک پہنچی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند کلمات محاکمے کے طور پر کئے جائیں واللہ اعلم۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کی نظر میں انبیاء علیہم السلام کا کلام درستگی باطن اور بلند مراتب کے حصول پر مشتمل ہوتا ہے جیسے طہارت، خشوع وخضوع اور ان کی اضداد سے ان کا کلام

مبرا ہوتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے انبیاء علیہم السلام کو ان پاکیزہ مطالب کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے اور ان کی قدر و منزلت اسے کہیں برتر ہے جو وحی کے علاوہ ان سے اشارتاً یا صراحتاً ظاہر ہوتے ہیں بلکہ وہ بسا اوقات مقام احسان (۱) سے فرو آکر عام مومنوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہوئے تبلیغ دین کا کام سرانجام دیتے ہیں تاکہ وہ اس مقام میں لوگوں کے لئے نمونہ ثابت ہوں و ذٰلک تقدیر العزیز العلیم اس لئے صوفیا کا ان کے کلام سے اپنے مضامین یعنی توجہ بذات صرف، فنا، بقا اور توحید وجود وغیرہ پر استدلال کرنا عبارت نص، اشارت وایما اور اقتضا کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ وہ وہی کچھ اختیار کرتے ہیں جو ان نصوص کے ذریعے ان کے قلوب پر مترشح ہوتا ہے۔ اکثر ان کا ذہن ایک چیز سے دوسری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور کسی چیز کے بارے میں کوئی نئی بات کہہ دیتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں مناظرہ و استدلال کرنا مخالف کے لئے فائدہ مند نہیں، اور یہ بھی معلوم رہے کہ مجذوب کہ جس کا جذب مکمل ہو کو جب ذات بحت سے خاص رابطہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر راہ معرفت کے دروا ہو جاتے ہیں، اور ذات بحت کی معرفت کے بارے میں اس کے ذہن میں کچھ آجاتا ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا تو اسے خواہ وصول و حصول کہیں یا ادراک کا نام دیں بہرصورت کاملین کا اس پر اتفاق ہے یہی معرفت ہے، اس کے بعد اس میں جو بھی اختلاف ہوگا وہ لفظی ہوگا۔

شیخ عبدالاحد نے کہا کہ ’’ہم مطلقاً وصول الی الذات کا انکار نہیں کرتے الخ اور شیخ مجدد قدس سرہ العزیز نے شرح الرباعیتین کی شرح میں بھی یہی موقف اختیار کیا، جاننا چاہئے کہ مرتبہ لاتعین میں اگرچہ شہود تجویز کرتے ہیں جبکہ شہود سے اوپر بھی کئی مراتب ہیں کہ جن میں جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ وصول نہیں بلکہ وصول کی دہلیز کا مشاہدہ ہوتا ہے اور وصول کے مراتب اس سے بلند ہیں، چونکہ ہر کسی کا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے بعید نہیں کہ وہ اس کا انکار کر دیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ شیخ کامل سے محبت ذاتیہ کبھی الگ نہیں ہوتی اور اس کی حقیقت مظہر جیسی ہے کہ حقیقت سے واصل ہوتا ہے اور متبوع سے اس کا تعلق ممنوع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا رابطہ متصرف

---

(۱) سلوک میں احسان وہ مرتبہ ہے جہاں سالک آثار اسماء وصفات کو دیکھتے ہوئے خود کو خدا کے سامنے محسوس کرتا ہے، اس کا فروتر درجہ یہ ہے کہ سالک عبادت کے دوران یہ سمجھے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

فیہ کے ساتھ قائم رہتا ہے اور جہاں تک قلق، حزن اور اندوہ کا تعلق ہے تو وہ کامل کے مزاج کے تابع ہیں، مگر اس کی اصلیت سے خارج اگر کامل کے مزاج میں قوت بہیمیہ زوروں پر ہوگی تو یہی محبت ذاتیہ اس کے لئے قلق، عشق اور اندوہ کی صورت میں ظاہر ہوگی اور اگر قوت بہیمیہ اس کے مزاج میں کمزور ہوگی تو خالی الفت اور انسیت کے روپ میں ظاہر ہوگی۔ اور یہ بھی معلوم رہے کہ تمام اہل کمال کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتبہ ذاتیہ تک رسائی کے لئے دو راستے ہیں۔ پہلا راستہ وہ ہے جو براہ راست شاہراہ وجود سے نکل کر آگے بڑھتا ہے اور اسی پر چل کر فی الحقیقت اس مرتبہ ذاتیہ تک سالک پہنچتا ہے۔ یہ راستہ صرف اقطاب ہی کے لئے مخصوص ہے جب کہ دوسرا راستہ متوسط سالکین کا ہے اور یہی اکثریت کی گزرگاہ ہے فی الحقیقت یہ راستہ (مرتبہ ذاتیہ تک) نہیں جاتا اگر صوفیا میں سے کسی نے معرفت ذات کا انکار کیا ہے تو اس سے ان کی مراد احاطہ اور ادراک ہے اور اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں، تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ سارا نزاع لفظی ہے۔ مندرجہ بالا اصولوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد کوئی نزاع باقی نہیں رہتا، مگر چند معقول قسم کے مقدمات پھر بھی باقی رہ جاتے ہیں جو کہ باعث نزاع بن سکتے ہیں۔ مگر انھیں بھی معمولی توجہ کے ساتھ رفع کیا جا سکتا ہے واللہ اعلم عنداللہ۔

ان تمام مباحث کے بعد یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ پانچوں مکاتیب ان کی ابتدائی ملاقات کے زمانے میں لکھے گئے۔ چنانچہ پہلے مکتوب میں سے وہ حصہ جو ان کی ابتدائی ملاقاتوں کی تفصیلات سے متعلق تھا اور جو میں نے چھوڑ دیا ہے اس بات پر دلیل ہے، جب دوسری ملاقات ہوئی اور دونوں شیوخ ایک دوسرے سے قریب آئے اور ایک دوسرے کے مقامات پر مطلع ہوئے تو معاملہ ہی بدل گیا۔ چنانچہ یہ خط جو کہ شیخ عبدالاحدؒ نے حضرت شیخ کی خدمت میں ارسال کیا، اس بات کا بین ثبوت ہے، خط یہ ہے۔

> آپ کا مکتوب، مکتوب رحمانی اور خطاب خطاب منانی تھا جس نے آپ کی طلب کی اس نے واجد کو آپ کے پاس پایا اور جس نے واجد کو پالیا اس نے آپ کو پالیا، اور جس نے خدا سے عشق کیا گویا اس نے آپ سے عشق کیا اور جو آپ سے غافل ہوا وہ اپنے آپ سے بے پروا ہوگیا، ہم آپ کے ہیں، اور اس کے جس نے آپ کو

دوست جاناں میں نے آپ کو احسان سے قریب اور رؤف کا ندیم پایا آپ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس ثروت و امارت کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہے ۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر محبان بادہ پیما را

(جب تو محبوب کے پہلو میں بیٹھا شراب معرفت کے جام لنڈھا رہا ہو تو ایسے میں اپنے ہم پیالہ دوستوں کو بھی یاد کر لینا)

اب کوئی عذر باقی نہ رہا کہ تو تجلی حق کو عشاق کے آئینے میں سمو دے ۔

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائی عالمی خواہی شد

(کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب تو ماہتاب بن جائے گا تو سارا عالم تیری ہی جانب اشارہ کناں ہوگا)

دوسری مرتبہ شیخ عبدالاحدؒ نے یہ دو شعر تحریر کیے: ۔

یار از آغوش دل مے جوشد و دورم ہنوز
صد تجلی ساقی بزم است و مخمورم ہنوز

(محبوب آغوش دل میں جوش زن ہے مگر میں پھر بھی دور ہوں۔ ساقی بزم کی سینکڑوں تجلیاں ہیں اور میں ابھی تک مخمور ہوں ۔

لن ترانی گرچہ یک وادی خرابم کردہ است
ی کند کاشانہ رنگین آتش طورم ہنوز

(اگرچہ لن ترانی نے میری ایک ہی وادی کو ویرانہ بنا دیا ہے مگر میری آتش طور اب بھی کاشانۂ عالم کو رنگین کر رہی ہے)

حضرت شیخ نے اس مکتوب کا جواب یہ تحریر فرمایا:

میرے مخدوم و مشفق! قلب کا معاملہ ایسا ہے کہ جب تک آغوش دل بھول نہ جائے اور تخلی تجلی کی صورت اختیار نہ کر لے اور نہاں خانۂ دل کا کاشانۂ غیرت کی آگ

میں جل نہ جانے مجلّہ حقیقت سے دلھن بے رنگ اپنا جلوہ نہ دکھائے اور دوری مخموری کے حجابات درمیان سے اٹھ نہ جائیں دل پر کام کرنا ابھی باقی ہے۔

وسقاکم ربکم دھاقا لایصدعون بعدھا شقاقا ولا تفترقون فراقا

برنگیرد جہان عشق دوئی
چہ حدیث ست ایں حدیث توئی

نامہ شیخ عبدالاحدؒ

شیخ عبدالاحدؒ نے ایک اور مرتبہ یہ خط لکھا:

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں بنایا اور پھر ہم نے اسے پایا۔ اس نے ہمیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا تو ہم نے اندھیروں کو چھوڑ دیا۔ اس نے ہماری طرف اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا تو ہم نے اس کی اتباع کی۔ اس نے ہمارے لئے کتاب مبین بھیجی تو ہم نے اسے تلاوت کیا۔ اس نے ہمیں اپنے جلال وجمال کی تجلی سے نوازا اور اپنے انعامات ووصال سے مشرف فرمایا۔ اس نے ہمارے وجود کی چوٹی پر برقی تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کردیا اور جب عالم قیود میں ظہور فرمایا تو ہمارے لئے کوئی پریشانی باقی نہ رہی۔ اس نے ہمیں اپنی عظمت کا مشاہدہ کرایا تو ہم ایک عرصے تک حیرانی میں پڑ گئے، ہم نے اس کی معرفت کی شراب پی تو وہ ہمیں راس آ گئی۔ مکاشفہ کی آنکھوں سے ہم نے اس کا دیدار کیا تو اس نے ہم سے محبت کی۔ ہم نے چشم بصیرت سے اس کا مشاہدہ کیا تو ہم اس کے قریب ہو گئے۔ اس نے منزل صفات سے ترقی دیکر ہمیں اپنی ذات تک پہنچایا اور اس نے اپنے کلمات اور کمالات کے حسب شان ہم سے برتاؤ کیا اور پھر اس نے ہمارے ساتھ وہ الطاف وعنایات کیں جو کسی اشارے میں آ سکتی ہیں اور نہ ہی کسی عبارت کے ذریعے ان کی تعبیر ہو سکتی ہے۔

ومن بعد ھذا ما تدق صفاتہ
واکتمہ احظی لدیہ واجمل

اور پیاس باقی ہے یہاں تک کہ پنڈلی پنڈلی سے لپٹ نہ جائے، وعدہ مکمل نہ ہو جائے اور چلنا تھم نہ جائے، اس روز فراق ختم ہو جائے گا اور اسی پر ہمارا یقین ہے، پھر ہم نے کچھ پیش کیا اور کہا اس تمام پر آپ کو وسیلہ بناتے ہوئے پروردگار عالم سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

حضرت شیخؒ نے ان کے جواب میں یہ تحریر ارسال فرمائی:

نامہ شیخ ابوالرضاؒ

تشنگی کا باقی رہنا تشنہ کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور ہجر کا اثر مہجور کے بدستور باقی رہنے کا ثبوت ہے۔ قیود کی نشانیوں کے باوجود فراق کا ہونا تشنگی کی علامت ہے اور تشنگی کا باقی رہنا قائل وجود کے نزدیک وقوف (ترقی کا رک جانا) ہے، پس جیسے معالم قیود پر وقوف میں اطلاق کا تصور نہیں کیا جا سکتا اسی طرح وصال محبوب کے ساتھ فراق کا تصور کرنا محال ہے لہٰذا محدث حمیم کے صفات کے باقی رہتے ہوئے محدث قدیم کی صفات کی طرف ترقی کرنا ناممکن ہے چہ جائیکہ ذات حضرت واجب کی طرف ترقی کرنا، پھر پنڈلیوں کا آپس میں لپٹ جانا اور چلنے وسعی کرنے سے رک جانا کسی کے لئے موعود ہوتا ہے اور کسی کے لئے موجود۔ ارشاد خداوندی ہے کلا یعنی حقیقتاً اذا بلغت التراقی ۔یعنی جب نفس انسانیہ اپنی بلندیوں کی معراج کو پہنچ جائے تو عام امر میں مشاہدۂ جمال الٰہی کے اشتیاق کا یہی نقطۂ عروج ہے اور من راق کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے باطن سے ندا آئے گی کہ ہے کوئی جو مجھے جھاڑ پھونک کرے اور زہر جدائی اور الم شوق سے مجھے چھٹکارا دے۔

لسعت حية الهوى كبدى فلا طبيب لها ولا راق

الا الحبيب الذى شغفت به انه رقيقى وترياق

(محبت کی ناگن میرے کلیجے کو ڈس گئی ہے اب اس کے لئے نہ کوئی طبیب کام آ سکتا ہے اور نہ جھاڑ پھونک والا، بلکہ میرے لئے تو میرا محبوب منتر بھی ہے اور تریاق بھی)

اور قول خداوندی کے اس حصے وظن انه الفراق کا مفہوم یہ ہے کہ بقا بالحبیب کا

پیاسا یہ سمجھے گا کہ جو قلق و اضطراب اس پر طاری ہے وہ دراصل محبوب کے علاوہ ہر چیز سے اس کے جدا ہونے کی وجہ سے ہے۔ والتفت الساق بالساق کا مطلب یہ ہے کہ دنیائے ممکنات کی ساق اور عالم رحمان کی ساق دونوں یکجا ہو جائیں گی یعنی وہ ان دونوں کا ایک ہی وقت میں مشاہدہ کرے گا۔ یہی مقام مشاہدہ ہے اور الی ربک یومئذ المساق کا مفہوم یہ ہے کہ اس روز اسے عالم الٰہی کی حقیقت کی طرف لے جایا جائے گا اور اسے ماءِ زلال پلایا جائے گا جس کے بعد تشنگی وصال باقی رہے گی اور نہ کوئی حد پس اس مقام پر عین، اثر، مخبر اور خبر کا وجود ختم ہو جائے گا اسے سعادت سرمدی سے اس طرح نوازا جائے گا کہ ایک مرتبہ دائرہ انتخاب میں آنے کے بعد اسے حضرت الہیہ سے کبھی دور نہیں کیا جائے گا۔

آسودہ بکام خویش از وصل حبیب
نہ بیم فراق ست و نہ تشویش فراق

(ایسے میں عاشق وصال یار سے اس طرح شادماں و فرحاں ہوتا ہے کہ نہ اسے جدائی کا غم ہوتا ہے اور نہ تشویش فراق)

ایک بار پھر حضرت شیخؒ نے شاہ عبدالاحدؒ کے نام یہ مکتوب تحریر فرمایا:

نامۂ شیخ ابوالرضاؒ

یا منی الی وجہٖ حجی ومعتمدی   وحج قوم الی ترب واحجار
لبیک لبیک من قرب ومن بعد   سرا بسر واجهاراً باجهار

(اے کہ تو ہی میرے لئے حج بھی ہے اور زیارت گاہ بھی جبکہ لوگوں کا حج مٹی اور پتھروں سے عبارت ہے میں حاضر ہوں دور سے بھی اور قریب سے بھی پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی)

اس ذات جل جلالہ کے حسن و جمال کو کیسے لفظوں کا جامہ پہناؤں، اور اس ذات سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وجلال کے بارے میں کیا لکھوں! ایک کو عنایت ازلی سے نوازتا ہے تو دوسرے کو بے پروائی کا سوز عطا کرتا ہے آہ تفاوت راہ تو دیکھو کہ ایک

ہی لو ہے کے دو ٹکڑے جو ایک ہی جگہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک گھوڑوں کا نعل بنتا ہے تو دوسرا بادشاہ کا چہار آئینہ۔

دوہرہ۔

بہت ابھا کی کلسری جاک رہی لورائی
ایک جو پیو کیوں چاہی سوتی لینہ چکائی

ایک مرتبہ حضرت شیخ نے شیخ عبدالاحدؒ کو یہ حکایت لکھی!

حکایت محبت ومحنت

محبت نے محنت کو لوح محفوظ پر دیکھا تو پوچھا تو کون ہے محنت نے جواب دیا میرا نقش تیرے نقش جیسا ہے اور تیرا نقش میرے نقش کی مانند صرف ایک نقطے کا فرق ہے یہاں محبت اور محنت نے باہم پیان باندھا اور کہا جہاں تو ہوگی وہاں میں بھی ہوں گی اور جہاں میں ہوں وہاں تو۔

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم
من جملہ تو بودم ونمی دانستم

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ بیت حکایت سے متعلق نہیں بلکہ مقام محبت میں غلطی یا کوئی نقص رہ جانے پر تنبیہ کے لئے اور وحدت کی طرف ترقی حاصل کرنے کی خاطر لکھا گیا ہے۔

ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

معرفت خاصہ اضافت کے ہٹا دینے اور اپنی انا کو پے در پے انت کے نورانی شعلوں کے ذریعے جلا دینے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

طوارق انوار تلوح اذا بدت
فتظهر كتمانا وتخبر عن جمع

(نورانی ستارے جب نمودار ہوتے ہیں تو چمکتے ہیں، وہ چھپ چھپ کر ظاہر ہوتے ہیں اور تمام کی خبر دیتے ہیں)

اور معرفت خاص الخاص یہ ہے کہ اضافت کا بنظر احدیت مشاہدہ کیا جائے۔

فامطر الكاس نارا من ابارقها　　فأتيت الدور في ارض من الذهب
وسبح القوم لما ان راوا عجبا　　نوراً من الماء في نار من الغب

محمد مرزا سرہندی نے حضرت شیخ کی خدمت میں اشارتاً لکھا کہ حصول حال کے لئے میں نے جو ہلیلہ استعمال کیا تھا اس نے تا حال کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

میری ناقص رائے میں آپ کا مزاج مبارک صفراوی اور حار یابس ہے، جو کہ راہ سلوک پر کامیابی کے ساتھ چلنے کے لئے بہت مفید ہے لیکن بعض رسمی قاعدوں، غلط عقلی تخمینوں اور مخالف طبع سودائی دواؤں کا آپ کے مزاج پر غلبہ ہو گیا ہے جو منزل تک پہنچنے سے باز رکھ دیا ہے۔ حکیم حاذق نہ تھا، اس لئے مرض کی صحیح تشخیص نہ کر سکا، ہلیلہ سیاہ کی بجائے ہلیلہ اصفر دے دیا۔ اس نے صفرا کی حفاظت کی بجائے سودا کو بڑھایا علاج الٹا ہو گیا اور حال مزاج بگڑ گیا۔ جو حاذقان طریقت اور ماہران حقیقت ہیں، وہ نظری اور عملی حکمت کے ساتھ حارۂ یابسہ شربتیں پلا کر خدا کے فضل و کرم سے مزاج کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ کس قدر ظاہر ہے کہ کوئی ظاہر اس کے لئے حجاب نہیں، اور وہی باطن ہے اس کے علاوہ باطن میں کوئی چیز ہی نہیں۔ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مناجات میں فرمایا: اللهم انت الظاهر لا ظاهر فوقك وانت الباطن لا باطن دونك (اے اللہ تو ہی وہ ظاہر ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی ظاہر نہیں اور تو ہی وہ باطن ہے کہ تیرے آگے کوئی باطن نہیں)

توهمت قدما ان ليلى وترقعت
وان لنا في البين ما يمنع اللثما
فلاحت فلا فوالله ما ثم مانع
سوىٰ ان عيني كان من حسنها اعمىٰ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

(اگر کسی کور چشم کو دن کے وقت سورج دکھائی نہیں دیتا تو اس میں آفتاب کا کیا قصور؟)

سرمۂ حقیقت لگانے والے تو سرمۂ عنایت آنکھ میں لگا کر آنسوں کو بینائی بخش دیتے ہیں **انی ابری الاکمه والابرص** ۔ اور یہ لوگ سرمۂ عنایت کا نسخہ صرف بزبان طیور ہی لکھ کر دیتے ہیں، آگے چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے میں یہ لکھ رہا ہوں کہ خدا ہدایت کرنے والا ہے۔ سرمۂ عنایت دو چیزوں سے مرکب ہے ایک ترقیق (باریک کرنا) دوسرے تسحیق (پیسنا)، باریک کرنے سے مراد یہ ہے کہ قلم اعلیٰ حروف عالیات سے ٹکراتا ہے اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں، ظاہر الوجود اور باطن الوجود، باطن آگے دو راستوں پر چل نکلتا ہے تو امر و خلق ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ہر ایک کو اجناس متنوعہ سے نواز دیا۔ ایک کہہ اٹھتا ہے ع

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

(میں نے جام شراب میں رخ محبوب کا عکس دیکھا ہے۔ اے مطرب کہہ دو کہ نظام جہاں اب میری مرضی کے مطابق ہے)

تسحیق سے مراد یہ ہے کہ ظرف ہائے وجود کو ان کے کناروں میں اور اس کے نچلے حصوں کو اوپر والے حصوں میں اس طرح مٹا کر نیست کر دیتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں جو سرمۂ فنائے وجود حاصل ہوتا ہے اسے آنکھوں میں لگا دیتے ہیں، تو اس سے شہود کی بجلیاں چمک اٹھتی ہیں اور نہاں خانۂ دل نور جمال کی تابنا کیوں سے روشن ہو جاتا ہے۔ **واشرقت الارض بنور ربها** اور احدیت ذات کی سطوت کی تجلی طالب کی ہستی کو عالم نیستی کی طرف لے آتی ہے اور **کل شئ ھالک الا وجهه** کا راز ظہور سے جوڑ دیتی ہے۔ ایسے میں ہر شخص اپنی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے اور پھر محمد مرزا، مرزا محمد ہو جاتا ہے۔

جز یکی نیست لقد ایں عالم باز بیں وبعالمش مفروش
گل ایں باغ را توئی غنچہ سر ایں گنج را توئی سرپوش
آں شناسد حدیث ایں دل مست کہ ازیں بادۂ کردہ باشد نوش

(اس عالم کا جوہر ایک کے سوا کوئی نہیں پھر دیکھ لے اور اسے عالم کے ہاتھ مت بیچ
اس چمن کے پھول کا غنچہ تو ہی ہے اور اس خزانے کے راز کا نگہبان بھی تو ہی ہے۔
اس دل مست کی کہانی وہی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ شراب پی ہو)

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ ہلیلہ/اسہال سے مراد وہ سخت ریاضتیں ہیں جو اہل سلوک باطن کو رذائل سے پاک کرنے اور دل کو طرح طرح کی محبتوں اور دنیا کے نقوش سے خالی کرنے کے لئے تجویز فرماتے ہیں۔ ان (مرزا محمد) کا یہ قول کہ ”دستِ اسہال حال روئے نداد“ سے یہ مراد ہے کہ ان اعتکافات اور ریاضات کے باوجود رذائل سے چھٹکارا حاصل نہ ہوا بلکہ خود بینی، غرور اور وسوسوں کی کثرت ان رذائل کی مزید مدد و معاون ثابت ہوئیں، ان کے قول صفراوی مزاج کے ذیل میں یہ جاننا چاہئے کہ صفرا کی خاصیت گرمی، خشکی اور تیزی و سرعت ہے لہٰذا عاشق کہ جس کی طلب میں شدت اور سیر میں تیزی ہوتی ہے اور وہ جری القلب ہوتا ہے اور اس کے ارد گرد علائق کا گزر بھی نہیں ہوسکتا۔ اس کی مثال صفراوی مزاج کی طرح ہے جو شکوک و شبہات قطع علائق میں بزدلی برتنے، نفس کی باتوں، وسوسوں اور شیطانی خیالات و خطرات میں مبتلا ہو اس کی مثال سودائی مزاج کی سی ہے جو اس مفہوم میں صفراوی المزاج ٹھہرا اس کی فطرت وصول کی قابلیت اور صلاحیت رکھتی ہے جبکہ مذکورہ مفہوم کے مطابق جو شخص سودائی مزاج کا ہوتا ہے وہ وصول وحدت سے محروم رہتا ہے، بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی فطرت میں استعداد تو صحیح ہوتی ہے لیکن سودائی مزاج لوگوں کے پاس بیٹھ کر شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے اور خاص کر اہتمام و اعتنائے تام جو کہ انہی شکوک و شبہات کے قبیل میں سے ہیں اور اپنی جگہ کوئی کمال نہیں بلکہ تورع ہے ان کے نفس ناطقہ کا ملکہ بن جاتا ہے یہ

روحانی بیماری ہے جو کہ اعضاء میں بھی ہوتی ہے اور وصول سے رکاوٹ کا سبب بنتی ہے۔ ان کا یہ قول کہ بجائے ہلیلہ اسود کے ہلیلہ اصفر دے دیا، کی وضاحت یہ ہے کہ ہلیلۂ اسود مسہل اخلاط سوداویہ ہے اور وسواس جو کہ سواد کا لازمہ ہے اس کو طبیعت میں بٹھا دیتا ہے اور ہلیلۂ اصفر مسہل صفرا ہے، جو گرمی، حبس اور سرعت کو دور کر دیتا ہے، چونکہ سخت ریاضتیں، نشاط کو دور کر دیتی ہیں، لہٰذا یہ بمنزلہ ہلیلۂ اصفر کے ہیں اور انکشاف توحید چونکہ دافع وسواس ہے۔ اس لئے وہ ہلیلۂ اسود کے مشابہ ہے۔ ائمۂ سلوک کا طریق نشاط، گرمی اور محبت کو باقی رکھنا ہے لیکن یہ تمام ذات کی جستجو میں ہوتے ہیں اور شدید ریاضتوں سے نشاط و گرمی دور ہو جاتی ہے۔

ان کے قول حاذقان طریقت الخ کی توضیح یہ ہے کہ ترتیب سالکین میں صوفیا کے دو مکتب فکر ہیں پہلا مکتب متقدمین کا ہے جس کی تفصیلات امام غزالیؒ (۱) نے یوں فرمائی: ''جب کوئی شخص طبیعت کے تقاضوں سے توبہ کر لے تو اسے خلوت میں بیٹھے، دونوں سے کم آمیزی اور تمام حالات میں مخالفت نفس کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ خود کو اس طرح بناڈالو کہ کوئی مارے یا گالی گلوچ کرے تو تمہارا نفس سر نہ اٹھائے۔ لوگوں کی طرف سے تعریف اور برائی دونوں کو یکساں تصور کرے۔ نوافل اعمال کی کثرت کرے۔ ریا، غرور اور دکھلاوے کے نقصانات کو اچھی طرح سمجھ لے اور ان میں غور و خوض کرے، طعام میں کمال احتیاط برتے اور جہاں اسے معمولی سا شبہ بھی گزرے اسے ترک کر دے اور قیام وقعود، کھانے پینے غرض تمام حالات میں آداب کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور ان تمام

---

(۱) ابوحامد بن حامد غزالی حجۃ الاسلام طوس میں ۴۵۰ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، پھر نیشاپور آ گئے یہاں امام الحرمین ابوالمعالی سے تکمیل کی طویل عرصہ تک تحقیق و بحث اور مطالعۂ فلسفہ میں مشغول رہنے کے بعد ان پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ فلسفہ اور دین ایک دوسرے کی ضد ہیں، آپ نے فلاسفہ کا ان کے دلائل سے خوب رد کیا۔ اسی وجہ سے آپ حجۃ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے پھر آپ تصوف کی طرف آئے۔ تقریباً ساری اسلامی دنیا کا سفر کیا۔ آپ کا شمار اسلام کی مایہ ناز ہستیوں میں ہوتا ہے آپ کی تصانیف میں سے احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت اور تہافتہ الفلاسفہ عالمگیر شہرت کی حامل ہیں۔ آپ نے ۵۰۵ھ میں طوس میں انتقال فرمایا

امور میں نفیاً و اثباتاً کسی نہ کسی طرح روحانی علاج ضرور اختیار کرے۔ جب ان تمام سے پاک ہو جائے تو محبت الٰہیہ کا راستہ اسے دکھا دیا جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں موجود ہے۔

اس سلسلے کا دوسرا مکتب فکر نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ سلسلوں سے متعلق ان متاخرین کا ہے جن کے فیض سے کئی دور فیضیاب ہوتے رہے ہیں، مختصر لفظوں میں اس مکتب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص ان کے ہاتھ پر توبہ کر لے تو اسے افکار و اذکار جو کہ حضور شوق و عشق میں اضافے، توحید، نفی ماسواء، خلق سے قطع تعلق اور طرح طرح کے دیگر علائق سے کنارہ کشی کا سبب بنتے ہیں کے اپنانے کی ہدایت فرماتے ہیں اور فرائض و سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد طالب کو ان اذکار کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول کرتے ہیں اور یہ مشغولیت نہ تو تجلیہ (۱) و نوافل کی ہوتی ہے اور نہ کتب احادیث کی ہدایات سے بڑھ کر طعام محتاط اور نہ آداب معاش وغیرہ کی محافظت کی مشغولیت ہوتی ہے۔

جب سالک بفضل خدا گرامی شوق اور محبت ماسوا کی نفی کی دولت حاصل کر لیتا ہے تو تمام عیوب خود بخود دھل جاتے ہیں۔ خواجہ محمدؒ پارسا نے بھی اپنے رسالہ قدسیہ میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اور جو حار و یابس شربتیں ہیں۔ ان سے مراد یہی اذکار ہیں اور حکمت نظری شیخ کی نگاہ التفات ہے جبکہ حکمت عملی سے مراد ذکر میں سعی و کاوش ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حکمت نظری انکشاف توحید ہے اور حکمت عملی دوام حضور! ان کے قول ترقیق و تسحیق الخ کی تشریح یہ ہے کہ کحل عنایت سے مراد شہود وحدت و کثرت اور وحدت میں شہود کثرت ہے۔ یہ معنی دو طرح سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک تو مبادی کے صورت کثرات میں ظاہر ہونے کی معرفت کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور اس کا نام ترقیق اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ نفس امارہ کو پینے اور کثرت میں موجود ظہور کے لوازمات کی قوت کے ختم ہو جانے کی قوت کا پتہ دیتا

---

(۱) تجلیہ: روح کو کدورات جسدیہ سے جو قالب عنصری کی مجاورت سے عارض ہو گئی ہوں منزہ کرنا اور اسے چمکانا اور جلا دینا تجلیہ کہلاتا ہے۔

ہے، دوسرے یہ معنی وحدت میں کثرت کے آجانے کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسے تحقیق کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ یہ تحصیل اجزاء صرف وجود کے لئے مغائرت ماہیت کے ملاحظہ 'ماہیۃ الماہیات' میں تمام ماہیات کے مندرج ہونے اور وجود الوجودات میں وجودات کے مٹ جانے کی خبر دیتا ہے، واللہ اعلم ان کے اس قول کہ ''ہر کسی از مرزائی خود آگاہی یابد'' کی تشریح یہ ہے کہ ہر شخص حضرت وجود کی حقیقت کی معرفت حاصل کرے۔ ان کے قول کہ ''مرزا محمد گردد'' سے مراد یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام میں جاری وساری ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد مرزا نے دوسری مرتبہ اپنے خط میں یہ شعر نقل کیا ؎

مردم دیدہ تیمّم کردہ از خاک درت
گرچہ در خانۂ خود آب روانی دارد

(مردان دیدہ ور نے تیرے در کی خاک سے تیمّم کو ترجیح دی، حالانکہ ان کے اپنے گھر میں آب رواں موجود تھا)

مکتوب شیخ ابوالرضاؒ

حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا:

مخدوم من! تیمّم طہارت مجازی ہے، جبکہ مردان دیدہ ور تو طہارت حقیقی کے طالب ہوتے ہیں اور درگاہ اہل حقیقت تو خاک مجاز سے پاک ہوتی ہے گویا مردان دیدہ ور نہیں مردان کور دیدہ ہیں، جن کے گھر میں پانی تو موجود نہ تھا اور سراب کو پانی سمجھ بیٹھے۔ اگر انھوں نے آنکھوں کو پانی کیا ہوتا تو پانی دیکھا ہوتا ؎

مردم دیدہ آب باید کرد
خانۂ خود خراب باید کرد

(طالبان وصال کو اس کی طلب میں آنکھیں پانی اور اپنا گھر برباد کر دینا چاہئے)

تا کہ احدیت ذات کا آفتاب اپنے سراپردۂ عزت سے جلوہ گر ہو اور جملہ اشیاء اس کے سامنے لاشیٔ بن جائیں تو راز لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار

آشکارا ہو ؎

آں سرکہ از گوش شنیدیم ز خلقی
از علم بعین آمدہ از گوش بآغوش

(وہ راز کہ جیسے میں نے لوگوں سے سنا وہ علم کے ذریعے چشم اور کان کے راستے آغوش میں درآیا)

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ یہاں یہ اقتباس سوءِادب تھا کیونکہ مردم دیدہ سے مراد روشنی چشم سالک ہے اور مردم دیدہ است یا نادیدہ است سے ان کی مراد یہ ہے کہ کسی انسان کامل کو پہچان کر اس کے کمال کے معتقد ہوئے کہ نہیں، لیکن جو مردان دیدہ در ہوتے ہیں وہ تو درگاہ رب العزت کو حقیقت محض سمجھتے ہوئے شہود کامل کا فائدہ حاصل کر لیتے ہیں لہٰذا یہ سمجھنا کہ انھوں نے تیمّم کیا یہ بات ان کے بارے میں کہی بھی نہیں جاسکتی کیونکہ تیمّم طہارت مجازی ہے اور اگر مرد کور دیدہ ہے یعنی اس نے کامل معرفت صرف ظاہری احوال ہی معلوم کیے تو بدستور حجاب اور اشتباہ میں مبتلا ہے۔ ''اگر پانی کو دیکھا ہوتا'' یعنی انسان کامل کو پہچان لیا ہوتا تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور روشنی دیکھی ہوتی اور اس قدر ناقص الفہم نہ ہوتا، اگر چہ شاعر نے تواضع کی انتہائی صورت یعنی آنکھوں کو خاک در پر رکھ دینے کو اس طرح کا جامہ رنگین پہنایا ہے تاہم ظاہراً اس کا معنی یہ ہوگا کہ کمالات طریقت کو اپنے آباؤاجداد سے حاصل کرنے کے باوجود میں یہ چاہتا ہوں کہ جناب شیخ سے بعض فوائد کا استفادہ کرلوں۔ پس یہاں پر خود بینی مکمل فائدے کے حاصل کرنے میں رکاوٹ بن گئی۔ اس مفہوم کا قرینہ حضرت شیخ کے مکتوب کے آخر میں موجود ہے۔

دوہرہ ؎

جو تو جانی ایک کر جو کے ہو بھی نہ سیکھ
دریں کراپنوں ہو سودا ہی موں لکھ دیکھ

حضرت شیخؒ نے ایک مرتبہ محمد مرزاؒ کے نام یہ والا نامہ صادر فرمایا:

راز ہائے درون کو طشت از بام کرنے کی تڑپ نے خزانوں کے بند دروازے کھول دیئے اور خزانوں کو سارے عالم میں لٹا دیا۔ صبح ظہور نے پہلی سانس لی اور نسیم عنایت محو خرام ہو گئی، عاشق سراب آب حیات کی لہروں میں کھو گیا کمر شوق باندھ کر شاہراہ طلب پر قدم صدق دھرا۔ پہلی بار اس کی چشم بصیرت وا ہوئی تو اس کی نگاہیں اچانک جمال محبوب پر پڑیں تو خود کو محبوب کا آئینہ اور محبوب کو اپنا آئینہ پایا۔

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز　　　کہ حقیقت کند برنگ مجاز
تا بدام آورد دل محمود　　　بطر ازد بشانہ زلف ایاز

(عشق وہ رنگ آمیز مشاطہ ہے جو حقیقت پر مجاز کا رنگ چڑھا دیتی ہے، اور ایاز کی زلفوں کو اس طرح سنوارتی ہے جو دل محمود کو لوٹ لیں)

مکتوب دیگر

حضرت شیخ نے ایک اور مکتوب میں محمد مرزا کے نام حقیقت جامعہ کی زبان میں تحریر فرمایا:

ہوالحی القیوم!

اے میرے مرزا! اور میرے جلال تو میری وحدانیت کی طلب میں ہے جبکہ تو اپنی انانیت کو میری انانیت کے ساتھ شریک کر رہا ہے یہ تو سراسر شرک جلی ہے خفی بھی نہیں، کیا تو میرے غلبے اور قوت سے نہیں ڈرتا اور میری فردانیت سے تجھے حیا نہیں آتی؟ اے مرحوم تو موہوم ہے اور میں معلوم، میں نور ہوں تو ظہور میں حق اور حقیقت ہوں تو مجاز اور طریقت۔ اگر تو یہ چاہے کہ تو تعظیم کرنے والا اور مطلقاً اس کی ذات کی عبادت کرنے والا بنے تو موہوم کو اٹھا رکھ اور معلوم کو قائم کر۔ اور اپنے قلب سیم اور سر قدیم کے ساتھ پکار کہ کسی عیب و ریب کے بغیر ہر زمان و مکان میں وہ نہیں بلکہ میں ہوں، اور میں نہیں صرف وہ ہے، جب دوئی اٹھ گئی تو تم نے عین کو پالیا۔ اگر تو نے اس میں شک کو راہ دی تو تو مریض ہے۔ اگر تو نے تردد کیا تو تو معزول ہے اگر تو نے اپنے ایمان و ایقان کے ساتھ قبول کر لیا تو منظور نظر گردانا جائے گا پس تو شک کرنے والوں اور رد کیے گئے لوگوں میں سے نہ بن۔ میں نے تجھے اپنی رحمت

کے پیش نظر جواب دے دیا لیکن تم میری عظمت سے غافل مت ہونا اور تجھ پر یہ لازم ہے کہ جو کچھ میں نے تجھے اتنا کیا اسے دھتکارے ہوئے انسانوں پر ظاہر نہ کرنا کیونکہ جو راندۂ درگاہ ہو اور خالی کھوکھلا ہوتا ہے اور جس پر رحمت کی گئی ہو وہ واصل ہوتا ہے، اگر تو نے میری بات کو سمجھ لیا ہے تو تجھ پر میری رحمت اور سلامتی ہو۔

ایک اور خط میں حضرت شیخؒ نے لکھا:

اس خدائے کردگار کے نام سے شروع کرتا ہوں جو واحد اور احد ہے، مجھ سے حق اور شہنشاہ مطلق نے فرمایا اے میرے فرد! اور میری رضا! مجھے اپنی قوت و غلبے اور حسن و جمال کی قسم کہ میں احد ہوں مجھ سے وراء کچھ بھی نہیں، اور میں ہی وہ ہوں جو پردۂ خلق میں مخفی ہے، میں نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی ہی ذات سے اپنے ہی اندر اپنے شیون اور صفات ظاہر کیئے اور مخلوقات کو پیدا کیا، میں ہی حق اور حقیقت ہوں، میں ہی ہر چیز کیلئے ذات اور ہر ذی روح کی حیات ہوں، خلق ساری کی ساری میری قدر ہے اور مخلوق میرا امر، جو میرے ساتھ بقا چاہتا ہے وہ میری جلا (۱) کا طالب بنے اور مجھے میرے ذکر لاہوتی کے ساتھ یاد کرے نہ کہ ذکر جبروتی وملکوتی کے ساتھ **وھو لاھو الا ھو** جس نے میرے کلام کو سمجھ لیا اس پر رحمت وسلامتی ہو۔

ایک اور مرتبہ حضرت شیخؒ نے تحریر فرمایا:

وہ بے کیف ہے اور تمام کیف اس کی بے کیفی سے ظہور میں آئے ہیں، وہ بے نمون ہے اور تمام نمون اس کی نمونی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان بلند ہمتوں کی غایت اور ان بلند مرتبوں کی نہایت مزاحمت اغیار کے باوجود اسرار و بواطن میں رہتے ہوئے رفیع الشان ذات کی سرمدی احدیت ہے، چونکہ کثرت کو ذات مقدس میں کوئی راہ نہیں اس لئے حضرت احدیت تک رسائی پانا احدیت طریق کے بغیر ممکن نہیں اور احدیت طریق سے مراد کثرت اعیانیہ کا وحدت صراط مستقیم میں ختم کر دینا ہے اور یہی انبیاء و رسل اور کامل اولیاء کا راستہ ہے، اور نماز پڑھنے والے بھی اپنی نماز کی

---

(۱) ذات میں ذات کے لئے ذات کے ظہور کو جلا کہتے ہیں۔

ابتداء میں اھدنا الصراط المستقیم سے یہی راستہ طلب کرتے ہیں۔ سید الطائفہ جنید قدس سرہ فرماتے ہیں، توحید ایک ایسا معنی ہے کہ جس میں رسوم کمزور پڑ جاتے ہیں اور علوم اس میں ضم ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ازل میں تھا اور بندہ بھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ہونے سے قبل تھا۔

دیدہ ور شو بحسن لم یزلی   کوز غیرت بسوز معتزلی
چہرۂ آفتاب خود فاش است   بے نصیبی نصیب خفاش است

(حسن ابدی کے دیدہ ور بنو اور چشم غیرت کو جلا دو۔ آفتاب کا چہرہ تو خود بے نقاب ہے مگر کیا کیا جائے چمگادڑ کی قسمت ہی میں بے نصیبی رقم ہے)

حضرت شیخ نے شیخ عبدالحفیظؒ جو ان کے خاص دوستوں میں سے تھے، کے نام حسب ذیل مکتوب صادر فرمایا:

یہ سمجھ لیجئے کہ آپ دریائے نور کا ایک بلبلہ ہیں جو جب پھٹتا ہے اور اس سے تو دیکھتا ہے تو خود کو اسی نور کا دریا پاتا ہے اور اسی تصور کو گویا تو دل کی توجہ اور قصد کے ساتھ اپنے اوپر لاگو کرتا ہے، چونکہ قصد و توجہ حالات قلبی کو باقی رکھنے میں کافی موثر ثابت ہوتے ہیں لہٰذا جب قصد ٹوٹ جاتا ہے اور غیر کا خطرہ راہ پالیتا ہے تو فوراً اس خیال کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادہا اور اس نور میں اسم ذات اسم متکلم کے ساتھ صبح و شام مسلسل و متواتر تنہا و تاریک مقام میں اس حیثیت سے موجود رہتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ اور دوسری تمام چیزوں سے بے خبر ہوتا ہے اور اس کے دل کے باب کھل جاتے ہیں تو وہ تمام فرشتوں اور پیغمبروں کو عالم بیداری میں دیکھتا ہے اور ان سے عظیم فوائد کا استفادہ کرتا ہے، یہ فضل خداوندی ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے!

چشم دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید
عین دریا گشت چوں بیدار شد چشم حباب

(جب دل کی آنکھ کھلی تو محبوب کو اپنے اندر موجود پایا اور بلبلہ جب پھٹا تو عین دریا ہوگیا)

ایک بار شیخ عبدالحفیظؒ نے حدیث قدسی ’’قف یا محمد فان اللہ یصلی جو کہ قصہ معراج میں موجود ہے کے بارے میں استفسار کیا حضرت شیخؒ نے جواباً تحریر فرمایا:

میری ناقص رائے میں یہی آتا ہے کہ جب اس قاف معرفت کے سیمرغ نے عالم خلق (۱) وامر کی فضا میں پرواز کی تو عالم کون ومکان کی آخری سرحد پر جا پہنچا آگے اسے حضرت الٰہی کے عالم کی دل لبھا دینے والی فضا دکھائی دی۔ اپنے عزم کی پوری بلندی اور قوت سے اس نے اس فضا میں پرواز کرنا چاہی کہ اسی لمحے خطاب الٰہی ان کے کانوں میں گونجا، قف یا محمد یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم امر کے اس آخری نقطے پر ٹھہر جایئے یہ مقام عبودیت ہے جس میں مشاہدہ رب ہوتا ہے۔ فان اللہ یصلی یعنی وہ تیرے ذریعے دونوں جہانوں کو نبوت ورسالت کی رحمتوں سے نوازنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ رسول خدا اس برزخ میں ٹھہریں تاکہ بارگاہ الٰہیہ سے معارف واحکام کا استفاضہ کرکے عالم خلق وامر (۲) پر مطلع ہوں، تو نے میری چاہت کی جو پاسداری کی وہ تیری اپنی مراد کی پاسداری سے کہیں بڑھ کر میری رحمت کو تیری طرف متوجہ کرتی ہے۔

اريد وصاله ويريد هجري
فاترك ما اريد لما يريد

(میں اس کے وصل کا طلبگار ہوں اور وہ میری جدائی پر آمادہ! اس لئے میں اس کی چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کرتا ہوں)

فاني في الوصول عبيدة نفسي
وفي الهجران مولى للموالي

---

(۱) عالم خلق وہ عالم جو مادہ سے پیدا کیا گیا ہے۔

(۲) عالم امر وہ عالم جو بلا مدت ومادہ حق تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آیا ہو۔

(میں وصال میں اپنے نفس کا بندہ ہوتا ہوں جبکہ ہجر میں سرداروں کا سردار)

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبے اور علو شان کے پیش نظر موزوں ترین بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس برزخ میں عالم الٰہی کی فضا میں پرواز کرنے کے بعد واپس آئے، تو ان سے مذکورہ خطاب کیا گیا اس کے علاوہ اس حدیث کے کئی اور دور از کار معانی بھی بعض متاخر صوفیاء کے مقلدین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق بیان کئے ہیں۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جب وہ شہباز بلند پرواز کثرت اسماء وصفات کی فضا کو طے کر گیا تو مقصورۂ برزخیہ کبریٰ جو مراتب تعینات میں سے پہلا اور حقیقت محمدیہ کے نام سے موسوم ہے پر دم لیا، اس کے بعد اس نے چاہا کہ آگے بڑھ کر حقیقت ذات مجرد کے عالم میں پرواز کرے تو اس سے خطاب کیا گیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس برزخیت کبریٰ میں ٹھہر جایئے جو عارفین کے مقامات کی انتہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھ رہا ہے یعنی وہ اس مرتبہ بلند اور قربتوں کی انتہائی منزلوں میں اپنے کامل بندوں پر رحمت فرما رہا ہے یا ٹھہر جانے کا حکم دے کر ان پر رحمت بھیجتا ہے کیونکہ اس مقام سے ماوراء جانے کا شوق محض تضیع اوقات ہے اور یہ آگے جانے کی طلب ایک ایسی شئی کی طلب ہے جس کا حصول ناممکن ہے یا فان اللہ یصلی کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی عبادت کر رہا ہے یعنی اپنے کمالات ذاتیہ کی ثنا کر رہا ہے اور ان کی طرف متوجہ اور کائنات سے بے نیاز ہے اس کے حریم ذات اور عزت وجلال کی جانب سعی کرنے کا کوئی مقام ہی نہیں۔

تعالیٰ العشق عن همم الرجال ومن وصف التفرق والوصالِ
متی ما جل شی عن خیال یحل عن الاحاطة والمثالِ

(عشق لوگوں کے ارادوں سے بالا ہے اور ہجر و وصال سے بھی میرا جب کوئی چیز خیال میں نہ آسکے تو وہ احاطہ ومثال سے بھی آزاد ہوتی ہے)۔

ایک اور مرتبہ شیخ عبدالحفیظؒ نے محققین کے قول شرط الولی ان یکون محفوظاً اور حضرت جنید قدس سرہ سے جو سوال کیا گیا کہ کیا عارف سے زنا سرزد ہوسکتا ہے؟

تو انھوں نے کچھ دیر سر جھکائے رکھا اور پھر فرمایا و کان امر اللہ قدراً مقدوراً میں موافقت اور مطابقت کے متعلق استفسار کیا تو حضرت شیخ نے یہ جواب لکھا:

دونوں قول، حضرات ثقہ اور اکابر کے صحیح اور متفقہ ہیں ان میں باہم کوئی مخالفت نہیں ہے کیونکہ ولایت تین قسم کی ہوتی ہے ایک ولایت ایمانی، دوسرے ولایت غیر فانی تیسرے ولایت احسانی، ولی ولایت ایمانی و عرفانی کی وجہ سے کبیرہ گناہ سے محفوظ نہیں ہوتا، چہ جائیکہ گناہ صغیرہ سے محفوظ ہو۔ البتہ ولایت احسانی پر پہنچ کر مطلقاً گناہ کبیرہ سے اور دانستہ گناہ صغیرہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

بنائے طریقہ رضائیہ

آپ کے خط مبارک سے منقول ہے کہ طریقہ قدسیہ رضائیہ کی بنیاد ان دس کلمات پر ہے (۱) تنزیہ مقصود (۲) تفرید ہمت (۳) تجرید توحید (۴) مطالعۂ جمال (بلحاظ انفس و آفاق واطلاق) (۵) فنائے لاہوتی (۶) بقائے ہاہوتی (۷) ذکر اجتماعی (۸) جہر و اخفاء کے درمیان جمع (۹) حد مع الاصفیاء (۱۰) ابتداء و انتہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف، بعض مسودات میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر کے سلسلے میں آپ کے خط مبارک سے منقول کہ با کا تعلق مقدر عام یعنی وجود سے ہے اور اسم سے مراد تجلی ذات ہے، صفات میں سے کسی صفت کے ذریعہ، اور اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے جو بنفسہ موجود ہو اور تمام صفات کمال کی جامع ہو ہر قسم کے نقصان سے پاک ہو۔ الرحمٰن الرحیم دونوں اسم لفظ رحمت سے ماخوذ ہیں تفضل و احسان کے معنی میں ہیں۔ اول یعنی رحمٰن بلحاظ فیض اقدس کے ہے جس کی بدولت صور عظیمہ یعنی حقائق و ماہیات مع اپنی استعداد کے حصول پذیر ہوتی ہیں اور دوسرا یعنی رحیم اس فیض مقدس کے اعتبار سے ہے جس کی بدولت ماہیات خارجیہ معہ اپنے لوازم و توابع کے حاصل ہوتی ہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالی حقائق و ماہیات کی فیض رسائی، اولا درجہ علمیہ میں فرماتے ہیں اور پھر اس کے بعد اپنے وجود خارجی کا فیضان فرماتے ہیں، لہٰذا رحمٰن و رحیم دونوں لفظ اسم کی صفتیں ہوئیں یا دونوں اس کا بدل یا عطف بیان ہیں یا ھو مبتدائے مقدر کی یہ دونوں خبریں ہیں جس کا مرجع لفظ اسم ہے اور یا یہ دونوں رحمٰن رحیم لفظ اعنی مقدر کے مفعول ہوں گے جو بیان کا فائدہ دیں گے۔ اور لفظ اللہ کے متعلقات میں یہ دونوں اسم نہیں ہوں گے کیونکہ رحمٰن و رحیم علیحدہ ذات نہیں ہیں اور معنی یہ ہوئے کہ ہر چیز کا وجود

ظہور ذات الوجوب کا طفیل ہے۔

تفسیر فاتحہ

الحمد للہ کی تفسیر کے سلسلہ میں تحریر ہے کہ حامدیت ومحمودیت، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔ چنانچہ مرتبہ جمع الجمع میں اللہ نے اپنے کمالات نفس اپنی ذات پر، مرتبہ غیب ومعانی میں تجلی اول وثانی کے ساتھ ظاہر فرمائے۔ اور شئون واعتبارات اولاً اور حقائق الٰہیہ کونیہ ثانیاً ظاہر فرمائے ہیں اور بہر حال مرتبہ جمع فرق میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فیض مقدس کے ذریعہ اپنے نور وجود کے فیضان سے حقائق پر ان کی موجودہ استعدادات اور ذیلی کمالات کو ظاہر فرمایا ہے اور بہر حال مرتبہ ''فرق جمع'' میں موجودات روحانیہ، مثالیہ، حسیہ، اللہ تعالیٰ کے کمالات ذات وصفات وافعال کو قولاً فعلاً حالاً ہر طرح ظاہر کرتی ہیں اور بہر حال مرتبہ فرق در فرق میں تمام مظاہر خلقیہ اور مواقع کونیہ بھی اگرچہ قولاً فعلاً حالاً بحسب الظاہر اپنے کمالات ظاہر کرتے ہیں لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنی تعریف فرما رہے ہیں۔ نیز جمال ہانسوی کے کلمات مرقوم ہیں کہ اغیار کی عقلیں، اخیار کے احوال میں گم ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ ابرار کی عقلیں اخیار کے اسرار میں گم ہیں اور اخیار کی عقلیں احرار کے اسرار میں گم ہیں۔

نیز مرقوم ہے کہ وجود کے یہ معنی ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کا وجدان تمہاری ذات میں متجلی ہو جائے اور تم نیست اور وہ ہست ہو جائے پس بندہ پہلے کی طرح نیست اور حق ہمیشہ کی طرح ہست رہے۔ نیز مرقوم ہے کہ فقیر کہتا ہے توحید تفرید لطیف کا نام ہے جس میں امور نسبیہ اور اضافیہ کی انانیت نہ ہو۔ نیز لکھا ہے کہ محققین فرماتے ہیں کہ عجز نام ہے اہل نہایات کی انتہا کا اور ترقی غایات کی غایت کا کہ کسی کامل کے لئے اس سے زیادہ پستی نہ ہو اور اس کے کسی مکمل کے لئے بلندی نہ ہو اور وہ عجز مذموم نہ ہو جس کی طرف مجوبین کا ذہن جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے انتہائے کمال کا نام ہے۔ جو مقام حضوری میں ادراک ازلی حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے اور وہ مقام ادنی ہے۔ لیکن اس ادراک کی رسائی کا عجز محقق ہو گیا چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ادراک کی نارسائی ادراک ہے نیز مرقوم ہے کہ کمال مطلق ولی کا وہ مقام ہے جس میں اسے حقائق اشیاء تمام وکمال عنایت کی جاتی ہیں لہٰذا وہ آن واحد میں تمام صفات ربوبیت اور اوصاف

عبودیت کے ساتھ متصف رہتا ہے۔ نیز مرقوم ہے کہ فنا لوازم بشریت کے فقدان کو کہتے ہیں خواہ ان کے علم کا ذہول ہو یا ان کے انعدام کا علم ہو یا حال حقیقی ہو اور فنا کے نو مراتب ہیں اول ذہول یعنی اہل حجاب کو ذکر حق میں مستغرق ہونے کے وقت، اور اہل کشف کو انوار جمال کے بروز ہونے پر اپنے نفس کا شعور نہیں رہتا۔ دوسرے ذہاب یعنی افعال حق کے مشاہدہ میں بندہ کے افعال کا اس طرح ختم ہو جانا جیسے قلم کی حرکت ہاتھ میں گم ہو جاتی ہے۔ اس سے ترقی کر کے تیسرا درجہ سلب ہے کہ صفات حق کے سامنے صفات خلق ناپید ہو جائیں چوتھے اصطلام ہے کہ ذات حق کے سامنے بندہ اپنی ذات کو فنا سمجھے۔ پانچویں انعدام یعنی فناء الفناء کا مرتبہ ہے جس میں فنائیت کا احساس بھی نہ رہے، چھٹے مستحق ہے یعنی نفس کی اچھائی ختم کر کے بلا تامل صفات الٰہیہ قبول کر لے جس طرح اپنے نفس کی صفات قبول کر رکھی تھیں۔ تحقق باللہ کا یہ پہلا مقام ہے۔ ساتواں مرتبہ محق ہے جس میں بندہ کی جسمانیت وروحانیت حدوحصر ختم ہو جاتی ہے، آٹھویں طمس ہے یعنی انسانی طبعی اور عادتی تقاضے خواہ ظاہری ہوں یا باطنی سب ختم ہو جائیں کہ انتہائی بھوک اور دائمی بیداری وغیرہ بھی اس کو متاثر نہ کر سکیں۔ نواں درجہ محو ہے یعنی آثار حقیقیہ ظاہر ہو جانے سے تمام آثار خلقیہ مٹ جائیں، ان میں سے پہلے پانچ مراتب اہل فنا کے لئے مخصوص ہیں اور آخری چار اہل بقا کے لئے مختص ہیں اور بقاء وہ صفت الٰہیہ ہے کہ بندے فنائے نفس کے بعد اس سے متصف ہو سکتا ہے۔

فرائض ولایت کبری

حضرت موسیٰ نے رسالہ اصول الولایۃ میں بسلسلۂ تفسیر آیت کریمہ یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله و ابتغوا الیه الوسیلة تحریر فرمایا ہے کہ ولایت کبری کے فرائض چھ ہیں۔ بالترتیب چار شرائط ہیں۔ اول دلی تصدیق اور زبانی اقرار کے ذریعہ ایمان دوسرے ماموارت کے اکتساب اور ممنوعات کے اجتناب کے ذریعہ تقوی تیسرے شیخ طریقت کی طلب جس کو وسیلہ کہنا چاہئے کہ وصول دوست کی راہ اس سے عیاں ہو جاتی ہے۔ چوتھے جہاد ارشاد، انانیت کے فناء کرنے اور اثبات نبوت کے لئے۔ خود سے رستگاری دور کرو اور بقائے شہود دوست میں گرفتار ہو جاؤ کہ فلاح یہی ہے اور ولایت کبری اسی کو کہتے ہیں۔

تربیت سالک

اسی رسالے میں لکھتے کہ مرید صادق جب خلوت میں جائے تو اول اپنی خودی سے نکل کر غسل کامل کرے۔ اور مصلیٰ اور پاک کپڑا ہونا چاہئے جو پاکیزگی کی خدمت کے لائق ہو اور توجہ الٰہی کے ساتھ دوگانہ توبہ ادا کرے۔ اور خالق ومخلوق کے حقوق کی ادائیگی کو اپنی نجات سمجھے۔ تضرع وزاری کے ساتھ گوشہ نشین ہو جائے، جمعہ وجماعات کا تکبیر تحریمہ کے ساتھ اہتمام رکھے اور نماز سے فراغت کے بعد پھر خلوت گزیں ہو جائے۔ اور میل جول سے پرہیز رکھے۔ اور ادھر ادھر نہ دیکھتا رہے اور مخلوق سے نظر اٹھا لے اور لذت نفس سے دامن کش ہو جائے۔ آمد ورفت کے وقت بھی غافل نہ رہے۔ اس شان کی اگر خلوت نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ذکر ومراقبہ اور ہمیشہ باوضو رہے اور شکستگی کو مضبوط تھام لے اور سستی سے خود کو نوافل وتلاوت، درود واستغفار سے فارغ نہ رہنے دے، اگر کسی وقت کسل ہونے لگے تو تازہ وضو سے تازہ دم ہو جائے اور کسی وقت غلبہ ہونے لگے تو سو جائے تاکہ وسوسہ میں گرفتار ہو کر معصیت میں مبتلا نہ ہو جائے، دن رات کے تہائی حصہ میں سونا چاہئے تاکہ جسم اضطراب سے محفوظ رہے۔ چھ گھنٹے رات میں اور دو گھنٹے دن میں سونا چاہئے اور دن رات کی کمی بیشی کے حساب سے یہ مقدار پوری کر لینی چاہئے سونے کی تہائی مقدار کو آہستہ آہستہ کم کرتا چلا جائے اور غروب آفتاب سے پہلے کامل طہارت کے ساتھ مصلیٰ پر روبقبلہ ذکر ومراقبوں میں رہ کر نماز مغرب کا انتظار کرے۔ اور مغرب وعشاء کے درمیان ذکر، نماز ومراقبہ مسلسل رکھے قلب کی نورانیت کے لئے یہ نہایت موثر ہے صبح ہونے کے بعد یہ چاروں دعائیں پڑھنی چاہئیں تاکہ دنیا میں مستغرق ہونے سے اور نفس وشیطان کے شر سے محفوظ رہ سکے۔

(۱) اللھم یا رب انت الله عالم وانا عبد جاھل اسئلک ان ترزقنی علما نافعا حتی اعبد بعلمک والا ھلکت.	اے اللہ اے پروردگار آپ اللہ عالم ہیں اور جاہل بندہ ہوں میں، آپ سے علم نافع کی استدعا کرتا ہوں تاکہ آپ کی عبادت آپ علم کے مطابق کرسکوں ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا۔

(۲) یا رب انت اللہ قوی وانا عبد ضعیف اسئلک ان تحفظنی حتی لا اسأل من سواک کفاف الدنیا والا ھلکت۔	اے پروردگار آپ اللہ قوی ہیں اور میں ضعیف بندہ ہوں میں آپ سے اپنی حفاظت کی استدعا کرتا ہوں تاکہ میں آپ کے سوا کسی سے دنیا کی روزی نہ مانگوں ورنہ ہلاک ہوجاؤں گا۔
(۳) یا رب انت اللہ قوی وانا عبد ضعیف اسئلک ان تعیننی حتی اغلب الشیطان بقوتک الا ھلکت۔	اے پروردگار آپ اللہ قوی ہیں میں عاجز بندہ ہوں میں آپ سے مدد کی استدعا کرتا ہوں تاکہ آپ کی طاقت سے شیطان پر غالب آسکوں ورنہ ہلاک ہوجاؤں گا۔
(۴) یا رب انت اللہ قادر، وانا عبد عاجز اسئالک ان تجعلنی قاھرا علی نفسی حتی اقھرھا بقدرتک والا ھلکت۔	اے پروردگار آپ اللہ قادر ہیں اور میں عاجز بندہ ہوں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ مجھ کو میرے نفس پر اپنی قدرت سے غالب رکھئے ورنہ میں ہلاک ہوجاؤں گا۔

اس کے بعد دو رکعت سنت الفجر گھر میں پڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سنت اور نماز فجر کے درمیان اکتالیس مرتبہ یا قیوم یا حنان یا منان بدیع السموات والارض یا ذالجلال والاکرام لاالٰہ الا انت اسئالک ان تحیی قلبی بنور معرفتک یا اللہ یا اللہ یا اللہ پڑھے گا تو سارے دل بھی اگر مر جائیں تو اس کا دل زندہ رہے گا اور ایمان سلامت رہے گا۔ اور جماعت نماز کی نیت سے جب گھر سے باہر نکلے تو بسم اللہ وباللہ والی اللہ والتُکلان علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے اور جب مسجد کے قریب پہنچے تو پڑھے اللھم عبدک ببابک مذنبک اتیجہ الیک ممن سواک یستغفرک ویطلب رضائک ان لم تفتح ابواب فضلک فای باب سؤأباب۔ الٰہی آپ کا یہ بندہ آپ کے در پر آیا ہے اپنے گناہوں کے ساتھ در پر حاضر ہے سب سے کٹ کر آیا ہے آپ سے استغفار کرتا ہے آپ کی رضا کا طالب ہے، آپ نے اپنے فضل کے

دروازے نہ کھولے تو پھر کونسا دروازہ ہے، داہنا پاؤں مسجد میں رکھتے ہوئے کہے **بسم اللہ والحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علٰی رسول اللہ**، اور مسجد میں داخل ہو کر **اعوذ باللہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم** پڑھے تو شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا اور مسجد کے اندر پہنچ کر سلام کرے اور اگر مسجد میں کوئی نہ ہو یا نماز میں مشغول ہوں تو **السلام علینا وعلٰی عباد اللہ الصالحین** کہے۔ ادائے نماز کے بعد اپنی جگہ بیٹھ کر رو بہ قبلہ ذکر و مراقبہ میں پوری طرح مشغول ہو جائے ایسے میں سونا نہایت ہی مکروہ ہے اگر نیند کا غلبہ ہو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ذکر سے اس کو دفع کر دے۔ جب سورج ایک دو نیزہ بلند ہو جائے تو دوگانہ بہ نیت شکر ادا کرے۔ اس کے بعد مسجد میں یا کسی اور جگہ خلوت میں ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو جائے اور چوتھائی دن گزر جائے تو چار رکعت نماز چاشت ادا کرے اور اگر تعلیم و تعلم یا اور کوئی ضروری ہو کام تو بقدر ضرورت اس میں مشغول ہو جائے ورنہ تازہ وضو کر کے ذکر و مراقبہ کرے کھانا اگر موجود ہو تو کھالے اور کھاتے وقت زبان ذاکر اور دل حاضر رہنا چاہئے، اس کے بعد وضو تازہ کر کے ذکر کے ساتھ قیلولہ کرے اور زوال آفتاب سے پہلے بیداری کو غنیمت سمجھے اور زوال کے وقت طہارت کاملہ کے ساتھ قبلہ رو مصلّٰی پر ذاکر و مراقب ہو جائے اور پھر زوال کے بعد چار رکعت نماز زوال پڑھے اور بعد نماز ظہر اگر کوئی ضروری کام، زیارت یا عبادت یا عیال کی تعلیم و پرسش احوال کا ہو بقدر ضرورت اس میں مشغول ہو جائے اور فوراً فراغت کے بعد استغفار کرے کہ نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک کوتاہیاں شمار ہوتی ہیں تکمیل طہارت کے بعد نماز عصر کی تیاری کرے اور نماز عصر کے بعد ذکر و مراقبہ میں مصروف رہے۔

عمر برف ست آفتاب تموز
اندکے ماندہ خواجہ غرہ ہنوز
عمر برف کی طرح ہے دھوپ اسکو پگھلا رہی ہے
اے خواجہ رات آنے میں تھوڑی دیر رہ گئی ہے
دل گفت مرا علم لدنی ہوس ست
تعلیم کن دگرت بدیں دسترس ست
مرے دل کو علم لدنی کی ہوس ہے
تعلیم کرو گر تمہیں اس پر دسترس ہے
گفتم کہ الف گفت دگر ہیچ مگو
در خانہ اگر کسے ست یک حرف بس ست
میں نے کہا الف کہنے لگا کہ ذکر کچھ مت کرو
گھر میں اگر کوئی آدمی ہے تو اس کیلئے ایک حرف کافی ہے۔

شیخ ابوالرضاؒ کا سفرِ آخرت

شیخ محمد مظہر رہتکیؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موصوف اوائل عمر میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر پچاس ساٹھ کے درمیان ہوگی آپ کی عمر پچاس سے اوپر ہوگئی تو مجھے ہمیشہ اس کا خطرہ ہونے لگا۔ جب پچپن سال کی عمر ہوئی تو مجھے کسی تقریب کے لئے رہتک جانا پڑ گیا رخصت کے وقت میں نے اس بارہ میں دریافت کیا تو مسکرا کر اس معاملہ سے پہلو تہی کرلی اور فرمایا کہ تمہیں اپنے وطن چلے جانا چاہئے اور اس خطرہ کی فکر نہ کرو۔ بالآخر موصوف کی بات پوری ہوکر رہی گلشن شاعر سے میں نے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ حضرت موصوف کی حیات میں ایک روز شیخ عبدالاحدؒ آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائے میں بھی شیخ کے ہمراہ تھا شیخ جب اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ خلاف عادت چارپائی پر تشریف فرما ہیں اور اہل مجلس پائنتی حاضر خدمت ہیں شیخ کو جب دیکھا تو مسکرائے اور بشاشت کے ساتھ ملاقات کی اور اپنی چارپائی پر بٹھالیا کچھ دیر صحبت رہی مگر کوئی بات چیت نہیں ہوئی معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا دل سب علائق سے یکسو ہوگیا اور کمال وارفتگی میں بات چیت کی طرف دھیان نہیں تھا۔ شیخ وہاں سے اٹھ گئے اور چونکہ حضرت موصوف کے اہل خانہ سے شیخ کی قرابت تھی اس لئے حضرت ان کو اندر لے گئے اور اسی طرح بغیر گفتگو کے ایک گھنٹہ صحبت رہی پھر موذن نے مغرب کی اذان پڑھی تو شیخ فخر العالم صاحبزادہ خوردؒ نے عرض کیا کہ اذان ہوگئی باہر چلنا چاہئے۔ اس پر حضرت موصوف نے یہ نکتہ فرمایا۔ کہ بابا ابھی تک اندر باہر کا فرق باقی ہے اور یہ فرمانا کہ باہر تشریف لے آئے اور مسجد میں نماز ادا کی شیخ عبدالاحدؒ اس صحبت کے بعد فرمانے لگے کہ حضرت موصوف اس ہیئت سے بیٹھنے پر مامور تھے اور گویا وفات قریب آچکی تھی اور رفیق اعلیٰ کی طرف سے بلاوا غالب آگیا تھا اور کچھ دیر کے بعد حضرت کی رحلت ہوگئی مریدین کی ایک جماعت نے ذکر کیا کہ حضرت موصوف کچھ سست ہورہے تھے اور دو تین روز سے کھانے کی رغبت نہیں رہی تھی اور دل مبارک میں بے تعلقی ظاہر ہورہی تھی کسی طرف دھیان نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد نماز عصر کے لئے مسجد میں جانا چاہا تو اہل خانہ سے رخصت ہوئے اور نماز عصر کے خواجہ نقشبندؒ کی

مقامات طلب فرما کر کچھ حصہ پڑھا۔ مریدین میں سے کسی نے پان پیش کیا۔ ایک دو مرتبہ اس کو چبایا اور خندان اور فرحان ہوتے ہوئے پہلو میں تکیہ لگالیا اسی حال میں حضرت موصوف کی روح پرواز کر گئی۔ اس وقت مخدومنا سید حضرت شیخ عبدالرحیم قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ مریدین ان کو لانے کے لئے دوڑے اور بعض کو یہ گمان ہوا کہ غشی ہوگئی ہے۔ ان کو اٹھا کر زنان خانہ کے دروازہ کی طرف چلے، اسی حال میں شیخ عبدالرحیمؒ دریافت حال کرنے لگے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی یہ واقعہ ۱۷ محرم الحرام ۱۱۱ھ کو پیش آیا بعض یاران طریقت نے آفتاب حقیقت سے تاریخ نکالی ہے رضی اللہ عنہ وارضاہ وجعل اعلی الفردوس مثواہ جو کچھ ہم نے حضرت مخدومنا وسیدنا الشیخ ابوالرضا محمد کے احوال کرامت مآل کو جمع و تالیف کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ اختتام پذیر ہوا والحمدللہ اس کے بعد انشاءاللہ تیسری قسم ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے اجداد اور مشائخ کے حالات

اس فقیر کی نسبت قرابت یا تلمذ کی جن سے ہے وہ پانچ فصل پر مشتمل ہے۔ الحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات وعلی فضله العول فی جمیع الحالات وبسم الله الرحمن الرحیم وصلی الله علی سیدنا محمد و آله وصحبه اجمعین.

اما بعد فقیر ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم کان الله لهما فی الآخرة و الاولی۔ کہتا ہے کہ یہ چند ورق اس فقیر کے اجداد کے بعض احوال کے بیان میں ہیں اور امداد فی مآثر الاجداد کے نام سے موسوم ہیں حسبنا الله ونعم الوکیل مخفی نہ رہے کہ اس فقیر کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اس تفصیل کے ساتھ فقیر ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم...... بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی بن قادن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ھامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔ رہتک کے پرانے نسب ناموں میں اور شاہ ارزانی مداونی کے قبیلہ میں بھی جن کا نسب سالار حسام الدین بن شیر ملک تک پہنچتا ہے جو موجود ہیں ان میں بھی ایسے ہی پایا جاتا ہے اور قدیم زمانہ میں لفظ ملک تعظیم کے لئے ایسے ہی استعمال ہوتا تھا جیسے ہمارے زمانے میں خان کا لفظ ہے۔ و الله اعلم بحقیقة الحال.

مخفی نہ رہے کہ رہتک میں ہمارے اجداد میں سب سے پہلے شیخ شمس الدین مفتیؒ نے اقامت اختیار کی۔ اور رہتک ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک قصبہ ہے، دلی سے تیس کوس مغربی جانب۔ شروع میں جب ہندوستان فتح ہوا اور سادات وقریش بڑی تعداد میں یہاں آباد ہوئے تو کوئی شہران اطراف میں رہتک سے زیادہ آباد اور بارونق نہیں تھا۔ زمانہ دراز کے بعد آبادی اور رونق میں کمی آنی شروع ہوگئی اور یہ بزرگ عالم وعابد تھے اور اس شہر میں سب سے پہلے قریش نژاد

یہی آئے تھے ان کی بدولت شعائر اسلامیہ ظاہر ہوئے۔ اور کفر کی طغیانی مدھم پڑی۔ منجملہ ان کے عجائب روزگار کے ایک بات بعض یہ ذکر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ ان کا جنازہ نماز کے بعد اس مسجد میں رکھا جائے جہاں وہ عبادت و اعتکاف کرتے تھے اور کچھ دیر اسے خالی چھوڑ دیا جائے پھر اس کے بعد اگر جنازہ پایا جائے تو اس کو دفن کر دیا جائے ورنہ لوگ واپس آ جائیں۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا مگر کچھ دیر بعد دیکھا تو جنازہ کا نشان نہیں پایا گیا۔ حضرت والد بزرگوار قدس سرہ اس حکایت کی تائید فرمایا کرتے تھے۔ سلسلۂ چشتیہ کے اس زمانہ کے بعض مشائخ کے احوال کی کتابوں میں میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے کہ ہر چند ان بزرگ کا نام وہاں متعین نہیں ہے بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی معزز مسلمان اگر ایسے شہر میں پایا جاتا تو شہر کے قضاء احتساب افتاء کی سیادت اسی کے حوالہ ہو جاتی تھی بغیر اس کے کہ اس کو قاضی یا محتسب کے نام سے یاد کیا جائے واللہ اعلم۔، پھر ان بزرگ کی وفات کے بعد ان کی اہم ترین اولاد میں سے کمال الدینؒ مفتی ہوئے ہیں اسی طرز پر یہ کام ان کے حوالے ہو گئے، پھر ان کے بعد ان کے صاحبزادے قطب الدینؒ پھر ان کے صاحبزادے عبدالملکؒ اسی طرح مقرر ہو گئے اور ان حضرات کے بعد پھر قاضی مقرر کرنا اس شہر کا دستور ہو گیا۔ عبدالملکؒ کے صاحبزادہ قاضی بدہؒ نے ریاست موروثہ کی حفاظت کے لئے صیغۂ قضاء کو اختیار کیا۔ ان کے دو فرزند ہوئے ایک قاضی قاسمؒ کہ اپنے والد کے جانشین ہوئے ان کی وفات کے بعد اور دوسرے متکن جن کے لڑکے یونس نامی ہوئے اور قاضی کے بعد ان کے دو فرزند ہوئے، ایک قاضی قادنؒ جو اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ رئیس شہر تھے بظاہر ان کا نام عبدالقادر یا قوام الدین ہوگا۔ ہندوؤں کے بولنے میں بدل کر قادن ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ دوسرے فرزند کمال الدینؒ ہیں ان کے بعد ان کے ایک فرزند نظام الدین نام کے ہوئے۔ اور قاضی قادنؒ کے بعد ان کے دو فرزند ہوئے۔ شیخ محمود اور شیخ آدمؒ جو بھائی خاں سے مشہور تھے۔ ان کی نسل سے شیخ محمود باقیؒ تھے جو کہ اپنے خاندان میں بڑے سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے کسی وجہ سے منصب قضاء اختیار نہیں کیا بلکہ سلطنت کے کام میں مشغول ہو گئے اور زمانہ کے سرد و گرم کو آزمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ انکی نانیہال صدیقیان رہتک میں سے تھی ان کی شادی سادات سون پت کی دختر فریدہ سے ہوئی اور ان سے شیخ احمد متولد ہوئے شیخ احمد بچپن

میں رہتک سے نکل گئے اور شیخ عبدالغنیؒ بن شیخ عبدالحکیم کے ساتھ نشو ونما پائی انھوں نے اپنی صاحبزادی سے شادی کر کے مدت تک ان کی تربیت فرمائی اس کے بعد رہتک آ کر بیرون قلعہ مکان تعمیر کیا جس میں اپنے اعوان اور خدمت گاروں کو اپنے ساتھ رکھا۔ شیخ احمد کے بعد ان کی اولاد میں بس دو فرزند رہے ایک شیخ منصورؒ جو شجاعت علم وغیرہ صفات کے جامع تھے۔ انھوں نے پہلی شادی شیخ عبداللہؒ بن شیخ عبدالغنی کی دختر سے کر لی تھی جو ان کے ماموں بھی تھے۔ ان سے دو فرزند شیخ معظمؒ اور شیخ اعظمؒ پیدا ہوئے۔ پھر اسی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی کی جس سے شیخ عبدالغفورؒ اور شیخ اسماعیلؒ پیدا ہوئے۔ دوسرے شیخ حسین جو خوشحال اور صاحب حیثیت تھے انکے دو فرزند ہوئے محمد سلطان اور محمد مراد، حضرت والد بزرگوار نے محمد مراد کو دیکھا تھا اور ان کی طاقت، قوت کے عجائبات کا مشاہدہ کیا تھا۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ اسی سال کی عمر میں انھوں نے دینار (اشرفی) کو اپنے انگوٹھا اور انگشت شہادت سے مسل کر دوہرا کر دیا تھا۔ وہ جب والد صاحب کو بچپن میں دیکھتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ اس لڑکے کو دیکھ کر مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے دادا شیخ معظم کے دیکھنے سے ہیبت معلوم ہوا کرتی تھی۔

ان اوراق کی علت غائیہ یہ ہے کہ اس سے واقف ہونے والا ضروری نسب پر مطلع رہے جس کا صلۂ رحمی سے تعلق ہو رسول اللہ کا ارشاد ہے۔

وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نسب
تعلموا من انسابكم ما تصلون به	کا وہ حصہ معلوم رکھو جس سے صلۂ رحمی کر سکو
ارحامكم فان صلة الرحم محبة في	کیونکہ صلۂ رحمی سے رشتہ داروں میں محبت
الاهل مثراه في المال منشاة في	مال میں برکت اور اثرات میں مضبوطی آتی
الاثر	ہے۔

اس فقیر نے شیخ عبدالغنی مذکور کے پوتے سے سنا ہے کہ شیخ عالم ومتقی تھے اکبر بادشاہ ان کی بڑی عزت کرتا تھا اور جب سے بادشاہ الحاد وزندقہ میں مبتلا ہوا تو ان کا باہمی رشتۂ الفت بھی ٹوٹ گیا اور دونوں طرف سے مکمل نفرت ہوگئی ایک مدت بعد بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آ گئی مسلسل افواج وہاں بھیجی جاتی رہی مگر فتح نہیں ہوئی۔

امام ناصر الدین کی روحانی امداد

اس ولایت میں امام ناصر الدین شہید بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما کے مزار کے معتکفین میں سے بعض نے بحالت بیداری دیکھا کہ ایک رئیس مع جماعت کے ہتھیار بند ہو کر آ رہے ہیں اور ان کے ساتھ شمع بھی ہے وہ مزار کے قبہ میں داخل ہو گئے۔ خیال ہوا کہ شاید مسافر ہوں گے جو زیارت کے لئے آئے ہوں گے اتنے میں وہ رئیس مزار کے اندر داخل ہو گئے اور جماعت کے افراد بھی۔ کسی نے ان میں سے بعض سے پوچھا کہ یہ رئیس کون ہیں اور یہ جماعت کیسی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ امام ہیں اور اہل جماعت شہداء ہیں پوچھا کہ کہاں گئے تھے اور کیا کر کے آئے ہیں۔ کہنے لگے کہ فتح چتوڑ کے لئے گئے تھے چنانچہ فلاں وقت، فلاں برج کی طرف سے قلعہ فتح کر لیا۔ شیخ عبدالغنی نے جب اس عجیب واقعہ کی اطلاع پائی فتح کی خوشخبری اور بعینہٖ واقعہ کی تفصیل بادشاہ کو سنا دی کچھ زمانے کے بعد ٹھیک اسی طریقہ پر چتوڑ فتح ہو گیا، بادشاہ نے بارہ گاؤں کا پروانہ مزار امام کے نام کر کے شیخ عبدالغنی کے حوالے کر دیا۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی شیخ مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ میرے والد مدت سے شیخ عبدالغنی کی ملاقات کے خواہاں تھے جو سونی پت کے ایک درویش تھے نہایت معمر اور بزرگ، ان سے ایک راز سننا چاہتے تھے جو انھیں معلوم ہوا تھا اور وہ راز یہ تھا کہ میرے پیر جو میرے نانا بھی ہوتے تھے، وفات کے قریب کہتے تھے کہ مجھے کسی شوریدہ کار درویش کے ساتھ اپنے پاس بلائیں تاکہ وہ مجھے نسبت القاء اور عطا فرما دے جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس معاملہ کی حقیقت کا راز زبان سے ظاہر کیا کہ محض اس بات کو سنتے ہی دوسرا درویش اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں حیران و پریشان وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔ حضرت والد شوق سے یہ بات ان سے سننا چاہتے تھے۔ ان کے دربار میں جا کر، کہ اچانک شیخ مذکور کو کسی کام سے سرہند ہو کر جانا پڑا۔ جب وہ سرہند پہنچے اور سرائے میں فروکش ہوئے تو ہمارے والد بھی وہیں پہنچ گئے۔ معانقہ اور مجالست کے بعد خواستگار خلوت ہوئے اور اس سربستہ راز کے افشاء کی خواہش کی۔ شیخ نے اس کو بیان کیا۔ جب ہمارے والد شیخ کی خدمت سے باہر آئے۔ شیخ جمیل الدینؒ کہ فاصل اور صاحب دل تھے ہمارے والد کے خلفاء میں سے تھے انھوں نے والد سے دریافت کیا کہ آپ نے اس بات کو پوچھا تھا، کہا ہاں یہ

معلوم کیا تھا کہ وہ کیا معاملہ تھا تو فرمایا کہ یہی بات جو ہم کہہ رہے ہیں اور جان ہمارا مشرب ہے۔ یعنی یہ جو کچھ نظر آرہا ہے وہ واحد حقیقی ہے جو کثرت کے عنوان سے نمودار ہوتا ہے لیکن اس درویش کو سادہ وحی ہوئی اور یہ راز اس کے کان میں پہنچا تو اس سے برداشت نہیں ہوا۔

اور جان کو دے بیٹھا۔ لیکن شیخ عبدالغنیؒ چونکہ عالم اور صاحب تمکین اور آشنا تھے یہ راز خانہ ظاہر ہونے پر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

حالات شیخ معظمؒ

شیخ معظم انتہاء درجہ شجاعت وغیرہ سے متصف تھے ان کے واقعات عجیبہ اس بارہ میں بے شمار ہیں حضرت والد بزرگوار فرماتے تھے کہ شیخ منصورؒ کی کسی راجہ سے لڑائی ہوگئی لشکر کا میمنہ شیخ معظمؒ کے حوالہ کر دیا حالانکہ وہ اس وقت بارہ سال کے تھے، جنگ عظیم ہوئی اور دونوں جانب سے بہت لوگ مارے گئے۔ اس وقت کسی کہنے والے نے شیخ معظمؒ سے کہہ دیا کہ شیخ منصور شہیدؒ ہو گئے اور ان کا لشکر شکست کھا گیا۔ ان کی رگ غیرت حرکت میں آئی انھوں نے کفار کے رئیس کا قصد کیا اور اس بارہ میں جو بھی آڑے آیا اس کو مار ڈالا یا زخمی کر کے بیکار کر دیا بڑی جدوجہد کے بعد راجہ کے ہاتھی تک پہنچ گئے ان میں سے کسی سورما نے مقابلہ کرنا چاہا تو اس کے ایک وار میں دو ٹکڑے کر ڈالے اور اس کے اوپر کے دھڑ کو گھوڑے کے سموں سے روند ڈالا کافران پر ٹوٹ پڑے مگر راجہ نے سب کو ڈانٹ کر روک دیا۔ اور کہنے لگا کہ اس قدر کمسنی میں جو اس قدر مردانگی اور بہادری دکھلا رہا ہو وہ تو عجائبات زمانہ میں سے ہے یہ کہہ کر شیخ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا اور بڑا اعزاز کیا اور ان کے اس طرح بھڑ کنے کا سبب دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ میرے والد شہید ہو گئے ہیں اس لئے میں نے مقابلہ کرنے اور واپس نہ ہونے کی ٹھان لی تھی تاوقتیکہ کفار کے کمانڈر کو مار ڈالوں یا خود شہید ہو جاؤں۔ راجہ نے کہا کسی نے غلط اطلاع دی ہے تمہارے والد زندہ ہیں اور ان کا نشان فلاں جگہ سے نظر آرہا۔ اور اسی وقت شیخ منصورؒ کے پاس راجہ نے فرستادہ کو بھیجا کہ ہم اس بچہ کی وجہ سے صلح کرتے ہیں اور جو کچھ مسلمانوں نے مطالبہ رکھا اسے منظور کر کے راجہ واپس ہو گیا۔ نیز حضرت موصوف نے شیخ معظمؒ کے تعلقہ، موضع شکوہ پور کے کسی بوڑھے دہقان سے سنا تھا کہ ایک مرتبہ تقریباً تمیں ڈاکوؤں نے اس گاؤں کے مویشی لوٹ لئے اس وقت شیخ معظم بھی وہاں موجود تھے مگر ان کی اولاد، بھائیوں اور چچازاد بھائیوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا، انھیں اس حادثے کی اطلاع اس وقت پہنچی جب کہ دسترخوان بچھ چکا تھا۔ شیخ معظم نے کسی بے چینی یا عجلت کا مظاہرہ کئے بغیر حسب عادت کھانا کھایا، فراغت کے بعد ہاتھ

دھوئے اور کہا میرے ہتھیار اور میرا گھوڑا لاؤ۔ جب سوار ہونے لگے تو دیہاتی کسانوں کا ایک مسلح گروہ آ گیا مگر انھوں نے سب کو واپس کر دیا اور کہا کہ میں بہت تیزی سے جاؤں گا تم میرے گھوڑے کی دوڑ کو نہ پہنچ پاؤ گے۔ مگر اس واقعے کے راوی کو جو گھوڑے کی دوڑ کے ساتھ بھاگ سکتا تھا، ساتھ لیا کہ وہ اپنی قوم کو اس جنگ کی تفصیل بتا سکے جو ڈاکوؤں اور ان کے درمیان واقع ہو۔ وہ دوڑے یہاں تک کہ ان ڈاکوؤں کو جا لیا، اس وقت وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکے تھے غیرت انگیز کلمات سے جوش دلا کر انہیں میدان میں نکال لائے اور کمال ہنر مندی سے ایک تیر سے دو آدمیوں کو مارنا شروع کیا، جب دو تین ایسے تیر انھوں نے دیکھے تو وہ بہت زیادہ مرعوب ہو گئے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو کر انھوں نے فریاد و فغاں شروع کر دی کہ ہم توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف کر دیجیے۔ شیخ معظمؒ نے کہا کہ تمہاری توبہ یہی ہے کہ خود اپنے ہتھیار اتار دو اور تم میں سے ہر ایک دوسرے کے ہاتھ باندھے پھر اپنے ہتھیار اور گھوڑے لے کر اسی گاؤں میں واپس چلو، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے مذہب کے مطابق قسمیں کھائیں کہ دوبارہ اس قصبے کی طرف بری نظر سے نہیں دیکھیں گے اور شیخ معظم کی منشا کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

شیخ معظم کی اولاد

شیخ معظم کے سید نور الجبار سون پتی جو ایک عالی نسب سید تھے اور ان کے بزرگ علم و فضل سے آراستہ و پیراستہ تھے، ان کی صاحبزادی سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔

۱۔ شیخ جمالؒ

۲۔ شیخ فیروزؒ

۳۔ شیخ وجیہ الدینؒ

مختصر ذکر شیخ وجیہ الدین

شیخ وجیہ الدین شجاعت و تقویٰ میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ حضرت والد قدس سرہ (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ قرآن مجید کے دو پارے تلاوت کرتے اور یہاں تک کہ سفر، حضر، غم اور خوشی میں بھی اس معمول کو ترک نہیں کرتے تھے، بڑھاپے میں بینائی کم ہو جانے کے سبب جلی خط میں لکھا ہوا قرآن حکیم اپنے ساتھ رکھتے تھے

جسے وہ سفر میں بھی اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے، نیز والد ماجد فرماتے تھے کہ سارے لشکر کے کھیت میں گزرنے کے باوجود وہ اپنا گھوڑا کھیت میں نہیں ڈالتے تھے، اس لئے انہیں بعض اوقات جانے پہچانے راستے سے بھی ہٹ کر چلنا پڑتا تھا، والد گرامی نے فرمایا کہ ایک دفعہ کسی لڑائی میں شیخ وجیہ الدین کا ساز و سامان گم ہو گیا، کھانے پینے کا سامان بھی مہیا نہ تھا۔ ایسے میں ان کے ساتھی تو زبردستی گاؤں کے مویشی لے کر کھا جاتے تھے مگر انھوں نے ایسی پرہیزگاری اختیار کی کہ دو تین فاقے ہو گئے۔ قوت بالکل جاتی رہی تو رازق حقیقی جل شانہ کی رزاقیت نے اس صورت میں ظہور فرمایا کہ وہ اتفاقاً چابک سے زمین کرید رہے تھے جیسے عموماً سوچ بچار کے وقت کیا جاتا ہے تو وہاں سے ان کی خوراک بھر چنے ملے چونکہ گری پڑی چیز کا کوئی مالک نہیں ہوتا اس لئے ان کو دھو کر صاف کیا اور ابال کر کھا لئے۔

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدینؒ) خدام، ملازمین اور گھسیاروں وغیرہ کے ساتھ ایسی شفقت اور انصاف سے پیش آتے تھے کہ اس زمانے کے متقیوں سے بہت کم ایسا برتاؤ دیکھا گیا ہے۔

مزید آپ نے فرمایا کہ ایک سفر میں میرے والد نے کسی ولی کی ولایت کے بعض ایسے شواہد ملاحظہ کئے کہ انھوں نے اس سے بیعت کر لی اور اشغال صوفیا میں مصروف ہو گئے۔ کم گوئی اور کم آمیزی کو اپنا شعار بنایا۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے ایسا کمال دکھایا کہ اس زمانے کے صوفیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ مظفر رہتکیؒ میرے والد ماجد اور عم بزرگوار کے متعلق ان کے والد شیخ وجیہ الدین کے ارتباط کو بیان کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ان کے فیوض اشغال صوفیا سے مستفید ہوتے ہوں گے اور یہ دونوں اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہوئے ہوں گے۔

حضرت والد ماجد حضرت شیخ وجیہ الدین کی بہادری کی بہت سی حکایتیں بیان کرتے تھے، میں ان سے کچھ واقعات بیان کرتا ہوں تاکہ اہل خاندان کو اخلاق فاضلہ کے اکتساب کی تحریص و ترغیب ہو انما الاعمال بالنیات.

معرکۂ دہامونی

والد ماجد نے فرمایا کہ میری عمر چار برس کی تھی کہ میرے والد بزرگوار (شیخ وجیہ الدینؒ) سید حسین کی ہمراہی میں جو اپنے زمانے کا ایک مشہور بہادر شخص تھا اور جس کی بے خوف بہادری کی شہرت اس زمانے میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مالوہ کے علاقے میں قصبۂ دہامونی کی طرف متوجہ ہوئے اتفاق سے میں بھی اس سفر میں آپ کے ہمرکاب تھا، وہاں ایک کافر جو کہ اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے مشہور تھا، نے فساد برپا کر رکھا تھا، بڑی کوشش کے بعد وہ سید حسین کی ملاقات کے لئے آیا، دربان یہ چاہتے تھے کہ وہ ہتھیار لگائے بغیر مجلس میں حاضر ہو، وہ اس پر راضی نہ ہوا، بحث نے طول پکڑا تو اس کافر نے سید حسین کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ سپاہی ہیں اور آپ کے ساتھ ایک لشکر کثیر بھی موجود ہے آپ کو شرم نہیں آتی کہ ایک مکھی کو ہتھیار سمیت اپنی مجلس میں نہیں آنے دیتے۔ سید حسین اس بات سے متاثر ہوئے اور حکم دیا کہ کوئی شخص ان کے اسلحہ کو نہ روکے، فرمایا کہ اس کا ہشاش بشاش چہرہ آج بھی میرے تصور سے نہیں اترتا، وہ پان چباتے ہوئے اور بڑے ناز وانداز سے چل رہا تھا جیسے کسی شادی کی محفل میں آیا ہو، جب میرے والد بزرگوار نے اسے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص اس مجلس میں ہاتھا پائی کرے گا! انھوں نے جلدی سے اپنے خدمتگار کو طلب کیا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا کہ اس بچے کو کسی بلند جگہ پر بٹھا دو تاکہ اس دنگا فساد سے اسے نقصان نہ پہنچے۔ جب وہ سلامی کی جگہ سے آگے بڑھنے لگا تو دربان نے اسے روکا اور کہا یہیں سے سلام کرو آگے مت بڑھو۔ اس نے دربان کی یہ بات سنی ان سنی کر دی اور کہا میں چاہتا ہوں کہ سید صاحب کے پاؤں کو بوسہ دوں تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ جب بالکل قریب پہنچا تو اس نے سید حسینؒ پر تلوار کا وار کیا۔ سید حسینؒ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہو گئے اور پھر تلوار سید صاحب کے تکئے پر پڑی اور اسے کاٹ ڈالا۔ دوسری بار تلوار اٹھا کر پھر سید حسین پر وار کرنے کا ارادہ کیا اسی لمحے میرے والد گرامی انتہائی عجلت کے ساتھ اس تک پہنچے اور خنجر کے ایک ہی وار سے اسے جہنم رسید کیا۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ فرماتے تھے کہ اسی علاقے میں ایک روز سید حسین کے ساتھ ایک جنگ میں (شیخ وجیہ الدینؒ) حاضر ہوئے، جب دونوں طرف صف آراستہ ہو گئیں تو کفار کے سردار نے تلوار گلے میں حمائل کئے ہوئے گھوڑے پر سوار بآواز بلند کہا میں فلاں ہوں،

اس معرکے میں تنہا کھڑا ہوں چاہو تو مجھے قتل کر سکتے ہو مگر شرط بہادری تو یہ ہے کہ سید حسینؒ اکیلے میرے مقابلے کو نکلیں، سید صاحب کی رگوں میں ہاشمی خون کھول اٹھا، اپنے گھوڑے کو صف سے باہر لے آئے اور اس کے ساتھ مقابلے میں مشغول ہو گئے۔ اس کافر نے چابک دستی کے ساتھ سید صاحب پر وار کر ڈالا جسے انھوں نے ڈھال پر روکا۔ تلوار ڈھال کی ایک طرف کو کاٹ کر دوسرے میں پھنس گئی۔ جب کافر نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اپنی تلوار کو ڈھال میں سے کھینچا تو سید صاحب گھوڑے سے نیچے گر پڑے، کافر کود کر سید صاحب کے سینے پر سوار ہو گیا اور انہیں ذبح کرنے کی کوشش کرنے لگا تو میرے والد بزرگوار اسی وقت ان کے پاس پہنچے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کافر سردار کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ جب وہاں سے اٹھے اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ گیا تو دشمنوں کی صف میں سے ایک اور سوار ہو بہو پہلے کی قصر پر آگے بڑھا اور بآواز بلند پکارا کہ میں مقتول کا بھائی ہوں۔ آپ کے سامنے اکیلا کھڑا ہوں، جو چاہے قتل کرے مگر شرط شجاعت یہ ہے کہ میرے بھائی کا قاتل میرے مقابلہ کو آئے، میرے والد بزرگوار اس کی طرف بڑھے اور چند واروں کے بعد اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک تیسرا سوار ویسی ہی شکل وصورت کا سامنے آیا اور اسی طرح دعوت مبارزت دی۔ میرے والد بزرگوار مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کافر نے ان کے دونوں بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ارادہ کیا کہ انہیں زمین پر پٹخ دے یا اپنے گھوڑے پر کھینچ لے۔ انھوں نے مزاحمت کی آخر انہیں معلوم ہو گیا کہ کافر بہت طاقتور ہے تو دھوکہ دیتے ہوئے کہا، اے فلانے، اس سردار کو پیچھے سے وار کرو! حالانکہ پیچھے کوئی بھی نہ تھا، کافر نے منھ پیچھے پھیرا تو اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، اتنے میں انھوں نے خود کو اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور خنجر کے ساتھ اسے بھی واصل جہنم کر دیا۔ اس مبارزت کے بعد کفار نے شکست اٹھائی اور لشکر اسلام مظفر ومنصور ہو کر اپنی چھاؤنی میں آ گیا۔ اس واقعے کے تین دن بعد ایک ضعیف العمر عورت پوچھتے پوچھتے حضرت والا کے خیمہ تک پہنچی اور کہنے لگی کہ میں ان تینوں مقتولوں کی ماں ہوں، میں سمجھتی تھی کہ میرے بیٹوں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بہادر اور طاقتور نہیں ہے لیکن خدا کی رحمت تو تجھ پر ہو کہ تو سب سے بڑھ کر بہادر اور قوی ہے اس لئے ان کی بجائے تجھے اپنا بیٹا بناتی ہوں، میری آرزو یہ ہے کہ مجھے اپنی ماں سمجھتے ہوئے میری بستی میں کچھ دن رہ جاؤ تاکہ تجھے جی بھر کے دیکھوں

اوراس طرح مقتولوں کے غم سے تسلی پاؤں۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میرے گھوڑے پر زین کس دو۔ آپ کے اقربا میں سے آپ کے بھائی مانع ہوئے اور کہنے لگے عجیب بات ہے کہ آپ جیسا عقلمند آدمی بھی ایسا اقدام کرے۔ حضرت شیخ وجیہ الدینؒ نے ان لوگوں کے روکنے کو کوئی اہمیت نہ دی تو انھوں نے جا کر سید حسینؒ سے اس بات کا اظہار کیا۔ سید حسین فوراً ان کے خیمہ میں آئے اور انہیں انتہائی کوشش اور اصرار کے ساتھ اس بڑھیا کی بستی کی طرف جانے سے روکا۔ جب کوئی چارہ نظر نہ آیا تو اس بڑھیا کو بلوا کر فرمایا: ماں میرے ساتھی مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانے دے رہے۔ چند روز بعد میں تیری بستی میں آؤں گا، کچھ دن بعد جب ان کے ساتھی غافل ہوئے تو آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اس معمر عورت کے گھر کی طرف چل پڑے۔ وہ عورت اس قدر محبت واخلاص اور تعظیم سے پیش آئی کہ والدہ حقیقی اور آمیں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) نے فرمایا کہ میں کئی بار اس کے گھر گیا اور میں اسے دادی جان کہتا تھا۔ اور وہ شفقت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی تھیں، چونکہ میں نے اپنی حقیقی دادی کو نہیں دیکھا تھا اس لئے مجھے بچپن میں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس معمر عورت کے علاوہ میری دادی کوئی دوسری تھی۔

فیل مست سے مقابلہ

ان کی شجاعت و بہادری کے سلسلے میں ایک حکایت یہ ہے، والد گرامی (شاہ عبدالرحیمؒ) نے فرمایا: جب عالمگیر بادشاہ ہوا تو اس کے بھائی شاہ شجاع نے بنگالہ کی طرف خروج کیا۔ عالمگیرؒ نے اس کے ساتھ جنگ کا ارادہ کیا۔ اور حضرت والد (شیخ وجیہ الدین) بھی عالمگیرؒ کے لشکر میں شامل تھے سخت لڑائی ہوئی اور دونوں لشکر تھک کر چور ہو گئے۔ آخر دو تین مست ہاتھیوں نے شاہ شجاع کی طرف سے عالمگیر کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ پوشوں کا ایک دستہ تھا۔ صورت حال جب اس طرح ہو گئی تو عالمگیر کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور فوجی ہر طرف بھاگنے لگے۔ عالمگیرؒ کے ہاتھی کے اردگرد چند آدمی باقی رہ گئے، اسی وقت میرے والد (شیخ وجیہ الدینؒ) کے دل میں خیال آیا کہ وہ ان ہاتھیوں میں سے کسی ایک پر حملہ کریں۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ جان کی قربانی کا وقت ہے ایسے موقع پر استقامت ہر ایک کا کام نہیں، جو شخص علیحدگی چاہتا ہے اسے میری طرف سے اجازت ہے اس پر سوائے چار آدمیوں کے سب نے باگیں پھیر لیں۔ فرمایا اگر

ہمارے احباب میں سے کوئی ہماری محبت میں شریک ہوگا تو یہی چار ہوں گے۔ ان چاروں نے ان کے شکار بند کو مضبوطی سے تھاما اور آپس میں یہ قول وقرار کیا کہ جہاں وہ (شیخ وجیہ الدینؒ) ہوں گے ہم بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ اس کے بعد انھوں نے سب سے زیادہ سرکش ہاتھی پر حملہ کیا اور انھوں نے اس بات کا انتظار کیا کہ ہاتھی ان کو گھوڑے سے گرانے کے لئے اپنی سونڈ اوپر اٹھائے، جب اس نے سونڈ اٹھائی تو حضرت والا (شیخ وجیہ الدینؒ) نے ایک ہی وار میں اسے کاٹ کر رکھ دیا، ہاتھی بری طرح چنگھاڑتے ہوئے اپنے لشکر کی طرف بھاگا اور الٹا اپنے لشکر کے لئے نقصان کا باعث بنا۔ یہ پہلی فتح تھی۔ عالمگیر نے اس سارے معاملے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور فتح کے بعد چاہا کہ حضرت والا کا منصب بڑھا دے لیکن انھوں نے استغناء اختیار کرتے ہوئے قبول نہ فرمایا۔

اسی ضمن میں ایک واقعہ یہ ہے، فرمایا کہ ایک بار سید شہاب الدین کو بادشاہ کے سامنے محاسبے کے لئے پیش ہونا پڑا۔ حضرت والا (شیخ وجیہ الدینؒ) ان کے ضامن بن گئے جب انھوں نے رقم کی ادائیگی میں تساہلی کیا تو والد گرامی سے مطالبہ ہوا۔ آپ نے سید شہاب الدین سے رقم کی ادائیگی کے بارے میں بات کی تو انھوں نے کہا میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔

تلوار حاضر ہے، مسکرائے اور فرمانے لگے شمشیر پکڑنا تو آسان ہے مگر اس سے عہدہ برآ ہونا مشکل! سید شہاب الدین کی حمیت جاگ اٹھی اور خنجر سے ان پر حملہ کر دیا۔ آپ نے اسے بائیں ہاتھ سے پکڑا اور دائیں ہاتھ سے اسے ایسا تھپڑ رسید کیا کہ الٹا زمین پر آ رہا اور گرتے ہی بیہوش ہوگیا، آپ نے خادم سے فرمایا کہ اسے قید کرلو، اور اس کے اصطبل سے اونٹ اور گھوڑے باہر نکال لو، تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تیری وہ ڈینگیں کہاں گئیں؟ کہنے لگا میں نے کوئی قصور نہیں کیا ہے میرے ہاتھ سے پہلے آپ کا ہاتھ حرکت میں آیا اور مجھے اس قدر تکلیف ہوئی کہ بیہوش ہوکر گر پڑا، ایسے میں میری کیا تقصیر ہے؟ آپ نے فرمایا درست کہتے ہو۔ خادم کو اشارہ کیا کہ اس کی مشکیں کھول دے اور اس کا خنجر اس کے ہاتھ میں دے دے۔ اس نے خنجر پکڑ کر حملے کا ارادہ کیا کہ اس کے تمام جسم میں لرزہ طاری ہوگیا اور حملہ کرنے کی سکت نہ ہوئی۔ حضرت والا (شاہ عبدالرحیمؒ) نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا تھا۔

منجملہ ان حکایات کے ایک یہ ہے کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدینؒ) کی قلبی قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ایک معرکۂ جنگ میں سخت خونریز مقابلہ ہوا۔ طرفین میں سے بہت سے لوگ مارے گئے لیکن انجام کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جب لشکر اسلامی کا سپہ سالار رات کے وقت اپنے کیمپ میں واپس آیا تو فوجی افسر اکٹھے ہو گئے اور مقتولین کی تعداد کے بارے میں گفتگو چل پڑی اور یہ بحث خاصا طول پکڑ گئی اس میں ہر شخص اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے لگا۔ آپ (شیخ وجیہ الدینؒ) نے فرمایا میرے خیال میں طرفین کے پانچ کم دو سو یا پانچ اوپر دو سو آدمی ہلاک ہوئے ہیں اور جو لوگ شکست کھا کر بھاگے، میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا، حاضرین نے اس بات کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی ان کے اس تردد پر آپ کے دل میں خیال آیا کہ حقیقت حال کا پتہ لگوایا جائے اور اس مجلس سے اس شخص کی طرح نکلے جو قضائے حاجت کے لئے اٹھتا ہے اور اس بادوباراں کی تاریک رات میں میدان کارزار کو روانہ ہو گئے۔ اسی دوران ان کا ہاتھ ایک ایسے زخمی پر پڑا کہ جس میں ابھی تک زندگی کے آثار باقی تھے۔ اس زخمی نے چیخ ماری، آپ نے اسے تسلی دی اور اپنا نام اسے یاد دلایا۔ اس کے بعد ان کے دل میں یہ بات آئی کہ کچھ جنگ گاؤں کے وسط میں ہوئی تھی۔ اسے بھی دیکھ لینا چاہئے جہاں انہیں کوئی شک گزرتا اسے اچھی طرح تلاش کر لیتے، اسی اثناء میں آپ کا ہاتھ ایک بوڑھی عورت پر پڑا جو لڑائی کے دوران ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ بری طرح چیخی، آپ نے اس کو بھی تسلی دی اور اپنا نام اسے یاد دلایا۔ مقتولین کی تعداد ان کے اندازے کے مطابق نکلی اور پھر آپ لشکر کی طرف واپس ہو گئے تو اس مجلس کو بدستور اسی حالت میں دیکھا، آپ نے جو کچھ کیا اور دیکھا انہیں بتایا تو ان کا تعجب مزید بڑھ گیا اور سپہ سالار نے تقریباً سو آدمی مشعلوں کے ساتھ متعین کئے تاکہ مقتولین کو شمار کریں اور ان دو زخمی آدمیوں کو بھی لے آئیں، یہ لوگ اس پر ہیبت رات میں ایسی خوفناک جگہ پر جانے کے لئے تیار تو نہ تھے ناچار گئے، مقتولین کی گنتی کی اور ان دو زخمیوں کو بھی لے آئے تو گنتی ان کے کہنے کے مطابق تھی اور ان دو زخمیوں نے ان (شیخ وجیہ الدینؒ) کے میدان جنگ آنے کی تصدیق بھی کر دی۔ آپ کے اس قسم کے عجیب وغریب واقعات تو بے شمار ہیں لیکن ہم نے چند ایک پر اسی لئے اکتفا کیا ہے کہ تھوڑا زیادہ کی دلیل اور جو چلو بھر پانی دریا کا پتہ دیتا ہے،

شیخ وجیہ الدینؒ کی شادی شیخ رفیع الدینؒ محمد بن قطب العالمؒ بن شیخ عبدالعزیزؒ کی لڑکی سے ہوئی جس سے آپ کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔

۱۔ مخدومی شیخ ابوالرضا محمدؒ
۲۔ مخدومی شیخ عبدالرحیمؒ
۳۔ مخدومی شیخ عبدالحکیمؒ

والد گرامی (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میرے والد (شیخ وجیہ الدینؒ) تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے، ان کو سجدے میں بہت زیادہ دیر ہوگئی۔ میں نے سمجھا کہ شاید ان کی روح پرواز کر گئی ہے۔ انہیں جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے اس لمبے سجدے کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے غیبت واقع ہوئی تو میں نے اپنے ان عزیزوں کے حالات جو کہ شہید ہوگئے ہیں ملاحظہ کیے۔ ان کے درجات اور مقامات سے میں بہت خوش ہوا۔ چنانچہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی اور بہت زیادہ گڑگڑایا۔ یہاں تک کہ میری دعا قبول ہوئی اور مجھے اشارے سے بتایا گیا کہ تیری شہادت دکن کی طرف ہوگی۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے از سر نو سفر کا ارادہ کیا اور سامان سفر فراہم کرنے لگے۔ حالانکہ نوکری چھوڑ چکے تھے اور اس کام سے ایک نفرت سی بھی ہوگئی تھی۔ گھوڑا خریدا اور دکن کو چل دیئے آپ کا خیال تھا کہ شاید یہ مقابلہ سیوا سے ہوگا جو اس وقت کفار کا بادشاہ تھا اور جس سے مسلمانوں کے قاضی کی بہت بے حرمتی ہوئی تھی، جب آپ برہان پور پہنچے تو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ جائے شہادت کے پیچھے چھوڑ آئے ہیں، یہاں سے پھر واپس پلٹے اور راستے میں آپ نے بعض صالح اور متقی تاجروں سے عہد موافقت باندھا اور ارادہ کیا کہ قصبۂ ہنڈیا کے راستے ہندوستان میں داخل ہوں، اسی دوران آپ سے ایک ضعیف العمر شخص ملا جو گرتا پڑتا جا رہا تھا آپ نے اس پر رحم کرتے ہوئے اس کا مقصد و منزل پوچھی اس نے کہا میرا دہلی جانے کا ارادہ ہے آپ (شیخ وجیہ الدین) نے فرمایا میرے ملازمین سے ہر روز تین پیسے لے لیا کرو، دراصل وہ بوڑھا کافروں کا جاسوس تھا جب یہ قافلہ نونبریا کی سرائے میں پہنچا جو کہ دریائے نربدہ سے دو تین منزل ہندوستان کی طرف ہے تو اس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دی، چنانچہ لٹیروں کا ایک بڑا گروہ سرائے میں پہنچ گیا۔

آپ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے۔ اس گروہ میں سے تین آدمیوں نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ وجیہ الدین کون ہے؟ جب انھوں نے آپ کو پہچان لیا تو کہا ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں، ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پاس مال و دولت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے گروہ میں سے ایک آدمی پر تمہارا حق نمک بھی ہے لیکن ان تاجروں کے پاس تو اتنا مال ہے ان کو ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے، چونکہ آپ کو اس سفر کے اصلی سبب سے پوری طرح آگاہی حاصل تھی، اس لئے ان تاجروں کی رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور انہیں قتل و لوٹ سے بچانے کے لئے آگے بڑھے، اس مقابلے میں آپ کو بائیس زخم آئے اور ایک زخم سے سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس کے باوجود تکبیر کہتے ہوئے ایک تیر کی مار تک آپ نے کفار کا تعاقب کیا۔ ایک عورت یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوئی، آپ اسی وقت گر پڑے اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت والا (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ اسی دن کے آخری حصے میں آپ مثالی جسم میں متمثل ہو کر میرے سامنے تشریف لائے اور زخموں کے نشانات دکھلائے میں نے ایصال ثواب کے لئے کچھ صدقہ دیا، آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ آپ کے جسد کو وہاں سے منتقل کروں، لیکن ایک روز انھوں نے میرے سامنے متمثل ہو کر اس بات سے مجھے منع کر دیا، آپ کے قتل کی خبریں حد سے زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ رفیع الدین محمدؒ (۱) کے خاندان کے حالات

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو منعم اور وہ نعمتیں بخشنے والا ہے جو حد و شمار سے باہر ہیں اور درود و سلام ہو افضل الانبیاء پر اور اس کی آل واصحاب پر بھی سلامتی اور رحمت ہو جو کہ ارباب فہم وفراست کے قائد ہیں۔ فقیر ولی اللہ (اللہ اس سے درگزر کرے، کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ **النبذة الابريزيه فی اللطيفة العزيزيه** کے نام سے موسوم ہیں، شیخ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے اسلاف واخلاف قدست اسرارہم کے حالات پر مشتمل ہیں جو کہ نسبت مادری سے والد بزرگوار کے جد اعلیٰ ہیں۔

شیخ طاہرؒ

شیخ طاہر کا اصلی اوچ ہے، اور آپ وہاں کے سربرآوردہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ابتدائے حال میں سارا وقت سیر وتفریح اور شکار میں گزارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ مشاغل انہیں تحصیل علم سے بھی باز رکھنے لگے۔ ایک دن آپ کی ہمشیرہ نے آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کا مفہوم دریافت کیا، جس کا جواب آپ سے نہ بن پڑا، یہی واقعہ ان کی غیرت نفس کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنا اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر وطن مالوف کو خدا حافظ کہا۔ جہاں بھی جاتے استفادۂ علم کرتے۔ جب تھانیسر پہنچے تو اسی آیت کی تفسیر وتشریح لکھ کر ہمشیرہ کو بھجوادی۔ اس کے بعد حصول علم کا شوق انہیں بہار لے آیا جو کہ ان دنوں علماء کا مرکز تھا اور اس دوران مناظرہ اور ریاضات کی تحصیل بھی انہیں حاصل ہوئی۔ تحصیل علم کے بعد بہار کے قاضی نے جب ان کے علم وفضل اور وجاہت کو دیکھا تو اپنی دختر نیک اختر ان کے نکاح میں دے دی، اس کے بعد آپ پورب کے کسی علاقے میں قیام پذیر ہوگئے، اس زوجہ سے تین فرزند ہوئے۔ آخری عمر میں شیخ نے اپنے بیٹوں کے ساتھ جون پور میں رہائش اختیار کی اور یہیں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک اسی شہر میں واقع ہے، جو زیارت گاہ خلائق اور مرکز برکات ہے۔

---

(۱) حضرت شیخ رفیع الدین محمدؒ جناب شیخ عبدالرحیم والدگرامی شاہ ولی اللہ کے نانا اور شیخ وجیہ الدینؒ کے خسر تھے۔

شیخ حسنؒ

شیخ طاہر کے بڑے صاحبزادے شیخ حسن تھے جنھوں نے ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں تمام کتب متداولہ سے فراغت حاصل کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ بچپن ہی سے آپ میں طلب معرفت اور عقیدت اولیاء کے آثار نمایاں تھے۔ جن دنوں سید حامد راجی شاہ کی عظمت کا شہرہ عام تھا شیخ حسن آزمائش و امتحان کی غرض سے سید صاحب کی ملاقات کو گئے، تو سید صاحب کی پہلی نگاہ ہی نے آپ کو اپنے دائرہ ارادت کی طرف کھینچ لیا۔ سید صاحب اپنے وقت کے مشائخ عظام میں سے تھے اور شیخ حسام الدین مانک پوری کے خلیفہ تھے شیخ حسام الدینؒ جامع شریعت و طریقت اور اکابر مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ آپ شیخ نور قطب العالم کے خلیفہ تھے۔ شیخ نور قطب العالم ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہو گزرے ہیں وہ صاحب عشق و محبت، ذوق و شوق، تصرف و کرامات اور ریاضات و مجاہدات تھے، یہ اپنے والد شیخ علاء الحق بن سعد کے خلیفہ تھے جو کہ علوم ظاہر و باطن کے جامع، مرجع عوام و خواص اور پورب و بنگال کے معروف ترین بزرگوں میں سے تھے، شیخ علاء الدین بن سعد شیخ سراج الدین اودھی کے خلیفہ تھے جو کہ شیخ نظام الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے خلفاء میں سے تھے، کہتے ہیں کہ شارح ہدایہ شیخ ہداد اور دیگر نامور علماء جو شیخ حسنؒ کے ہم درس اور ان کے ہم پیالہ و نوالہ تھے نے سید حامد راجیؒ سے آپ کی بیعت پر حیرانگی و تعجب کا اظہار کیا کیونکہ سید صاحب علوم ظاہری سے پوری طرح بہرہ ور نہ تھے، شیخ حسن نے ان سے کہا کہ اہل علم کی ایک جماعت سید صاحب کی خدمت میں جا کر ان سے ہر قسم کے اشکالات کے بارے میں سوال کرے، اگر صحیح جواب ملے تو عقیدت کے ساتھ ان سے بیعت ہو جائے ورنہ جیسے ان کی مرضی، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، ان میں سے بعض کے اشکال تو راستے ہی میں حل ہو گئے اور بعض لوگوں کے اعتراضات سید صاحب کے جمال پر انوار پر نگاہ پڑتے ہی کافور ہو گئے اور باقی حضرات کے مسائل آپ کی حکمت آمیز اور پر اسرار گفتگو سے حل ہو گئے۔ الغرض سب کے سب ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے، کچھ عرصے تک شیخ حسنؒ اس سرزمین میں طالبان معرفت کی تعلیم و ارشاد کا منصب سنبھالے رہے اور اس کے بعد سلطان سکندر جو کہ سلاطین دہلی کے انتہائی انصاف پسند بادشاہوں میں سے تھے کی درخواست

پر دہلی تشریف لائے یہاں آپ نے بجے منڈل کے محل میں رہائش اختیار کی اور یہیں پر ہی جان آفریں کے سپرد کی اور آپ کا مزار بھی اسی جگہ ہے، کہا جاتا فتح خاں پسر سلطان سکندر شیخ کے معتقد تھے اس کے دل میں اچانک بغاوت کا خیال پیدا ہوا اور امرائے مملکت اس سے اس سلسلے میں متفق ہو گئے۔ جب اس نے شیخ سے مشورہ کیا تو انھوں نے اسے اس کام سے منع فرمایا اور امن کی بشارت دی چنانچہ یہی بات سلطان سکندر کی آپ سے عقیدت کا سبب بنی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شیخ دہلی پہنچے تو بادشاہ کو خواب میں ان کے بعض کمالات کا علم ہوا، اس طرح اس کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔ آپ نے ۹۰۹ھ میں وجد کی حالت میں رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ کی مجلس میں یہ رباعی پڑھی جارہی تھی۔ ع

اے ساقی ازاں مے کہ دل ودیں من است الخ

آپ کی کتاب مفتاح الفیض علوم سلوک میں ان کی یادگار ہے، شیخ کے چار فرزند تھے جن میں سے دو سے آگے نسل چلی۔

۱۔ شیخ محمد خیالیؒ

۲۔ شیخ عبدالعزیزؒ

شیخ محمد خیالیؒ

شیخ محمد خیالیؒ صحیح الحال، پاکیزہ مشرب اور قوی الریاضت تھے۔ آپ اپنے والد گرامی سے بیعت تھے لیکن بعد میں سلسلۂ قادریہ کی نسبت آپ پر غالب ہوگئی آپ نے حرم مدینہ منورہ میں سالہا سال تک عبادات و ریاضات کے مجاہدے کئے، حاجی عبدالوہاب بخاری جب دوسری بار زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے تو شیخ محمد خیالی کو یہ خوشخبری سنائی۔ مجھے خاتم النبیین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے خواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس ہندی شیخ زادے نے یہاں کافی وقت دشواری اور مشقت سے گزارا ہے، اب انہیں ہندوستان واپس لے جاؤ۔ انھوں نے کہا جب تک مجھے بذات خود اس بات کا حکم نہیں ہوگا میں یہاں سے ہرگز نہیں ہلوں گا، آخر انھیں بھی حکم دے دیا گیا چنانچہ حاجی عبدالوہاب انہیں ہندوستان لے آئے جہاں ”بجے منڈل“ میں وہ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ کے خلفا بے شمار ہیں جو سب کے سب مرتبہ

کمال کو پہنچے ان میں سے شیخ امان اللہ پانی پتیؒ اور شیخ عبدالرزاق جنؒ جھانی اس علاقے کے مشہور بزرگ ہیں۔

شیخ عبدالعزیزؒ

آپ دو یا تین برس کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور وہ اپنا باطنی فیض اپنے بیٹے شیخ عبدالعزیزؒ کے لئے (جو ابھی صغیر سن تھے) بطور امانت شیخ قاضی خاں ظفر آبادیؒ کے حوالے کر گئے جو کہ شیخ حسن کے خلیفہ اور استقامت و کرامت زہد و تجرید اور ریاضت و تاثیر صحبت کے حامل بزرگ تھے جب شیخ عبدالعزیز نے شعور سنبھالا تو جناب سید محمد بخاری بن حاجی عبدالوہاب بخاری سے علم حاصل کیا۔ اور حاجی عبدالوہاب سے فصوص کا استفادہ کر کے سلسلہ سہروردیہ کا خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا، حاجی عبدالوہاب مذکور نے سید راجو قتال سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا جو مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اور عمر رسیدہ بزرگ تھے اور انہوں نے اپنے برادرم مخدوم جہانیاں اور شیخ رکن الدین ابوالفتح سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا اور ان کا سلسلہ معروف ہے، حاجی عبدالوہابؒ شیخ عبداللہ قریشیؒ کی صحبت میں بھی مدتوں رہے، اس کے بعد شیخ قاضی خاں نے اپنے فرزند شیخ عبداللہ کو شیخ عبدالعزیز کے پاس بھیجا تا کہ وہ انھیں وہ امانت یاد دلائے جو شیخ کے والد ان کے سپرد کر گئے تھے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں خود آتا مگر مجبوری یہ ہے کہ اس سلسلے میں طلب شرط ہے شیخ عبدالعزیزؒ یہ خبر سنتے ہی ظفر آباد روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو جو کچھ کپڑے، نقدی اور گھوڑے وغیرہ ساتھ تھے سب کے سب راہ خدا میں دے دیئے اور تجرید کے عالم میں مسلسل تین سال تک ریاضات کے دور سے گزر کر ارشاد و تکمیل کے مرتبہ پر فائز ہوئے پھر شیخ قاضی خاں کی اجازت سے واپس دہلی آئے اور قواعد ارشاد کی بنا ڈالی اور اس دوران فرصت کے لمحات میں سید ابراہیم ایرچیؒ سے علوم تصوف کا استفادہ کر کے خرقۂ قادریہ بھی حاصل کیا، سید ابراہیم ایرچی تمام فنون علم میں درجہ کمال رکھتے تھے اور کئی خانوادوں کی برکات کے جامع تھے مگر نسبت قادریہ ان پر غالب تھی اور سلسلۂ قادریہ میں انھیں شیخ بہاء الدین قادریؒ سے خلافت حاصل تھی۔

الغرض شیخ عبدالعزیزؒ کی زندگی مجاہدے اور ریاضت سے عبارت تھی انھوں نے جن چیزوں کو بچپن سے خود پر لازم ٹھہرایا انھیں آخری سانس تک قضا نہ کیا۔ اسلاف کے طور طریقوں کی اتباع

میں کبھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، آپ آداب مشائخ کی حفاظت اور حاجت مندوں کی اعانت کے سلسلے میں بہت سعی فرماتے تھے۔ تواضع، انکسار، شگفتگی طبع، علم، بردباری، صبر، رضا و تسلیم الغرض تمام اخلاق محمودہ میں مشائخ چشت کا مثالی پیکر تھے۔ آپ نے ۶ جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ روح پرواز ہوتے وقت زبان پر یہ آیت کریمہ تھی فسبحان الذی بیدہ الملکوت کل شي و اليه ترجعون۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ یحیٰی جنیدی کے مجموعے میں شیخ عبدالعزیز کے قلم سے سلسلہ قادریہ لکھا ہوا دیکھا جسے تبرکاً من وعن نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں راہ ہدایت دکھائی اور حق کی اتباع پر مامور فرمایا اور درود و سلام ہوں اس کے نبی علیہ السلام اور ان کی صاحب ولایت و ارشاد آل پر اور درود و سلام ہوں ان کے مکرم اور صاحب مجد و کمال اصحاب پر۔

یہ بندہ ناچیز خاکپائے خدام اہل بیت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام عبدالعزیز بن حسن (اللہ اس کے عیوب کی ستر پوشی کرے اور اس کی آخرت کو دنیا سے بہتر بنائے) عرض کرتا ہے کہ برادر محترم و مکرم، عالم باعمل، فخر فضلاء، وکاملین مایہ اولیاء، اور نمونۂ اصفیاء، شیخ یحیٰی بن شیخ معین الدین خالدی اللہ تعالیٰ اسے بندگان مقبول بارگاہ میں سے بنائے اور اسے نگاہ انتخاب سے نوازے، ان کے خلوص محبت اور کمال معرفت کی بنا پر جب ہم نے ان کے ہاں شرف حضوری اور صحبت پائی، اور جب ہمارے ساتھ ان کا تعلق اور جذبۂ محبت پوری طرح استوار ہو گیا تو ہم نے ان کے ساتھ اخوت دینی کا ناطہ باندھا اور میں نے انہیں خرقۂ مشائخ پہنایا، جبکہ یہ خرقۂ خلافت میں نے بطور ارشاد، ولایت، نیابت اور اجازت اپنے شیخ و مرشد مخدومی و سیدی سید السادات سرچشمۂ برکات سید ابراہیم بن معین بن عبدالقادر بن مرتضی الحسنی القادری سلمہ اللہ تعالیٰ سے اور انھوں نے اپنے شیخ و مرشد ابوالبرکات بہاء الملۃ والدین ابراہیم الانصاری القادری سے اور انھوں نے اپنے شیخ السید قطب عصر ابوالعباس احمد بن حسن الجیلی المغربی الشافعی سے اور انھوں نے اپنے والد بزرگوار سید حسن سے انھوں نے اپنے والد گرامی سید موسیٰ سے انھوں نے اپنے والد بزرگوار سید علی سے انھوں

نے اپنے والد ماجد سید محمد سے اور انھوں نے اپنے والد سید حسن سے اور انھوں نے والد سید محمد صلو احمدؒ سے انھوں نے اپنے والد سید محی الدین ابونصرؒ سے انھوں نے اپنے والد سید ابوصالح سے انھوں نے والد سید عبدالرزاق سے انھوں نے اپنے والد گرامی قطب ربانی غوث صمدانی محی الملۃ والدین ابومحمد عبدالقادر الحسنی والحسینی الجیلانی سے انھوں نے اپنے شیخ ابوسعید علی المخزومی سے انھوں نے شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف القرشی الهنکاری سے انھوں نے اپنے شیخ ابوالفرح یوسف الطرطوسی سے انھوں نے اپنے شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز الیمنی سے انھوں نے ابوبکر شبلی سے انھوں نے اپنے شیخ سید الطائفہ جنید بغدادیؒ سے انھوں نے شیخ سری سقطیؒ سے انھوں نے شیخ معروف کرخی سے انھوں نے ابوسلیمان داؤد بن نصر الطائی سے انھوں نے امام علی بن موسیٰ رضا سے اور انھوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظمؒ سے انھوں نے اپنے والد امام جعفر صادقؒ سے انھوں نے اپنے والد امام محمد باقرؒ سے انھوں نے اپنے والد امام زین العابدینؒ سے انھوں نے اپنے والد امام حسینؓ سے انھوں نے اپنے والد امام علی بن ابی طالب سے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور انھوں نے سید المرسلین خاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ الطیبین الطاہرین سے حاصل کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ادبنی ربی فاحسن تادیبی میرے رب نے مجھے سکھایا (یعنی اپنی معرفت کی تعلیم) اور کیا ہی خوب سکھایا۔

شیخ قطب العالمؒ

حضرت شیخ عبدالعزیزؒ کے فرزندوں میں شیخ قطب العالم اپنے فضل وکمال، علم ودانش اور جود وسخا کی بنا پر سب سے ممتاز تھے، کہتے ہیں کہ ابتدا میں آپ طریقہ وجد وسماع اور صوفیا کے تمام احوال واطوار کے معترض اور منکر تھے، چنانچہ ایک روز شیخ عبدالعزیز قدس سرہ نے اپنی ایک مجلس میں ان پر توجہ فرمائی تو بے خود ہوگئے، حاضرین نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب وہ ضرور صوفیا کے معتقد ہو جائیں گے اور انکار واعتراض سے باز آ جائیں گے۔ شیخ نے فرمایا کہ ابھی اس کا انکار پوری طرح مستحکم ہے اور ابھی تک اس کی طلب کا وقت نہیں آیا جب شیخ قطب العالم ہوش میں آئے تو حاضرین نے بیہوشی کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے، ایک خواب جیسا سماں تھا اس کا کیا اعتبار؟ جب شیخ عبدالعزیز واصل بحق ہوئے تو شیخ نجم الحق جو ان کے سب سے بڑے خلیفہ

تھے اپنے شیخ کے مزار مبارک کی زیارت اور پس ماندگان شیخ سے تعزیت کے لئے آئے جب زیارت سے فارغ ہوئے ارادہ کیا کہ اس جگہ سے باہر نکلیں تو دیکھا کہ شیخ قطب العالم درس دے رہے ہیں، ان کی جانب نظر التفات سے دیکھ کر تصرف کیا اور سوار ہو گئے ابھی ان کی پالکی تھوڑی دور نہیں چلی تھی کہ شیخ قطب العالم پر بے قراری واضطراب کی کیفیت طاری ہوگئی یہ کیفیت لحہ بہ لحہ بڑھنے لگی یہاں تک کہ گرتے پڑتے پیادہ پا شیخ نجم الحق کی طرف چل پڑے اور ان سے بیعت ہو گئے ۔ اور خواجہ محمد باقی قدس سرہ کے طریقۂ نقشبندیہ کی تبلیغ میں مشغولیت کے بعد شیخ قطب العالم اکثر ان کی خدمت میں پہنچے اور فیض صحبت جو کہ طریقۂ نقشبندیہ کی بہترین روایت ہے حاصل کرتے، اگر چہ ابتداء میں خواجہ محمد باقیؒ نے شیخ قطب العالم کے آگے زانوئے تلمذ تہ کئے اور ان کی خانقاہ میں ایک عرصے تک مجاور بن کر رہے تھے والد گرامی (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ جن دنوں خواجہ محمد باقی ان کی خانقاہ میں مقیم تھے تو شیخ (قطب العالمؒ) پر نصف شب کے وقت یہ آشکارا ہوا کہ خواجہ محمد باقیؒ کی تعلیم وتلقین کی تکمیل بخارا میں ہوگی اسی وقت باہر تشریف لائے اور خواجہ محمد باقیؒ سے فرمایا کہ آپ کو مشائخ بخارا بلاتے ہیں آپ کو اسی وقت روانہ ہو جانا چاہئے، اس وقت خرقہ موجود نہ تھا صرف تہ بند تھا وہی عنایت کیا جسے خواجہ محمد باقیؒ نے دستار کے طور پر سر پر باندھ لیا، اور فوراً بخارا کو روانہ ہو پڑے وہاں آپ حضرت خواجہ امکنگی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیوض و برکات کی لازوال نعمت حاصل کی ۔

شیخ قطب العالمؒ کے فرزندوں میں سب سے بڑے اور صاحب فضل شیخ رفیع الدین محمدؒ تھے

شیخ رفیع الدین محمدؒ

آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور کتب تصوف کے ماہر تھے اور صوفیا کے رموز و کنایات کو بیان کرنے پر کامل دسترس رکھتے تھے ۔ پہلے پہل اپنے والد گرامی قدر سے طریقۂ چشتیہ قادریہ میں بیعت کی اور شیخ نجم الحق کی صحبت سے بھی فیض حاصل کرتے رہے، اس کے بعد اپنے والد بزرگوار کی ترغیب پر خواجہ محمد باقی کی صحبت اختیار کی اور حضرت خواجہ ہی کی نسبت ان پر غالب آ گئی، حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ شیخ رفیع الدین محمد کے ساتھ خواجہ محمد باقی بے حد مہربان تھے جو کچھ عرض کرتے خواجہ محمدؒ باقی اسے ضرور مان لیتے تھے، اس لئے حضرت خواجہ

کے احباب حضرت شیخ رفیع الدین محمدؒ کو خواجہ کا معشوق کہتے تھے، نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب شیخ رفیع الدینؒ کی زوجہ انتقال کر گئیں تو انھوں نے چاہا کہ شیخ محمد عارف بن شیخ غفور اعظم پوری کی دختر سے نکاح کریں، چنانچہ انھوں نے حضرت خواجہ سے مجلس عقد میں تشریف آوری کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے ضعف کا عذر ظاہر کیا، شیخ نے کہا کہ اگر حضرت خواجہ اس مجلس میں قدم رنجہ نہیں فرمائیں گے تو میں بھی اس میں نہیں جاؤں گا۔ حضرت خواجہ محمدؒ باقی کو مجبوراً اعظم پور جانا پڑا جب وہاں کے صوفیا نے آپ کی آمد کا سنا تو اطراف وجوانب کے سو فیصد صوفیائے کرام اس مجلس میں حاضر ہوئے اور ایسی عجیب محفل برپا ہوئی کہ ویسی کبھی سنی نہ گئی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ حضرت والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیمؒ) کی والدہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

مقام خواجہ محمد باقی باللہؒ

مزید آپ نے فرمایا کہ شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندیؒ سے حضرت خواجہ محمد باقیؒ کی نسبت ایک ناگوار بات سرزد ہوئی، کہنے والے نے وہ بات جوں کی توں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بیان کر ڈالی یہ سنتے ہی ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور غصے کے عالم میں ایک قریب پڑی ہوئی ڈور اٹھائی اور قوت کے ساتھ اس میں گرہ لگا دی، شیخ رفیع الدینؒ جو حضرت خواجہ کے مزاج شناس تھے نے اس ڈور کو احتیاط کے ساتھ اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا، چند روز بعد شیخ احمد سرہندیؒ شدید قبض میں مبتلا ہو گئے اور اس کا سبب تلاش کرنے میں پڑ گئے جب اصل حقیقت واضح ہوئی تو دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ کے احباب سے اس بارے میں سفارش کی درخواست کی، ان میں سے کوئی بھی اس بات پر راضی نہ ہوا اور انھوں نے کہا کہ ہم مرضی خواجہ کے خلاف کسی سفارش کی جرأت نہیں کر سکتے، البتہ حضرت خواجہ کے محبوب جو چاہیں کر سکتے ہیں، یہ سن کر شیخ احمد نے شیخ رفیع الدینؒ کی طرف رجوع کیا، شیخ رفیع الدینؒ نے اس بات کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ خلوت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا اور کافی لیت ولعل کے بعد ان کی نفرت وغضب کو دور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کیا کروں؟ وہ دھاگہ ہی گم ہو گیا ہے۔ شیخ رفیع الدین نے اسی لمحے وہی دھاگہ پیش خدمت کر دیا، حضرت خواجہ نے اس کی گرہ کھولی تو اسی وقت شیخ احمد کی

قبض بسط سے بدل گئی اور گوہر مقصود دامن میں آ پڑا۔

والد ماجد (شاہ عبدالرحیمؒ) فرماتے تھے کہ شیخ فرید بخاریؒ جو اپنے وقت کے بڑے امراء میں سے ہونے کے باوجود جامع شرافت ونجابت اور معتقد صوفیا تھے نے ایک عمارت بنوائی یہ عمارت ان کی مشہور سرائے تھی یا کوئی اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس عمارت کی تعمیر سے فراغت کے بعد انھوں نے ایک ضیافت کا اہتمام کیا اور شہر کے مشائخ کو دعوت دی، شیخ رفیع الدین محمدؒ بھی اس ضیافت میں موجود تھے جب نغمۂ سرود کی لے چھڑی تو اہل مجلس میں سے ایک شخص کا حال متغیر ہوا، مستی کے عالم میں نعرے لگانے لگا، وہ رقص بھی کر رہا تھا اور اس کے چہرے سے حزن واندوہ بھی ظاہر تھا، تمام حاضرین مجلس آداب سماع کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تواضع کے لئے اٹھے مگر شیخ رفیع الدینؒ اپنی جگہ سے نہ ہلے، بعض لوگوں نے شیخ کے نہ اٹھنے پر اعتراض کی زبان کھولی اور باہم چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ شیخ نے آداب طریقت کی خلاف ورزی کی ہے۔ شیخ فرید بخاریؒ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وجد کرنے والے کے سکون کے بعد شیخ رفیع الدینؒ سے پوچھا کہ آپ صاحب وجد کی تعظیم کے لئے کیوں نہیں اٹھے۔ شیخ رفیع الدینؒ نے فرمایا کہ آپ وجد کرنے والے شخص سے اس کے وجد ورقص کا سبب دریافت کریجئے میرے نہ اٹھنے کی حکمت آپ کو خود بخود سمجھ میں آ جائے گی۔ شیخ فریدؒ نے اس شخص کو قریب بلا کر وجد ونعروں کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا میں اور تو کچھ نہیں جانتا البتہ دو تین روز ہوئے ہیں کہ میری بیوی انتقال کر گئی ہے۔ اس کی جدائی کا غم وحزن میرے دل میں مضمر تھا۔ جب یہ حزنیہ نغمے شروع ہوئے تو غم واندوہ بلا اختیار وجد ورقص کی صورت میں ظاہر ہوا اس پر شیخ رفیع الدینؒ نے فرمایا کہ ایک ایسے شخص کی تعظیم کے لئے اٹھنا جو اپنی بیوی کے غم میں نعرے لگا رہا ہو مشائخ نے کہاں فرمایا ہے؟ یہ سن کر معترض حضرات بہت نادم ہوئے اور اس بحث سے توبہ کی۔

حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے امراء میں سے خان عالم جو شیخ رفیع اندینؒ کے معتقد تھے، ایک دفعہ ان کے گھر سے متصل باغ میں ایک درویش وضع شخص وارد ہوا۔ یہ فقیر بظاہر دنیا اور اہل دنیا سے بالکل بے تعلق نظر آتا تھا، بات بات میں اس کی زبان سے قال اللہ اور قال الرسول نکلتا تھا، خان عالم چند ہی دنوں میں اس کا بہت معتقد ہو گیا۔

اتفاق سے ایک دن شیخ رفیع الدین محمد کا گزر اس باغ سے ہوا، آپ نے اس فقیر کو دیکھا اور خان عالم سے فرمایا کہ یہ تو کالا ناگ ہے۔ اس سے بچ کے رہو، خان عالم نے خیال کیا کہ شیخ نے شاید یہ بات حسد کے طور پر کہی ہے چنانچہ اس نے شیخ کی یہ بات سنی ان سنی کر دی۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے خان عالم کو ایران کی سفارت پر مقرر کیا۔ چونکہ اس سفر کے لئے خان عالم کو رقم کی ضرورت تھی جو کہ ان کے پاس موجود نہ تھی چنانچہ خان عالم اس وجہ سے متردد اور پریشان ہوئے۔ فقیر نے ان سے اس پریشان خاطری کا سبب پوچھا، جب اسے پوری بات بتائی گئی تو اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا کہ اس کا علاج میرے پاس موجود ہے میں اکسیر بنانا جانتا ہوں اس پر اتنی رقم خرچ ہوگی خان عالم اس کے دھوکے میں آگئے اور ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ کی خطیر رقم اس کے سامنے ڈال دی تا کہ وہ اس سے اکسیر کے لئے ضروری سامان منگوائے۔ اس فقیر نے عجیب عجیب حیلے شروع کر دیے اور تمام روپیہ برباد کر کے ایک دن خود بھی روپوش ہوگیا، بہت جستجو کی گئی لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا، خان عالم بھی اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر چپ ہو رہے، اس سفر سے واپسی کے بعد حافظ محمد حسن نے جو کہ خان عالم کا متبنٰی تھا ایک برہمن کو دیکھا، جس نے داڑھی، مونچھ منڈائی ہوئی تھی اور سنسکرت زبان میں گفتگو کرتا تھا، اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی ٹھگ ہے حافظ محمد حسن نے اسے طرح طرح کی سزائیں دیں تو آخر کار اس نے دھوکہ دہی کا اقرار کر لیا اس سے کچھ مال برآمد ہوا اور باقی ہاتھ نہ آیا۔

حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیمؒ) فرمایا کرتے تھے کہ خان عالم نے خواب میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے بیعت کی چونکہ خان عالم مصوری بھی جانتے تھے علی الصباح اٹھے ایک صفحے پر اس بزرگ کی تصویر بنا اسے حضرت خواجہ محمد باقی کی خدمت میں ارسال کر دیا اور اس خواب کی تعبیر بھی پوچھی، حضرت خواجہ نے کہلا بھیجا کہ میں اس بزرگ کو اچھی طرح جانتا ہوں اس سے آپ کا بیعت کر لینا مناسب ہے اور شیخ رفیع الدینؒ کی طرف اشارہ فرمایا، شیخ رفیع الدین سے خان عالم کی بیعت اور روحانی تعلق کا سبب ظاہری طور پر یہی واقعہ بنا، سننے میں آیا ہے کہ ایک دفعہ رہزنوں کے ایک گروہ نے شیخ رفیع الدینؒ کے گھر کو لوٹنا چاہا۔ یہ ارادہ کر کے وہ کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے اور اپنے میں سے ایک کو آگے بھیجا تا کہ آنے جانے کا راستہ

دیکھ لے اور اہل خانہ کی حالت کے بارے میں بھی اطلاع دے جب یہ جاسوس شیخ کے گھر میں داخل ہوا تو اندھا ہو گیا اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا جس کی وجہ سے اہل خانہ بیدار ہو گئے اور انھوں نے چراغ کی روشنی میں ساری حقیقت حال معلوم کر لی۔ حضرت شیخ نے کمال مہربانی سے اس چور کو کچھ نہ کہا اور صرف یہ فرمایا کہ چلے جاؤ، چور نے جواب دیا کیسے چلوں، بینائی تو ہے نہیں اور نہ ہی چلنے کی طاقت ہے۔ شیخ اس کے قریب آئے اور اپنا عصا اس کے گھٹنوں اور آنکھوں پر لگایا، یہاں تک کہ ان کے عصا کی برکت سے وہ اس مصیبت سے نجات پا کر اپنے گروہ سے آملا اور کہنے لگا کہ تمہارے برعکس یہاں تو معاملہ ہی اور ہے! تمام ڈاکو پشیمان ہو کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے کبھی شیخ کے دولت کدے کا رخ نہ کیا، حالانکہ شیخ کا مکان آبادی شہر سے الگ واقع تھا اور اس کی عمارت بھی پختہ نہ تھی، پھر آپ کی دولت مندی اور امارت کے قصے بھی مشہور تھے اور پہرے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

قدوۃ العارفین حضرت شیخ محمد قدس سرہ العزیز کے مختصر حالات زندگی اور کرامات کا بیان

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے اولیاء کو مختلف نشانیوں کے ذریعے عزت بخشی اور اپنے بندوں میں سے مقربین کو فضائل کے ذریعے منتخب فرمالیا، وصل اللہ علی خیر خلقہ وآلہ وصحبہ اجمعین ، فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم العمری الدہلوی عرض کرتا ہے کہ یہ چند کلمات کو کہ "العطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ" کے نام سے موسوم ہیں۔ میرے جد مادری قدوۃ العارفین عمدۃ الواصلین حضرت شیخ محمد پھلتی قدس اللہ تعالی سرہ العزیز کے احوال ومناقب اور ان کی کرامات پر مشتمل ہیں، واضح ہو کہ حضرت شیخ محمدؒ کے اجداد پہلے پورب کے ایک شہر سدھور میں مقیم ہوئے اور وہ نسلاً بعد نسل مسند تدریس کو زینت بخشتے رہے۔ یہاں تک کہ شیخ احمدؒ بن شیخ یوسف سلطان سکندر کی صحبت میں پہنچے اور وہاں ایک خاص مقام پیدا کیا۔ سلطان سکندر نے انہیں معاش کے لئے بارہہ کے علاقے میں چند مواضعات پیش کئے۔ اسی بنا پر قصبہ پھلت کو ان کی مستقل قیام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا، کچھ مدت کے بعد ان کی آل اولاد نے بھی وہاں سکونت اختیار کر لی، شیخ احمد مذکور کے برادر شیخ محمود کے فرزندوں میں سے دو، شیخ فرید اور شیخ محمد وہیں رہ گئے، مجموعی طور پر شیخ فرید اپنے آباو اجداد کے طریقے پر کاربند اور علوم کسبی وہبی سے بہرہ ور تھے۔ ان کے تین فرزند ہوئے شیخ فیروز، شیخ ابوالفتح اور شیخ عبدالرحمٰن، ان تینوں میں سے شیخ ابوالفتح نے عین جوانی کے عالم میں تحصیل علوم کی طرف توجہ کی انہیں علم سے وافر حصہ ملا اس کے بعد سلوک باطن کی طرف اپنی بلند ہمت کو مبذول کیا اور کافی عرصے تک اس دور کے صوفیا کی صحبت میں رہے۔ ایک ثقہ روایت کے مطابق آپ شیخ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچ کر ان سے بھی مستفیض ہوئے بعد ازاں شیخ نظام نارنولی جو کہ مشاہیر مشائخ چشت اور خواجہ خانوی گوالیری کے خلفاء میں سے تھے کی صحبت اختیار کی، یہ صحبت ان کو غایت درجہ راس آئی، برسوں ریاضتیں کیں اور بے پایاں

فیوض سے اپنی تشنہ روح کو سیراب کیا۔

جب آپ نے سلوک وارشاد کی تکمیل کر لی تو اپنے وطن واپس ہوئے۔ سننے میں آیا ہے کہ شیخ نظام خود علوم ظاہری زیادہ نہیں جانتے تھے ان کے گھر میں ان علوم کا فیض شیخ ابوالفتحؒ ہی کے ذریعے پہنچا حضرت شیخ نے اپنے مرشد کی اولاد کی تربیت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصے میں انہیں پڑھا لکھا کر دانشمند اور نامور بنا دیا۔

مزید یہ سنا گیا ہے کہ ایک صاحب دل بزرگ نے جب شیخ ابوالفتحؒ کو حضرت نظام کی بارگاہ میں دیکھا تو سخت تعجب کے انداز میں کہا آفتاب ستارے کی پناہ لئے ہوئے ہے مزید یہ بھی سنا گیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیزؒ کے خلفاء میں سے شیخ ہیبت اللہ انصاری جو کہ پھلت کے باشندے تھے نے سفر آخرت اختیار کرنے سے پہلے یہ وصیت کی کہ ان کا جنازہ شیخ ابوالفتحؒ پڑھائیں جب کہ عین اسی وقت حضرت شیخ ابوالفتحؒ نارنول میں تھے۔ لوگ انتظار میں تھے اور وضو کر رہے تھے کہ اتنے میں شیخ ابوالفتحؒ نہایت تیزی سے پہنچ گئے اور نماز جنازہ کے امام بنے۔ نارنول میں ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور وہ فوری طور پر وطن روانہ ہوئے، گویا ان کے وطن پہنچنے کا واقعہ اسی بات سے متعلق تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ دونوں شیوخ شیخ ہیبت اللہ اور شیخ ابوالفتحؒ نے آپس میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ ان میں سے جو بھی پہلے رحلت کرے گا، دوسرا اس کی نماز جنازہ پڑھائے گا۔ جب شیخ ہیبت اللہ مرض الموت میں مبتلا تھے اور شیخ ابوالفتحؒ نے نارنول کا عزم کیا تو جاتے وقت شیخ ہیبت اللہ نے انہیں اپنا وعدہ یاد دلایا۔ شیخ ابوالفتحؒ نے کہا کہ اگر ایسی صورت ہوئی تو وہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پھلت پہنچنے کا سبب دراصل یہی وعدہ تھا۔

مزید سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابوالفتحؒ کا رشتہ خواجہ طیفور کی عفت مآب صاحبزادی کے ساتھ ہونا قرار پایا۔ مجلس نکاح میں جب گانے کی آواز بلند ہوئی تو شیخ ابوالفتحؒ کی حالت متغیر ہوگئی اور وجد و رقص کی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ خواجہ طیفور کا مشرب انکار سماع تھا، اس لئے اس واقعے کو خواجہ طیفور تک پہنچایا گیا، خواجہ صاحب آئے اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کہنے لگے کہ اس عزیز کو حقیقی وجد ہوا ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور ایک روایت یہ بھی سنی گئی ہے کہ جب شیخ

ابوالفتح کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اپنے بھتیجے شیخ ابوالحسن کو بلوایا اور اشارے سے فرمایا کہ قرآن مجید کی کوئی صورت پڑھو۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو شیخ ابوالفتح نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے اور **سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون** (۱) پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرے کہ آپ کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ شیخ ابوالفتح کا اوراد و وظائف پر مشتمل ایک نہایت لطیف رسالہ آپ کی یادگار ہے الغرض جب شیخ ابوالفتح کے ایام زندگی پورے ہوئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالفضلؒ ظاہری و باطنی فیوض عام کرنے کے لئے ان کے جانشین ہوئے۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سب کی سب رضائے الٰہی، ترک دنیا و اہل دنیا، تدریس علوم دینیہ اور کتب سلوک مثلاً ''احیاء'' اور ''عین العلم'' کی تحقیق و توضیح اور ان کی اشاعت و عمل میں گزاری۔ آپ آداب طریقت میں نہایت خوش مسلک تھے فقیر (شاہ ولی اللہ) نے عین العلم کا نسخہ جس پر شیخ ابوالفضلؒ نے اپنی قلم سے حواشی لکھے ہیں، دیکھا ہے، اس کتاب کے حواشی کی خوبی ان کی تحقیق و تدقیق پر دلیل ہے۔

سنا گیا ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے عزیزوں میں سے ایک شخص کو کوئی چیز لانے کو کہا۔ اس شخص نے اس میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لی اور باقی شیخ کی خدمت میں پہنچا دی اسی دوران کہیں بطور نیاز آپ کی خدمت میں حلوہ آ گیا شیخ اسے تقسیم کرنے لگے جب اس شخص کی باری آئی تو اسے سب سے کم دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری اس خیانت کا بدلہ ہے جو تم نے ہمارے ساتھ کی۔

شیخ ابوالکرم

جب شیخ ابوالفضلؒ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالکرم جو کہ پہلے ملازم پیشہ تھے، سجادہ نشینی کے لئے کوشاں ہو گئے، اور اس منصب کی ذمہ داری سنبھالنے کا ارادہ کیا، اعزہ و اقارب میں سے ایک گروہ ان کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا، جب شیخ مبارک جو کہ شیخ ابوالفضلؒ کے خادم تھے نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ متفکر ہوئے اور حضرت شیخ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ شیخ کی طرف سے سجادہ نشینی کے منصب کی وضاحت ہو جائے۔ شیخ ابوالفضلؒ نے خواب میں اپنے خادم شیخ مبارک سے فرمایا کہ میرا سجادہ نشین وہی ہوگا جو کل فلاں

---

(۱) الصفت: ۱۸۰

درخت کے نیچے کھانا تقسیم کرے گا۔ شیخ مبارک نے یہ سارا واقعہ حاضرین کو بتا دیا۔ صبح سویرے یہ عجیب اتفاق ہوا کہ تقسیم طعام کا کام اسی درخت کے نیچے شیخ محمد عاقل کے ہاتھ میں تھا۔ رفتہ رفتہ شیخ ابولکرم کی جمعیت میں تفریق کے اسباب پیدا ہو گئے اور وہ اس مشکل وقت میں صبر کا مظاہرہ نہ کر سکے جو کہ فقراء کا خاصہ ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ شیخ محمد عاقل طالبان علم اور فقراء کی رعایت فرماتے تھے اور وظائف واوراد پر سختی سے کاربند رہنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ آپ جود وسخا اور ترک دنیا میں بہت بلند مقام کے مالک تھے آپ کے سب سے بڑے فرزند مخدوم شیخ محمد تھے

حضرت شیخ محمدؒ

بچپن ہی سے شیخ محمد کی جبین مبارک سے رشد وہدایت کے آثار ہویدا تھے اور اہل دل بزرگ ان کے ساتھ التفات سے پیش آیا کرتے تھے چنانچہ شیخ جلال جو شیخ آدم بنوریؒ کے خلفا میں سے تھے اور اس علاقے میں گوشہ نشینی اختیار کی ہوئی تھی، شیخ محمد عاقلؒ کے ساتھ بہت قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ جب شیخ محمد پیدا ہوئے تو انھوں نے بشارت دی اور بالوضاحت تمام خواص کو یہ خبر دی کہ یہ نومولود بچہ بلند رتبے کا مالک ہے۔ شیخ جلال نے اس بچے کی ولادت پر ایک دینار بطور ہدیہ دیا اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہ وصیت کی کہ ان کا نسخہ قرآن مجید شیخ محمد کو دیا جائے۔

جب شیخ محمد سن شعور کو پہنچے تو تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اپنی تعلیم کا کچھ حصہ نارنول میں اور کچھ مخدومی شیخ ابوالرضا محمد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا بعد ازاں قدوۂ ارباب کمال سیدی ووالدی شیخ عبدالرحیم قدس سرہ کی صحبت میں پہنچے جو انہیں حد درجہ موافق آئی، یہاں انھوں نے علوم کی تکمیل کی اسی دوران پردۂ غیب سے انہیں راہ معرفت کی طرف آنے کی دعوت ملی جسے حضرت شیخ نے مردانہ وار لبیک کہا۔ انھوں نے ان تمام سرچشموں سے استفاضہ کرتے ہوئے سالہا سال تک معرفت کی طلب میں پوری مستعدی دکھائی اور صوفیا کے تمام اشغال حاصل کیے یہاں تک کہ ۔

کان للہ بودۂ درما مضی
تا کان اللہ لہ آمد جزا

(کیا تو ماضی میں اللہ کے لئے تھا کہ اس کے بدلے میں خدا تیرے لئے ہو جائے) کے

مصداق مقامات تکمیل وارشاد سے دامن بھر کر آپ وطن مالوف کی طرف لوٹے، الغرض آپ کی سیرت یہ تھی کہ جود وسخا، تواضع وانکساری، ترک خواہشات نفس اپنے مرشد کے احترام اور ایام طلب وارشاد دونوں حلقوں میں اپنے شیخ کی رضا جوئی، افادۂ ظاہری و باطنی اور تاثیر توجہ میں اپنے تمام خاندان میں صاحب فضیلت تھے۔ اس سلسلے میں آپ کے بلند مقام کا یہ عالم تھا کہ ہمعصروں کے لئے ان کے ساتھ برابری کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

حضرت شیخ محمد فرمایا کرتے تھے کہ تحصیل علم کے دوران چونکہ ہمارے شیخ اکثر وبیشتر تجرد میں مستغرق رہتے تھے اور اس بناء پر ہمارے اسباق تھوڑے ہوا کرتے تھے، یہ دیکھ کر میرے دل میں قلق پیدا ہوا انہی دنوں اتفاقا میرا گزر شہر کے ایک عالم کے درس سے ہوا تو وہاں کی پابندی درس دیکھ کر میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ کچھ ضروری کتابیں اس درس میں پڑھ لینی چاہئیں جب میں واپس حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور قلم اٹھا کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر دو تین لفظ لکھے اور اسے وہیں پھینک کر گھر تشریف لے گئے، میں نے کاغذ کا وہ پرچہ اٹھا کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا، ”آج تم کہاں گئے ہوئے تھے کہ میں تمہارے اندر ایک ظلمت دیکھ رہا ہوں“۔ میں نے توبہ کی اور اپنے ارادے سے باز آیا، پھر اس قسم کا کوئی خیال میرے ذہن میں نہ گزرا۔

ایک روز حضرت شیخ (مرشد شیخ محمدؒ) نے اپنے ایک مرید کو کسی صاحب کے گھر ایک بکری پہنچانے کا حکم دیا، جب اس نے بکری کو ہنکانے اور اٹھانے دونوں صورتوں میں دشواری محسوس کی تو اس نے کسی مزدور کی تلاش شروع کی مگر اسے کوئی مزدور ہاتھ نہ آیا۔ اس لئے اس کام میں تاخیر ہوگئی۔ شیخ محمدؒ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً بکری کو کاندھے پر اٹھا کر چل پڑے۔ جب شیخ محمد واپس آئے اور حضرت شیخ کو دونوں کے بارے میں علم ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ شیخ محمد کو اس کی حسن خدمت میں مقربین کے درجے پر پہنچایا۔ اور دوسرے کو اس کے قصور نے اس مرتبے کے حصول سے باز رکھا۔ شیخ محمدؒ نے فرمایا کہ لگ بھگ آدھی رات کا وقت تھا کہ حضرت شیخ مسجد سے اٹھ کر جب اپنے دروازے پر پہنچے تو ایک لمحے کے لئے مراقبے کی صورت میں بیٹھ گئے اور اس وقت مجھ سے فرمانے لگے اگر کوئی طالب راہ سلوک تمہاری طرف رجوع کرے تو جو کچھ تمہیں مجھ

سے پہنچا ہے اسے اس کی تلقین کرنا تمہیں اس کی اجازت ہے۔ میں قدرے توقف میں پڑ گیا اور میرا دل کہ جس میں کبھی اس طرح کا خیال نہیں آیا تھا اس بات سے گھبرا گیا حضرت شیخ میرے اس خدشے پر مطلع ہو کر فرمانے لگے، اس وقت خدا تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کے نام مجھے الہاماً بتا دیئے ہیں جو تم سے براہ راست یا بالواسطہ بیعت کریں گے چاہو تو میں ان میں سے کچھ کے نام تمہیں بتا دوں، یہ جان لو کہ جب کوئی امر خدا تعالیٰ کے ہاں مقرر ہو جائے تو پھر وہ محل توقف نہیں ہوتا۔

تاثیر صدقہ

شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک امیر کو رکاوٹ پیشاب کا عارضہ لاحق ہو گیا بہت علاج معالجہ کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ اسی دوران شیخ بایزیدؒ اللہ گو درویشوں کی اللہ اللہ پکارنے والی جماعت کے ساتھ وہاں سے گزرے۔ امیر کے متعلقین ان کے پیچھے دوڑے اور عرض کیا کہ ہمارے یہاں ایک بیمار ہے اس کے حال پر توجہ فرمائیں۔ شیخ بایزیدؒ اللہ گو اس گھر میں داخل ہوئے۔ بیمار کی پریشانی دیکھ کر شفقت فرمائی اور خدا کی راہ میں کوئی چیز دینے کے لئے کہا۔ اس نے کہا جس قدر فرمائیں؟ آپ نے فرمایا فی الحال ایک ہزار روپیہ حاضر کرو۔ شیخ دروازے کے باہر کھڑے ہوئے اور اپنا پرایا جو بھی سامنے آیا وہ روپیہ ان میں تقسیم فرماتے گئے یہاں تک کہ رقم ختم ہو گئی تو پوچھا کہ اب مریض کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا ابھی تو ویسے ہی ہے فرمایا ایک ہزار روپیہ مزید لاؤ۔ وہ لے آئے وہ بھی تقسیم کر دیا اور پوچھا کہ اب کیسا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اسی طرح ہے، یہ سن کر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے خدا اب کے مجھے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے اپنے فضل سے اس مریض کو شفا عطا فرما دے۔ اسی وقت مریض کے پیشاب کی رکاوٹ ختم ہو گئی اور وہ شفایاب ہو گیا

فرمایا کرتے تھے کہ سترہ سال ہوئے میں خود کو خود میں نہیں پا رہا اور اکثر یہ رباعی پڑھا کرتے تھے۔

اے دوست ترا بہ ہر مکاں می جستم
وز تو خبر ز ایں و آں می جستم
دیدم بتو خویش را تو خود من بودی
خجلت زدہ ام کز تو نشاں می جستم

(اے محبوب ازل تجھے میں نے ہر جگہ تلاش کیا اور ایں وآں ہر چیز سے تیری خبریں پوچھیں۔ جب میں نے تیری تلاش میں خود پر نظر کی تو میں نہ تھا تو ہی تھا اس لئے شرمندہ ہوں کہ میں تیرا نشان پانے کی تلاش میں سرگرداں تھا)۔

حضرت شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک روز مشاہدات میں حق سبحانہ وتعالیٰ ایک دوست کی صورت میں اس طرح جلوہ گر ہوئے کہ گویا ایک بچے کو انگلی سے پکڑے ہوئے لا رہے ہیں اور مجھے فرمایا کہ یہ بچہ تیرے گھر پیدا کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا بار خدایا تیری مخلوق ہے تو جہاں چاہے پیدا کرے۔ اس واقعے کے تھوڑے عرصے بعد مخدومی شاہ عبید اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ جو کہ حضرت شیخ محمد کے سب سے بڑے فرزند تھے، پیدا ہوئے۔

حیات شہید

فرمایا کہ میرے اقارب میں سے محمد یحییٰ نامی ایک شخص جو کہ پورب کے کسی علاقے میں شہید ہو گیا تھا طالب علمی کے دور میں ایک دن مسجد جٹو کے ایک حجرے میں تنہا کواڑ بند کئے بیٹھا تھا کہ اچانک وہ عزیز میرے سامنے ظاہر ہوا اس کے لباس اور ہتھیاروں کی چمک زمین پر پڑ رہی تھی، میں نے کہا کہ کچھ اپنے بارے میں تو بتاؤ، کہنے لگا کہ جب میں زخم کھاتا جاتا تھا تو ایسی لذت محسوس ہوتی تھی کہ جس کی حلاوت اب بھی میرے دل میں باقی ہے اس وقت بادشاہ کو فوج فلاں بت خانے کو توڑنے کی خاطر جا رہی ہے میں بھی ان کی رفاقت میں جا رہا ہوں یہاں سے گزر رہا تو آپ سے ملاقات کا شوق مجھے یہاں لے آیا۔

حیات اولیاء

جب حضرت شیخ محمدؒ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیمؒ) نے ان کے مزار پر بیٹھ کر حاضرین کو ذکر بالجہر کا حکم دیا۔ اس مجلس ذکر کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ محمد کی روح نے میرے سامنے ظاہر ہو کر کہا ''میں چاہتا تھا کہ اپنے جسم سمیت آپ کے پاس آؤں کیونکہ خدا نے مجھے یہ طاقت عطا کر رکھی ہے مگر یہ بات مصلحت کے خلاف تھی۔

حضرت شیخ محمدؒ کے تصرفات اور بعض کرامات

صورت شیخ کا کرشمہ

آپ کے مرید خاص سید علی بیان کرتے ہیں کہ عنفوان شباب میں شراب نوشی کا مرتکب تھا اور کسی بھی برے فعل سے احتراز نہیں کرتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر کسی بزرگ کی زیارت سے میں ان قبیح امور سے باز آ گیا اور تقویٰ و پرہیزگاری میرے دل میں جاگزیں ہوگئی تو میں اس کی صحبت اختیار کروں گا اور اسی سے بیعت کروں گا۔ حضرت شیخ محمدؒ کسی تقریب کے سلسلے میں قریہ سرائے میں تشریف لائے، چونکہ میرے والد ان کے معتقد تھے اس لئے میں بھی ان کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا تم کہاں تھے؟ اور کہاں نوکر ہو؟ یہ دو تین لفظ انھوں نے میرے بارے میں ادا فرمائے ہی تھے کہ میرے دل میں ایک عجیب قسم کی کشش پیدا ہوئی اور تمام برے امور سے ایسی نفرت پیدا ہوئی جو لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ میں اٹھا شراب کی تمام بوتلیں توڑ ڈالیں، برے افعال کی تمام اسباب ہٹا دیئے، غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور توبہ کر کے آپ سے بیعت ہوگیا اور باقاعدگی سے آپ کی صحبت میں شامل ہونے لگا، کچھ عرصہ بعد مجھے سفر کابل کا اتفاق ہوا تو میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میرا ارادہ تھا کہ کچھ وقت آپ کی صحبت کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوتا مگر کیا کروں کہ قسمت کابل کی طرف کھینچے لئے جاتی ہے۔ اس پر آپ نے یہ مشہور شعر پڑھا۔

گر در یمنی چو بامنی پیش منی
در پیش منی چو بے منی در یمنی

(چاہے تم یمن میں بھی رہو لیکن مجھے اپنے ساتھ رکھو تو یہ یوں ہے جیسے میرے سامنے ہو اور اگر میرے ساتھ بھی رہو مگر میرے تصور کے بغیر ہو، تو یہ ایسے ہے، جیسے یمن میں ہو)

اس کے بعد آپ نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور میں کابل پہنچ گیا، وہاں ایک دن اتفاق

سے مجھے ایک عورت کے ساتھ تنہائی میسر آ گئی اور بدکاری کی خواہش نے مجھ پر پوری طرح غلبہ پالیا، قریب تھا کہ میری توبہ ٹوٹ جاتی کہ عین اسی وقت حضرت شیخ محمدؒ کی صورت مبارک میری آنکھوں کے سامنے آموجود ہوئی۔ آپ کی شکل مبارک دیکھتے ہی مجھ پر سوار شہوت کا بھوت یکدم غائب ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کابل میں تین چار سال گزارے لیکن اس دوران عورتوں کا خیال تک میرے دل میں پیدا نہ ہوا۔ اس سے مجھے یہ گمان گزرا کہ میں نامرد ہو گیا ہوں، مگر جب وطن واپس آیا اور اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ صحبت کی تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نامرد نہیں تھا بلکہ یہ عظمت حق تھی (جس کے طفیل میں بدکاری سے محفوظ رہا)

عظمت اللہ نامی ایک طالب علم حضرت شیخ محمدؒ کی خانقاہ میں مقیم تھا جو حسین شکل وصورت کا مالک تھا، جب وہ نغمہ کی لے چھیڑتا تو حضرت شیخ بہت خوش ہوتے تھے، ایک رات آپ حد درجہ مسرور تھے کہ عظمت اللہ کو گانے کے لئے فرمایا۔ اس نے تن داری کرتے ہوئے بات سنی ان سنی کر دی، آپ نے اسے دو دو تین بار طلب فرمایا مگر اس نے اسی طرح انکار پر اصرار کیا۔ اس پر آپ غضب ناک ہو گئے اور بنظر غضب اس کی طرف متوجہ ہوئے، تو اس کی حالت میں عجیب وغریب تبدیلی آ گئی۔ چہرہ زرد پڑ گیا، جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور اسے اپنی ہلاکت کا خوف پیدا ہوا، چنانچہ اس نے آپ کے خادم خاص محمد جعفر سے سفارش کی التجا کی جب اس نے حضرت شیخ کے حضور اس کی سفارش کی تو آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ اس کی جس خوش الحانی سے مجھے دلچسپی تھی وہ تو واپس نہیں آئے گی اس کے بعد واقعتاً وہ اس خوش آوازی سے محروم ہو گیا اور تمام لوگوں کی طبیعتیں اس سے اچاٹ ہو گئیں بعد ازاں کئی طرح کی برائیوں اور بدعقیدگیوں کا مرتکب ہو گیا اور کہیں امن وسکون نہ پا سکا (العیاذ باللہ)

سلبِ مرض

ایک بار سید برہان بخاری قولنج کے درد میں مبتلا ہو گئے اور شدید بے چینی محسوس کرنے لگے، آپ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر اس کے مرض کو اس طرح سلب کر لیا کہ اسے فوراً شفائے کاملہ ہو گئی البتہ کبھی کبھی قولنج کا یہ عارضہ حضرت شیخ کو ہو جاتا تھا۔

تصرفِ شیخ

میر عبداللہؒ کہ آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے، بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت شیخ ایک دفعہ ایک جگہ تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ہمراہ تھا آپ نے جب واپس آنے کا عزم کیا تو مجھے تیز بخار نے آلیا، یہاں تک کہ ملنے کی سکت باقی نہ رہی میرے لئے سواری تلاش کی گئی لیکن نہ مل سکی۔ آخر فرمانے لگے کہ اگر کر سکے تو میرے گھوڑے کے آگے آگے چل، تجھے ایک عجیب واقعہ دکھائی دیگا چنانچہ بہت دقت اور محنت کے ساتھ لوگوں نے مجھے کھڑا کیا اور حضرت شیخ کی نظر کے سامنے لے آئے، میں نے تکلیف کی شدت میں قدرے کمی محسوس کی اور آپ کے گھوڑے کے آگے چلنا شروع کیا۔ بخار کی شدت آہستہ آہستہ کم ہونے لگ گئی، یہاں تک کہ میں پوری طرح صحت یاب ہو گیا اور ساری مسافت پیدل طے کی۔

تکثیر طعام

قصبہ سنوتہ میں ایک دفعہ آپ کے ایک معتقد نے دعوت کا اہتمام کیا، اور صرف پندرہ آدمیوں کا کھانا تیار کرایا۔ ابھی دستر خوان لگا ہی تھا کہ شیخ یعقوب حاکم نلوہہ ایک کثیر جماعت لئے ہوئے آپ کی زیارت کو آیا، میزبان کچھ گھبرا سا گیا، آپ نے فرمایا فکر کی بات نہیں، اس کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے اسی وقت حکم دیا کہ بہت ساری پلیٹیں لائی جائیں، سب کو اچھی طرح پر کیا جائے اور تمام لوگ سیر ہو کر کھانا کھائیں، چنانچہ بالکل اسی طرح ہوا اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا بعض اوقات فقراپوں بھی کیا کرتے ہیں۔

من عادلی ولیا فآذنته بالحرب

شیخ اللہ بخش جو آپ کے خاندان کا ایک فرد اور باوقار و معتمد انسان تھا، نے ایک دفعہ آپ کی شان میں کوئی نامعقول بات کہی اور گستاخی کی۔ آپ طیش میں آ گئے اور فرمانے لگے خداوندا اس شخص کا منہ پھر مجھے مت دکھانا اور اسی وقت سوار ہو کر کسی جگہ تشریف لے گئے، وہ اسی دم بیمار پڑ گیا یہاں تک کہ اس پر جان کنی کا عالم طاری ہو گیا، تیسرے روز جب آپ واپس تشریف لائے تو وہ دم توڑ چکا تھا چنانچہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

شیخ عبدالوہاب جو حضرت شیخ محمد کا چچازاد بھائی تھا، نے ایک عمارت تعمیر کرائی، اس علاقے

کے ایک رئیس رستم نے شیخ عبدالوہاب کی عدم موجودگی میں اس عمارت کو گرانے کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے یہ بات حضرت تک پہنچائی تو آپ نے فرمایا کہ بہت نامناسب سی بات ہے کہ رستم شیخ عبدالوہاب کی عمارت گرائے اور ہم بھی موجود ہوں، جنگ وجدل تو فقراء کا شیوہ نہیں البتہ میں ایسا تصرف کرتا ہوں کہ وہ یہاں تک پہنچ ہی نہ سکے گا چنانچہ جب رستم عمارت گرانے کی خاطر لشکر لے کر باہر نکلا تو سید لشکر خاں کے عاملوں میں سے ایک آدمی اس کے ساتھ اس بارے میں متفق نہ ہوا اور اس نے راستے میں ان کے ساتھ تنازعہ شروع کر دیا نتیجہ یہ نکلا کہ اس عامل کا بھائی مارا گیا، رستم اس میں ماخوذ ہوا اور اسی مواخذے میں ہی مر گیا۔

امداد اولیاء

سید محمد وارثؒ کا بیان ہے کہ مجھے ایک سفر کا اتفاق ہوا، میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے توجہ کی درخواست کی۔ آپ نے خیر و عافیت کی خوشخبری دی، اتفاقاً سفر میں ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور مجھے اپنی موت کا خوف محسوس ہوا، اس حالت میں حضرت شیخؒ کی جناب میں متوجہ ہوا، فوراً مجھ پر رعشہ طاری ہو گیا اور خواب میں حضرت شیخؒ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں فلانے! تمہیں کس لئے روکا ہے؟ اٹھو اور روانہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے مجھے دو لڈو عنایت فرمائے جو میں نے جیب میں رکھ لئے، جب اس غنودگی سے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں لڈو بدستور میری جیب میں موجود ہیں، چنانچہ میں اٹھا اور سوار ہو کر اپنی منزل کو چل دیا۔ تمام ڈاکو مجھ سے غافل رہے اور ان میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے تعرض نہ کر سکا، وہ لڈو ایک عرصے تک (بطور تبرک) میرے پاس موجود رہے مگر جب حضرت شیخؒ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے تو میں نے کھا لئے۔

حضرت شیخؒ کے انتقال کے بعد آپ کے متوسلین میں سے ایک معمر عورت تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئی اور انتہائی کمزور پڑ گئی۔ رات کے وقت اسے پانی اور لحاف اوپر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی خود اسے اٹھنے کی طاقت نہیں تھی اور پاس کوئی تھا نہیں چنانچہ حضرت شیخؒ متمثل ہو کر تشریف لائے، آپ نے اسے پانی پلایا، لحاف اوڑھایا اور پھر غائب ہو گئے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

جب شاہ عالم اور اعظم ایک دوسرے کے خلاف صف (۱) آرا ہوئے تو آپ کے ایک مرید نے عریضہ ارسال کر کے آپ سے استفسار کیا کہ ان دونوں میں سے کون فتح مند ہوگا آپ جس کی فتح اور کامیابی کی تصدیق فرمائیں میں اسی کا ساتھ دوں، آپ نے اسے بالوضاحت لکھ بھیجا کہ فتح شاہ عالم کی ہے، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

ختم خواجگان

کفار مانکیان نے اپنا ایک جتھہ بنا رکھا تھا جو اکثر اس علاقے کے شہروں کو لوٹا کرتا تھا، بستی والے بہت پریشان ہوئے اور آپ کے حضور دعا کے لئے درخواست کی آپ نے فرمایا اس سے پہلے تو جس چیز کی طرف چاہتا اپنی قوت تصرف کو متوجہ کر دیا کرتا تھا اب تو ہمت و ارادہ بھی باقی نہیں رہا جو کسی چیز سے متعلق ہو، مگر حکم خداوندی کے تحت اس کے اسمائے گرامی سے تمسک ضرور کرنا چاہئے۔ یہ کہہ کر آپ ختم خواجگان میں مشغول ہو گئے اور فراغت کے بعد فرمانے لگے دعا قبول ہوگئی ہے حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس قوم کو کفار کی ہماری طرف آنے سے روک دیا ہے، چند روز گزرے ہی تھے کہ ایسے ہی ہوا۔

حضرت شیخ محمدؒ جب کسی کے حق میں بنظر قبول التفات فرماتے تو وہ ایک دم عالم غیبت میں پہنچ جاتا اور عجیب وغریب حالات رونما ہوتے۔

تاثیرِ نظر

ایک دفعہ موضع سنبل ہیڑہ کے باشندوں نے آپ سے توجہ اور تاثیر کی استدعا کی آپ نے ایک ہی نظر ڈالی تو سید نور علی سید ملتانی وغیرہ سترہ کے سترہ (حاضرین مجلس) شخص بیہوش ہو کر گر پڑے۔

ایک مرتبہ قصبہ لاور کے رہنے والے شیخ مانک آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ حضور! میں آپ کی توجہ وتاثیر کو آزمانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت شیخ نے اس پر توجہ فرمائی تو وقت اشراق سے لے کر جمعہ تک بے ہوش پڑا رہا۔ جب اسے جھنجھوڑا گیا تو وہ مستانہ

---

(۱) اورنگ زیب عالمگیر کے ان فرزندوں کے درمیان ۱۱۱۹ھ میں اکبر آباد میں جنگ ہوئی۔

حرکتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آیا تو اس سے اس کی حالت کے بارے میں پوچھا گیا اس نے کہا کہ اگر ایک ساعت حضرت شیخ مزید توجہ فرماتے تو میری روح بدن سے پرواز کر جاتی۔

سید عبدالرحیمؒ اور سید ہاشم حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت وصحبت کا ناطہ جوڑا آپ کی صحبت کی تاثیر کی وجہ سے دونوں میں عجیب کیفیت پیدا ہوگئی۔

کشف قبور

سید عبدالرحیمؒ کو کشف قلوب اور کشف قبور حاصل ہوا، جس قبر پر جاتے اس کی حقیقت بیان کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار کھاتولی کے قریب کہنے لگے کہ مجھے ایک شعلہ نظر آتا ہے جو زمین سے نکل کر آسمان تک پہنچ گیا ہے۔ جب ایک قبر کے نزدیک پہنچے تو فرمایا کہ شعلہ اس قبر سے نکل رہا ہے۔ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ صاحب قبر زندگی میں ظلم اور بدکاری میں مبتلا تھا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی شخص سامنے سے گزرا تو سید عبدالرحیمؒ فوراً اس کے دل کا حال بیان کر دیا کرتے تھے رفتہ رفتہ سید عبدالرحیمؒ پر جنون کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور مجذوبوں کی سی حالت ہوگئی۔ ان کی والدہ نے حضرت شیخ کی خدمت میں فریاد وزاری کی تو آپ نے فرمایا اسے کچھ عرصے کے لئے میری صحبت میں حاضر رہنا چاہئے، کچھ وقت تک اسے حضرت شیخ کی نگرانی میں رکھا گیا تو ان کی حالت معمول پر آگئی۔

سید ہاشم کی کیفیت یہ تھی کہ جو آسیب زدہ بھی ان کے سامنے لایا جاتا۔ ان کا سامنا کرتے ہی جن بھوت فوراً فرار ہو جاتا۔ اس طرح ایک عالم آپ کے کرشمہ نظر کے نتیجے میں آسیب جنات سے چھٹکارا حاصل کرتا تھا رفتہ رفتہ ان پر بھی حالت جذب طاری ہوگئی سارا دن صحرا و بیابان میں گھومتے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک رات آپ ایک ہندو جوگی کے تکیے پر پہنچے اس نے ایسا جادو کیا کہ تالاب کے کنارے پر سنگریزوں سے خشک کھالوں کی رگڑ کی آواز سنائی دینے لگی آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کے بعد بھینسے کی شکل میں ایک خوفناک دیو ظاہر ہوا جس نے سید ہاشم پر حملہ کر دیا مگر آپ عالم مستی میں حق حق کا نعرہ لگاتے ہوئے جو اس کی طرف پلٹے تو ایک ہی ساعت میں اسے راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا۔ جب ہندو جوگی نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً مسلمان ہو گیا

ایک دفعہ عبدالسبحان نامی ایک شخص حضرت شیخ محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے تصرف فرمایا تو اس پر توحید کی ایک قسم منکشف ہوئی جس کے نتیجے میں وہ دیوانہ وار گلی کوچوں میں گشت کرتا ہوا ہر چیز کو خدا کہنے لگا۔ اور ہر قسم کے شرعی وعرفی آداب سے بے نیاز ہو گیا۔ لوگ اس بات سے تنگ آ گئے اور اس کو دوبارہ حضرت شیخ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس کی اس ساری کیفیت کو سلب فرمالیا اور وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے۔

کشف غیوب

سید عنایت اللہ ساکن سنس بلیڑہ کو حضرت شیخ کی توجہ سے قلیل مدت میں غیب کی باتوں کا کشف حاصل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار سید صاحب بیمار پڑ گئے اور حضرت شیخ ان کی عیادت کو گئے۔ سید صاحب پر شیخ کے سوار ہونے کے وقت سے لے کر گھر پہنچنے تک کے تمام حالات اس طرح منکشف ہو گئے جیسے چشم ظاہر سے دیکھ رہے ہیں۔ شیخ ادھر سوار ہوئے ادھر انھوں نے کہا کہ اب سوار ہوئے ہیں۔ پھر کہا اب فلاں جگہ پہنچے ہیں، اب شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ دوستو! اٹھو، شیخ کے استقبال کے لئے نکلو۔ پھر کہا، اب میرے دروازے پر تشریف لے آئے ہیں اس لئے مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔

مثال وحدۃ الوجود

سید ملتانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں عجیب وغریب غیبت حاصل ہوئی، لوگوں کے شور وشغب کا کوئی احساس نہیں کرتے تھے کیونکہ ان پر توحید کا غلبہ تھا۔ کسی نے ان سے توحید کی مثال پوچھی کہنے لگے جس طرح ایک مٹکے کو ریت سے بھر کر اس میں پانی ڈال دیا جائے اور وہ پانی اس ریت کے ہر ہر ذرے میں سرایت کر جاتا ہے اسی طرح ذات وحدہ لاشریک کائنات کے ہر ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

نگاہ ولی

محمد محسن حضرت شیخ کی صحبت میں حاضر ہوئے اور چند ہی روز میں آگاہی ذات سے مشرف ہو کر ہمہ اوست کی معرفت کے مرتبے پر فائز ہو گئے۔ حضرت شیخ نے محمد جعفر کو اس پر مقرر کر دیا کہ محمد محسن سے نماز نہ چھوٹ جائے لیکن تھوڑے عرصے بعد محمد محسن کو اس کیفیت سکر سے قدرے افاقہ

ہو گیا، بعد ازاں محمد محسن کی توجہ تھوڑی ہی مدت میں یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک شخص جو کسی عورت کی محبت میں مبتلا اور دیوانہ وار زار وقطار روتا پھر رہا تھا اس کے بارے میں بعض دوستوں نے آپ سے کہا کہ افسوس ہے کہ ایسا مرد ہاتھ سے جا رہا ہے اس پر محمد محسن نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور ایک دو لمحے اس پر توجہ ڈالی تو اس عورت کی محبت اس کے دل سے بالکل زائل ہو گئی اور اس کی جگہ محبت الٰہی نے گھر کر لیا۔

عبدالہادی نامی ایک شخص جو کہ سماع اور وجد کا منکر تھا آپ کی خانقاہ میں وارد ہوا۔ اتفاقاً اسی روز آپ ایک مجلس سماع میں مدعو تھے، راستے میں اس سے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا کبھی تو نے وجد بھی کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کیا تم وجد کرنا چاہتے ہو؟ تو اس نے تعجب کا اظہار کیا سماع کے دوران آپ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر اپنا تصرف کیا تو وہ شخص مستانہ حرکتیں کرنے لگا۔ اس کی یہ کیفیت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ مسلسل دو روز اسی طرح بیخود رہا۔

جہاں آباد کا رہنے والا لنھو نامی ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس پر توجہ فرمائی تو وہ ایسا بے خود ہوا کہ جو بھی اس وقت اس پر نظر ڈالتا، اس پر بھی بیخودی کے اثرات ظاہر ہونے لگتے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حضرت شیخ محمد پھلتی کے تصرفات اور باطنی توجہات حد و شمار سے باہر ہیں۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

حضرت شیخ محمد ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۵ھ میں رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے رضی اللہ عنہ وارضاہ والحقنابہ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اساتذہ ومشائخ حرمین کے مختصر حالات

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے حرمین شریفین کو خیر البلاد بنایا اور ہر دور میں ان میں اپنے منتخب بندوں کو ٹھہرایا اور درود وسلام ہوں ہمارے آقا سید الکونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل اور اصحاب پر۔

فقیر ولی اللہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جنھیں انسان العین فی مشائخ الحرمین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے حرمین شریفین کے بعض ان مشائخ صوفیا اور علمائے محدثین کے حالات پر مشتمل ہیں جن سے اس فقیر کو سلسلہ خرقہ صوفیا اور اسناد حدیث پہنچی ہیں، جزاھم اللہ تعالٰی عنی خیر الجزاء.

شیخ احمد شناویؒ

آپ علی بن عبد القدوسؒ بن محمد عباس شناوی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کے آبا واجداد گرامی اولیائے کبار میں سے ہوگزرے ہیں۔ شیخ عبد الوہاب شعراوی نے ان کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ آپ علوم شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ علم حدیث شمس رملی اپنے والد بزرگوار سید غضنفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن بکری سے حاصل کیا اور اپنے والد بزرگوار سے خلافت پائی۔ ان کی صحبت کے بعد سید صبغۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھوں بھی خرقہ خلافت پہنا۔ آپ ان کی صحبت سے درجات عالیہ پر پہنچ کر ان کے خلیفہ بنے کہا جاتا ہے کہ تربیت سالکین کے سلسلے میں انھوں نے کہا لو کان الشعراوی حیا ما وسعہ الا اتباعی (یعنی اگر شعراوی زندہ ہوتے تو وہ بھی میرے اتباع کرتے) آپ کا قول ہے کہ عھدنا بحفظ وان لم یحفظ. کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ کہتا ہے کہ متاخرین اہل حرمین کی اصطلاح میں قبول بیعت سے مراد اخذ عہد ہے، یعنی جب بھی مشائخ صوفیا کسی کی بیعت قبول کرتے ہیں تو اس سلسلے کے تمام مشائخ چاہے

زندہ ہوں یا گزشتہ کی برکات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔

آپ کا قول ہے کہ لایدخل النار من رانی ورای من رانی الی یوم القیامۃ (وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رہے گا)

کہتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک گرگٹ کو دیوار پر جاتے ہوئے دیکھا حکم شرعی کے تحت آپ نے اسے مارنا چاہا مگر شہود وحدت نے آپ کے اس ارادے کو متزلزل کر دیا، ایک بار پھر اس کو مارنے کا ارادہ کیا مگر شہود وحدت مانع رہا۔ غرض ان دو اندیشوں کے درمیان الجھے ہوئے تھے کہ آخر کار حکم شرعی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرتے ہوئے ایک پتھر اسے دے مارا، نشانہ چوک گیا اور گرگٹ بھاگ گیا آپ بہت خوش ہوئے اور کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے لئے دونوں باتیں جمع کر دیں، شیخ احمد قشاشیؒ نے اس حکایت کے بعد کہا کہ اگر وہاں میں ہوتا تو ہرگز تامل نہ کرتا اور فوراً اس گرگٹ کا سر کچل دیتا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ قشاشی کی مراد یہ تھی کہ وحدت فی الحقیقت کثرت میں اس طرح جلوہ گر ہے کہ کثرت اور اس کے احکام کے ساتھ ان کا کوئی تضاد نہیں اگرچہ پانی اور آگ دونوں وجود کے لحاظ سے ایک ہیں لیکن چونکہ ان میں سے ہر ایک فیض خاص کا مظہر اور استعداد مخصوص کا منبع ہے، لہٰذا پانی آگ سے اڑ جاتا ہے اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے، اور حکم شرع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کثرت کے احکام میں نظم و ترتیب قائم رہے اور شہود کامل یہ ہے کہ وحدت، کثرت سے مزاحم نہ ہو اور کثرت وحدت کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔

چوں کہ بیرنگی اسیر رنگ شد
موسوی با عیسوی در جنگ شد

(چونکہ بے رنگی نے رنگ کا روپ اختیار کر لیا اس لئے موسوی عیسوی کے خلاف میدان جنگ میں کود پڑا)

آپ ۱۰۲۸ھ میں وصال فرما کر جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

شیخ احمد قشاشیؒ

آپ محمد بن یونس القشاشی المعروف عبدالنبی بن شیخ احمد الدجانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ ”دجانہ“ (بہ تخفیف جیم) بیت المقدس کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔ آپ اسی قصبے کے نہایت بزرگ باشندے تھے۔ شیخ عبدالوہاب نے طبقات میں ان کے حالات زندگی لکھے ہیں۔ شیخ یونس کو عبدالنبی کے نام سے اس لئے پکارا جاتا تھا کہ وہ لوگوں کو اجرت دے کر مسجد میں بٹھاتے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و صلوٰۃ پڑھیں۔ آپ کو قشاشی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپانے کی غرض سے مدینہ منورہ میں قشاشہ فروشی کی دکان کرتے تھے اور قشاشہ پرانے سامان کو کہتے ہیں مثلاً دواتیں، پرانے جوتے اور اسی طرح کی دوسری اشیاء، آپ کے والد بزرگوار محمد مدنیؒ بھی عالم اور مرد صالح تھے۔ شیخ احمد قشاشی علم حقیقت و شریعت کے امام تھے۔ حقائق معرفت کے بارے میں آپ کی گفتگو آیات و احادیث سے مدلل ہوتی تھی، کئی مشائخ کی صحبت میں رہے اور خرقۂ خلافت اپنے والد سے حاصل کیا، مگر انہیں گوہر مقصود شیخ احمد شناویؒ سے حاصل ہوا۔ اسی لئے انھوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کیا، کہا جاتا ہے کہ شیخ احمد قشاشیؒ نے مشائخ صوفیا کی تلاش میں سفر اختیار کیا، جب واپسی پر جدہ پہنچے تو حالت کشف میں ان پر یہ ظاہر ہوا کہ شیخ احمد شناوی سامنے کھڑے ہیں اور ان کی شرمگاہ سے مادہ منویہ خارج ہو رہا ہے جس کی وجہ سے ان کے پاؤں اور کپڑے آلودہ ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو ان کے ذہن میں اس واقعے کی یہ تعبیر آئی کہ شیخ شناوی مرتبۂ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں لیکن ان سے اکتساب فیض کرنے والا ابھی تک کوئی نہیں، اس کے فوراً بعد وہ حضرت شناویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے جب انھیں دیکھا تو فرمایا ہم اس شخص کو مرحبا کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم کا فیض پانے کے لئے آیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد قشاشیؒ نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین بن عربی (۱)

---

(۱) شیخ ابوبکر محی الدین بن علی المعروف ابن عربیؒ و شیخ اکبرؒ ۱۷/ رمضان ۵۶۰ھ مطابق ۱۱/ جولائی ۱۱۶۵ء میں مرسیہ میں پیدا ہوئے جو اندلس کے جنوب مشرق میں واقع ہے آپ کا تعلق مشہور عرب قبیلے ”بنو طے“ سے تھا۔ آپ ۵۶۸ھ میں اشبیلیہ آئے جو اس وقت علم و ادب کا مرکز تھا۔ آپ نے تقریباً تیس برس کا طویل عرصہ تعلیم و تعلم اور اسلامی فلسفے کے مطالعے میں گزارا۔ ۳۸ برس کی عمر میں بلاد مشرق کی طرف روانہ ہو گئے اور مصر و مشرق قریب اور ایشیائے کوچک کی سیاحت میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران آپ بیت المقدس، (باقی اگلے صفحہ پر)

نے انھیں خرقۂ خلافت پہنا کر اپنی ہمشیرہ ان کے نکاح میں دے دی ہے۔ اس کی تعبیر انھوں نے یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد اور حلب گئے بالآخر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شیخ ابن عربیؒ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے نظریۂ وحدت الوجود کے فلسفہ کی عقلی وشرعی تشریحات کی بنا پر پوری دنیا پر بالعموم اور عالم اسلام پر بالخصوص ہمہ گیر اثرات ڈالے ہیں۔ حقیقت کائنات ذات واجب الوجود، ماہہ الموجودیت امر وخلق، انسان اور خدا ایسے بنیادی اور دقیق مسائل پر جس جامعیت سے انھوں نے قلم اٹھایا ہے اس میں وہ اپنے انداز فکر، قوت استدلال اور حقیقت پسندی کے اعتبار سے ہر مذہب وملت کے مفکرین سے بازی لے گئے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے مطابق ہر دور کے مسلمان فلاسفہ، مفکرین اور تمام سلاسل کے صوفیا نے نہ صرف یہ کہ ان کے نظریات کو تسلیم کیا بلکہ خراج عقیدت کے طور پر انہیں شیخ اکبر کے نام سے موسوم کیا ہے، مشائخ صوفیا کے تمام سلاسل میں سے صرف دو بزرگوں شیخ علاء الدین سمنانیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے وحدۃ الوجود پر ان سے اختلاف کیا جسے زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق حضرت مجددؒ خود بھی آخر عمر میں وحدۃ الوجود کی طرف لوٹ آئے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح نہ بھی ہو تو بھی تمام سلاسل بشمول سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کا وحدۃ الوجود پر اجماع ہے ایسی صورت میں ایک دو بزرگوں کا اختلاف کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں پھر حضرت مجدد کا نظریۂ وحدت الشہود اس وقت کے بعض سیاسی حالات کا تقاضا بھی تھا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو ایک علیحدہ ملت کا تشخص دینے کی اشد ضرورت تھی لیکن بعد میں برصغیر کے متشدد المسلک حضرات نے اس کی زیادہ ترویج کی، حضرت شاہ ولی اللہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق کی کوشش کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ سارا لفظی نزاع ہے۔ عجیب لطیفے کی بات یہ ہے کہ ہمارے جدید دانشور اور مبصر گزشتہ پچاس سالہ پروپیگنڈے کی بنا پر بغیر سوچے سمجھے چھوٹتے ہی نظریۂ وحدت الوجود پر برس پڑتے ہیں اور قطعاً نہیں سمجھتے کہ سلوک وکشف سے قطع نظر خالص عقلی طور پر بھی وحدۃ الوجود کے مانے بغیر آخر توحید کا اثبات کیسے ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ہستی (ہستی اعلیٰ) اور اس کا اقرار وہ ابدی سچائی ہے جو کم وبیش ہر مذہب میں کسی نہ کسی طرح مسلم رہی ہے محض اس بات سے دھوکہ کھانا کہ وحدۃ الوجود کے بعض تصورات ویدانت یا دیگر عجمی افکار سے ملتے ہیں کس قدر لغو اور کمزور دلیل ہے اس سلسلے میں مولانا شبلی نعمانی کی رائے بہت وقیع ہے کہ ''اگرچہ بظاہر وحدت الوجود پر بہت اعتراضات کئے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے مانے بغیر چارہ نہیں''۔ مولانا جامیؒ نے آپ کی تصانیف پانسو سے بھی زیادہ بتائی ہیں۔ آپ نے ۶۳۲ھ میں خود اپنی کتابوں کی جو فہرست مرتب کی اس میں ۲۵۱ کتابوں کے نام درج ہیں آپ کی تصانیف تفسیر، حدیث، سیرت، ادب، متصوفانہ شاعری، علوم طبیعی، ہیئت اور علوم مخفیہ پر مشتمل ہیں آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ''**المفتوحات المکیه فی معرفة الاسرار المالکیه والملکیه**'' سب سے ضخیم اور غالباً آخری تصنیف ہے جو ۶۲۹ھ میں مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی۔ ''فصوص الحکم'' دمشق میں ۶۲۷ھ میں لکھی گئی۔ ''تنزلات'' بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ شیخ اکبر نے ۶۳۸ھ۔ ۱۲۴۷ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک جبل قاسیون میں زیارت گاہ خلائق ہے اور زبان حال سے یہ پکار رہا ہے۔ ع

زیارت گاہ اہل عزم وہمت ہے لحد میری
کہ خاک راہ کو میں نے بتایا راز الوندی

سمجھی کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت تکمیل کو پہنچ گئی ہے، کیونکہ شیخ ابن عربیؒ کی ہمشیرہ کے ان کے نکاح میں آنے کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے۔ سید محمد بن علویؒ نے انھیں لکھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، انھوں نے مجھے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا اسلام کہو اور اسے میری شفاعت کی بشارت دو اور اس سے اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علویؒ نے کہا میں نے دوسری دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو انہیں یہ فرماتے سنا احمد قشاشیؒ سے میرا اسلام کہو اور اسے یہ مژدہ سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلیس ہوگا۔

کہتے ہیں جب کبھی گفتگو کے دوران مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمدؒ فرماتے ہمارے لئے کوئی مقام نہیں اس لئے کہ ہم اہل یثرب میں سے ہیں اور خدا تعالی نے فرمایا ہے یا اهل یثرب لا مقام لکم، گویا اس سے مقام بے نشان کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور یہ کہ وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر کاربند تھے۔

شیخ احمد قشاشیؒ کے عجائب روزگار کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے مکمل قرآن مجید خواب کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ شیخ ابراہیمؒ سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے اپنی مجلس میں یہ حدیث بیان کہ ما علی احدکم ان یکون فی بیته محمد و محمد ان ثلثة اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خدا مجھے تین فرزند عطا کرے گا جس میں ہر ایک کا نام محمد ہوگا۔ اس کے بعد میں اس فکر میں پڑ گیا کہ ایک کو دوسرے سے کیسے متمیز کر سکوں گا۔ شیخ قشاشیؒ میرے خدشے پر مطلع ہوگئے اور فرمایا ان میں سے ایک ابوسعید، دوسرا ابوالحسن، اور تیسرا ابوطاہر کنیت اختیار کرے گا۔ ایک مدت بعد ویسے ہی ہوا جیسا انھوں نے فرمایا تھا۔

شیخ ابراہیمؒ ہی سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشیؒ نے میرے دل کی ایک بات کہہ ڈالی، مجھے خیال آیا کہ کاش یہ بات آج سے پہلے واقع ہوتی تو شیخ نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی اور فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمھیں یہ بات بتاتا اور نہ سمجھا سکتا۔ شیخ قشاشیؒ کی اس طرح کی کرامات اور تصرفات بے شمار روایت کی گئی ہیں۔

الغرض شیخ قشاشیؒ کی زندگی فقہا کے طرز پر تھی اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کے انداز پر بلکہ عین سنت کے مطابق، تکلف سے خالی اور اعتدال سے عبارت تھی۔ آپ امراء کے ہاں کبھی نہیں

جاتے تھے۔ اگر وہ خود ان کی زیارت کو آتے تو خوش خلقی اور بشاشت سے ان کے ساتھ ملاقات کرتے اور ہر ایک سے اس کی قدر و منزلت کے موافق سلوک فرماتے۔ قوم کے سردار کی بہت زیادہ عزت فرماتے۔ آپ بڑی نرمی کے ساتھ نیکی کی تلقین فرماتے اور زیارت کرنے والوں کو نصیحت کے بغیر نہ جانے دیتے۔

شیخ عیسیٰ مغربیؒ نے آپ کے بارے میں کہا کہ میں جب بھی شیخ قشاشیؒ کی محفل سے اٹھا تو دنیا میری نظروں میں حقیر ترین اور میرا نفس انتہائی ذلیل ہوتا تھا۔ خواہ میں کتنی بار بھی ان کے پاس حاضر ہوتا میرا یہ تاثر اپنی جگہ قائم رہتا۔ آپ نے ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ میں انتقال فرمایا رحمۃ اللہ علیہ

سید عبد الرحمٰن ادریسی المحجوبؒ

آپ مغرب کے شہر کمناسہ میں پیدا ہوئے۔ مغرب، مصر، روم اور شام کی سیاحت کے بعد حرمین شریفین تشریف لے آئے اور کئی برس یہاں کی مجاورت کی۔ اس کے بعد زیارت اولیاء کی خاطر یمن تشریف لے گئے کیونکہ انھوں نے یہ مشہور مقولہ سن رکھا تھا کہ یمن میں اولیاء ایسے پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے گھاس، یہاں کے اولیاء کی مجالس میں ان کو عجیب وغریب قسم کے واقعات اور دلچسپ ورنگین صحبتیں میسر آئیں، پھر جب مکہ واپس آگئے اور یہاں مستقل اقامت اختیار کر لی تو اہل مکہ نے ان سے استفادہ کیا اور کئی لوگوں نے خرقۂ صوفیا بھی حاصل کیا۔ آپ سے بے شمار کرامات روایت کی جاتی ہیں۔

شیخ زین العابدین شافعیؒ مفتی مدینہ سے میں نے سنا انھوں نے اپنے والد جو کہ سید محمدؒ کے خادم تھے اور یہ سید محمدؒ سید عبد الرحمٰنؒ کے معتقد تھے سے نقل کیا کہ شریف مکہ کو کوئی ضرورت پیش آئی سید عبد الرحمٰن محجوبؒ کی طرف دعا کے لئے رجوع کیا، سید عبد الرحمٰنؒ ایک لمحے تک سر بگریباں رہے، کچھ سوچا اور اس کے بعد فرمایا کہ مکہ کے فلاں محلے میں ایک اس قسم کا گھر ہے بیت المال کے افسر کو چاہئے کہ جس قدر شریف مکہ کو ضرورت ہے اسی قدر اس میں سے مال لے لے اور باقی احتیاط سے وہیں پر چھوڑ دے۔ لوگ اسی وقت وہاں پہنچے اور اس گھر کو ویسے ہی پایا جیسے سید صاحب نے فرمایا تھا۔ وہاں سے انھوں نے بیس ہزار اشرفیاں اٹھالیں اور صندوقوں کو مقفل کر دیا۔ یہ رقم سید صاحب کے پاس لے آئے آپ نے شریف مکہ کے حوالے کر دی تاکہ وہ اس سے اپنی ضرورت

پوری کر لے۔ دوسری بار شریف مکہ نے چاہا کہ باقی دولت بھی اپنے تصرف میں لے آئے مگر گھر کا پتہ ملا نہ مال۔ لوگ حیران رہ گئے اور سید عبدالرحمٰنؒ سے اس معاملے کا راز پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ایران کا ایک شخص اپنے ملک میں فوت ہو گیا، اس کا کوئی وارث نہ تھا، میں نے تصرف کر کے اس کے گھر کو مکہ میں لا کھڑا کیا، وہاں سے جو کچھ تم نے لینا تھا، لے لیا، اور جب ضرورت پوری ہو گئی تو مکان اپنی سابقہ جگہ پر پہنچ گیا۔ کہتے ہیں کہ سید عبدالرحمٰنؒ ایک دفعہ سید احمد بن ملوان کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ سید احمد نے اپنے خادم کو خواب میں سید عبدالرحمٰن کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کل ان کا استقبال و تعظیم بجالانا، خادم استقبال کی غرض سے شہر سے باہر نکلا بہت تلاش کیا مگر سید صاحب کا کہیں پتہ نہ چلا، ناامید ہو کر واپس لوٹ آیا تو دیکھا کہ سید صاحب مزار کے قبہ میں تشریف فرما ہیں حالانکہ دروازہ بند تھا اور اس کی چابی خادم کے پاس تھی۔

شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار شیخ ابراہیمؒ کو قبض (بندشِ لطائف) لاحق ہوئی۔ مسلسل چھ ماہ روتے رہے، کسی کی سمجھ میں اس کا سبب نہیں آتا تھا۔ جب حج کے ایام آئے اور ان کے بعض شاگرد شام سے قافلہ حج میں آئے تو انھوں نے شیخ ابراہیمؒ کے لئے شیخ قشاشیؒ سے حج پر جانے کی اجازت چاہی۔ شیخ قشاشیؒ نے اجازت دے دی جب شیخ ابراہیم کے بھائی عبدالرحمٰنؒ نے ان کی نشست گاہ سے کتابیں اٹھانا چاہیں تو ان کے نیچے کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا جس پر شیخ قشاشیؒ کے قلم سے لکھا ہوا تھا اے ابراہیم! ہم نے تمہارا آدھا حصہ غرق کر دیا ہے۔ اگر تم نے رجوع نہ کیا تو ہم تمہیں سارے کا سارا ڈبو دیں گے۔ اس وقت انھیں پتہ چلا کہ ان کے رونے کا سبب کیا تھا۔ جب حضرت شیخ ابراہیم مکہ پہنچے اور سید عبدالرحمن محجوب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سید صاحب شیخ ابراہیم پر گلاب کا پانی چھڑکنے لگے۔ چونکہ شیخ ابراہیمؒ احرام کی حالت میں تھے اور ان کے لئے خوشبو کا استعمال ممنوع تھا اس لئے گلاب کا پانی چھڑکنے کے ساتھ ہی شیخ ابراہیم کی حالت قبض رفع ہو گئی۔ گویا یہ شیخ قشاشی اور شیخ ابراہیم کے درمیان مصالحت تھی جسے سید ابراہیم نے انجام دیا سید عبدالرحمن جہاں باطنی کمالات سے متصف تھے وہاں کمالات ظاہری میں بھی بلند مقام پر فائز تھے جود و کرم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے دسترخوان پر صبح و شام بہت سے لوگ جمع ہوتے اور وہ ان تمام کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے، آس پاس کے اسلامی شہروں سے ان کی خدمت میں

نذرو نیاز پیش ہوتیں جسے آپ فقرا میں تقسیم فرما دیتے، تقریباً دو سو غلاموں کو آزاد کیا۔ جو بھی ایک دفعہ آپ کی محفل میں بیٹھ جاتا آپ کی شیریں کلامی اور خوش خلقی کی بنا پر اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ اس قدر زیرک و دانشمند تھے کہ جس سے بھی ایک بار ملاقات کر لیتے چاہے ایام حج میں بھی کیوں نہ ہو، اسے دوبارہ فوراً پہچان لیتے۔ جو بھی ان کی زیارت کو آتا، استعداد کے مطابق اسے درود، تلاوت، استغفار اور اوراد، ایسے نیک امور کی تلقین فرماتے، اور اسی طرح جس سے استعداد دیکھتے اسے صوفیا کے کلام اور ان کے معتقدات بالخصوص شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہ کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے۔ میں نے ان کے لقب محجوب اختیار کرنے کی وجہ ہر چند اہل مکہ سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر پتہ نہ چل سکا قرین قیاس یہ ہے کہ آپ سماع کے دوران چہرے کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ جب گرمی شوق کے آثار ظاہر ہونے لگے تو چہرے سے نقاب ہٹا دیتے۔ اس وقت عجیب انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا جس کا اثر اہل مجلس پر بھی پڑتا تھا، شیخ احمد نخلیؒ نے بھی اسی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے، واللہ اعلم۔

شمس الدین محمد بن العلا بابلیؒ

آپ حافظ حدیث اور اپنے زمانے میں مصر اور حرمین کے استاذ تھے۔ نیز پسندیدہ اخلاق مثلاً تواضع، ذکاوت اور اخلاق و محبت سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ انہیں ابتدائے حال میں شب قدر کی نعمت حاصل ہوئی اور اس مبارک رات کے بعض عجیب و غریب آثار مشاہدہ کئے۔ اسی وقت آپ نے دعا کی کہ بارخدایا! مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی (۱) کی طرح بنا دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا مستجاب ہوگئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص جب کسی کتاب کی تالیف کرے تو مندرجہ ذیل سات شرائط کو پیش نظر رکھے، پہلی یہ کہ ایسی چیز تالیف کرے جس کی طرف اس سے پہلے کسی کا ذہن نہ گیا ہو، دوسری یہ کہ کوئی چیز نامکمل ہو جس کی تکمیل مقصود ہو، تیسری کوئی چیز متعلق ہو اور اس

---

(۱) احمد نام، ابوالفضل کنیت، اور ابن حجر کے عرف سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو کنانہ سے تھا۔ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اپنے دور کے مشہور شیوخ سے علوم حاصل کیے۔ اکثر اسلامی بلاد کا سفر کیا۔ علم حدیث میں آپ نے کمال حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہیں۔ آپ کے حافظہ، ثقاہت، امانت، معرفت اور علوم و فنون میں مہارت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ کی تصانیف میں سے شرح بخاری، تهذيب التهذيب، لسان الميزان، تعليق التعليق نخبۃ الفکر مشہور و معروف کتابیں ہیں۔ آپ نے ۸۵۲ھ میں انتقال فرمایا۔ قاہرہ کے باہر نماز جنازہ ہوئی اور جامع دیلمی کے قریب مدفون ہوئے۔

کی شرح پیش نظر ہو، چوتھی یہ کہ کوئی چیز طویل ہو اسے مختصر کرنا مقصود ہو مگر اس اختصار میں حل معانی اور تفسیر مطالب کو راہ نہ دے، پانچویں کسی بات میں خلط مبحث ہو جسے صحیح ترتیب میں لانا مقصود ہو چھٹی کوئی ایسی چیز جس میں پہلے مصنف نے غلطی کی ہو اور یہ اس کی تصحیح چاہتا ہو، ساتویں کوئی چیز منتشر ہو جسے جمع کیا جائے، اگر کسی کتاب کی تالیف میں مندرجہ بالا سات وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ نہ پائی جائے تو ایسی تصنیف تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں۔

آپ نے صحیح بخاری، موطا اور دیگر تمام کتابیں سالم سنہوری اور دوسرے لوگوں سے روایت کیں۔ موطا، بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آپ کے پاس مسلسل اسناد تھیں۔ آپ نے مسلسل اسناد ہی کے ذریعے ان کتابوں کا سماع کیا تھا۔ شیخ عیسیٰؒ مغربی نے آپ کی تمام اسانید کو ایک رسالہ میں ضبط کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کی اسناد کا اصل یہی اسانید ہیں، جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مصداق ہے **نضر اللہ امراء سمع منی الحدیث** الخ آپ کی شان وعظمت اور جلالت و بزرگی کا عجیب انداز تھا، بادشاہ، امراء اور وزراء آپ سے توجہ و دعا کے طلبگار رہتے تھے۔ اور آپ کے کسی حکم سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت آپ کا دائمی معمول رہا۔ آپ نے ۱۰۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ بابل جس کی طرف وہ منسوب تھے مصر میں ایک گاؤں ہے۔

شیخ عیسیٰؒ جعفری مغربی

آپ کی پیدائش اور نشو ونما مغرب میں ہوئی۔ مروجہ علوم کے کچھ متون بھی آپ نے اسی علاقے میں پڑھے، پھر الجزائر میں آگئے اور تجل ماسی کے پاس دس برس سے زیادہ عرصے تک رہ کر علوم میں تبحر حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قسطنطنیہ، مصر اور حرمین کے علما سے بھی روایت کی۔ پھر آپ نے مکہ معظمہ کو مستقل وطن بنا لیا۔ آپ نے "مقالید الاسانید" کے نام سے ایک معجم (۱) بھی تصنیف فرمائی، الغرض وہ ایک متقی عالم جمہور اہل حرمین کے استاذ اور حدیث وقرأت کے امام تھے۔ سید عمر نے ان کے بارے میں کیا خوب رائے پیش کی ہے کہ "جو چاہے کسی ایسے شخص کو دیکھے

---

(۱) حدیث کی وہ کتاب جس میں احادیث کو بہ ترتیب شیوخ جمع کیا گیا ہو۔ اس کے موجد ابن قانع (۳۵۱ھ) ہیں۔ معاجم کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کرنے کا سہرا طبرانی (۳۶۰ھ کے سر ہے)

جس کی ولایت شک وشبہ سے بالاتر ہو تو وہ شیخ عیسیٰ کی زیارت کرے'' اور سید محمد بن علویؒ نے ان کے بارے میں کہا کہ ''وہ اپنے وقت کی ایک باکمال شخصیت تھی''۔ انہیں اعمال حسنہ، پابندی نماز باجماعت، کثرت طواف اور مداومت صیام وقیام جیسی خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ آپ تمام امور میں اعتدال پسند تھے۔ ننگ وناموس میں نہ مبالغہ سے کام لیتے تھے اور نہ تساہل سے، اگرچہ آپ کا تعلق کئی مشائخ کے ساتھ تھا تاہم سلسلۂ شاذلیہ سے باقاعدہ منسلک تھے اور ان پر تادم آخر اسی سلسلے کی نسبت کا غلبہ رہا۔ آپ نے مسلک امام ابوحنیفہؒ کے مطابق ایک مسند (۱) بھی تالیف فرمائی جس میں متصل عنعنہ کے ساتھ حدیث کی روایت کی ہے۔ اس سے لوگوں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ آج کل سلسلہ حدیث (۲) متصل نہیں رہا۔ آپ ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے

محمد بن محمد بن سلیمان مغربیؒ

آپ حافظ حدیث تھے اور علم ریاضت اور دین ودنیا دونوں کے فنون کے جامع تھے۔ آپ کو شیخ ابومدین مغربی سے خرقۂ مدینہ حاصل تھا۔ درحقیقت کتب حدیث کا طریق تصحیح اور نسخۂ نبویہ کا تعارف حرمین میں آپ ہی کے ذریعے ہوا۔ آپ تمام اہل حرمین کے استاذ اور متبحر وثقہ عالم تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اسلامبول تشریف لے گئے وہاں ایک شخص نسخۂ نبویہ فروخت کر رہا تھا۔ آپ علم کے اس قدر شائق اور قدرشناس تھے کہ وہ نسخہ تین ہزار رائج الوقت سکے کے عوض خرید لیا۔ اس نسخے سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ ایک بار مسجد حرام میں ایسا سیلاب آ گیا کہ وہاں کے لوگوں کو غرق ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا مگر محمد بن سلیمانؒ نے یہ نسخہ سر پر رکھا اور طواف میں مشغول ہو گئے تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اس نسخے کی زیارت کی ہے اور اس کا مطالعہ بھی کیا ہے، شیخ تاج الدین قلعیؒ کا بیان ہے کہ جس طرح شیخ محمد بن محمد بن سلیمانؒ علم روایت میں

---

(۱) اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کو بہ ترتیب صحابہ جمع کیا گیا ہو باعتبار حروف تہجی، بلحاظ سبقت الاسلام باعتبار شرافت نسبی، بعض لوگوں کے نزدیک سب سے پہلی مسند موسیٰ کاظمؒ (۱۸۳ھ) کی ہے اس کے بعد مسند ابوداؤد طیالسی ہے۔

(۲) متصل السند وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی کسی مقام سے ساقط نہ ہو بلکہ سند کے ہر راوی نے روایت بلا واسطہ غیر اپنے شیخ سے بذات خود سن کر روایت کی ہو۔

کمال رکھتے تھے اسی طرح وہ بہت سے عجیب وغریب علوم وفنون میں بھی ید طولی رکھتے تھے۔ آپ اللہ تعالی کے اس فرمان **زادہ بسطة فی العلم و الجسم** کے مصداق تھے۔ تدبیر معاش میں انہیں اس قدر کمال حاصل تھا کہ سارے مکۂ معظّمہ کا نظام کار آپ کے ہاتھ میں آ گیا، اس پر حاسدوں کو موقع مل گیا اور جو کچھ ہونا تھا ہو گا، واللہ اعلم۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مذکور کے صاحبزادے محمد وفد اللہؒ سے ان کے والد بزرگوار کی تمام مرویات کی اجازت لی ہے، کیونکہ انھوں نے اپنے والد سے ان تمام مرویات کی قرأت، سماعت اور اجازت حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ میں نے مکمل موطا بروایت یحییٰؒ بن یحییٰ بھی شیخ وفد اللہ کے سامنے پڑھی اور انھوں نے موطا شیخ حسن عجمی اور دیگر مشائخ سے پڑھی تھی۔ والحمد للہ۔

شیخ ابراہیم کردیؒ

آپ عالم وعارف تھے اور فقہ شافعی، حدیث اور عربی ادب میں مہارت کاملہ رکھتے تھے ان تمام علوم میں آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ آپ نے اپنے وطن میں علم کی تکمیل فرمائی، پھر حج کے ارادے سے نکلے اور تقریباً دو سال تک بغداد میں مقیم رہے، اس اثنا میں آپ اکثر سیدی شیخ عبدالقادر قدس سرہ کے مزار مبارک کو مرکز توجہ بنایا کرتے تھے اور یہیں سے ہی آپ کو اس راہ (معرفت) کا ذوق وشوق پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے شام میں چار سال قیام فرمایا پھر مصر سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین تشریف لائے۔ اور شیخ احمد قشاشیؒ سے ملاقات کی اور دونوں کے درمیان عجیب قسم کے روابط وتعلقات پیدا ہو گئے۔ شیخ ابراہیم کردیؒ نے شیخ قشاشیؒ سے حدیث روایت کی، ان سے خرقہ پہنا اور ان کی صحبت کے فیض سے اعلی کمالات پر فائز ہوئے۔ آپ فارسی، کردی، ترکی اور عربی سب زبانیں اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ ذہن کی تیزی، تبحر علم، زہد، انکساری، صبر اور حلم وحوصلہ ایسے خصائل حمیدہ سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ شام میں قیام کے دوران ایک دفعہ آپ نے شیخ محی الدین بن عربیؒ کے مزار مبارک کی طرف اس نیت سے توجہ کی کہ آگے سفر مفید ہے یا نہیں، چنانچہ آپ نے (کشف میں) دیکھا کہ شیخ اکبر ان کے پاپوش سے گرد وغبار جھاڑ رہے ہیں۔ آپ نے سمجھ لیا کہ ابھی اقامت کا حکم ہے، شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ ایام حج میں مدینہ منورہ میں جب مصری لوگ آئے تو شیخ ابراہیمؒ اپنے احباب ومعتقدین کے ہمراہ اہل مصر

کی ایک جماعت سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ راستے میں وہ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں کچھ گانے بجانے والی لڑکیاں گانے بجانے اور لہو ولعب میں مشغول تھیں۔ آپ کے شاگردوں میں سے سید محمد برزنجی نے ڈنڈا اٹھا کر انہیں اس فعل قبیح سے روکنا چاہا۔ شیخ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا، کیونکہ اس طرح ہنگامہ ہو جانے کا خطرہ تھا، سید محمد برزنجی خشک مزاج واقع ہوئے تھے شیخ کے روکنے سے تنگ دل ہوئے، جب شیخ اور ان کے رفقا منزل مقصود پر پہنچے تو گانے والیوں میں سے ایک نے اپنے نغمے کا آغاز اس شعر سے کیا۔

ان شرقوا سادقی وان غربوا ویلی
وان عاشروا غیرنا ویلا علی ویلی

یہ شعر قاعدۂ عروض کے مطابق نہیں تھا مگر متاخر عروضیوں کے قواعد سے موافق تھا۔ جب یہ شعر شیخ ابراہیمؒ نے سنا تو ان کی حالت متغیر ہو گئی اور چہرہ ڈھانپ کر گریہ شروع کر دیا۔ اس مجلس میں جس نے بھی شیخ کی آواز سنی یا ان کی شکل دیکھی وہ رو پڑا حالانکہ ان میں رقیق القلب بھی تھے اور سنگدل بھی! سید محمد برزنجی بھی رو پڑے اور ان کے دل سے سیاہی اعتراض دھل گئی۔

شیخ ابو طاہرؒ کا بیان ہے کہ بادشاہ روم کا استاذ جسے وہاں کے لوگ خوجہ کہتے ہیں، مدینہ منورہ کی زیارت کو آیا اور علماء واحباب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ شیخ ابراہیمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملاقات کے دوران اس نے شیخ سے کہا کہ میں نے شام میں ایک کھلم کھلا بدعت دیکھی جس کا قلع قمع کرنے میں میں نے انتہائی کوشش سے کام لیا۔ شیخ نے پوچھا وہ بدعت کیا تھی؟ کہنے لگا مساجد میں ذکر بالجہر۔ شیخ نے یہ آیت پڑھی ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا (۱) (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں نام خدا لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے) خوجہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور وہ نہایت مشکل میں پڑ گیا فتاوی قاضی خاں وغیرہ سے فقہ کی چند جزئیات جو لکھ کر لایا تھا جیب سے نکالیں اور شیخ کے ہاتھ میں تھما دیں شیخ نے فرمایا اگر تقلید کی بات ہے تو میں کسی کا مقلد ہوں اور آپ کسی اور کے، اس لئے اس صورت میں آپ کے دلائل کو تسلیم کر لینا میرے لئے ضروری نہیں ہوگا۔ اور اگر

---

(۱) البقرہ ت۱۱۴

تحقیق مطلوب ہے تو بندہ مناظرے کے لئے حاضر ہے۔ حضرت شیخ نے بہت جلد اس موضوع پر دلائل سے بھرپور رسالہ تحریر فرمایا اور خوجہ کے شبہات کے مسکت جوابات دیئے، چونکہ حضرت شیخ کے احباب نے خوجہ کے تغیر مزاج کو دیکھ لیا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دولت عثمانیہ میں بلند رتبے پر فائز ہے اس لئے انھوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اس قدر تردید مناسب نہیں۔ شیخ نے فرمایا حق بات کہنے سے نہیں ٹلنا چاہئے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوجہ اور اس کے ساتھی اس رسالے کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے وہ مبہوت ہو کر رہ گئے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ حق ہمیشہ بلند رہتا ہے کبھی پست نہیں ہوتا۔

شیخ ابو طاہرؒ مزید بیان کرتے ہیں کہ شیخ یحییٰ شاذلیؒ حرمین میں آئے ہوئے تھے۔ اس دوران انھوں نے شیخ ابراہیمؒ سے بھی ملاقات کی جب وہ روم واپس چلے گئے تو وزیر روم جو شیخ ابراہیم کا معتقد تھا، نے شیخ یحییٰ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے شیخ ابراہیمؒ کو کیسا پایا، اس نے کہا وہ تو ایک بت ہیں۔ وزیر یہ سن کر بھڑک اٹھا اور شیخ یحییٰ کو بے عزتی کے ساتھ مجلس سے نکال دیا۔ اس واقعہ کے بعد یحییٰ شاذلی کو شیخ ابراہیمؒ کے ساتھ سخت کینہ پیدا ہو گیا اور اس نے شیخ کو ایذا پہنچانے کی نیت سے حرمین آنے کا ارادہ کیا، لوگوں نے یہ بات شیخ ابراہیم کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا جو ہاتھیوں کو قابو کر لیتا ہے وہ اسے بھی روک لے گا''۔ جب شیخ یحییٰ طور کے قریب پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور اسی جگہ انتقال کیا۔ شیخ ابراہیمؒ کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پسند فقہا اور صوفیا کی طرح بڑے بڑے عمامے، لمبی آستینیں، اور پھٹے پرانے لباس سے بیزار تھے۔ آپ اہل حجاز کی طرح متوسط درجے کا لباس پہنتے تھے جو مختصر سی پگڑی، اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا۔ آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے کے ذریعے اپنی حیثیت کا اظہار نہیں فرماتے۔ آپ کے معتقدین اور مذاکرے آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ''بہر حال یہ ایسے ایسے ہے کیا تمہیں فلاں فلاں بات سے اس کی سمجھ نہیں آتی''۔ اگر کوئی ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق وانصاف کے ساتھ اس اشکال کو حل کر دیتے، عبداللہ لیاشی نے ان کے بارے میں کہا کہ آپ کی مجلس نمونہ جنت تھی۔ جب مسائل حکمت پر گفتگو فرماتے تو اس ضمن میں حقائق صوفیا بھی بیان فرماتے اور کلام صوفیا کو حکما کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور

فرماتے کہ یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق کے قریب تو پہنچ گئے، لیکن اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ آپکی تاریخ وفات اس زمانے کے ایک خطیب نے ان الفاظ سے نکالی ہے۔ والله انا على فراقک یا ابراهیم لمحزنون۔ ۷۱ ۰۱ھ

شیخ حسن عجمیؒ

آپ شیخ الحدیث، جامع علوم وفنون اور فصاحت، یادداشت اور تیزی فہم کے پیکر تھے۔ آپ اکثر وبیشتر شیخ عیسیٰ مغربیؒ کی صحبت میں رہے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے شیوخ مثلاً شیخ احمد قشاشیؒ، شیخ محمد بن العلاء بابلیؒ اور امام ومفتی شوافع شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی۔ شیخ ابو طاہرؒ کا بیان ہے کہ شیخ حسن عجمیؒ نے شیخ نعمت اللہ قادریؒ اور دوسرے صوفیائے کرام سے بھی ملاقات کی تھی آپ دعوت اسماء کے سلسلے میں بھی مشہور تھے۔ شیخ ابو طاہرؒ ہی کا بیان ہے کہ یوں تو شیخ حسن حنفیؒ تھے مگر سفر کے دوران ظہر وعصر اور مغرب وعشا کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ بھی پڑھتے تھے، آپ ہمیں وصیت فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالا کرو بلکہ انھیں حنفی مسلک کی آسانیوں سے مطلع کر دیا کرو تا کہ وہ نماز پڑھ سکیں جیسے درہم برابر نجاست میں جو اجازت دی گئی ہے اور اسی طرح کے دیگر مسائل کہ جن میں آسانی اور رخصت ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ حسن عجمیؒ باوجود حنفی ہونے کے، تمام امور میں ایک معین فقہی مسلک کی پیروی ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فریقین کے ہاں کسی حقیقت متنعہ کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی پروا کیے بغیر وہ تمام فقہی مکاتب سے اقوال لے لیا کرتے تھے، واللہ اعلم

شیخ ابو طاہر مزید کہتے ہیں کہ میرے شیخ حسن عجمی خوب صورت نہیں تھے بلکہ ان کی ایک آنکھ میں ایک عیب بھی تھا اس کے باوجود جب حدیث پڑھتے تو ان کے چہرے پر انوار ظاہر ہوتے اور وہ دنیا بھر سے زیادہ حسین دکھائی دیتے تھے۔ یہ اس قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر تھا کہ نضر اللـه عبدا (۱) الحدیث، آپ نے اپنی اسانید حدیث کو ایک رسالے کی صورت میں ضبط کیا ہے

---

(۱) نضر اللہ عبدا سمع مقالتی ووعاہ یعنی خدا اس شخص کو شگفتہ رکھے جو میری حدیث کو سن کر یاد کر لے

جس نے علم حدیث میں ان کے تبحر کا بخوبی پتہ چلتا ہے، آپ فرماتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہوتا ہے۔ تو یہ صحیح ہے کیونکہ ایسا کہنے سے عالم کے دو نصف ہو جاتے ہیں، ایک خود عالم اور دوسرا اس کا فرزند جبکہ یہاں یہ بات واضح ہے کہ والد تو عالم ہے ہی، ایسی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہے کیونکہ عالم کے دو نصف نہیں کئے جا سکتے، گویا خلاصہ کلام یہ نکلا کہ یہ ضروری نہیں کہ عالم کا بیٹا بھی عالم ہو، آپ ہر سال رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے تشریف لاتے اور مسجد نبوی میں صحاح ستہ میں سے ایک حدیث کی کتاب بطریق سرد پڑھتے اور اہل مدینہ آپ سے روایت کرتے تھے شیخ ابوطاہرؒ آپ کے قاری ہوتے۔ اگر ان کے علاوہ اور قرأت حدیث کرتا تو خوش نہ ہوتے، یہاں یہ بات واضح رہے کہ علمائے حرمین کے نزدیک کتب حدیث کی تدریس کے تین طریقے رائج ہیں پہلا طریقہ سرد سے جس کے مطابق شیخ سامع ہو یا تلاوت کرے دونوں صورتوں میں لغوی وفقہی مباحث چھیڑے اور نہ ہی اسماء رجال کے بارے میں کوئی بحث وتمحیص کرے۔

دوسرا طریقہ بحث وحل ہے، اس میں ایک حدیث کی تلاوت کے بعد اس میں لفظ غریب، مشکل ترکیب اسمائے اسناد میں سے نادر الوقوع اسم، ظاہری شان نزول اور منصوص علیہ مسائل پر تامل کر کے اسے نہایت اعتدال کے ساتھ حل کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگلی حدیث تلاوت کر کے اسے بھی اسی طرح حل کیا جاتا ہے علی ہذا القیاس۔

تیسرا طریق امعان وتعمق ہے اس کے مطابق ہر ہر لفظ کا، لہ وما علیہ اور اس کے متعلقات کو نہایت توضیح وتشریح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کلمہ غریبہ اور کسی مشکل ترکیب کی تشریح میں کلام شعراء سے استشہاد کیا جاتا ہے اور الفاظ کے متعلقات کو اشتقاق ومحال کے پیش نظر پرکھا جاتا ہے اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تشریح کرتے ہوئے رجال حدیث کے حالات اور سیرت واخلاق تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں نیز فقہی مسائل کی منصوص علیہا مسائل سے تخریج کرتے ہوئے اس کے ساتھ تھوڑی سی مناسبت رکھنے والے قصے اور عجیب وغریب حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں۔ علمائے حرمین شریفین کے ہاں یہی تینوں طریقے مذکورہ تفصیلات کے مطابق رائج ہیں۔ شیخ حسن عجمیؒ، شیخ احمد قطان اور شیخ ابوطاہر کا پسندیدہ طریقہ بھی طریق سرد تھا، مگر یہ طریقہ صاحبان علم

وفضل اور منتہی طلبائے حدیث کیلئے زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے سماع حدیث اور سلسلۂ روایت کو مکمل کرلیں اور دوسرے مباحث شروح کی مدد سے حل کریں کیونکہ آج کل ضبط حدیث کا انحصار شروح پر ہی ہے اور مبتدی ودرمیانی درجے کے طلبائے حدیث کیلئے طریقہ بحث وحل ہے تاکہ علم حدیث کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرکے فائدہ اٹھائیں۔ جہاں تک شروح کا تعلق ہے تو وہ انہیں پیش نظر رکھیں تاکہ بحث وتمحیص کے دوران ان کی طرف رجوع کرسکیں۔

تیسرا طریقہ قصاص ہے اس کا مقصد روایت وتحصیل علم نہیں بلکہ علم وفضل اور تحقیق وتدقیق کے اعلیٰ مراتب کا حصول ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ایک محدث کو رجال اسناد کے حالات، تصحیح اسماء ان کی ثقاہت کی معرفت، خصوصاً صحیحین (بخاری ومسلم) اور صحاح کی دوسری کتابوں میں اور **لیس منا من فعل کذا** اور **فان اللہ قبل وجهه** اور اسی طرح کے دوسرے جملوں کی تاویلات فقہی فروعات فقہا کے اختلافات مذاہب، مختلف روایات میں باہمی موافقت پیدا کرنے اور بعض احادیث کی بعض پر ترجیح میں تحقیق وتدقیق اور گہرائی وگیرائی پر حاوی ہونا چاہئے مگر اس امت مرحومہ کے متقدمین علماء ان امور میں دلچپی نہیں رکھتے تھے ہاں فقہا ومتکلمین اس سلسلے میں غور وخوض کرتے ہیں لیکن آج اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

شیخ حسن اپنے مشائخ سے انتہائی تواضع اور انکساری سے پیش آتے اور ہر لحاظ سے ان کا دل رکھنے کی کوشش کرتے۔ شیخ حسن کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عیسیٰ سے دریافت کیا کہ اگر کسی کا شیخ موجود ہو تو کیا وہ کسی دوسرے شیخ کی بیعت کرسکتا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا باپ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر چچا، تایا کئی ہوتے ہیں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ آپ کی اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اول کہ جس کے باعث مزید دائرہ بشریت سے نکلا، یا اس نے ظاہری علوم حاصل کئے، کا مقام تو یہ ہے کہ اس کا مرتبہ حقیقی والدین کا سا ہے جبکہ دوسرے بزرگ کہ جن سے اس نے دائرہ بشریت سے خروج کے علاوہ دیگر خارجی فیوض کا اکتساب کیا ہے، کا معاملہ اما م کا ہے لہٰذا انہیں اس طرح سمجھنا چاہئے۔ شیخ حسن آخری عمر میں مکہ مکرمہ سے ترک سکونت کرکے طائف میں گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ آپ کا مقولہ ہے **لیس بمکة من یقر الیه** آپ نے طائف ہی میں ۱۱۱۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

شیخ احمد نخلیؒ

آپ علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے، مشائخ وطریقت اور علمائے شریعت کی بے شمار صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ سید احمد نخلیؒ سید محمد رومی، سید عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلخی وغیرہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے حدیث کی تعلیم محمد بن العلاء بابلی، شیخ عیسیٰ مغربی اور اسی طبقے کے دوسرے شیوخ سے حاصل کی اور انہیں سے بخاری وموطا کے سماع میں تسلسل حاصل کیا۔ آپ کا مشائخ کے کئی خانوادوں سے تعلق تھا، ابتدا ہی سے علم وعلما کی محبت کی طرف مائل ان کی صحبت میں حاضر، صوفیائے کرام سے عقیدت مندی اور ان کے اعمال اور اشغال پر ثابت قدم تھے۔ آپ حرمین شریفین اور باہر سے آنے والے مشائخ کی صحبتوں سے استفادہ کرتے رہے۔ مختصر یہ کہ شیخ احمد نخلیؒ اعیان مکہ معظمہ میں سے وہ عظیم المرتبت بزرگ تھے جن کی برکات کا فیض عام اور دعوات مستجات تھیں۔ شیخ احمد نخلیؒ کے فرزند شیخ عبدالرحمٰن نخلیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے ہاں نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ جب شیخ احمد پیدا ہوئے تو ان کیلئے اولیاء اللہ سے دعا کی درخواست کی اور ان سے استمداد اور روحانی توجہ کے طالب ہوئے، وہ ہر جمعہ کے دن شیخ احمد نخلیؒ کو شیخ تاج سنبھلی کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے شیخ تاج سنبھلی نے قدرے تامل کے بعد شیخ احمد کو لانے والے خادم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بچہ آپ کی طرح کا نہیں، بلکہ آپ سے بڑھ کر صاحب فضل اور سعادت مند ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی عمر کم ہے جب خادم اپنے مالک کے پاس پہنچا اور انہیں شیخ تاج سنبھلیؒ کا پیغام دیا تو انھوں نے اسے یہ کہہ کر فوراً واپس بھیجا کہ میری طرف سے حضرت شیخ تاج سنبھلیؒ کی خدمت میں التماس کرو کہ آقائے من! میں نے اپنی عمر اس بچے کو دے دی ہے اور اس بارے میں آپ سے سفارش کا طالب ہوں، جب حضرت شیخ نے یہ پیغام سنا تو فوراً توجہ کی اور چند لمحوں کے بعد اس خادم سے کہا کہ اپنے مالک سے کہہ دو کہ ان کا مدعا پورا ہوگیا ہے اور اپنی طرف سے انہیں (شیخ احمد نخلی کے والد کو) تین ماہ کی مہلت سفر آخرت کی تیاری کے لئے عطا کی۔ چنانچہ شیخ احمد نخلی کے والد اسی مدت میں اس عالم فانی سے رخصت ہوگئے اور شیخ احمد نخلی نے نوے سال کی عمر پائی۔ شیخ عبدالرحمٰن کا مزید بیان ہے کہ تمام دنیاوی معاملات اور لین دین میں میں اپنے والد کا وکیل تھا۔ جب والد بزرگوار (شیخ احمد نخلی) اپنی آخری عمر کو پہنچے اور ان پر ضعیفی غالب آگئی تو میں نے ایک روز ان کی خدمت میں قرض خواہوں کے

مطالبات کی شکایت کی اور عرض کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر خدانخواستہ آپ کی وفات کا حادثہ پیش آ گیا تو یہ تمام قرضے میرے ذمے پڑ جائیں گے اور میرے عزیز و اقارب میری وکالت کا اعتبار نہیں کریں گے، والد بزرگوار نے فرمایا اس خدشے کو اپنے دل میں ہرگز راہ نہ دو مجھے امید کامل ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ میرے ذمے تمام واجب الادا قرض ادا نہ ہو جائیں اور میرا خیال ہے کہ وہ رات میری زندگی کی آخری رات ہوگی جس میں مجھ پر کسی کا قرض باقی نہیں ہوگا۔ آپ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان تمام قرضوں کی ادائیگی جتنی رقم ایسی جگہ سے حاصل ہو گئی جہاں سے توقع بھی نہیں تھی اور آپ کے کہنے کے مطابق آپ کی اس دنیا کی وہ آخری رات آ ہی پہنچی جبکہ آپ کے ذمے کوئی واجب الادا قرض باقی نہیں تھا۔

شیخ احمد نخلیؒ فرماتے ہیں کہ طریقہ خلوتیہ میں میرے شیخ، شیخ عیسیٰ بن کنعان خلوتی نے جب مجھے اس طریقے کی اجازت بخشی تو مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تاکہ خلوتیہ طریقہ کے تمام پیروکار میرے سامنے اکٹھے ہو کر نماز تہجد کے بعد جیسا کہ ان کا طریق ہے اوراد و وظائف میں مشغول ہو جائیں اس بات سے میرے دل میں غایت درجہ تردد تھا کیونکہ میرا میلان پوری طرح نقشبندیہ سلسلے کی طرف تھا اور شیخ خلوتی کے سامنے مجھے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں تھی اسی تردد کے عالم میں میں نے حضور ختم الرسل علیہ الصلوٰات والتسلیمات کی بارگاہ میں رجوع کیا اور اسی سال روضۂ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو جمعہ کے روز نماز جمعہ سے قبل مجھے خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، میں نے دیکھا کہ زیارت عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ہمراہ جلوہ افروز ہیں میں آپ کی طرف تیزی سے بڑھا اور دست مبارک چومنے کے بعد بالترتیب خلفائے کرام کے ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کی۔ بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مزار مقدس کے سرہانے صف اوّل کے متوازی بچھے ہوئے ایک نئے سجادے کی طرف لائے اور فرمایا ''یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے اس پر بیٹھ جاؤ'' میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ طریقۂ نقشبندیہ کی طرف ہے اور آپ نے اس طریقے کی اجازت عطا فرما دی ہے۔

شیخ عبداللہؒ بن سالم البصری

آپ نے بہت ساری حدیث کی نایاب کتابوں کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار انجام

دیا، مثلاً مسند امام احمدؒ جس کے بارے میں یہ خدشہ تھا کہ شاید روئے زمین پر اس کا کوئی مکمل نسخہ ملنا محال ہو جائے۔ آپ نے مصر، عراق، شام اور اطراف واکناف کے قدیم کتب خانوں سے اس کے متفرق اجزا کمال احتیاط سے جمع کر کے ان تمام کو ایک ہی نسخے کی صورت میں ترتیب دیا اور اسے صحت کے ساتھ ایک اصلی نسخے کی صورت میں عام کر دیا۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی روشنی میں آپ نے کئی اصول وضع کئے اور نسخہ نبویہ اصل کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں اپنے قلم سے لکھا۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ''ضیاء الساری'' کے نام سے لکھنی شروع کی تھی جسے بڑھاپے اور کمزوری کے سبب مکمل نہ کر سکے۔ آپ نے ساری زندگی سرد بحث طریقوں سے روایت حدیث میں گزاری، الغرض آپ واقعتاً اس آخری دور کے حافظ الحدیث تھے۔ اس اجمالی گفتگو کی تفصیل یہ ہے کہ صحت حدیث کے ضبط کے امت مرحومہ میں تین دور رائج رہے ہیں۔ پہلا دور صحابہ وتابعین کا ہے، جس میں احادیث کو زبانی یاد کر لیتے تھے اور اچھی طرح یاد کر لینا ہی ان کے ہاں ضبط حدیث کہلاتا تھا، دوسرا دور تبع تابعین اور ساتویں آٹھویں طبقہ تک کے متقدمین محدثین کا ہے۔ یہ حضرات احادیث کو لکھ لیتے تھے ان کے نزدیک ضبط ان اصولوں پر مبنی تھا۔ صفائی تحریر، حرکات وسکنات اور نقاط میں احتیاط، ہیئت حروف کی حفاظت، احادیث کا اصول صحیحہ سے موازنہ اور کتاب کو ہر قسم کے خارجی اثرات سے محفوظ رکھنا۔ تیسرا دور وہ ہے کہ جس میں حفاظ حدیث نے اسماء رجال اور مشکل وغریب الفاظ کے ضبط میں کتابیں تالیف کیں۔ مفصل شرحیں لکھیں اور پیچیدہ ومشکل مقامات حدیث کی تشریح میں رسائل لکھے۔ آج ضبط حدیث کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی شخص ان تصانیف وشروح کو پیش نظر رکھ کر ان کے مطابق روایت شروع کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب علمائے حدیث ان اصولوں میں تساہل سے کام لینے لگے ہیں جن پر قدما سختی سے کاربند تھے، چونکہ متوسطین نے حفظ حدیث میں سستی برتی اور صرف عبارت پر ہی اکتفا کر لیا، جس کے نتیجے میں طبقات سابقہ کے برعکس ان میں وجادت (۱) اور اجازت مجردہ اور اس کی دوسری چیزیں رائج

---

(۱) کوئی شخص کسی محدث کی لکھی ہوئی تحریر یا کتاب حاصل کرے لیکن اس شخص نے ان روایات کو نہ اصل سے سنا نہ ہی اس کو روایت کی اجازت ہو، ایسی صورت میں راوی ثانی اگر ان احادیث کو روایت کرنا چاہے تو یوں کہے گا، او جدت بخط فلان، فلاں شخص کی تحریر سے میں نے ایسا پایا یا قرأت بخط فلاں اسے وجادہ کہتے ہیں۔

ہوگئیں۔ حاصل کلام یہ ہو کہ ضبط حدیث کا یہ طریقہ شیخ عبداللہ کے ہاں بکمال موجود تھا جبکہ اس سلسلے کی بقا کا سبب بھی انہی کی ذات بنی، حضرت شیخ عبداللہ بچپن ہی سے علم وعلما، اور صلاح وتقویٰ کو دل وجان سے عزیز جانتے تھے، روزانہ قرآن مجید کے دس پارے تلاوت فرماتے مگر بڑھاپے میں حسب استطاعت تلاوت فرماتے۔ آپ کے وقت کا کوئی حصہ بھی درس وتدریس، تلاوت کلام پاک، نماز یا ضروری گفتگو سے خالی نہ ہوتا تھا۔ میں (شاہ ولی اللہ) نے سنا ہے کہ جب شیخ عبداللہ کے فرزند شیخ سالم نے شریف مکہ کے دربار میں ملازمت اختیار کرلی تو شیخ عبداللہ، شیخ سالم کے کھانے میں شریک ہونا تو درکنار ان کے گھر کے نمک سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ آپ نے حجرہ کعبۃ اللہ میں دوبار صحیح بخاری ختم کی، پہلی بار مرمت کعبہ کے وقت اور دوسری دفعہ اس وقت جبکہ کعبہ مکرمہ کا دروازہ درست کیا جارہا تھا اور مسند امام احمد بن حنبل تصحیح وجمع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کے سرہانے مسجد نبوی میں چھپن روز میں ختم کی۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سب کی سب رضائے الٰہی میں گزری۔ آخر عمر تک سمجھ بوجھ، حافظہ اور حواس درست رہے، البتہ قوت سماعت میں کچھ کمی واقع ہوگئی۔ عمر کے آخری حصے میں شیخ عبداللہ مغربی نے آپ سے کتب صحاح ستہ پڑھیں اور اہل مکہ نے آپ سے سماع حدیث کیا، آپ ۴ررجب ۱۱۲۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنیؒ

آپ ابتداء ہی سے علم اور علماء کی طرف راغب تھے، خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا، جنھوں نے آپ کیلئے بے شمار بزرگوں سے خرقہ واجازت حاصل کی تھی، ان بزرگوں میں سے ایک شیخ محمد بن سلیمان مغربیؒ تھے آپ نے کتب عربیہ کی تعلیم سیبویۂ وقت سید احمد ادریس مغربی سے حاصل کی، شیخ ابوطاہر سید احمد ادریس کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے ایک فاضل شاگرد نے مسجد نبوی کے محراب میں سورۂ تبت تلاوت کی جب وہ نماز سے فارغ ہوکر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس پر برس پڑے اور فرمانے لگے میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور وہ سورت پڑھو جس میں ان کے چچا (ابولہب) کا نام (اہانت کے ساتھ) مذکور ہے۔ کیونکہ خدا جیسے چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے لیکن ہمارا یہ

مقام نہیں! کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اگرچہ اس طرح کی باتیں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کا نتیجہ ہیں تاہم یہ ارباب تقویٰ وتحقیق کا مقام ہے مگر ہمارے لئے تو صحابہ وتابعین کا طرز عمل ہی کسوٹی ہے۔ وہ یوں کیوں نہیں سمجھتے کہ اس سورت میں تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی مدح ومنقبت کا پہلو نکلتا ہے، کیونکہ یہاں اس سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کے ایک دشمن پر خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

شیخ ابوطاہر نے فقہ شافعی کی تعلیم شیخ طولونی مصری سے معقولات، روم کے مشہور زمانہ متبحر عالم منجم باشی سے اور علم حدیث اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ شیخ حسن عجمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ انکے بعد شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری کی صحبت میں پہنچے اور شیخ عبداللہ بصری سے شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی اور انہی سے مسند امام احمد دو ماہ سے بھی کم عرصے میں سنی۔ ان کے علاوہ آپ نے وقتاً فوقتاً حرمین شریفین میں باہر سے آنے والے علماء ومشائخ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ ان میں ایک شیخ عبداللہ لاہوری تھے جن سے آپ نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱) کی کتابیں روایت کیں اور ان کا سلسلہ شیخ عبداللہ لبیب کے ذریعے خود مولانا تک پہنچا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلویؒ (۲) کی کتابیں بھی آپنے اسی واسطے سے پڑھیں۔ مولانا سیالکوٹی نے خود ان سے ان کتابوں کی روایت کی اجازت لی تھی اور ان

---

(۱) ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اپنے دور کے یگانہ روزگار فاضل ملا کمال الدین متوفی ۱۶۰۸ء کے شاگرد رشید ہیں، آپ علمی تبحر اور مسلمہ حدیث کی شہرت پوری اسلامی دنیا میں ہے۔ کچھ وقت اکبرآباد کے سرکاری مدرسے میں مدرس رہے۔ آپ کی تصانیف زیادہ تر درسی کتابوں کے حواشی وشروح سے متعلق ہیں۔ حواشی تفسیر بیضاوی، حاشیہ شرح عقائد، حاشیہ شرح شمسیہ، تکملہ حاشیہ عبدالغفور اور حاشیہ خیالی جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

خیالات خیالی بس عظیم است
رائے حل او عبدالحکیم است

علمی دنیا میں مشہور اور ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ شاہان مغلیہ آپکے علمی مقام ورتبے کو ہمیشہ خراج عقیدت پیش کرتے رہے۔ ۱۶۵۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار سیالکوٹ میں شہابان روڈ پر ہے۔

(۲) رئیس صوفیا، امام المحدثین، عاشق مصطفیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ عالم اسلام کی وہ مایہ ناز شخصیت ہیں کہ جنھوں نے ایک بار پھر دنیائے اسلام کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہوئے مقام محمدی کی عظمتوں کی طرف بلایا اور اسے حب رسول کا جاں بخش پیغام دیا۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے شیخ سعید کوکنی سے بھی آپ نے بعض عربی کتابیں اور فتح الباری کا چوتھا حصہ پڑھا۔ الغرض آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف مثلاً تقویٰ، عبادت، علمی شغف اور بحث وتمحیص میں انصاف پسندی سے متصف تھے۔ جب آپ سے کسی مسئلے کے بارے میں رجوع کیا جاتا تو جب تک پورا غور وفکر اور کتابوں سے اس کی تحقیق نہ کر لیتے، جواب نہ دیتے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی اس طرح کی حدیث پڑھتے تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں، لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہ برتتے۔ اپنے تلامذہ اور خدام سے بھی تواضع سے پیش آتے۔

صحیح بخاری کی قرأت کے دوران جب روایات احادیث اور فقہ کے اختلافات سامنے آتے تو شیخ ابوطاہر فرماتے کہ یہ تمام اختلافات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی جامعیت (جامعیت کبریٰ) کا نتیجہ ہیں جو اپنے اندر کونین کی تمام تر اضداد وموافقات سموئے ہوئے ہیں۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ ایک نہایت گہرا نکتہ ہے جس پر تدبر کی ضرورت ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

آپ ایک مشہور علمی وروحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دہلی ہی میں مکمل فرمائی۔ کچھ وقت فتح پور سیکری میں جو دارالحکومت ہونے کی وجہ سے علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کا شغل اختیار کیا۔ ۱۵۷۷ء میں شیخ موسیٰ گیلانی (المعروف موسیٰ پاک شہیدؒ) سے بیعت کی۔ ۱۵۸۸ء میں زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں دو تین سالہ قیام کے دوران مشائخ حرمین کے علاوہ براہ راست بارگاہ رسالت سے فیوض حال کئے۔ ہندوستان کے تمام اکابر واعیان کے ساتھ آپ کے تعلقات قائم رہے۔ ۱۵۹۹ء میں خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کر کے ان سے خلافت حاصل کی۔ آپ کے برادر طریقت شیخ مجدد الف ثانیؒ کے ساتھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ آپ نے حضرت مجدد کے بعض مکشوفات کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ حضرت مجددؒ کے ساتھ آپ کے اختلاف خالص علمی اور احوال صوفیا کے اختلاف تھے جو آخر دم تک قائم رہے لیکن باہمی وقار اور احترام کی فضا میں! اس سلسلے میں حضرت شیخ کے رجوع کا سارا قصہ محض عقیدتمندی کا فسانہ ہے۔ حضرت محدث کا سب سے بڑا کارنامہ مصائب وآلام میں گھری ہوئی امت مسلمہ کو محبت نبوی اور دامن رسالت پناہی سے وابستگی کی دعوت کی تجدید ہے۔ یہی وہ تریاق ہے جو مسلمان قوم کو نئی زندگی بخش سکتا ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے لمعات، شرح مشکوٰۃ، مدارج النبوۃ، جذب القلوب، اخبار الاخیار، زاد المتقین زندہ جاوید کتابیں ہیں۔ آپ نے ۱۶۴۶ء میں چورانوے برس کی عمر میں رحلت فرمائی ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایک دن احوال صوفیا اور ان کی باہمی تردید وتنقید جو بعض دفعہ ان کے پیرو کاروں میں بھی چل پڑتی ہے پر گفتگو چھڑ گئی تو شیخ ابوطاہر نے فرمایا کہ میں صوفیا کے بارے میں کچھ کہنے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اگر چہ میرے بعض اسلاف بعض صوفیا کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے مگر جہاں تک میرا تعلق ہے میرے دل میں ان کے لئے تردید وتنقید کا معمولی جذبہ بھی موجود نہیں، یہاں آپ نے ایک قصہ سنایا کہ شیخ یحییٰ شاذلی میرے والد سے کچھ اختلافات رکھتے تھے اور یہ بات ان کی طرف سے میرے دل میں کھٹکتی رہی، اسی اثناء میں شیخ یحییٰ شاذلیؒ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ایک عرصے کے بعد جب انہیں کسی وجہ سے لحد سے باہر نکالا گیا تو اس طرح صحیح وسالم تھے جیسے آج سوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف سے اختلاف کے سبب طعن وتشنیع نہیں کرنی چاہیے، یہاں انھوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین بن عربیؒ نے اس سلسلے میں ایک عجیب وغریب وصیت فرمائی ہے یہ کہہ کر انھوں نے شیخ ابن عربی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کا نسخہ نکالا اور اس میں سے باب الوصیت پڑھ کر سنایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے اس لئے عداوت رکھتا تھا کہ وہ شیخ ابومدین مغربی پر طعن وتشنیع کرتا تھا، جبکہ میں شیخ مغربی کی مقبولیت وبزرگی کا معترف تھا۔ ایک دن میں نے حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں فرماتے ہوئے سنا کہ ”تمہیں فلاں شخص سے کیوں بغض ہے؟ میں نے عرض کی اس لئے کہ وہ ابومدین سے عداوت رکھتا ہے جبکہ میں انھیں بزرگ سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں رکھتا؟ میں نے عرض کیا رکھتا ہے۔ فرمایا گویا تمہیں ابومدین سے اس کے بغض کی بنا پر تو عداوت ہے، لیکن میرے محبّ ہونے کی حیثیت سے الفت نہیں۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اللہ سے اس بغض کی توبہ کی۔ اس شخص کے گھر گیا، اسے معذرت کے ساتھ سارا واقعہ سنایا اور ایک قیمتی کپڑا اس کی نذر کر کے اسے راضی کیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے ابومدینؒ کے بارے میں ناراضگی کا سبب پوچھا۔ اس نے جو وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی کہ اس کی بنا پر ابومدینؒ سے عداوت رکھی جاتی، تو میں نے اسے حقیقت حال سمجھائی جس پر اس نے خدا تعالیٰ سے توبہ کی اور ابومدینؒ کے بارے میں طعن وتشنیع سے رجوع کر لیا اور اس طرح سب کے دلوں میں الفت نبیؐ کی برکات جاری وساری ہو گئیں اور اس پر اللہ کا

شکر ہے جس روز میں (شاہ ولی اللہؒ) وطن واپس ہوتے وقت شیخ ابو طاہرؒ کی خدمت میں الوداعی سلام کے لئے حاضر ہوا۔ تو بے اختیار میری زبان پر یہ شعر آ گیا۔

نسیت کل طریق کنت اعرفه
الا طریقا یودینی لربعکم

(میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستے کے علاوہ باقی سارے راستے بھول گئے)

یہ شعر سنتے ہی حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو گیا اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ میں رحلت فرمائے، خلد بریں ہوئے۔

شیخ تاج الدین قلعی حنفیؒ

آپ قاضی عبد المحسن کے فرزند اور مکہ مکرمہ کے مفتی تھے کئی مشائخ حدیث کی صحبتوں میں پہنچ کر ان سے علوم حاصل کئے اور ہر ایک سے اجازت بھی حاصل کی، آپ ابھی کمسن تھے کہ والد بزرگوار نے شیخ عیسیٰ مغربی سے آپ کے لئے اجازت حاصل کی۔ آپ فرماتے تھے کہ شیخ محمد بن سلیمان مغربیؒ کے درس میں سنن نسائی کے ختم کے موقع پر حاضر ہوا، انھوں نے ختم کے بعد تمام حاضرین مجلس کو اجازت دی جن میں میں بھی شامل تھا، آپ نے علم حدیث کا آخر حصہ شیخ عبداللہ بن سالم بصریؒ کی خدمت میں مکمل کیا، فرمایا کرتے تھے کہ یہ ساری کتابیں میں نے بحث و تنقیح کے ساتھ ان سے پڑھیں، صحیحین (بخاری و مسلم) شیخ حسن عجمی سے پڑھیں اور جس قدر روایات ان کی نظر میں صحیح تھیں، ان کی اجازت بھی حاصل کی، اس کے علاوہ شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں ایک عرصے تک رہ کر ان سے فقہ میں مکمل استفادہ کیا، آپ نے شیخ احمد نخلیؒ سے بھی اجازت و روایت حاصل کی۔ شیخ احمد قطان بھی آپ کے مشائخ میں سے تھے جن کی صحبت میں سالہا سال رہ کر ان سے درس کا طریقہ سیکھا، شیخ تاج الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد قطانؒ کی وفات کے بعد میرے تمام مشائخ یعنی شیخ عبداللہ مصریؒ اور شیخ احمد نخلیؒ وغیرہ اس پر مصر ہوئے کہ شیخ احمدؒ کی جگہ حرم کعبہ میں مصلیٰ مالکی پر بیٹھ کر حدیث کا درس دوں، جیسے کہ میرے شیخ کا معمول تھا مگر مجھے ایسے اکابر کی موجودگی میں یہ جرأت نہیں پڑتی تھی اس لئے میں اس پر آمادہ نہ ہوا اس کے باوجود ان کی طرف سے اصرار بڑھتا گیا تو میں نے حسن عجمی جو ان دنوں طائف میں مقیم تھے، کی خدمت میں

ساری صورت حال لکھی بھیجی، انھوں نے بھی مشائخ کا کہنا مان لینے کی تاکید کی آخر کار اس معاملے میں ہر طرح استخارہ وغور وفکر کر کے میں اس فریضے کو انجام دینے کے لئے تیار ہو گیا اور مسند شیخ قطان پر بیٹھ کر بخاری کا درس اسی مقام سے شروع کیا جہاں شیخ نے چھوڑا تھا، ختم بخاری کی مجلس میں تمام علماء ومشائخ موجود تھے۔ آپ نے شیخ ابراہیم کردیؒ سے بھی ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی حدیث (۱) مسلسل بالاولیت بھی انہی سے حاصل کی۔

کاتب الحروف نے شیخ تاج الدینؒ سے ایک عجیب وغریب حکایت سنی جو یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گا۔ اس بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ ضعف و ناتوانی کے مارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت بھی نہ رہی، اسی حالت میں ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے کوئی آ کر کہنے لگا کہ اس مریض کے شفا کے لئے مرغ پکا کر اس پر پورا قرآن مجید دم کیا جائے تاکہ بیمار اسے کھا کر شفایاب ہو، جب میں بیدار ہوا تو خواب کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا، اگلی رات میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ گویا امام محمد بخاری میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے دیگچہ چڑھا کر آگ جلائی اور اس میں صبح سے لے کر شام تک مرغ پکاتے رہے جب پک کر تیار ہو گیا تو میرے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہنے لگے میں نے اس کھانے پر سارا قرآن پڑھا ہے اسے کھاؤ اسے کھاتے ہی مجھے اس قدر افاقہ ہوا کہ اس قدر لطف وکرم سے مجھے جتنی مسرت وشادمانی حاصل ہوئی وہ مرض سے نجات پانے میں بھی نہ ملی۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) شیخ تاج الدین کے درس میں جوان دنوں بخاری کے درس میں مشغول تھے دو تین روز لگاتار حاضر ہوا۔ اس دوران اسے صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے کچھ حصے مسند دارمی، امام محمد کی کتاب الآثار اور موطا سماعت کیں، حضرت شیخ نے ان تمام کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو عطا کیں جن میں فقیر بھی شامل تھا اور حدیث مسلسل کے سلسلے میں یہ میری پہلی حدیث تھی جو میں نے زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کے بعد شیخ ابراہیمؒ سے سماعت کی۔ ۱۱۴۴ھ۔

---

(۱) حدیث مسلسل سے مراد یہ ہے کہ حدیث کی سند کی روایت کرنے والوں کی روایت کے وقت ایک صفت یا ایک حالت مسلسل قائم رہی ہو خواہ یہ حالت اور صفت سند کے الفاظ میں ہو یا راویوں کے حالات میں، اس کی کئی اقسام ہیں مثلاً مسلسل بسمعت، مسلسل باخذ اللحیہ، مسلسل فان قیل لفلان۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے خودنوشت حالات زندگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد لہ الذی بدا بالنعم قبل استحقاقھا وخص من شاء بمعرفۃ الاسماء واذواقھا والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد المتحلی بتیجان الکرامات واطواقھا المکرم بصنوف العطیات واطباقھا وعلی آلہ واصحابہ الذین بھم قیام الملۃ ورواج اسواقھا، اما بعد

فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم (خدا سے اور اس کے والدین کو بخشے اور اسے اور اس کے والدین کو احسان سے نوازے، رقمطراز ہے کہ یہ چند کلمات میں نے اپنے حالات زندگی کے بارے میں ''الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف'' کے نام سے تحریر کئے ہیں۔ میری ولادت بروز بدھ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بوقت طلوع شمس ہوئی۔ بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ کہا کہ میری پیدائش کے وقت حوت کا درجہ دوم طالع میں تھا اور شمس بھی اسی درجہ میں تھا۔ زہرہ آٹھویں، عطارد اکیسویں، زحل دسویں اور حمل ومشتری پندرہویں درجے میں تھے اور وہ سال علوبین کے قران کا سال تھا۔ یہ قران درجہ اوّل میں تھا اور مریخ اس سے دوسرے درجے میں تھا اور راس سرطان تھا، واللہ اعلم بالصواب

بعض احباب نے میری تاریخ پیدائش ''عظیم الدین'' سے نکالی ہے (۱)۔ میرے والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور کئی دیگر صلحاء کو میرے بارے میں میری پیدائش سے پہلے اور اس کے بعد بشارتیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک قریبی برادر اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات دوسرے واقعات کے ساتھ اپنے رسالے ''قول جلی'' میں بیان کی ہیں، اللہ اسے اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور اسے اور اس کے اسلاف واخلاف کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور اس کے دینی ودنیوی

---

(۱) عظیم الدین سے ابجد کے حساب سے تاریخ ۱۱۱۵ھ نکلتی ہے۔ چونکہ آپ کی ولادت ماہ شوال ۱۱۱۴ھ میں ہوئی جبکہ نئے سال یعنی ۱۱۱۵ھ کے شروع ہونے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے اسی لئے شاید تاریخ نکالنے والوں نے یہ دو ماہ شمار نہیں کئے۔

مقاصد پورے فرمائے پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سات سال کا تھا کہ والد بزرگوار نے مجھے نماز کے لئے کھڑا کر دیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا، ختنہ بھی اسی سال ہوا، اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے قرآن مجید بھی اسی سال ختم کر کے عربی فارسی کتابیں شروع کیں۔ دس برس کا تھا تو شرح ملا پڑھتا تھا، اسی دوران مجھ پر مطالعہ کی راہ کھلی، چودہ برس کی عمر میں میری شادی ہوگئی۔ والد بزرگوار کو میری شادی کے بارے میں بڑی جلدی تھی۔ جب میرے سسرال والوں نے سامان شادی وغیرہ کے مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو والد بزرگوار نے انہیں لکھ بھیجا کہ اس عجلت میں بھی ایک راز ہے اور یہ راز مجھ پر اس وقت کھلا جب میری شادی کے بعد میری ساس، میری اہلیہ کے نانا، شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے خلف الرشید شیخ فخر العالم، میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ اور والد بزرگوار جو ضعیف ہونے کے سبب طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوگئے تھے یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ الغرض اس طرح خاندان کے بہت سارے بزرگ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور ہر خاص و عام کو معلوم ہوگیا کہ اگر اس وقت میری شادی نہ ہو جاتی تو پھر برسوں اس کا امکان نہ تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغال صوفیا خصوصا مشائخ نقشبند کے اشغال میں مصروف ہوگیا اور ان کی توجہ و تلقین سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ان سے آداب طریقت کی تعلیم اور خرقہ صوفیا حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کرلیا، اسی سال بیضاوی شریف کا کچھ حصہ پڑھا تو اس موقع پر والد بزرگوار نے ایک عام دعوت کا اہتمام کیا اور درس کی اجازت عطا فرمائی۔ خلاصہ یہ کہ اس علاقے کے تمام علوم متداولہ سے پندرہ برس کی عمر میں حاصل کرلی۔ میں نے تمام علوم کی کتابیں ذیل کی ترتیب کے مطابق پڑھیں۔ علم حدیث میں کتاب البیع سے کتاب الاداب تک کا حصہ چھوڑ کر باقی مکمل مشکوۃ، صحیح بخاری کتاب الطہارۃ تک، شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکمل (والد بزرگوار سے ان کتابوں کی قرأت بعض ہم درس ساتھیوں نے کی) تفسیر بیضاوی و مدارک کے کچھ حصے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسے میں قرآن عظیم کے معانی، شان نزول اور کتب تفاسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے کلام قدسی میں تدبر حاصل کرنے کا موقع ملا جو میرے لئے ایک عظیم فتح تھی اور اس پر خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کا

اکثر حصہ، اصول فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ منطق میں شرح شمسیہ مکمل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ۔ کلام میں شرح عقائد مکمل اور خیالی وشرح مواقف کے کچھ حصے، سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ۔ حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ شرح لمعات اور نقد النصوص، خواص اسماء وآیات میں والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی انھوں نے چند بار اجازت دی، طب میں موجز القانون، حکمت میں شرح ہدایہ الحکمت وغیرہ، نحو میں کافیہ اور اس پر شرح ملا، معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے اور ہندسہ وحساب میں بعض مختصر رسائل۔

اس حصول علم کے دوران ہر فن کے کئی قیمتی نکات میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے جو مزید غور وفکر سے کئی اور راہیں سمجھا دیتے، میں اپنی عمر کے سترہویں برس میں تھا کہ والد بزرگوار بیمار پڑ گئے اور اسی علالت میں رحمت خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔ آپ نے مرض الموت کے دوران مجھے بیعت وارشاد کی اجازت عطا فرمائی۔ اور یہ جملہ کہ یدہ کیدی اس (شاہ ولی اللہ) کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے) دوبارہ ارشاد فرمایا میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ والد بزرگوار ساری زندگی مجھ سے راضی رہے اور اسی عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، مجھ پر ان کی اس قدر توجہ تھی کہ کسی بات کو اپنے بیٹے پر نہیں ہوسکتی۔ میں نے کسی ایسے والد، استاذ یا مرشد کو نہیں دیکھا کہ جو اپنے فرزند، شاگرد اور مرید کے ساتھ ایسی شفقت سے پیش آتا ہو جس شفقت کے ساتھ والد بزرگوار مجھ سے پیش آتے تھے (اے اللہ مجھے اور میرے والدین کو بخش دے، اور ان پر رحم فرما جیسے کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا اور ان کی ہر شفقت، رحمت کا انھیں ہزار در ہزار گنا اجر عطا فرما بے شک تو قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے) والد بزرگوار کی وفات کے بعد کم وبیش بارہ برس تک میں دینی اور عقلی کتابوں کی تدریس میں مشغول رہا اور ہر علم میں خاصا درک حاصل ہوا۔ جب میں والد گرامی کے مزار مبارک پر مراقبہ کرتا تو مسائل توحید حل ہو جاتے۔ جذب کا راستہ کھل جاتا سلوک میں سے وافر حصہ میسر آتا اور وجدانی علوم کا ذہن میں ہجوم لگ جاتا، مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں اور ان احادیث جن سے وہ استدلال کرتے ہیں، کے مطالعے کے بعد مجھے نور بصیرت سے معلوم ہوا کہ فقہائے محدثین کی روش ہی اختیار کی جائے۔ اس

بارہ سال کے عرصے کے بعد میرے سر میں حرمین شریفین کی زیارت کا سودا سمایا، ۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا اور ۱۱۴۴ھ میں مجاورت مکہ مکرمہ، زیارت مدینہ منورہ شیخ ابوطاہر قدس سرہ اور دوسرے مشائخ حرمین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التحیات کے روضۂ اقدس کو مرکز توجہ بنا کر فیوض حاصل کیے، علمائے حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں اور شیخ ابوطاہرؒ سے خرقہ جامعہ حاصل کیا جو بلاشبہ تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع ہے، اسی سال کے آخر میں فریضہ حج ادا کیا، ۱۱۴۵ھ میں عازم وطن ہوا اور اسی سال بروز جمعہ ۱۴ رجب المرجب صحیح وسالم وطن پہنچ گیا۔ **واما بنعمة ربک فحدث** (اور اپنے رب کا شکر ادا کرو) اور خاکسار پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے ''خلعت فاتحیہ'' سے نوازا اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہی ہاتھوں کرایا۔ اور مجھے اس طرف رہنمائی کی گئی کہ فقہ میں سے پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھوں، اسی طرح اسرار حدیث، مصالح احکام، ترغیبات اور جو کچھ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے۔ ان تمام کے اسرار ورموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ وقیع بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے اگر کسی کو اس فن کی عظمت وبلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گزرے تو اسے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب ''قواعد کبریٰ'' دیکھنی چاہیے جس میں انھوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی وہ اس فن کے عشر عشیر تک نہیں پہنچ پائے اور طریقہ سلوک جو کہ خدائے بزرگ وبرتر کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے۔ اور مجھے الہام کیا گیا، جسے میں نے اپنے دو رسالوں ''لمعات'' اور ''الطاف قدس'' میں قلم بند کر دیا ہے میں نے قدیم علمائے اہل سنت کے عقائد کو دلائل وبراہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا اور جس طرح انہیں معقولیوں کے شکوک وشبہات سے پاک کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی اور مجھے کمالات اربعہ یعنی ''ابداع:: خلق تدبیر اور تدلی جو اس دنیا کے طول وعرض میں موجود ہیں اور نفوس انسانیہ کی استعداد اور ان کے کمال اور انجام کو جاننے کا علم عطا کیا گیا ہے۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی ان کی گرد تک نہیں پہنچا اور حکمت عملی

جس کے ذریعے اس دور کی اصلاح کی جا سکتی ہے مجھے پوری طرح ودیعت کی گئی ہے اس کے ساتھ مجھے کتاب وسنت اور آثار صحابہ کے ذریعے اس حکمت عملی کو مستحکم کرنے کی توفیق بھی بخشی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے یا دین میں جو کچھ اضافے کئے گئے ہیں یا تحریف کی گئی ہے اور جو کچھ سنت ہے یا ہر فرقے نے جو نئی چیزیں دین میں رائج کی ہیں ان تمام کی مجھے پرکھ عطا فرمائی گئی ہے۔ اگر میرا ہر بن مو زبان بن جائے تو بھی میں کما حقہ اس کا شکر نہیں بجا لا سکتا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو عالمین کا پروردگار ہے۔

مقدمہ در قوانین ترجمہ

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا مشتاق احمد تجاوری

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

الحمد لله واهب العطيات، ملهم الحكم والمخبّات، والصلوٰة والسلام الاتمان علی سید البشر، معلم اهل المدر والوبر ،مبین الکتاب بفصل الخطاب وعلیٰ آله واصحابه اجمعین.

اللہ کریم کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیمؒ کہتا ہے کہ یہ رسالہ ترجمہ نگاری کے اصول وضوابط سے متعلق ہے، اس کا نام ہے المقدمہ درقوانین ترجمہ یہ رسالہ ترجمہ قرآن کی تسوید کے دوران ضبط تحریر میں لایا گیا۔

فصل

مترجمین نے ترجمہ نگاری کے مختلف اسالیب اختیار کیے ہیں:

(۱) بعض لوگ ایک لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ پھر دوسرے لفظ کے نیچے دوسرے لفظ کا ترجمہ لکھتے ہیں اور پورے مضمون کا ترجمہ اسی طرح کرتے ہیں۔

اس کو تحت اللفظ ترجمہ کہتے ہیں۔

(۲) بعض لوگوں نے یہ اسلوب اختیار کیا کہ پہلے پورے جملے پر غوروفکر کرتے ہیں اور تقدیم وتاخیر اور مجاز وکنایہ کی رعایت کرتے ہوئے پورے جملے کا مفہوم فارسی میں یا جس زبان میں بھی ترجمہ کررہے ہوں، بیان کردیتے ہیں۔

اس کو بیان حاصل المعنی کہتے ہیں۔

ترجمہ کا پہلا طریقہ درست نہیں ہے اس لیے کہ اس طرح بالعموم ترجمہ کا نظم بگڑ جاتا ہے اور جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس کے اعتبار سے ترکیب غلط ہوسکتی ہے یا کم ازکم اس صورت میں رکاکت الفاظ اور تعقید یا غیر معروف الفاظ کا استعمال لازم آتا ہے اور اس کی وجہ زبانوں کا اختلاف ہے۔

مختلف زبانوں میں مختلف اجزاء کلام کی تقدیم وتاخیر کا اسلوب، الفاظ کی ترکیب، کنایات اور صلات کا استعمال ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہوتا ہے جس کی نظیر دوسری زبان میں نہیں ملتی

جیسے سبحان اللہ اور سقیالک، اسی طرح بعض زبانوں میں لازم سے ملزوم کی طرف منتقل ہونا اور ایک لفظ کی جگہ دوسرے کا استعارہ استعمال کرنا صحیح ہوتا ہے جبکہ دوسری زبان میں وہ صحیح نہیں ہوتا، عربی میں کہتے ہیں "فلان عظیم الرماد" اس سے سخاوت مراد لی جاتی ہے اس کا فارسی ترجمہ ہوگا فلاں بزرگ خاکستر است (فلاں بہت بڑا مٹی والا ہے) اس سے فارسی والے وہ معنی اخذ نہیں کر سکتے جو اس کا اصلی مفہوم ہے۔

بسا اوقات عربی زبان میں ایسی خصوصیت ہوتی ہے جس کی نظیر فارسی میں (یا کسی اور زبان میں) ہوتی ہی نہیں، جیسے یہ الفاظ رغاء الابل (اونٹ کا بلبلانا) خوار البقر (گائے کا رنبھانا) صھال الفرس (گھوڑے کا ہنہنانا) نواج الکبش (مینڈھے کی آواز) و یعار المعز (بکری کا ممیانا) نباح الکلب (کتے کا بھونکنا) ھدیر الحمام (کبوتر کا غٹرغوں کرنا)۔ اسی طرح جرد الکلب (کتے کا پلا) شبل الاسد (شیر کا بچہ) فصیل الابل (اونٹ کا بوتا) حدی البقر (گائے کا بچھڑا) غناق الشاۃ (بکری کا بچہ) ان الفاظ کا فارسی متبادل بغیر تکلیف کے نہیں مل سکتا، اسی طرح افعال کے صلات میں بھی بڑا اختلاف ہوتا ہے تحت اللفظ ترجمہ میں یہ اور اسی جیسی بہت سی مشکلات ہیں جو باشعور اور اصحاب دانش لوگوں سے مخفی نہیں ہیں۔

ترجمہ کرنے کا دوسرا طریقہ (بیان حاصل المعنی) بھی دشواریوں سے خالی نہیں ہے چونکہ بسا اوقات کلام میں دو یا زیادہ پہلوؤں کی گنجائش ہوتی ہے لیکن مترجم صرف ایک ایسے پہلو کو سمجھ پاتا ہے جو متکلم کی مراد نہیں ہوتی، سابقہ کتب سماویہ میں تحریف کا ایک سبب میں یہ بھی رہا ہے، اس لئے کلام الٰہی کے ترجمہ میں اس کے نظم و ترتیب کا باقی رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ اگر مترجم سے کہیں کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو تو بعد کے کوئی صاحب اس کی اصلاح کر سکیں، کیوں کہ بسا اوقات وہ شخص جس تک بات پہنچائی گئی ہے وہ براہ راست سننے والے سے زیادہ اس کو سمجھنے والا ہوتا ہے (فرب بلغ اوعیٰ من سامع)

فصل

مشکل مقامات کی تفسیر اور متشابہات کی تاویل وغیرہ میں بھی علماء کی مختلف آراء ہیں ایسی

بہت سی آراء اگر غور سے دیکھا جائے تو شریعت کا حصہ نہیں ہوتی بلکہ عقلی استدلال کے زور پر شریعت میں موشگافیاں ہوتی ہیں، اگر ہر شخص اپنی فہم کے مطابق نصوص کی اسی طرح تأویل کرتا رہے تو متن کلام کا نظم باقی نہیں رہے گا اور اصل شریعت گم ہو جائے گی۔

قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی زبان بھی عربی تھی اس لئے عربی زبان سے واقفیت کے بغیر امت مرحوم کا معاملہ درست نہیں ہوسکتا، اور اسی لئے عربی زبان سے واقفیت ملت پر واجب کفایہ ہے اور ہر فرد کا عربی سے واقف ہونا مسنون و مستحب ہے، جو شخص عربی زبان سے واقف نہیں ہے دین محمدی کی معرفت کے اعتبار سے اس کا شمار زندہ انسانوں میں نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ انسان ہی نہیں وہ تو جمادات کے قبیل سے ہے یا مردوں میں شامل، اس نے اپنے اوپر ایسا عجز طاری کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ شریعت کی رحمت سے محروم ہے اور ایسی پسماندگی اوڑھ رکھی ہے جس کی وجہ سے شریعت نے اس کو سربلندی نہیں بخشی، اس لئے علماء نے تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، اور خطبۂ جمعہ وعیدین) کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنا جائز نہیں تھا، حالانکہ ان چیزوں (یعنی تلاوت اور خطبۂ جمعہ وعیدین) کا مقصد وعظ ونصیحت ہے، الفاظ کی تکرار نہیں (اس کے باوجود ان کا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں کہنا جائز نہیں)۔

قرآن پاک کے ترجمہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ قاری کو نظم قرآن میں درک حاصل ہو اور قرآن کی عبارتوں میں غور وخوض کا ملکہ حاصل ہو جائے، یہ مقصد بیان حاصل المعنی میں مفقود ہے، بعض لوگوں نے یہ کیا کہ جب دونوں قسموں میں اغلاط دیکھیں تو ترجمۂ تحت اللفظ اور حاصل المعنی دونوں کو جمع کر دیا، تاکہ اگر تحت اللفظ میں رکاکت یا تعقید ہو تو دوسری عبارت کے ذریعے اس کو دور کیا جاسکے اور اگر حاصل المعنی میں کسی ایک پہلو کو اختیار کرنے یا کسی متشابہ کی تاویل کرنے کی وجہ سے خلل واقع ہو رہا ہو تو تحت اللفظ کے ذریعہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

لیکن یہ تیسرا طریقہ بھی اصحاب ذوق سلیم پر گراں ہے، اس طریقے میں مبتدی کو تو تشویش ہوتی ہے اور منتہی حضرات کے لئے یہ طریقہ بے کار ہے چونکہ اس کی وجہ سے بلاضرورت طوالت آتی ہے اور اس سے کلام کا فطری اسلوب بھی باقی نہیں رہ پاتا، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس عجز وجہل کی اصل وجہ دونوں زبانوں کے اسلوب کلام سے ناواقفیت ہے۔

فصل

اس فقیر نے جب ان تینوں طریقوں کا مطالعہ کیا اور ان کے نقائص اس پر واضح ہوئے تو اس نے ارادہ کیا کہ ایک چوتھا طریقہ وضع کیا جائے جس میں ان تینوں طریقوں کی خوبیاں تو ہوں لیکن وہ ان کی خرابیوں سے پاک ہو، میں نے ایک طرف تو ترجمہ تحت اللفظ کو اختیار کیا اور اس کے اندر جو خرابیاں ہو سکتی تھیں ان کی اصلاح کی کوشش کی دوسری طرف بیان حاصل المعنی کو بھی پیش نظر رکھا اور مشکل مقامات کو حل کرنے کے کچھ طریقے وضع کیے اس کے بعد پہلے قرآن پاک کے نظم کی ترتیب کے مطابق لفظی ترجمہ کیا، فعل کے صلات میں جو اختلاف ہے اس کو دور کیا جس جگہ اس فارسی ترجمہ میں تعقید یا رکاکت پیدا ہو رہی تھی، یا عربی میں کوئی ایسی ترکیب تھی جو فارسی میں نہیں ہوتی ایسی جگہ عربی زبان کا مترادف لفظ وہاں لکھ دیا اور اس کا ترجمہ کر دیا، مثلاً جب اسم فاعل مستقبل کے لئے آتا ہے تو اس کا مساوی فعل مستقبل معروف ہوتا ہے اور جب اسم مفعول مستقبل کیلئے لایا جاتا ہے تو اس کا مساوی فعل مستقبل مجہول ہوتا ہے جیسے **قل یا أیھا الکافرون، قل للذین کفروا،** اور **قل لمن کفر،** یہ تینوں ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں، اسی طرح **یا ایھا الذین آمنوا، یا ایھا المؤمنون، یا ھولاء المؤمنین،** بھی ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں، اسی طرح **فما لھم من ناصرین** اور **فمالھم من ناصر** دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے اس لیے کہ یہاں ناصرین سے مراد عموم جمع نہیں ہے بلکہ عموم افراد مراد ہے۔

اس لئے قرآن پاک کو سات طریقوں سے پڑھنا جائز ہے اور صحابہ کرام بعض الفاظ کی تفسیر اس کے مترادف الفاظ سے کر دیتے تھے۔

میں نے اس ترجمہ میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ جس لفظ کو پہلے آنا چاہئے اس کو پہلے بیان کیا جائے اور جس کو بعد میں آنا چاہئے اس کو بعد میں بیان کیا جائے، محذوف کو ظاہر کیا جائے، مقحم کو ترک کیا جائے اور نحوی تراکیب وغیرہ کا بھی التزام کیا جائے، اور اگر مفہوم پوری واضح نہیں ہوا تو کوشش کی ہے، تقدیم و تاخیر میں ادنیٰ تصرف کر کے یا کوئی حرف بڑھا کر یا محذوف کو ظاہر کر کے یا معطوف پر عامل کا اعادہ کر کے یا مضمر کے اظہار یا اظہار کے مضمر کے ذریعہ اس کو حل کیا

جائے، اگر سیاق کلام میں ایسے تصرف کی گنجائش نہ ہو تو پھر لفظی ترجمہ کے بعد حاصل معنیٰ کو لفظ یعنی یامراد آنست کے ذریعہ واضح کیا ہے اور اگر کسی قید کا ذکر کلام کا اجمال یا کنایہ کا حل یا تعریض کے کشف یا مبہم کا اظہار ضروری ہوا تو اس کو بھی لفظ یعنی یامراد آنست کے ذریعہ واضح کیا ہے سعادت مند قاری کو چاہیے کہ جو عبارت یعنی کے تحت آرہی ہے، اس کے بعد سلسلۂ کلام کو پھر سابق عبارت سے جوڑ لے تاکہ کلام مربوط رہے۔

بالجملہ دوزبانوں میں اختلاف کے مواقع بہت ہیں، انہیں میں سے

(۱) ایک یہ ہے کہ عربی میں یہ رواج ہے کہ پہلے بات کو ایک طرح کے اجمال یا اختصار سے بیان کرتے ہیں پھر اس کی وضاحت کرتے ہیں عربی زبان میں اجمال کے بعد یہ تفصیل دراصل شروع میں ہی تفصیل بیان کر دینے کے مقابلے میں زیادہ لذت رکھتی ہے۔

جیسے کہتے ہیں ضربت زیدًا راسه میں نے زید کے سر میں مارا، حسن زیددارا زید کا گھر اچھا ہے، ان احد استجارک اگر کوئی تجھ سے پناہ چاہے، زیدًا ضربته، میں نے زید کو مارا، ضربت زیدا راسه یا سلبت زیدًا ثوبه جیسے جملوں میں اول ایک حکم زید پر لگایا جاتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ حکم زید کے متعلق کے بارے میں ہوتا ہے اس لئے پھر اس متعلق کو بیان کر کے اس تسامح کا تدارک کیا جاتا ہے۔

جیسے حسن زیددارًا میں حسن کا اثبات زید کے لئے کیا گیا جبکہ یہاں مراد یہ ہے کہ زید کا گھر اچھا ہے عربی جملہ میں اس متعلق یعنی گھر کی طرف بعد میں رجوع کیا جاتا ہے۔ اور اس کو بطور تمیز بیان کر کے اس کی وضاحت کی جاتی ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ تمیز فاعل یا مفعول کی طرف سے نسبت سے تبدیل ہوگئی اور ان احد میں استجارک کو مضمر مانتے ہیں، اور زیدًا میں ضربت کو مضمر مانتے ہیں، بعدازاں اضمار کی وجہ سے جو خلل واقع ہوا تھا اس کو دور کرنے کے لئے اس کو مقدم مان لیتے ہیں۔

عجمی زبانوں میں اس طرح کی ترکیب مستعمل نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح یہ بھی ہے کہ عرب جب کوئی جملہ استعمال کرتے ہیں تو اس کو فطری طریقہ سے تبدیل کر دیتے ہیں، وعدالله، وسبحه الله، سقاک الله میں انہوں نے یہ تبدیلی کی کہ

فعل کی جگہ مصدر کو قائم مقام بنایا پھر اسی کو فعل کے معمول چاہے وہ فاعل ہو یا مفعول، یا حرف جر کے واسطہ سے ہو یا یا بلا واسطہ مضاف کر دیتے ہیں جیسے وعداللہ حقا، سبحان اللہ اور سقیا لک، عجم کی زبان میں اسی طرح کی روایت نہیں ہے۔

(۳) اسی طرح کا ایک تصرف یہ ہے کہ نکرہ کو بطور معرفہ استعمال کرتے ہیں جو لفظ کسی کی طرف مضاف ہو اس کو اضافت کر کے بولتے ہیں اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ الفاظ میں تخفیف ہو جائے، ورنہ معنی وہی مراد ہوتے ہیں۔

(۴) اسی طرح کا ایک تصرف یہ ہے کہ ایک مضمون کو سہولت ادا کے ساتھ دو مرتبہ بیان کرتے اس لئے وہ اس مکرر لفظ کو اول کے ساتھ ملا کر کے اس طرح بولتے ہیں، ھو اعلمھم علماً واحلمھم حلماً، وزید ابوک عطوفا، تبسم ضاحکا، قام قائما، الزاریات ذرواً والصافات صفا، وغیرہ عجمی زبان میں یہ طریقہ بھی مستعمل نہیں ہے۔

(۵) اسی طرح کا ایک انداز یہ ہے کہ اہل عرب ایک مکمل جملہ کا ارادہ کرتے ہیں پھر اس میں تبدیلی کر کے فعل یا حرف کو اس پر مقدم کر دیتے ہیں جیسے ما کان زید لیفعل ھذا وانما ضرب زید، وظننت زیدًا قائماً اس کے برخلاف فارسی زبان میں اس عامل کو جملہ پر مقدم نہیں کرتے بلکہ علیحدہ بیان کرتے ہیں جیسے دانستم کہ زید قائم است، یہ نہیں کہتے کہ دانستم زید را استقامت، یا جز این نبود کہ زید زد یا ہرگز نیست کہ زید چنیں کند۔

(۶) اسی طرح تعبیر کا ایک اندازہ یہ ہے کہ عربی میں کہتے ہیں قام زید اور فارسی میں کہتے ہیں زید استاد اگر فارسی میں یوں کہیں کہ استاد زید تو غیر فصیح ہوگا۔

(۷) اسی طرح فارسی میں حکایت حال ماضی کے لئے ماضی پر می بڑھا دیتے ہیں جیسے می کرد، می زد، جبکہ عربی میں کان استعمال کئے بغیر یہ مفہوم حاصل نہیں ہوگا جیسے کان یفعل۔

(۸) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ عربی میں فعل مضارع جعل اور کاد وغیرہ کی خبر واقع ہو سکتا ہے، جبکہ فارسی میں ایسا نہیں ہوتا۔

(۹) اسی طرح عربی میں جملہ اسم کی خبر واقع ہو سکتا ہے، کہتے ہیں زید قام ابوہ اور یہ صورت فارسی میں تکلف کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

الغرض دوزبانوں میں اختلاف کے مواقع بہت ہیں اور مترجم (مفہوم واضح کرنے کے لئے) مجبور ہو جاتا کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ استعمال کرے مقولہ مشہور ہے الضرورات تبیح المحزورات جو کچھ ہم نے کہا ہے بالکل واضح ہے لیکن یہاں مزید تفصیل کی ضرورت ہے اور تھوڑی سی توجہ اس کی طرف مبذول کرنے سے اس کے درست معنی معلوم ہو سکتے ہیں۔

فصل

لفظ است رابط کی علامت ہے جو جملہ اسمیہ وظرفیہ کے دونوں حصوں میں ربط کو ظاہر کرتا ہے، جیسے زید قائم است، زید کجاست، اسی طرح جملہ فعلیہ میں فعل کی فاعل ساتھ نسبت کو ظاہر کرتا ہے، زید استاد اور بوقت ضرورت استاد زید بھی کہا جا سکتا ہے اور مفعول بہ چاہے نائب فاعل ہو یا نہ ہو کسی حرف کے ساتھ ملا ہوا ہوگا، جیسے زدم زیدرا، وزدہ شد زیدرا، اس جملہ کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے زید زدہ شد، اور اگر قریبہ موجود ہو تو اس کا حذف کرنا بھی جائز ہے اور مفعول مطلق اگر عدد کے لئے ہو تو یکبار کردن ودوبار کردن کہا جا سکتا ہے اور اگر برائے نوع ہو تو یک نوع کردن ویک طور کردن اور اگر غیر مصدر مصدر کی جگہ لایا گیا ہو جیسے کہیں، ضربت سوطا تو ترجمہ ہوگا زدم یک چابک، اور اگر مفعول فعل کے لفظ سے جدا ہو جیسے قرأت سردًا تو ترجمہ ہوگا خواندم بطریق پی در پی، اور اگر محض تاکید کیلئے مفعول کا ذکر ہو یا اس طرح ہو جیسے سبحان الله اور وعد اللّٰہ میں تو یہ دونوں زبانوں کے اختلافات کے قبیل سے ہوگا اور بغیر تکلف اور دوسرے حرف کے ملائے صحیح ترجمہ نہیں ہو سکے گا۔

(الف) اگر مفعول لہ غرض کے معنی میں ہو تو اس کا ترجمہ برائے یا تا ہوگا، اور جملہ ضربته تادیباً مصدر کا ترجمہ اس طرح ہوگا (زدمش برائے ادب دادن، یا زدمش تا ادب دہم) اور اگر مفعول لہ بمعنی حاصل ہو تو اس کا ترجمہ بعلت یا بحکم یا بمقتضا سے کرتے قعد جبّنا کا ترجمہ ہوگا (نشست بعلت نامردی) اور اگر احتراز کے معنی میں ہو اس کا ترجمہ برائے احتراز یا برائے احتیاط یا اسی جیسے الفاظ سے کیا جائیگا جیسے ضربته ان یقول الناس ماضربته کا ترجمہ یوں کریں گے زدمش برائے اجتناب از آنکہ گویند نزدمش۔

مفعول فیہ کا ترجمہ درمکان یا درزمان کیا جائیگا، اور مفعول معہ کا ترجمہ لفظ یا سے کیا جائے گا۔ جیسے **استو الماء والخشبہ** کا ترجمہ ہوگا، برابر شد آب باچوب، اور اگر حال مفرد کلمہ ہو تو اس کا ترجمہ کرنے لئے ایسے لفظ کا استعمال کرنا ہوگا جو حال کے معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے جئت راکباً کا ترجمہ ہوگا سوار آمدم۔

(ب) اگر جملہ معطوفہ ذوالحال ہو یا لفظ کردہ وکناں یا ان جیسے الفاظ کے ساتھ ہو جیسے **جاء زید یتبختر فی مشیہ** کا ترجمہ ہوگا زید آمد تبختر کناں در رفتار خود، اور اگر جملہ معطوفیہ ذوالحال کے فعل کے علاوہ کسی اور چیز پر مشتمل ہو تو لفظ حالانکہ کا اضافہ کر کے اس کا ترجمہ کیا جائے گا اگرچہ فارسی زبان میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہے۔

حال عربی زبان میں مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے کبھی تاکید کے معنی میں آتا ہے۔

(۱) جیسے جاء نی ابوک عطوفا۔

کبھی تھیاء کے معنی آتا ہے، جیسے:

(۲) فادخلوھا خالدین

کبھی قصد وارادہ کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے:

(۳) جئت اشکو الیہ۔

فارسی میں یہ معنی مستعمل نہیں ہیں۔

(ج) اگر تمیز سے مقصود، عدد یا وزن یا پیمانہ یا **مساحت** ہو تو فارسی ترجمہ میں یا تمیز کا صیغہ استعمال کریں گے یا اس کو اضافت کے ذریعہ ظاہر کریں گے یا لفظ از کے ذریعہ اس کا اظہار کریں گے جیسے بست مرد، یک رطل گندم یک صاع از جو۔

اگر تمیز اسم اشارہ ہو تو لفظ صفت کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جائے گا جیسے **ماذا اراد اللہ بھذا مثلاً** کا ترجمہ ہوگا چہ چیز ارادہ کردہ است خدا باایں مثل، اور اگر نسبت سے تمیز مطلوب ہو تو فاعل یا مفعول کو تحویل کر کے یا از جہت یا باعتبار کا اضافہ کر کے ترجمہ کیا جائیگا جیسے **زید حسن داراً** نیک است از روئے خانہ۔

کبھی کبھی فارسی میں تمیز کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ دو کلموں کو ایک کلمہ بنا کر اس کا اصل

مفہوم واضح کرتے ہیں جیسے ضاق قلباً ، کا ترجمہ ہوگا تنگ دل شدہ، ھو قاسی قلباً کا ترجمہ ہوگا، وی سخت دل است۔

کبھی عربی میں مفعول بغیر حرف جر کے واسطے کے ہوتا ہے لیکن فارسی میں حرف جر کا واسطہ ضروری ہوتا ہے۔ جیسے فسیکفیکھم اللہ کا ترجمہ ہوگا، کفایت خواہد کردہ ترا خدا از شر ایشاں یا جیسے قالوا اتخذ اللہ ولدًا کا ترجمہ ہوگا فرزند گرفت خدا، یا جیسے اعطیت زیدًا درھما کا ترجمہ ہوگا، درہم دادم زید را، کان زیدٌ قائماً کا ترجمہ ہوگا، زید قائم بود، اور جعلت زیدا عبدی کا ترجمہ ہوگا، زید را بندہ خود ساختم۔

ان تمام صورتوں میں ترجمہ کے اسلوب کے لحاظ سے تقدیم وتاخیر اختیار کی گئی ہے۔

کبھی کبھی وہ جملہ جس کو تاویل کر کے مصدر بنالیا گیا ہو تو اس کا ترجمہ مصدر اور مفرد ہی استعمال کیا جائے گا مصدر مفرد کی تفسیر اس جملہ سے کی جاتی ہے جس کو ان مصدر یہ کے ذریعے مصدر بنایا گیا ہو۔

اسی موصول کی اپنے صلہ کے ساتھ مفرد کلمہ سے یا اس کے برعکس سے تفسیر کی جاتی ہے وقال الذی آمن کا ترجمہ ہوگا گفت آں مسلمان، والذین آمنوا کا ترجمہ ہوگا مسلمانان، الذین اوتوا الکتاب کا ترجمہ ہوگا اہل کتاب۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ معنی واضح ہوں جیسے قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون کا ترجمہ ہوگا، ہر آئینہ رستگار شدند آں مسلماناں کہ ایشاں در نماز خویش خشوع کنند۔ یعنی اگر موصول کسی اسم کی صفت واقع ہو تو لفظ آں کو اس موصوف پر مقدم کیا جائے گا، اور جب معمول کو مقدم کر کے تخصیص کی علامت مقرر کی جائے تو فارسی میں بھی اس کی تقدیم کی جائے گی۔

کم، ھم، ھو اور ایاہ بعض مقامات پر ان کا ترجمہ خود کا، فارسی میں کہا جائیگا شمارا ست گوئید، یا ایشا نندراست گوی، اس کی ضرورت نہیں کہ یہ کیا جائے ایشا نندراست گویاں۔

اگر مضمر کی جگہ ظاہر لفظ استعمال کیا جائے تو ربط باقی رکھنے کے لئے وہاں لفظ آں زیادہ کیا جائے گا۔

فارسی میں قاعدہ ہے کہ علامت جمع کو فعل کے ساتھ ملا دیتے ہیں چاہے فاعل ظاہر ہی کیوں نہ ہو جیسے قام ھو لاء ایستادند ایشاں۔

واؤ اور فا بسا اوقات زائد ہوتے ہیں اور بسا اوقات عطف کے ترجمہ کے بغیر جملہ مربوط ہو جاتا ہے اور ترجمہ درست ہوتا ہے، اسی صورت میں اگر ترجمہ میں رکاکت پیدا ہو رہی ہو تو اس واو یا فا کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

الغرض فن ترجمہ کی بارکیاں بہت ہیں یہاں مقصود صرف چند مثالوں کا تذکرہ ہے، اس فقیر نے ترجمہ (ترجمۂ قرآن مجید) میں بغیر کسی شخص یا کتاب کی معاونت کے غور و خوض کیا اور تمام دیگر علوم میں مشغولیت کے سبب یہ مختلف اوقات میں لکھا ہے، ممکن ہے کہ بعض مقامات پر ان چیزوں کا التزام نہ رہا ہو، اس لئے اپنے سعادت منداحباب جو ان قواعد کا استحضار رکھتے ہیں، ان سے امید ہے کہ اخوت دینی کی وجہ سے نصیحت کو ملحوظ رکھیں گے اور اس کی اصلاح کی کوشش کریں گے، ولیصلحه من جاد مقولاً وماتو فیقی الا بالله علیه کلت والیه انیب، حسبنا الله ونعم الوکیل، ولا حول ولا قوة الا بالله۔

دیباچہ فتح الرحمٰن

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا مشتاق احمد تجاوری

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

بے حد وحساب تعریفیں اس خدائے تبارک وتعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنی رحمت کاملہ سے قرآن پاک کو اپنے بندوں کے لئے نازل فرمایا تاکہ اس کی مرضی کو معلوم کرسکیں اور اس کے ناپسندیدہ امور سے آگاہ ہوسکیں اور نفس کے مکروفریب سے، بداعمالی اور بدکرداری کے اندھیروں سے نجات پاسکیں اور حظیرۃ القدس کے لئے راہ یاب ہوسکیں تاکہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ قرار پائیں، اگر اللہ تعالیٰ خود مدد نہ فرماتے تو کسی کے لئے ہلاکت کے اس گڑھے سے نجات ممکن نہیں تھی اور اگر وہ خود راہ نہ دکھائے تو اس تہہ بہ تہہ تاریکی سے نجات کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا، اس پروردگار کے احسانات ہمارے دل وجان کو محیط ہیں اور اس کا وجود ہمارے ظاہر وباطن کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں۔

درود وسلامتی ہو آنحضرت ﷺ پر جنہوں نے ہم کو سعادت دارین سے باخبر کرایا اور دونوں جہاں کے فائدے سے مکمل طور پر آگاہ کرایا، چنانچہ آپ ؐ کے بیان سے زیادہ واضح کوئی بیان نہیں ہوسکتا اور آپ ؐ کی رحمت سے بالاتر کوئی رحمت نہیں ہوسکتی، ہم میں سب سے زیادہ خوش بخت وہ ہے جو آپ ؐ کی سنت کا اتباع کرے اور ہم میں سب سے زیادہ بدبخت وہ ہے جو اس راہ سے انحراف کا رویہ اختیار کرے، **واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم .امابعد.**

ہر علاقے اور ہر زمانے میں مسلمانوں کی نصیحت وخیر خواہی الگ نوعیت کی ہوتی ہے اور اس کے تقاضے بھی مختلف ہوتے ہیں، اس لئے علماء دین اور اکابر اہل ایمان نے تفسیر، احادیث، عقائد، فقہ اور سلوک پر بہت سی متنوع کتابیں لکھیں اور گوناگوں تالیفات رقم کی ہیں، کسی نے تفصیل وشرح وبسط کے ساتھ کلام کیا ہے، کسی نے مختصر نویسی کی راہ اختیار کی ہے، کسی نے عجمی زبانوں میں خامہ فرسائی کی ہے، کسی نے عربی زبان میں، یہ زمانہ جس میں ہم ہیں اور یہ ملک جس میں ہم بودوباش رکھتے ہیں، اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ روزمرہ کی متداول اور سلیس فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا جائے اور اس ترجمہ میں اپنی علمیت کے اظہار اور عبارت آرائی، متعلقہ قصوں اور غیر ضروری توجیہات سے اجتناب کیا جائے تاکہ عوام وخواص یکساں طور

پر اس کو سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے سب قرآن کے معنی سے واقف ہو سکیں، اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور اس کے لئے مجبور کیا گیا، کچھ عرصہ تک تو دیگر تراجم کا جائزہ لیا تا کہ جو ترجمہ مناسب حال ہو اس کی ترویج و اشاعت کی کوشش کی جائے اور جس طرح ممکن ہو اسے اہل زمانہ کے لئے مرغوب و پسندیدہ بنا کر پیش کیا جائے۔

لیکن میں نے دیکھا کہ بعض ترجموں میں بے کیف تطویل تھی اور بعض ترجمے اتنے مختصر تھے کہ مطلب ہی خبط ہو گیا تھا، کوئی ترجمہ ہمارے میزان پر پورا نہیں اترا، آخر کار ایک نئے ترجمے کی تالیف کا عزم مصمم کیا اور زہراوین (سورہ بقرہ و آل عمران) تک کا ترجمہ لکھ لیا، اس کے بعد اس فقیر کو حرمین شریفین کا سفر درپیش ہوا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، اس کے کئی سال بعد ایک عزیز نے قرآن مع ترجمہ مجھ سے پڑھنا شروع کیا، اس کی وجہ سے ترجمہ قرآن کا عزم پھر تازہ ہو گیا اور یہ طے پایا کہ جتنا پڑھنا ہے اتنے حصے کا ترجمہ روزانہ لکھ لیا جائے، تہائی قرآن کا ترجمہ مکمل ہو جانے کے بعد اس عزیز کو ایک سفر درپیش ہو گیا، اس طرح یہ سلسلہ پھر موقوف ہو گیا۔

ایک مدت کے بعد پھر ایک سبیل پیدا ہوئی اور ترجمہ کا پرانا خیال دل میں پھر تازہ ہوا اور دو تہائی قرآن پاک کا ترجمہ مکمل کر لیا، چونکہ اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے بعض دوستوں نے کہا کہ اس مسودہ کو بیضہ کر لیا جائے اور اس کو قرآن پاک کے ساتھ لکھا جائے تا کہ نسخہ مکمل ہو جائے، اس نیک بخت دوست نے عید الاضحیٰ کے دن ۱۱۵۰ھ میں اس کی تبیض شروع کی، جب مبیضہ مکمل ہو گیا تو طبیعت نے پھر زور مارا تو پورے قرآن کا ترجمہ کر ڈالا، اس کا مسودہ اوائل شعبان میں مکمل ہوا اور اس کا مبیضہ اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوا، اس کے بعد ۱۱۵۶ھ میں برادر عزیز القدر خواجہ محمد امین کے ذریعہ اس کتاب کو رواج دیا گیا، اس کی تعلیم شروع ہوئی، اس کے متعدد نسخے تیار کئے گئے اور اہل زمانہ نے اس کو قبول کیا:

للہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر می بست
آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو نقش دل میں تھا وہ تقدیر کے پردہ سے نکل کر ظہور پذیر ہوا)

اصل مقصد کو شروع کرنے سے قبل ایک تمہید ضروری ہے تا کہ اس کتاب کے سمجھنے میں مدد

ملے اور ترجمہ قرآن کے مسائل سے علی وجہ البصیرت آگاہی ہو سکے۔

مقدمہ میں چند مقاصد کا بیان ہے، کتاب کے شروع میں مقدمہ لکھنا قدیم مصنفین کی روایت رہی ہے، یہ کتاب قرآن عظیم کے ترجمہ کے سلسلے میں ہے، یعنی عربی زبان کے مطلب کو فارسی زبان کی عبارت میں لکھنا، اس میں نحو و قواعد، مقدم، مؤخر کی رعایت رکھی گئی ہے، محذوف کو ظاہر کیا گیا ہے اور ترجمہ کی ترتیب حتی المقدور قرآنی عبارت کی ترتیب کے مطابق رکھی گئی ہے، سوائے ان مقامات کے جہاں دونوں زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے رکاکت یا تعقید پیدا ہو رہی ہو، جن اسباب نزول کا بیان ضروری تھا ان کا ذکر کیا گیا ہے اور بقدر ضرورت مشکل مقامات کی توجیہہ وجیز اور جلالین جیسی کتابوں سے کی گئی ہے۔ اور وجیز و جلالین کی ہم رنگی پر امام غزالیؒ کی شہادت موجود ہے، فرماتے ہیں کہ وجیز جیسی کتابوں کے پڑھنے والے علم کو تفسیر سے ابتدائی درجہ کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے۔

میں نے اس کتاب کا نام فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن رکھا، اس کے مصنف کا نام احمد بن عبد الرحیم اور لقب ولی اللہ، وطن دہلی، نسب فاروقی ہے، احسن اللہ الیہ والی مشائخہ و والدیہ.

قرآن پاک ناظرہ پڑھنے اور فارسی کے ابتدائی رسائل پڑھنے کے بعد جب فارسی زبان بے تکلف سمجھی جا سکے اس وقت اس کتاب کو پڑھنا چاہئے، خاص طور پر اہل حرفہ اور سپاہیوں کی اولاد جن کو زیادہ علوم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا ان کو ابتداء سن تمیز میں اس کتاب کی تعلیم دے دینی چاہئے تاکہ پہلی چیز جو ان کے دلوں میں پڑے وہ کتاب اللہ کے معانی ہوں تاکہ اصل انسانی فطرت جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے وہ باقی رہے، ملحدوں اور بے دینوں کی فکری موشگافیاں جو تصوف کا لبادہ اوڑھ کر ایک عالم کو گمراہ کر چکی ہیں وہ اس کو اپنی طرف مائل نہ کر لیں، نیز کم سواد عقلیت پسندوں کی ٹامک ٹوئیاں اور ہندوؤں کے افکار اس کے دل و دماغ پر قبضہ نہ کر لیں۔ وہ لوگ جن کو عمر کی ایک مدت گزارنے کے بعد توبہ کی توفیق ہوتی ہے اور وہ علوم کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ کتاب ان کو بھی پڑھائی جائے تاکہ وہ بھی تلاوت قرآن پاک کی حلاوت سے مستفید ہوں، ویسے یہ کتاب جمہور مسلمانوں کے حق میں بھی انشاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔

بچوں اور مبتدیوں کے لئے اس کی افادیت ظاہر ہے جس کا بیان اوپر آ چکا ہے اور عوام الناس کہ جن کا زیادہ تر وقت تلاش معاش میں گزرتا ہے، ان کو چاہئے کہ فرصت کے اوقات میں حلقہ بنا کر بیٹھیں اور جو شخص فارسی عبارت سے اچھی طرح واقف ہو، ساتھ ہی کچھ تفسیر سے بھی واقفیت رکھتا ہو، یا اس نے یہ ترجمہ کسی جاننے والے سے پڑھ لیا ہو وہ حسب فرصت ایک دو سورت ترتیل وتبین کے ساتھ پڑھے تاکہ سب لوگ سنیں اور اس کے معنی سمجھیں، اس طرح وہ صحابہ کرام کے مشابہ ہو جائیں گے، چونکہ صحابہ بھی اسی طرح حلقہ بنا کر بیٹھا کرتے تھے اور ان میں سے جو قاری ہوتا وہ قرأت کرتا، فرق صرف یہ ہوگا کہ صحابہ کرام خود عربی زبان کے شناور تھے اور یہ لوگ فارسی کے توسط سے اس کے معنی سمجھیں گے، جس طرح لوگ مثنوی مولانا جلال الدین اور گلستان شیخ سعدی، یا منطق الطیر شیخ فریدالدین عطار، یا قصص فارابی یا نفحات الانس جامی یا اس جیسی دیگر کتابوں کی مجلس لگاتے ہیں، اس طرح اس ترجمہ کو بھی اپنے درمیان رواج دیں اور تھوڑی سی توجہ اس کے اوپر غور وفکر میں بھی صرف کریں، چونکہ اگر وہ کلام اولیاء سے شغف ہے تو یہ کلام اللہ سے شغف ہے، وہ اگر حکیموں کے مواعظ ہیں تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں، وہ اگر باعزت لوگوں کے مکاتیب ہیں تو یہ رب العزت کا مکتوب ہے، ان دونوں کے مرتبوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔

اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ نزول قرآن کا فائدہ اس کے الفاظ سے نصیحت حاصل کرنا اور ہدایت پانا ہے، صرف اس کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہیں اگرچہ اس کے الفاظ کا پڑھنا بھی کار ثواب ہے، پس جو مسلمان قرآن کے مدلول کو نہ سمجھے اسے کیا حاصل اور جو کلام اللہ کے معنی کو نہ جانے اسے کیا لذت حاصل ہوگی۔

جو لوگ عربی زبان پر دسترس رکھتے ہیں اور تفسیر کا سبق اساتذہ سے حاصل کر چکے ہیں ان کو اس ترجمہ کے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن خدا کی ذات سے امید ہے کہ اگر وہ بھی اس کو پڑھیں گے تو ان کے سامنے قرآن پاک کا تحت اللفظ ترجمہ مزید واضح ہوگا اور نحوی ترکیب اور مشکل الفاظ کی تشریح وغیرہ جیسی منتخب چیزوں سے واقفیت حاصل ہوگی اور بہت سے ایسے فائدے جو اس کے مطالعہ سے قبل نہ سنے ہوں گے اور نہ دیکھے ہوں گے، وہ بھی ان پر کھلیں گے۔

یہ ترجمہ جمہور خلق اللہ کی محبت میں تالیف کیا گیا ہے، اس میں وجوہ اعراب کا استقصاء، توجیہات کلام کا احاطہ اور قصص کے استیعاب کا اہتمام نہیں ہے، اگر علوم الیہ کے حصول کو ضروری قرار دیا جائے تو معلوم نہیں کہ وہ ہو پائے یا نہ ہو پائے اور ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ انہی علوم میں تعمق کا داعیہ پیدا ہو اور ساری زندگی اسی میں گزر جائے جیسا کہ اکثر علوم الیہ کے ماہرین میں دیکھا گیا ہے۔

اس سے بہتر کچھ نہیں ہے کہ علوم تفسیر ابتداء عمر میں حاصل کر لیا جائے، تا کہ اگر علوم الٰہیہ کے سیکھنے کا موقع مل جائے تو یہ بھی اس میں تو مؤید و معاون ثابت ہوں اور اگر اس کا موقع نہ ملے تو کم از کم مقصد ہاتھ سے نہ جانے پائے ورنہ یہ محض گھاٹے کا سودا ہوگا۔

صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی
کہ دراز ودور دیدم رہ ورسم پارسائی

(اے صنم اگر تو مجھے قلندری کی راہ دکھائے تو یہ زیادہ مناسب ہے چونکہ رہ ورسم پارسائی بہت طویل اور اس راستے سے منزل بہت دور ہے)

اس کتاب کا طریق تصنیف یہ ہے کہ ہر آیت کو جدا لکھا جائے اس کے بعد اس کا ترجمہ لکھا جائے اور ترجمہ میں اس زبان کا متداول اور روزمرہ کی گفتگو کا اسلوب اختیار کیا جائے، اگر ترجمہ تحت اللفظ کے علاوہ ایک دو جملے کا اضافہ ہو تو لفظ یعنی یا مثل کے ذریعہ ان کو ترجمہ سے ممتاز کر دیا جائے اور اگر مستقل کلام ہو تو اس سے قبل مترجم گوید لکھا جائے اور اس کے آخر میں واللہ اعلم لکھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو قرآنی قصوں میں ایک دو لفظ پر اکتفا کیا جائے اور شان نزول کے طویل قصوں سے اجتناب کیا جائے۔ حتی الامکان آیات کے سیاق یعنی نظم کی رعایت کی گئی ہے اور جہاں تک ہو سکا، محدثین کی صحیح ترین تفاسیر، جیسے بخاری، ترمذی اور حاکم سے مدد لی گئی ہے اور حتی الامکان ضعیف اور موضوع روایات سے اجتناب کیا گیا ہے، وہ اسرائیلی روایات جو اہل کتاب سے منقول ہیں، حدیث خیر البشر علیه وعلى الله الصلوٰة والتسليم نہیں ہیں، ان کو کتاب میں شامل نہیں کیا گیا ہے، سوائے ان مقامات کے جہاں اس کے بغیر معنی واضح نہ ہو رہے ہوں، چونکہ ضرورت کی وجہ سے ممنوع چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں۔

یہ ترجمہ دیگر تراجم سے چند وجوہ کی بنا پر ممتاز ہے۔

(۱) ایک یہ کہ فارسی ترجمہ میں نظم قرآن کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ معنی کی وضاحت، تعبیر الفاظ کی لطافت کا پاس رکھا گیا ہے اور دیگر تراجم میں جو اطناب، عبارت کی رکاکت اور مفہوم کو خبط کر دینے کی بات ہے اس سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ تمام تراجم دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو ان میں قرآن کے متعلقہ قصوں کو ترک کیا گیا ہے یا ان کو مکمل تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اس ترجمہ میں درمیانی راستہ اختیار کیا گیا ہے، جن مقامات پر آیت کے معنیٰ کی تفہیم قصہ پر موقوف ہے وہاں دو تین جملوں میں اس کو بیان کر دیا گیا ہے، اور جہاں آیت کے معنی کی تفہیم کسی قصہ کے بیان کرنے پر منحصر نہیں ہے، وہاں اس کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ مختلف توجیہات میں سے جو توجیہ عربی اسلوب کے اعتبار سے زیادہ قوی، علم حدیث وفقہ کے اعتبار سے زیادہ واضح ہو اور لفظ کے ظاہر معنی سے زیادہ دور نہ ہو اس کو بیان کیا جائے، ''تفسیر وجیز'' اور ''تفسیر جلالین'' جو اس ترجمہ کے لئے اصل کی طرح ہیں جو کوئی ان کا اور دیگر تفاسیر کا مطالعہ کرے گا وہ جان لے گا کہ اس میں کوئی شک نہیں۔

(۴) چوتھی خوبی اس ترجمہ کی یہ ہے کہ جو شخص نحو سے واقف ہو وہ اس ترجمہ کے ذریعے اعراب قرآن محذوف کا تعین، ضمیر کا مرجع اور مقدم ومؤخر سے واقفیت وغیرہ کو جان لے گا اور جو نحو سے واقف نہیں ہے مفہوم اس پر بھی پوری طرح واضح ہو جائے گا۔

(۵) پانچویں خوبی اس ترجمہ کی یہ ہے کہ کوئی بھی ترجمہ دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو ترجمہ تحت اللفظ ہوگا یا ترجمہ حاصل المعنی ہوگا، دونوں صورتوں میں کئی خرابیاں ہیں، یہ ترجمہ دونوں طریقوں کا جامع ہے، دونوں ترجموں میں جو خرابی واقع ہو سکتی ہے، ہم نے اس کی اصلاح کا علاج مقرر کیا ہے، یہ ایک تفصیلی موضوع ہے، اس کو ہم نے اپنے رسالہ قواعد ترجمہ (مقدمہ در قوانین ترجمہ) میں بیان کیا ہے۔

ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ اس ترجمہ میں وجوہ اعراب کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، مثلاً کوئی لفظ مہمل ہے اس کی تفسیر کی ضرورت ہے اس کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے، لفظ

است ربط کی علامت ہے جو جملہ اسمیہ وظرفیہ کے دونوں حصوں میں ربط کو ظاہر کرتا ہے، جیسے زید قائم است، زید کجاست، اسی طرح جملہ فعلیہ میں فعل کی فاعل ساتھ نسبت کو ظاہر کرتا ہے، زید استاد اور بوقت ضرورت استاد زید بھی کہا جاسکتا ہے اور مفعول بہ چاہے نائب فاعل ہو یا نہ ہو کسی حرف کے ساتھ ملا ہوا ہوگا، جیسے زدم زیدرا، وزدہ شد زیدرا، اس جملہ کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے زید زدہ شد، اور اگر قرینہ موجود ہو تو اس کا حذف کرنا بھی جائز ہے اور مفعول مطلق اگر عدد کے لئے ہو تو یکبار کردن، ودوبار کردن کہا جاسکتا ہے اور اگر برائے نوع ہو تو یک نوع کردن و یک طور کردن اگر غیر مصدر کو مصدر کی جگہ لایا گیا ہو جیسے کہیں ضربت سوطا تو ترجمہ ہوگا زدم یک چابک، اور اگر مفعول فعل کے لفظ سے جدا ہو جیسے قراءت سردًا تو ترجمہ ہوگا خواندم بطریق پی در پی، اور اگر محض تاکید کے لئے مفعول کا ذکر ہو یا اس طرح ہو جیسے سبحان اللہ اور وعد اللہ میں تو یہ دونوں زبانوں کے اختلافات کے قبیل سے ہوگا اور بغیر تکلف اور دوسرے حرف کے ملائے صحیح ترجمہ نہیں ہوسکے گا۔

(الف) اگر مفعول لہ غرض کے معنی میں ہو تو اس کا ترجمہ برائے یا تا ہوگا، اور جملہ ضربتہ تادیبًا میں مصدر کا ترجمہ اس طرح ہوگا (زدمش برائے ادب دادن، یا زدمش تا ادب دہم) اور اگر مفعول لہ بمعنی حاصل ہو تو اس کا ترجمہ بعلت یا بحکم یا بمقتضا سے کرتے قعد جبنًا کا ترجمہ ہوگا (نشست بعلت نامردی) اور اگر احتراز کے معنی میں ہو اس کا ترجمہ برائے احتراز یا برائے احتیاط یا اسی جیسے الفاظ سے کیا جائے گا جیسے ضربتہ ان یقول الناس ماضربتہ کا ترجمہ یوں کریں گے زدمش برائے اجتناب از آنکہ گویند نزدمش۔

مفعول فیہ کا ترجمہ درمکان یا درزمان کیا جائیگا، اور مفعول معہ کا ترجمہ لفظ با سے کیا جائے گا، جیسے استوالماء و الخشبة کا ترجمہ ہوگا، برابر شد آب با چوب، اور اگر حال مفرد کلمہ ہو تو اس کا ترجمہ کرنے کے لئے ایسے لفظ کا استعمال کرنا ہوگا جو حال معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے جئت راکبًا کا ترجمہ ہوگا سوار آمدم۔

(ب) اگر جملہ معطوفہ ذوالحال ہو یا لفظ کردہ وکناں یا ان جیسے الفاظ کے ساتھ ہو جیسے جاء زیدیتبختر فی مشیہ کا ترجمہ ہوگا زید آمد تبختر کناں در رفتار خود، اور اگر جملہ معطوفیہ ذوالحال کے

فعل کے علاوہ کسی اور چیز پر مشتمل ہو تو لفظ حالانکہ کا اضافہ کر کے اس کا ترجمہ کیا جائے گا اگر چہ فارسی زبان میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہے۔

حال عربی زبان میں مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے کبھی تاکید کے معنی میں آتا ہے۔

(۱) جیسے جاء نی ابوبک عطوفا۔

کبھی تهیاء کے معنی آتا ہے، جیسے:

(۲) فاد خلوها خالدین۔

کبھی قصد وارادہ کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے:

(۳) جئت اشکوا الیه۔

فارسی میں یہ معنی مستعمل نہیں ہیں۔

(ج) اگر تمیز سے مقصود، عدد یا وزن یا پیمانہ یا مساحت ہو تو فارسی ترجمہ میں یا تمیز کا صیغہ استعمال کریں گے یا اس کو اضافت کے ذریعہ ظاہر کریں گے، یا لفظ از کے ذریعہ اس کا اظہار کریں جیسے بست مرد، یک رطل گندم یک صاع از جو۔

اگر تمیز اسم اشارہ ہو تو لفظ صفت کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جائے گا جیسے ماذا اراد الله بهذا مثلاً کا ترجمہ ہوگا چہ ارادہ کردہ است خدا با این مثل، اور اگر نسبت سے تمیز مطلوب ہو تو فاعل یا مفعول کو تحویل کر کے یا از جہت یا باعتبار کا اضافہ کر کے ترجمہ کیا جائے گا جیسے زید حسن دارا نیک است از روئے خانہ۔

کبھی کبھی فارسی میں تمیز کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ دو کلموں کو ایک کلمہ بنا کر اس کا اصل مفہوم واضح کرتے ہیں جیسے ضاق قلبا، کا ترجمہ ہوگا تنگ دل شدہ، هو قاسی قلبا کا ترجمہ ہوگا وی سخت دل است۔

کبھی عربی میں مفعول بغیر حرف جر کے واسطے ہوتا ہے لیکن فارسی میں حرف جر کا واسطہ ضروری ہوتا ہے، جیسے فسیکفیکهم الله کا ترجمہ ہوگا، کفایت خواہد کردہ ترا خدا از شر ایشاں یا جیسے قالوا اتخذ الله ولدا کا ترجمہ ہوگا، فرزند گرفت خدا، یا جیسے اعطیت زیدا درهما کا ترجمہ ہوگا، درهم دادم زید را، کان زیداً قائما کا ترجمہ ہوگا، زید قائم بود، اور جعلت

زیداً عبدی کا ترجمہ ہوگا، زید را بندہ خود ساختم۔

ان تمام صورتوں میں ترجمہ کے اسلوب کے لحاظ سے تقدیم وتاخیر اختیار کی گئی ہے۔

کبھی کبھی وہ جملہ جس کو تاویل کر کے مصدر بنالیا گیا ہو تو اس کا ترجمہ مصدر اور مفرد ہی استعمال کیا جائے گا مصدر مفرد کی تفسیر اس جملہ سے کی جاتی ہے جس کو ان مصدریہ کے ذریعے مصدر بنایا گیا ہو۔

اسی طرح موصول کی اپنے صلہ کے ساتھ مفرد کلمہ سے یا اس کے برعکس تفسیر کی جاتی ہے وقال الذی آمن کا ترجمہ ہوگا گفت آں مسلمان، والذین آمنوا کا ترجمہ ہوگا مسلمانان الذین اوتوا الکتاب کا ترجمہ ہوگا اہل کتاب۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ معنی واضح ہوں جیسے قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون کا ترجمہ ہوگا ہر آئینہ رستگار شدند آں مسلماناں کہ ایشاں در نماز خویش خشوع کنند یعنی اگر موصول کسی اسم کی صفت واقع ہو تو لفظ آں کو اس موصوف پر مقدم کیا جائے گا، اور جب معمول کو مقدم کر کے تخصیص کی علامت مقرر کی جائے تو فارسی میں بھی اس کی تقدیم کی جائے گی۔

کم، ھم، ھو ایاہ بعض مقامات پر ان کا ترجمہ خود ہوگا، فارسی میں کہا جائیگا شمار راست گوئید، یا ایشاندراست گوی، اس کی ضرورت نہیں کہ یہ کہا جائے ایشانند راست گویاں۔

اگر مضمر کی جگہ ظاہر لفظ استعمال کیا جائے تو ربط باقی رکھنے کے لئے وہاں لفظ آں زیادہ کیا جائے گا۔

الغرض فن ترجمہ کی باریکیاں بے شمار ہیں یہاں صرف چند بطور نمونہ بیان کی گئیں ہیں، چونکہ اس فقیر نے بغیر کسی کی مدد کے اور بغیر کسی کتاب سے رجوع کئے ہوئے اور دیگر علوم میں مشغولیت کے ساتھ ترجمہ کیا ہے، اس لئے اس کا امکان ہے کہ کہیں کہیں ان ضابطوں کا التزام نہ ہوسکا ہو، سعادت منداحباب جو ان قواعد کو مستحضر رکھتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ دینی اخوۃ کے پیش نظر خیر خواہی کو مدنظر رکھیں اور اس کی اصلاح کریں۔

اس ترجمہ کے لکھنے والوں کو فقیر کی وصیت یہ ہے کہ قرآن کی عبارت کو جلی حروف میں لکھیں

اور اعراب اور سرخی کو ترجمہ سے الگ رکھیں اور احتیاط کریں کہ ترجمہ کے الفاظ میں کوئی تبدیلی نہ آنے پائے اور ایسے مقامات جہاں جملہ مکمل ہو رہا ہو، لیکن اشتباہ کا اندیشہ ہو تو سرخ نقطہ لگا کر اس کو مابعد سے الگ کر دیں اور مرکب اضافی اور مرکب توصیفی کو مضاف اور موصوف پر کسرہ لگا کر نمایاں کر دیں تا کہ مبتدیوں کے لئے بات واضح تر ہو جائے۔

اگر ترجمہ میں کوئی ایسا لفظ ہو جو مبتدیوں کے لئے اجنبی ہو یا ایسی گفتگو ہو جو بچوں کی سمجھ میں نہ آتی ہو تو سعادت مند دوستوں سے گزارش ہے کہ اس کے معنی حاشیہ پر لکھ دیں تا کہ کسی فرد کے لئے بھی بات مشکل نہ رہے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وماتوفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب۔ (میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک ہو سکے، اور میرا رہنما صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں)۔

سند درس قرآن

ضعیف بندہ ولی اللہ بن عبدالرحیم عفی عنہ کہتا ہے کہ میں نے پورا قرآن از اول تا آخر بروایت حفص عن عاصم۔

(۱) مرد نیک اور صالح حاجی محمد فاضل سندھی سے ۱۱۵۴ھ میں پڑھا، انہوں نے بتایا کہ انہوں نے پورا قرآن از اول تا آخر بروایت حفص۔

(۲) شیخ عبدالخالق، سے پڑھا جو دلی کے شیخ القراء تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے قرأت سبعہ کے قرآن۔

(۳) شیخ بقری سے پڑھا اور انہوں نے

(۴) اپنے عہد کے شیخ القراء شیخ عبدالرحمٰن یمنی سے اور انہوں نے اپنے والد

(۵) شیخ سجادہ یمنی اور شہاب احمد بن عبدالحق السنباطی سے پڑھا اور شیخ سجادہ مذکور اور شیخ سجادہ مذکور نے اس طرح۔

(۶) شیخ ابوالنصر الطبلاوی سے پڑھا اور شیخ ابوالنصر الطبلاوی سے اور الطبلاوی

(۷) شیخ الاسلام زکریا سے پڑھا، اور انہوں نے

(۸) برہان العلقیلی اور رضوان ابونعیم العقبی سے پڑھا، اور ان دونوں نے

(۹) اما القراء والمحدثین محرر الروایات والطرق ابوالخیر محمد بن محمد بن علی بن یوسف الجزری، جو کتاب النشر کے مصنف ہیں، ان سے پڑھا۔ ان کی بہت سی اسناد ہیں جن کا ذکر انہوں نے التیسیر میں کیا ہے، اس میں

التیسیر کے حوالے سے قراء ضابطین کا سلسلہ ہے، ہم یہاں صرف اسی کو ذکر کریں گے، (امام) جزری نے کہا میں نے التیسیر اور اس کے مطابق پورا قرآن مجید اول سے آخر تک اپنے

(۱۰) استاذ امام، صالح، عالم، قاضی المسلمین ابوالعباس احمد بن الشیخ الامام ابوعبداللہ الحسین بن سلیمان بن فزارۃ الحنفی سے دمشق میں پڑھا، انہوں نے بتایا کہ انہوں نے یہ کتاب اور اس کے مطابق قرآن کریم

(۱۱) اپنے والد سے پڑھا اور انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اس کے مطابق تلاوت قرآن

(۱۲) شیخ الامام ابومحمد القاسم بن احمد بن الموفق اللورقی سے پڑھا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کو اس کے مطابق قرآن پاک

(۱۳) شیخ الائمۃ المقرائین ابوالعباس احمد بن علی بن یحیٰ بن عون اللہ الحصار اور ابوعبداللہ محمد بن سعید اور ابی عبد اللہ محمد بن سعید بن محمد المرادی، اور ابی عبداللہ محمد بن ایوب بن محمد بن نوح الغافقی الاندلسیین سے پڑھا ان سب نے الگ الگ اپنے استاذ:

(۱۴) الشیخ الامام ابی الحسن علی محمد بن ہذیل البنی سے پڑھا اور انہوں نے اپنے استاذ

(۱۵) ابی داؤد سلیمان بن نجاح، انہوں نے اس کے مصنف سے پڑھا

(۱۶) الامام ابی عمرو الدانی۔

الجزری کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں یہی سند سب سے اعلیٰ ہے اور قراۃ، سماع اور تلاوت کے تسلسل کے لئے مخصوص ہے اور اس کے تمام رواۃ ماہر ائمہ ہیں الدانی اپنی کتاب التیسیر میں فرماتے ہیں کہ میں نے پورے قرآن کو حفص کی روایت کے مطابق اپنے استاذ

(۱۷) ابی الحسن علی بن محمد بن صالح الہاشمی الضریر المقری سے بصرۃ میں پڑھا، انہوں نے

(۱۸) ابی العباس احمد بن سہل الأشنانی، سے پڑھا، انہوں نے

(۱۹) ابی محمد عبید بن الصباح سے پڑھا، انہوں نے

(۲۰) حفص، سے پڑھا، انہوں نے

(۲۱) عاصم سے پڑھا،

الدانی کہتے ہیں کہ عاصم نے

(۲۲) ابی عبدالرحمٰن عبیدہ بن حبیب السلمی، وعن زر بن حبیش، امام عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے

(۲۴) عثمان بن عفان، وعلی بن ابی طالب، وابی بن کعب، وزید بن ثابت، وعبداللہ بن مسعود۔

اوران سب نے

(۲۵) رسول اللہ ﷺ سے،

زر نے عثمان بن عفان، وابن مسعود، کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا۔

خوشخبری

مجموعۂ

رسائل امام شاہ ولی اللہؒ

حصہ چہارم

مشتمل بر حجۃ اللہ البالغہ

مع ترجمہ اردو

باسم

نعمۃ اللہ السابغہ

مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کے زیر اہتمام

جلد ہی منظر عام پر آرہا ہے

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی اہم مطبوعات

ہء رسائل امام شاہ ولی اللہؒ (جلد اول)	مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی	325.00
ہء رسائل امام شاہ ولی اللہؒ (جلد دوم)	//	300.00
ہء رسائل امام شاہ ولی اللہؒ (جلد سوم)	//	300.00
ہء رسائل امام شاہ ولی اللہؒ (جلد چہارم)	//	زیر طبع
لی تاریخی مساجد (حصہ اول)	//	200.00
لی تاریخی مساجد (حصہ دوم)	//	100.00
ب و ہریانہ کی تاریخی مساجد	//	200.00
شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات	//	250.00
ح الصنادید (حصہ اول)	//	150.00
ح الصنادید (حصہ دوم)	//	100.00
نا عبدالماجد دریابادی، خدمات و آثار	//	200.00
ستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا حصہ	//	200.00
مندر اور اورنگ زیب کے فرامین (اردو)	//	20.00
مندر اور اورنگ زیب کے فرامین (ہندی)	//	20.00
ں خاطر (قلمی چہرے)	//	100.00
۱۸ء اور ہریانہ (ہریانہ کے مجاہدین آزادی کا تذکرہ)	//	250.00
ساجد التاریخیه بدهلی	//	500.00
رقوم ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی	//	300.00
ومن ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی	//	300.00
لی اللہ خصوصی نمبر (ماہنامہ براہین)	//	195.00
م الدہلوی خصوصی شمارہ (ماہنامہ براہین)	//	195.00
ترمیمی بل ۲۰۱۰ء منظر، پس منظر	//	زیر طبع
القرآن (ضمائر قرآن اور انکے مراجع)	ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی مرتبہ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی	300.00
باہ والنظائر فی القرآن الکریم (قرآن کے مرادف الفاظ اور امثال و نظائر)	//	350.00
ت اعیان الہند (امراء و سلاطین کی تاریخ ہائے وفات اور مختصر حالات)	//	300.00
ین خالدی (اسلامیات، قرآنیات اور دکنیات پر مشتمل مقالات)	//	300.00
ں تشبیہات و استعارات	//	150.00
ت (ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ)	مولانا جنید احمد بنارسی	100.00
یلہء ظفر	خورشید انوار عارفی	100.00

SHAH WALIULLAH INSTITUTE
Adjacent to Kaka Nagar Masjid, (Near NDMC Primary School),
Kaka Nagar, New Delhi-110003
Ph.: 9811740661, 9811615455, 26953430
E-mail: shahwaliullah_institute@yahoo.in, swiinstitute26gmail.com